ایک ہزار سالہ

سنہ ۴۰۹ ہجری لغایۃ سنہ ۱۳۸۰ ہجری

تاریخ خطۂ پاک بلگرام

مولفہ

قاضی شریف الحسن بلگرامی

ایڈیٹر مسلم یونیورسٹی گزٹ علی گڈھ

عکس سجل ابوالعالم بندگی قاضی عبدالدائم حاکم بلگرام

اصل سجل کی ۱۴ سطور چھوڑ کر عکس لیا گیا

(تفصیلات سجل بر صفحات ۱۳۷ الغایۃ ۱۴۵)

[illegible]

عبارت طغرا۔ اقر المقر بالبیع و قبض الثمن کتبہ ابو العالم بن محمود بن عبدالکافی بن یوسف بن شمس بن یوسف بن عاصم بن خالد بن داؤد عثمان الحاکم بلگرام۔

يمحوا الله ما يشاء ويثبت وعنده ام الكتاب

الحمد للہ کہ کتاب مستطاب متضمن بر تحقیق و تدقیق تاریخ بلگرام و تذکرہ عمائد و مشاہیر کرام و دیگر باشندگان بلگرام

۸۹۰۲

تنقیح الکلام فی

تاریخ خطۂ پاک بلگرام

مؤلفہ

جامع کمالات صوری و معنوی محمود الشعراء جناب منشی محمد محمود صاحب احمد عثمانی بلگرامی مرحوم

و

قاضی شریف الحسن بلگرامی

ایڈیٹر مسلم یونیورسٹی گزٹ علی گڑھ

فہرست مضامین

نوٹ:۔ تاریخ ہٰذا کی مکمل جلدیں مسلم یونیورسٹی کے ادبی شعبوں ہندوستان و پاکستان کے مشہور کتب خانوں خاص یونیورسٹیز کی لائبریریوں اور غیر ممالک کے ان مقاموں کو بھیجدی گئیں ہیں جن کا ذکر اس کتاب میں آیا ہے نیز وطن میں اور گرد و نواح کے قصبات و اضلاع میں بھی کتاب ہٰذا کی نامکمل کاپیاں تقسیم کر دی گئیں ہیں۔ (مؤلف)

اقتباس امواج الخیال

(نظم در تعریف بلگرام)

(از علامہ بے عدیل مولانا عبدالجلیل بلگرامی)

یہ نامور بلگرامی جو شہنشاہ اورنگ زیب کا درباری تھا مرتے دم تک اپنے وطن کو نہ بھولا۔ وطن کی اس مایۂ ناز ہستی نے دارالسلطنت دہلی پر اپنے وطن کی خاک پاک کو ترجیح دے کر بوقت نزع وصیت فرمائی کہ مرحوم کی لاش دہلی سے جس طرح بھی ہو سکے بلگرام لیجا کر سپرد خاک کی جائے اور ایسا ہی ہوا۔

آب و گل من کہ فیض عام است — از خطۂ پاک بلگرام است
سبحان اللہ چہ بلگرامے — کوثر مئے آفتاب جامے
خاکش گل نوبہار عشق است — آبش مئے بے خمار عشق است
از عشق سرشت ایزد پاک — از روز ازل خمیر ایں خاک
ہر گل کہ دمیدہ است زیں خاک — خونیں جگریست پیرہن چاک
نرگس نہ بود بہ صحن گلزار — منصور بر آمدہ است بر دار
گل با سنبل دراں خاک — آویختہ بسملے بہ فتراک
سنبل بہ چمن بود بصد ناز — زنگی بچۂ کمند انداز
از فیض ہوائے آں گلستاں — سرسبز شود نفس چو ریحاں
تابستانش کہ عیش بار است — چوں گرمی عشق سازگار است
گرمی آنجاست مایۂ زیست — گوئی کہ حرارت عزیزیست
سرما چو دراں مقام آید — عنقائے ہوا بدام آید
چوں موسم برشگال آید — حسنش بہ حد کمال آید
شاہنشہ یکہ تاز برسات — ساغر کش نشۂ مباہات
نقارہ نواز حشمت خویش — مشکیں علم سحاب در پیش
از برق نمودہ تیغ خونریز — واز ابر سیہ سپر دلآویز
ترکش ز نقاطر بہاریں — وز قوس قزح کمان رنگیں
تا روئے زمین بدست آرد — بر فوج خزاں شکست آرد
با ریدن ریزہ ریزہ باراں — کردہ ورق نشاط افشاں
ہر سو صنمے کرشمہ پرداز — از نوک نگہ جگر رفو ساز
تا پائے کشاں کمند کاکل — سرمست نگاہ پر تغافل
تا در تتق حیا نشستہ — حق از مژہ بر نگاہ بستہ

از سینہ شاں کہ خوش بہار است
پیشانی صبح داغدار است

کباڑ خانہ

بلگرامی بچّوں سے خطاب

تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را

گاہے گاہے باز خواں ایں دفترِ پارینہ را

تم کو عام بازاروں میں صدہا ایسی عالیشان دکانیں نظر آتی ہیں جو بہترین سازو سامان سے بھری، قرینے سے سجی اور میل کی خوبصورت چیزوں سے اٹی ہوا کرتی ہیں۔ وہ آنکھوں میں ایسی بھلی معلوم ہوتی ہیں کہ اگر تم کچھ بھی نہ خریدو پھر بھی دل چاہتا ہے گھنٹوں کھڑے دیکھا کرو۔

لیکن اسی دلکش بازار میں جب کبھی زمین پر پھیلی ہوئی کسی کباڑی کی خس پوش دکان میں ٹوٹی پھوٹی چیزوں کے ڈھیروں بے جوڑ کرکری خانوں ناکارہ پرزوں بیکار ڈھبریوں اور زنگ آلود کیلوں کے ملے جلے انباروں پر نظر پڑ جاتی ہے تو پھر سیر و تفریح کا سارا مزہ کرکرا اور بازاروں کی دلکشی رفوچکر ہو جاتی ہے۔ لیکن یاد رکھو کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو چیز بازار کی بڑی سے بڑی دکان میں، باوجود تلاش نہیں ملتی وہ کباڑ خانہ میں نظر آجایا کرتی ہے اور وقت ضرورت لاکھوں کا کام دے جاتی ہے

وطن کی بے پناہ محبت اور وہاں کے دلچسپ مشاغل جنھوں نے تمہاری طرح میری زندگی کو بھی ناکارہ بنایا اور سب کچھ کھو کر جب ذرا مجھے ہوش آیا تو ان سے منہ موڑا تم سے آنکھ بچا کر وطن کو چھوڑا اور عمر کا بقیہ حصہ جیتی جاگتی سرزمین کو فارغ البالی کے ساتھ آباد کیا تو بہت کا برا ہو تم اس منزل پر بھی میری آنکھوں کے سامنے ملے تھے تمہارے ہاتھوں میں اپنے بزرگوں کی ہزار سالہ درخشندہ تاریخ کے پارینہ اوراق دبے ہوئے تھے۔ اور تمہاری پیشانیوں پر ؎

اللہ اللہ چہ بلگرامے کوثرِ ئے آفتاب جامے

لکھا چمک رہا تھا تمہاری فطری ذہانتیں مجھ پر ہیبت طاری کر رہی تھیں۔ اور تمہاری روشن خیالی سے میری آنکھیں چکا چوند ہو رہی تھیں لیکن تمہاری وقتی معذوریوں، محرومیوں اور غربت کی ناکامیوں نے تمہارے چہروں پر والدین کی موجودگی میں جو یتیمی کے آثار نمایاں کر دئے تھے ان کو محسوس کر کے میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور بالآخر تم ہی میری بقیہ زندگی کا بھی ما حصل قرار پائے۔ اس لئے تمہارے ہی سدھ بچارنے میری زندگی کے وہ چند لمحات بھی مجھ سے چھین لئے جو غلامی کے طویل دور میں ایک تھکے ہارے انسان کو رات گئے یا پھر صبح تڑکے ذرا سکون کے نصیب ہوا کرتے ہیں۔

اسی والہانہ جذبہ نے خواہ وہ اچھا ہو یا برا۔ بہر حال مجھے مجبور کیا کہ ہم وطن کی قدیم وجدید تصنیفات و تالیفات کے قابل قدر ذخائر (جن میں تمہیں ہوش میں لانے بے وسیلہ ترقی کرنے اور دنیاوی مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کرنے والے

صبیح الکلام

تم جیسے لاتعداد بلگرامیوں کی انمول مثالیں موجود ہیں) کے مقابلہ میں اپنے وطن کی کچھ Self made مرحوم ہستیوں کے پرانے کارناموں پے جوڑا حوالوں اور منتشر قصوں کو نئے انداز سے یکجا کر کے تم میں ایک نئی روح پھونکنے کے لئے کباڑ خانہ کی شکل میں تمہارے سامنے ایک کتابچہ پیش کریں اور اس کی ہر ٹوٹی پھوٹی چیز کے پس منظر پر بیٹھ کر خود آنسو نہ بہائیں بلکہ اس دن کی امید پر جیتے رہیں کہ شاید کبھی وطن کی دبی ہوئی مردم خیز مٹی سے کوئی کجلائی ہوئی چنگاری نمودار ہو انہیں ذرات سے کوئی ستارہ ابھرے انھیں شکستہ ڈھیروں سے کوئی آفتاب نکلے انھیں کھنڈروں سے کوئی ماہتاب چمکے یا پھر اسی گرد و غبار سے کوئی بگولہ اٹھے جو اپنی طوفان خیزیوں کے لئے اس کتاب کے بے ربط اوراق میں سے کاش ایک ادنیٰ ٹوٹی ہوئی دیا سلائی کا کار آمد حصہ تلاش کر کے ہماری ساری محنت ٹھکانے لگا دے۔

بلاشبہ انسان کا ہر تخیل اس کی زندگی میں ہمیشہ پورا نہیں ہوا کرتا لیکن وہ ایک ایسا نقش راہ ضرور چھوڑ سکتا ہے جو ممکن ہے آئندہ نسلوں کی اس منزل کی طرف نشان دہی کر سکے جس کی تمنا وہ قبر میں ساتھ لے کر جاتا ہے۔

آج کی گھٹا ٹوپ تاریک فضا میں بیکاری بیروزگاری اور وطن کے شریف بچوں میں پریشاں حالی خوفناک حد تک بڑھ چکی ہے جس نے تم کو چہار طرف سے گھیر رکھا ہے لیکن یاد رکھو سونا آج بھی کمیاب ہے۔ اور بازار میں اس کی پہلے سے زیادہ قدر و قیمت اور مانگ ہے۔ میں مسلم یونیورسٹی کے حدود میں اپنی زندگی کے مسلسل ۳۵ سال دنیا کے ہونہار بچوں اور یونیورسٹی کے مشہور استادوں میں گذار کر وثوق کے ساتھ تم کو یقین دلا سکتا ہوں کہ باوجود گردش زمانہ تم ذہنی اعتبار سے سونے سے بھی بڑھ کر قابل قدر ہو لیکن افسوس فی زمانہ ان جواہرات کے مانند ہو جو زمین میں دبے پڑے ہیں اور دنیا کی نگاہوں سے اوجھل ہونے کی وجہ سے ادنیٰ پتھروں سے بھی زیادہ بیکار ہیں۔

تم وطن کی ٹوٹی پھوٹی سنسان چہار دیواریوں میں محصور پڑے ہو اور اپنی قدر و قیمت خود نہیں جانتے ہو مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ خودداری اور صبر و قناعت تمہارے قدم چومتی ہے۔ زمانہ سازی اور وقتی ناخداؤں کی جبہ سائی تم سے دور بھاگتی ہے پھر بھی تم جیسے ذہین و متین اس دور میں بھی علوم حاصل کر کے سب کچھ بن سکتے ہیں تمہارے لئے آج بھی بلند کرسیاں خالی ہیں اور تم جیسے تانہ بخشد خدائے بخشندہ والی خصوصیات رکھنے والے ڈھونڈھے نہیں مل رہے ہیں۔

یہ نہ کوئی بڑا بول ہے اور نہ کبر و غرور کی بات بلکہ واقعہ ہے جس کو سن کر ممکن ہے تم شرم سے جھک جاؤ کہ خاک پاک بلگرام کو ہمیشہ سے یہ فخر حاصل ہے کہ اس کی مٹی سے ہر دور اور ہر زمانہ میں وہ ذی علم اور نامور ہستیاں مسلسل پیدا ہوتی رہیں جس کی مثال ہندوستان کا کوئی پرانا قصبہ یا کوئی مشہور شہر اس تسلسل کے ساتھ آج تک پیش نہ کر سکا۔ اس گئے گزرے زمانہ میں بھی آج تمہارے ہی وطن کے زین یار جنگ ریاست گجرات کے گورنر ہیں سید نقی بلگرامی ابن عقیل یار جنگ بلگرامی جمہوریہ ہندوستان کے محکمہ اسٹیٹ کے کرتا دھرتا اور پچاسوں ذی علم مشہور لوگوں سکریٹریٹ کے اعلیٰ افسروں، کلکٹروں اور معزز عہدہ داروں کو چھوڑ کر

صحیح الکلام

بابو رادھا کشن اگروال بلگرامی یوپی پبلک سروس کمیشن کے چیرمین ہیں۔ جو سب کے سب محض اپنی ذاتی اہلیت و قابلیت سے عہدوں پر فائز ہوئے ہیں۔

بچو۔ اٹھو اور اپنی فطری خوبیوں کی بنیادوں پر نئی زندگی تعمیر کر کے اپنے وطن کو اسی منزل پہ پہنچا دو جو کبھی ہندوستان کا خطۂ یونان کہلاتا اور جس سے عرب و عجم فیض پاتا تھا۔

شاید تم سوچو کہ بغیر وسائل کیا ہو سکتا ہے۔ میں جل کر تم ہی سے پوچھتا ہوں کہ تمہارے اسلاف ہی آخر کیا وسائل رکھتے تھے جنہوں نے عجمی ہو کر اپنی قابلیت کا عربوں سے لوہا منوایا اور مصر و انگلینڈ پہنچ کر اپنے علم و فضل کا جھنڈا گاڑا۔ آج زندہ مثال تمہاری آنکھوں کے سامنے ہوشیار جنگ بہادر بلگرامی کی ہے جو محض درجہ چار تک اردو پڑھے تھے اور وسائل کا یہ عالم تھا کہ شمس العلماء سید علی بلگرامی مرحوم کی جیسا کہ موصوف نے خود لکھا ہے جلمیں بھرنے بلگرام سے حیدرآباد پہنچے تھے پھر انہوں نے محض اپنی ذاتی ذکاوت و ذہانت اور بلگرامیت سے وہاں وہ عروج پایا جو ان جیسا دسائل والا تاریخ حیدرآباد میں کوئی بھی کبھی حاصل نہ کر سکا۔

بچو۔ تم یقین کرو تمہارے لئے صرف عزم و استقلال شرط ہے۔ اگر تم نے وقت گذرنے سے پہلے اپنے کو پہچان لیا اور اپنی قدر و قیمت کو سمجھ لیا تو یاد رکھو پہاڑ اور سمندر تمہاری راہ ترقی میں حائل نہیں ہو سکتے۔ ہندوستان میں زعفران ہمیشہ اگر کشمیر کی زرخیز وادیوں میں پیدا ہو سکتا ہے تو لاریب تمہارے وطن کی مردم خیز مٹی سے ویسی ہی نامور ہستیاں آج بھی پیدا ہو سکتی ہیں جیسی صدہا برس تک ہر دور اور ہر زمانہ میں مسلسل پیدا ہوتی رہیں۔ اگر تم نے اس حقیقت کو سمجھ لیا اور گرہ باندھ لیا تو بلاشبہ کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔ اور تم اپنی خداداد ذہانت سے ایک دن اپنے وقت کے فخر بلگرام بن جاؤ گے اور خدا نے چاہا تو بن کر ہی رہوگے

غیرت ہو تو گر کر بھی سنبھلنا نہیں مشکل جرأت ہو تو نرغے سے نکلنا نہیں مشکل

ہو عزم تو آفات کا ٹلنا نہیں مشکل ہو آنچ تو پتھر کا پگھلنا نہیں مشکل

ہمت ہو تو حالت کا بدلنا نہیں مشکل

اس کتاب کے کچھ اوراق کہیں کہیں تم رنگ برنگ لکھائی اور چھپائی کے دیکھو گے۔ یہ وہ خامی ہے جس میں بڑی خوبی مضمر ہے۔ وہ اس لئے کہ ان خراب صفحات کی لکھائی کا کام قصبہ امروہہ کے ایک تم جیسے شریف و ضرورت مند لڑکے سے دانستہ لیا گیا جو فن کتابت سے مطلق ناواقف تھا وہ رات کو شہر میں رکشا چلا کر اپنے تعلیمی اصراف پورے کیا کرتا تھا۔ یہ بیچارہ رات بھر رکشا چلا کر بھی اپنے ایم اے کلاس کے امتحان کی فیس جمع نہ کر سکنے کی وجہ سے شامل امتحان نہیں ہو رہا تھا۔ ان اوراق کی خراب لکھائی کا معاوضہ اُسے امتحان میں بٹھا سکا۔ اور وہ امتیاز کے ساتھ ایم اے فرسٹ ڈویزن پاس کر کے آج پاکستان میں اعلیٰ عہدہ پر فائز ہے۔

لکھائی کی مشق نہ ہونے کی وجہ سے اس طالب علم سے یہ اوراق پورا معاوضہ دے کر دو بار لکھائے گئے اور جب پلیٹ پر چھپے تو غائب ہو گئے۔ تیسری بار صاحبزادہ کی لکھائی پر جیسی بھی چھپائی ہو سکی وہ مسرت کے ساتھ پیش کی جا رہی ہے۔

اس راز کو اگر تم۔ نے سمجھ لیا تو میں سمجھوں گا کہ میں نے سب کچھ پا لیا۔

تصحیح الکلام

آخر میں تمہاری بہن فاطمہ رضیہ بلگرامی سلمہا ایم اے کا معترف ہوں جس نے اس کتاب کے سارے پروف پڑھے اور کہیں کہیں میرے املے کی غلطیاں درست کیں۔

نوٹ:- کتاب ہذا کے صفحات ۱ لغایتہ ۲۱۵ مخدومی حمد مرحوم بلگرامی کی بہتر تالیف ہے۔ اور بقیہ تمام صفحات کی خامیوں خرابیوں اور غلطیوں کے لئے میں معذرت خواہ ہوں۔

قاضی شریف الحسن بلگرامی
عرف نہوں (مولف)

31-10-1960

نوٹ۔ مسلم یونیورسٹی کا سہ ماہی علمی و ادبی رسالہ "فکر و نظر" جو زیر ادارت ڈاکٹر یوسف حسین خان صاحب پرو وائس چانسلر شائع ہوتا ہے اس کی جلد نمبر ا شمارہ نمبر ۳ مطبوعہ جولائی سنہ ۱۹۶۰ء میں پروفیسر نذیر احمد صاحب چیرمین شعبہ فارسی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا ایک عالمانہ مضمون صفحہ ۲ پر بعنوان "محمود شاہ تغلق کے ایک فرمان کی بابت" شائع ہوا ہے۔ اس مضمون میں فاضل مضمون نگار نے قصبہ بلگرام کی قدامت کا ذکر کرتے ہوئے امیر المجاہدین قاضی محمد یوسف گازرونی فاتح بلگرام کے قدیم سجلات کا بھی اہمیت کے ساتھ تذکرہ کیا ہے اور اپنے نوٹ میں لکھا ہے کہ "فارسی خط کی قدیم ترین دستیاب کتاب "کتاب الابنیۃ" ہے جس کا ایک نسخہ سنہ ۴۴۷ ہجری کا ویانا میں موجود ہے۔"

اس نوٹ سے ثابت ہوتا ہے کہ امیر المجاہدین قاضی محمد یوسف گازرونی کا سجل مرقومہ ۵ رجمادی الاول سنہ ۴۲۳ ہجری جس کا ذکر مختلف عنوانات کے تحت اگلے صفحات میں اکثر آئے گا نہ صرف ہندوستان میں بلکہ ساری دنیا میں فارسی خط کی سب سے قدیم تحریر ہے جو اب تک قاضی شریف الحسن بلگرامی مؤلف کتاب ہذا کے پاس محفوظ و موجود ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

میں نے اس کتاب کی طباعت و تکملہ کے سلسلہ میں ۱۹۳۷ء لغایۃ ۱۹۵۵ء اپنے وطن کی جو حقیر خدمت انجام دی ہے اس کو سب سے پہلے ان بلگرامیوں کے نام نامی و اسماء گرامی سے معنون کرتا ہوں جنہوں نے مختلف ادوار میں نصب ناموں شجروں اور عام حالات کے تحت اب تک بلگرام کی ۵۴ جیم وضخیم تاریخیں دلچسپ انداز میں لکھ کر وطن کو مفتخر و ممتاز فرمایا۔

پھر ان باکمال مرحوم بلگرامیوں سے جو علم و فضل میں مشہور و معروف دور از وطن بلگرامیوں سے کسی طرح کم نہ تھے لیکن محض جاہ و حشم کی خاطر وطن کی مفارقت برداشت نہ کر سکے اور بالآخر وطن ہی میں نہایت عسرت کی ساری زندگی بسر کر کے پیوند وطن ہو گئے۔

ان کے بعد ان معزز پردیسی بلگرامیوں سے جو وطن سے دور رہنے کے باوجود وطن کے ٹوٹے کھنڈرات اپنے نامور بزرگوں کے مزارات محلے کی تاریک گلیوں اور بچپن کے محبوب لنگوٹیا یاروں کی یاد میں اپنے نام کے ساتھ فخریہ طور پر بلگرامی لکھ کر اپنے دلوں کو ٹھنڈا وطن کو مفتخر اور امید موہوم پر راہ تکنے والے اہلیانِ وطن کے ٹوٹے دلوں کا سہارا بنتے رہے اور جو آج بھی اپنے آباؤ اجداد کی طرح بنتے رہتے ہیں۔

آخر میں اپنی ماں کے قدموں سے اور اپنے حقیقی بڑے بھائی قاضی محمد اعظم علی عرف منو میاں بلگرامی مرحوم سابق جوڈیشل سکریٹری و ایڈوکیٹ بھوپال کی والہانہ تمناؤں سے معنون کرتا ہوں جو وطن کے حاجتمندوں کی اپنا پیٹ کاٹ کر مسلسل ۳۵ سال ماہانہ تنخواہوں کی شکل میں معتدبہ امداد بلا تفریق ذات و پات کرنے کے باوجود مرتے دم تک یہی سمجھتے اور اسی پر کف افسوس ملتے رہے کہ وہ ان کے نزدیک کچھ بھی پوری نہ ہو سکیں۔

شیدائے وطن

نہون بلگرامی   ۱۴ راگست ۱۹۵۵ء

اک خاکِ پائے نیک نامی ہوں میں   پروردۂ گلشن گرامی ہوں میں
اس معدنِ علم کا ہی جوہر مشہور   ہے شکر خدا کہ بلگرامی ہوں میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ ثانی

محترمی محمد صاحب بلگرامی مرحوم نے جیسا کہ دیباچہ اول سے ظاہر ہے تقریباً نصف صدی بلگرام کے قدیم سجلات و فرامین کی تلاش تاریخی حوالہ جات کی جستجو کتبوں اور لوحوں کی کھوج میں صرف کرکے اس کتاب کے ابتدائی اوراق میں فاتح بلگرام کے متعلق وہ مسالہ فراہم کردیا ہے جو مرحوم کے مقصد کو مندرجہ فہرست سجلات و فرامین کی عدم موجودگی میں بھی بہت کچھ پورا کرتا ہے۔ پھر بھی بال کی کھال نکالنے والی ذہنیتوں کے لئے تنقید و تبصرہ کی جو گنجائش باقی رہ گئی تھی وہ بھی اب بیس سال بعد اس ایڈیشن اول میں پوری ہو رہی ہے کہ ان تمام قدیم سجلات و فرامین متعلقہ قضاۃ بلگرام کو جو قدامت در فتح بلگرام کا بین ثبوت ہیں اور جنھیں انگریزوں کی دستبرد سے محفوظ رکھنے کے لئے قاضی محمد یوسف گازرونی حاکم بلگرام کے جانشینوں نے بڑی دور اندیشی سے اس دور میں مصلحتاً دبا رکھا تھا اب دنیا کے سامنے ملک کے آزاد ہونے پر برائے ملاحظہ عام پیش کیا جا رہا ہے۔

اس طرح وہ کام جو محمد مرحوم نے محض حوالہ جات وغیرہ سے پچاس سال کی چھان بین کے بعد پورا کرنا چاہا تھا اب ان اصل سجلات و فرامین شاہی کے منظر عام پر آجانے سے از خود مکمل ہو گیا ہے۔

ان موجودہ قدیم سجلات و فرامین شاہی کی ایک مصدقہ فہرست مع چند عکسی نقول کے اس ایڈیشن میں شامل کی جا رہی ہے۔ ان میں اول حاکم بلگرام قاضی محمد یوسف گازرونی کا تقریباً ایک ہزار سالہ پرانا اصل دستخطی سجل مرقومہ ۵ جمادی الاول ۶۴۳ھ بھی موجود ہے۔

یہ بات تمام اہلیان وطن کیلئے موجب مسرت ہونی چاہیئے کہ ہندوستان کے موجودہ نایاب اور قدیم ترین تمام مخطوطات میں اول حاکم بلگرام کا مذکورہ سجل بہ اعتبار قدامت کوہ نور کی حیثیت رکھتا ہے اور جس کا جواب آج ہندوستان کے کسی کتبخانہ عجائب خانہ حتیٰ کہ گورنمنٹ آف انڈیا کے شعبہ مخطوطات (نیشنل ارکیوز نیو دہلی) میں بھی بہ لحاظ قدامت موجود نہیں ہے۔
یہ ڈاکومنٹ تاریخی اعتبار سے بھی بڑا ہی اہم ہے جو شمالی ہندوستان میں سب سے پہلی اسلامی حکومت کے قیام کا پتہ دے کر تاریخ ہندوستان میں آج بھی ایک نئے باب کا اضافہ کرتا ہے اور ہندوستان کے چند معزز و مشہور موجودہ مورخین مثلاً پروفیسر محمد حبیب و مسٹر خلیق احمد نظامی ریڈر شعبہ تاریخ مسلم یونیورسٹی و پروفیسر رام کمار بنارس یونیورسٹی اور پروفیسر رے کلکتہ یونیورسٹی کے نزدیک شعبہ تاریخ میں تحقیقی کام کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔

ظاہر ہے اگر ان قدیم نوادرات کو انگریزی دور حکومت میں کسی تاریخ کے مصنف یا مولف کے سامنے برائے تحقیق کر رکھ دیا جاتا تو قدامت و فتح بلگرام کا ثبوت ہاتھ رہ جاتا اور یہ قدیم ڈاکومنٹس انگریزوں کے جبر و تشدد یا پھر فریب سے خاندان قضاۃ میں محفوظ رہنے کے بجائے آج لندن میوزیم کی زینت ہوتے۔

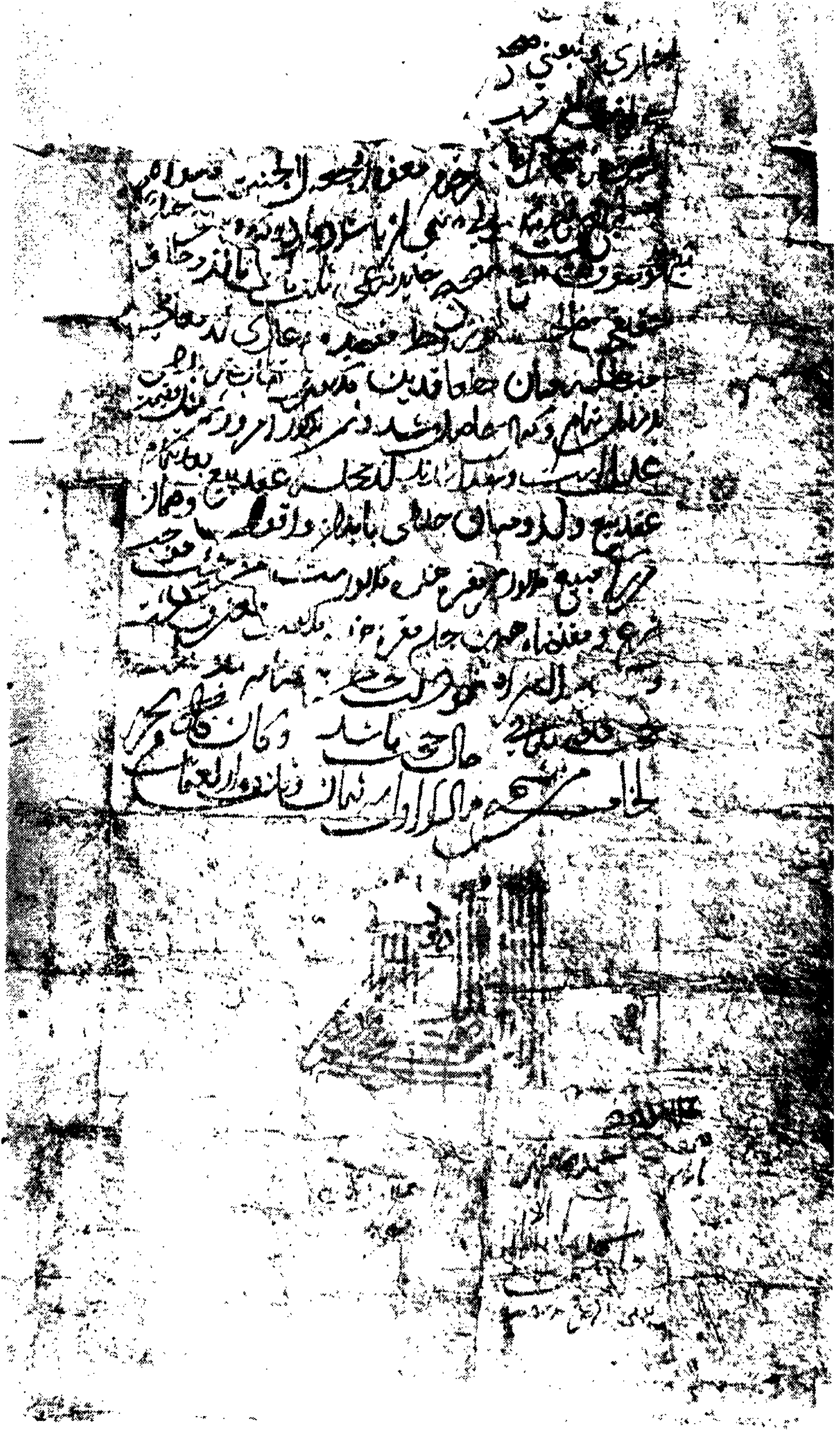
قدامت نہ کوئی بڑی خصوصیت ہے اور نہ فاتح ہونا فخر و مباہات کا ذریعہ البتہ یہ بات شرفاء بلگرام کے لئے موجب فخر ضرور ہے کہ ایک ہزار سال قبل کے حوالے میں ان کے آبا و اجداد نے قاضی محمد یوسف گازرونی حاکم بلگرام

امیرالمجاہدین قاضی محمد یوسف مکی المدنی الکازرونی
فاتح بلگرام در سنہ چار سو نو ہجری کی
اٹھارویں پشت میں

قاضی شریف الحسن عرف اچھن بلگرامی
ایڈیٹر مسلم یونیورسٹی گزٹ علیگڑھ

جس کے پاس اصل مخطوطات و فرامین مندرجہ کتاب ہذا
برائے ملاحظہ شائقین محفوظ و موجود ہیں

(المرقوم فروری ۱۹۵۷ء)



عکس سجل مرقومہ پانچ جمادی الاول سنہ چار سو اڑتیس ہجری
نوشتہ حضرت قاضی محمد یوسف مکی المدنی الکازرونی بن عاصم بن خالد بن داؤد
الحاکم سری نگر (فاتح قصبہ بلگرام)

کی معیت میں ایک چھوٹی سی حکومت حاصل کرکے اُسے لُوٹ مار سے حسب دستور قدیم غارت نہیں کیا بلکہ اس کو اپنا وطن بنایا اس کے قدیم باشندوں کو بھائیوں کی طرح اتحاد و اتفاق اور باہمی مساوات کے ساتھ رہنا سکھایا پھر رفتہ رفتہ ان کے خمیر میں علم و فضل ایسا کوٹ کوٹ کر بھرا کہ یہ ٹھیروں کا قدیم گمنام مسکن آج سے صدیوں پہلے ہندوستان کا خطۂ یونان کہلایا اور اب اپنی شہرت و عظمت کی وجہ سے ایشیا کے دیگر ممالک میں بھی کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔

خاندان قضاۃ کے قدیم اخلاق و آداب اور عام داد و دہش کا یہ فیضان ہے کہ ایک ہزار سال کے دور میں زمانے کے صدہا انقلابوں اور کروٹوں کے باوجود قاضی محمد یوسف گازرونی فاتح بلگرام کی اولاد آج بھی بفضلہ تعالے خاصی املاک اور کافی اعزاز کے ساتھ بلگرام میں خوشحال و آباد ہے۔ اور اپنے قدیم منصب قضا پر نسلاً بعد نسل شاہان و حکمران وقت کے فرامین کے تحت مسلسل ایک ہزار سال سے اب تک فائز چلی آرہی ہے۔

اصل قدیم سجلات و فرامین شاہی مندرجہ فہرست کے علاوہ اور بھی بہت سے قدیم فرامین۔ قبالجات بیعنامجات اور شاہان اودھ کے احکامات بنام قضاۃ بلگرام نیز ایک جلد قلمی تاریخ "شرائف عثمانی" مولفہ ثمین فرشوری بلگرامی جو اب شاید ہندوستان میں یہی ایک جلد باقی رہ گئی ہے قاضی محمد یوسف گازرونی فاتح بلگرام کی براہ راست اٹھارویں پشت میں جناب قاضی شریف الحسن صاحب عرف ننھوں میاں بلگرامی ایڈیٹر مسلم یونیورسٹی گزٹ علی گڑھ کے پاس تاتحریر ہذا بفضلہ تعالیٰ محفوظ و موجود ہیں۔

دانش گاہ علی گڑھ میں تشریف لانیوالے ذی علم حضرات اور مبصرین مخطوطات کو جب ان کا پتہ چلتا ہے تو وہ اکثر قاضی صاحب موصوف کے پاس انھیں بڑے شوق سے دیکھنے آتے ہیں چنانچہ فروری ۱۹۵۸ء میں المتوکل علی اللہ ہز میجسٹی محمد ظاہر شاہ بادشاہ افغانستان نے جب علی گڑھ میں نزول اجلال فرمایا تو مسلم یونیورسٹی لائبریری میں ان مخطوطات کو کافی اہتمام و انتظام کے ساتھ ممدوح کی خدمت میں بغرض ملاحظہ پیش کیا گیا۔

اعلیحضرت نے ہز ہولی نس سردار سیدنا ملا طاہر سیف الدین صاحب چانسلر نمائندگان حکومت۔ یو پی و گورنمنٹ آف انڈیا نیز معزز کارکنان و افسران یونیورسٹی کے ہمراہ تشریف لاکر تمام سجلات و فرامین مندرجہ فہرست کتاب ہذا کو نہایت شوق و ذوق سے دیر تک ملاحظہ فرمایا۔ ہز مجسٹی نے شہنشاہ محمود غزنوی کے جانشین کی حیثیت سے نیز قاضی محمد یوسف گازرونی اور شہنشاہ محمود کے باہمی تعلق سے قاضی صاحب موصوف کے دستخطی سجل مرقومہ سنہ ۶۱۳ ہجری کو احتراماً کھڑے ہو کر نہایت غور سے دیکھا اور ارشاد فرمایا:۔

"ان مخطوطات کی قدر کیجئے اور بڑی حفاظت سے رکھئے"

حاضر الوقت قاضی شریف الحسن صاحب بلگرامی مالک مخطوطات نے ایک فرینڈ سپاسنامہ بھی جو شامل کتاب ہذا کر دیا گیا ہے ہز مجسٹی کی خدمت عالی میں معہ دو جلد تاریخ تنقیح الکلام کے پیش کیا جس کو ممدوح نے بخوشی قبول فرمایا۔

برادر محترم شریف الحسن صاحب بلگرامی نے اس ایڈیشن میں اپنے وطن کے دیگر عام حالات شامل کرکے ابنائے وطن کیلئے اس تاریخ کو بہت زیادہ مفید اور دلچسپ بنا دیا ہے جس کے لئے آپ شکریہ اور دعائے خیر کے بجا طور پر مستحق ہیں۔

احقر العباد

مظہر الدین احمد فرشوری بلگرامی فاضل جامع ازہر مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

۲۴ ستمبر ۱۹۵۸ء

سید مرتضیٰ حسین رضوی بلگرامی ابن سید ابو محمد صاحب رضوی بلگرامی

میں بچشم خود دیکھ کر تصدیق کرتا ہوں کہ مندرجہ ذیل اصل فرامین شاہی و اصل قدیم سجلات و قبالجات متعلقہ قضاۃ بلگرام قاضی شریف الحسن صاحب بلگرامی ایڈیٹر مسلم یونیورسٹی گزٹ علی گڑھ کے پاس تا تحریر ہذا محفوظ و موجود ہیں۔

قدیم سجلات و قبالہ جات

(۱) اصل سجل امیر المجاہدین قاضی محمد یوسف مکی المدنی الگازرونی جد اعلائے شیوخ عثمانی بلگرامی حاکم سری نگر مرقومہ پانچ جمادی الاول چار سو اڑتیس ہجری مطابق ۱۰۴۶ء عیسوی کا لکھا ہوا جس کے نیچے قاضی محمد یوسف مذکور کے دستخط کا طغرا موجود ہے۔ متذکرہ کتاب ہذا در صفحات ۲، ۴، ۷، ۸، ۱۰۴

(۲) اصل سجل کہنہ ابو القاسم قاضی شمس الدین بن قاضی محمد یوسف گازرونی حاکم بلگرام مرقومہ ذیقعدہ ۵۹۰ھ ہجری صفحہ ۱۱۰

(۳) اصل سجل قاضی عبد الکافی بن یوسف ثانی بن شمس بن یوسف بن عاصم حاکم لقصبۂ بلگرام مرقومہ ۲۹ جمادی الآخر ۸۲۳ھ ہجری آٹھ سو تیئیس ہجری مطابق ۱۴۲۰ء عیسوی معہ طغرا دستخط قاضی مذکور متذکرہ کتاب ہذا صفحہ ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۴۴

(۴) نقل سجل قاضی محمود الشہداء حاکم قصبہ بلگرام بن قاضی عبد الکافی مرقومہ ذی الحجہ ۸۷۶ھ ہجری آٹھ سو چھتر ہجری متذکرہ کتاب ہذا صفحہ ۱۳۵۔

(۵) اصل سجل ابو العالم بندگی قاضی عبد الدائم حاکم بلگرام بن محمود بن عبد الکافی مرقومہ ۲ر صفر ۹۰۴ھ ہجری نوسو چار ہجری متذکرہ کتاب ہذا صفحہ ۱۴۲۔

(۶) اصل سجل ابو الفتح قاضی کمال الحاکم بن ابو العالم بن محمود مرقومہ ۱۱ر ربیع الاول ۹۵۹ھ ہجری نوسو انسٹھ ہجری مطابق ایک ہزار پانچ سو اکاون عیسوی۔

(۷) اصل سجل ابو المکارم قاضی محمد سعید عرف قاضی بھکھاری الحاکم بن ابو الفتح بن ابو العالم مرقومہ شوال ۹۸۱ھ ہجری نوسو اکیاسی ہجری۔

(۸) اصل سجل ابو العادل قاضی محمد یوسف ثالث الحاکم بن ابو المکارم بن ابو الفتح مرقومہ شوال ۱۰۵۶ھ ہجری ایکہزار چھپن ہجری

(۹) ایک قطعہ بیعنامہ مہری قاضی محمد احسان اللہ بن قاضی ناصر بن قاضی محمد فضیل بن قاضی محمد یوسف ثالث الحاکم مرقومہ ربیع الثانی ۱۰۹۰ھ ہجری ایکہزار نوے ہجری۔

(۱۰) اصل سجل فضیلت مآب قاضی احمد اللہ الحاکم بن قاضی محمد احسان مرقومہ ۱۲ر جمادی الثانی ۱۱۷۲ھ ہجری ایکہزار ایک سو بہتر ہجری

(۱۱) اصل صداقت نامہ مصدقہ شرفاء بلگرام بحق فضیلت مآب قاضی احمد اللہ مشعر اس امر کے کہ از ابتدائے آبادی شہر عہدۂ قضا کا تعلق آپ کے خاندان سے مسلسل چلا آرہا ہے مرقومہ ۱۹ر صفر المظفر ۱۱۹۰ھ ہجری ایکہزار ایکسو نوے ہجری۔

(۱۲) ایک قطعہ رہن نامہ بحق مکتا پرشاد کھتری مرقومہ ۵ر ربیع الاول ۱۲۳۲ھ ہجری جس پر قاضی علی احمد بن قاضی احمد اللہ کی مہر ثبت ہے

(۱۳) ایک قطعہ بیعنامہ حافظ محمد یوسف ساکن بلگرام مرقومہ ۲۷ر شہر شوال المکرم ۱۲۳۳ھ ہجری جس پر خادم شرع شریف قاضی طہ الدین

جلالۃ الملک اعلیٰ حضرت بادشاہ افغانستان کی قدردانی



ہز میجسٹی کے دائیں قاضی شریف الحسن بلگرامی کھڑے ہیں اور آپ کے بعد یونیورسٹی مخطوطات کے انچارج سجل مرقومہ سنہ ۱۴۳ ہجری بادشاہ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔



ہز میجسٹی شاہ افغانستان بلگرامی قدیم مخطوطات و فرامین شاہی کا ملاحظہ فرما رہے ہیں - آپ کے دائیں ہز ہولی نس سیدنا طاہر سیف الدین صاحب چانسلر مخطوطات دیکھ رہے ہیں



ہز میجسٹی سجل مرقومہ ۴۳۸ ہجری دستخطی قلمی محمد یوسف فاتح بلگرام کو احتراماً کھڑے ہو کر ملاحظہ فرما رہے ہیں

محمد بن قاضی علی احمد کی مہر ثبت ہے۔

(۱۴) ایک قطعہ بیعنامہ قدیم بابتہ مواضعات کھندریا وپوسینڈہ وغیرہ مرقومہ ۱۵ رجمادی الاول ۹ ہجری پر جا بجا مذکور کے سہ بار انتقال پر قاضی شریف احمد بن قاضی مجدالدین محمد کی مہر ۱۲۷۱ ہجری ثبت ہے۔

(۱۵) اصل صداقت نامہ "صورت حال" مصدقہ شرفاء بلگرام مشعر اس امر کے کہ عہدہ قضاء قصبہ بلگرام از عہد سلطان محمود غزنوی خاندان خادم الشرع قاضی شریف احمد بن قاضی مجدالدین محمد بن قاضی علی احمد بن قاضی احمداللہ یہاں نسلاً بعد نسل منتقل ہوتا چلا آرہا ہے۔ مرقومہ یکم مارچ ۱۸۵۸ء عیسوی متذکرہ کتاب ہذا صفحات ۸۳ تا ۸۷۔

(۱۶) اصل حکم صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر ہردوئی بنام شرافت پناہ نجابت دستگاہ قاضی شریف احمد بنا بر تقرر بہ عہدۂ رجسٹرار بلگرام مرقومہ ۲۲ر اکتوبر ۱۸۵۹ء متذکرہ کتاب ہذا

(۱۷) اصل حکم جوڈیشنل کمشنر بہادر بنام شرافت پناہ قاضی شریف احمد رجسٹرار پرگنہ بلگرام مرقومہ ۲۵ر مارچ ۱۸۶۲ء متذکرہ کتاب ہذا

(۱۸) ایک قطعہ صورت حال جس پر قاضی قطب حیدر بن قاضی مجدالدین محمد کی مہر معہ ۱۲۶۰ ہجری ثبت ہے۔

(۱۹) اصل حکم انسپکٹر جنرل آف رجسٹریشن ممالک مغربی وشمالی واودھ بنام قاضی مصطفےٰ علی بن قاضی شریف احمد بنا بر تقرر عہدۂ رجسٹرار مرقومہ ۱۹ر اکتوبر ۱۸۷۰ء عیسوی۔

(۲۰) نقل پروانہ عہدۂ قضا منجانب نواب لفٹننٹ گورنر بنام قاضی مصطفےٰ علی بن قاضی شریف احمد مرقومہ ۲۶ر ماہ ستمبر ۱۹۰۳ء عیسوی۔

(۲۱) پروانہ لفٹننٹ گورنر یو۔پی مورخہ ۲۸ر فروری ۱۹۱۲ء بنام قاضی محمد یوسف علی بن قاضی مصطفےٰ علی بن قاضی شریف احمد مشعر اس امر کے کہ آپ کو قصبہ بلگرام کا قاضی مقرر کیا گیا۔

(۲۲) تاریخ موسومہ "شرائف عثمانی" مؤلفہ مولانا غلام حسن صدیقی فرشوری بلگرامی ۱۱۵۹ ہجری مطابق ۱۷۴۶ء

(۲۳) اصل وصیت نامہ نوشتہ مسماۃ ندرت فاطمہ زوجہ قاضی شریف احمد مورخہ ۲۰ر مئی ۱۸۸۲ء مطابق دہم شہر رجب المرجب ۱۲۹۹ ہجری۔

(۲۴) اصل وصیت نامہ نوشتہ قاضی محمد مصطفےٰ علی بن قاضی شریف احمد مصدقہ ۲۱ر دسمبر ۱۸۹۳ء مطابق ۱۲ر ربیع الاول ۱۳۱۱ ہجری

(۲۵) اصل ہبہ نامہ نوشتہ قاضی محمد مصطفےٰ علی بحق مسماۃ منظور فاطمہ زوجہ خود مصدقہ ۲۵ر مئی ۱۸۹۶ء

(۲۶) نقل بیعنامہ نوشتہ قاضی محمد مصطفےٰ علی بحق سید وصی حیدر تعلقدار مصدقہ ۲۶ر اکتوبر ۱۹۰۰ء جس کے ذریعہ باستثناء اراضیات جامع مسجد و خانہائے رعایا و لوٹ اراضی نمبری ۸۷، موسومہ قلعہ راجہ سری (اوپر کوٹ) کا محض بالائی حصہ خاندان قضاۃ بلگرام کی ملکیت سے منتقل ہوا۔

(۲۷) اصل وقف نامہ بحق لسان نوشتہ مسماۃ منظور فاطمہ زوجہ قاضی محمد مصطفےٰ علی مصدقہ یکم اپریل ۱۹۲۰ء جس میں ان تاریخی مقامات کی تفصیلات موجود ہیں جو خاندان قضاۃ بلگرام کی ہنوز زیر ملکیت ہیں۔

(۲۸) نقل وقف نامہ منجملہ اراضی نمبری ۸۷، واقع متصل جامع مسجد اوپر کوٹ جانب شمال نوشتہ قاضی شریف الحسن بلگرامی بحق جامع مسجد بلگرام مذکور مصدقہ ۳۱ر جولائی ۱۹۵۸ء۔

فرامین شاہی

(۱) فرمان محمد جلال الدین اکبر بادشاہ غازی بنام قاضی کمال پرگنہ بلگرام مرقومہ جمادی الاول ۹۷۱ھ نوسو اکہتر ہجری مندرجہ صفحہ ۱۵۵۔ (۲) فرمان محمد جلال الدین اکبر بادشاہ غازی بنام قاضی کمال پرگنہ بلگرام مرقومہ ربیع الثانی ۹۷۸ھ نوسو اٹھتر ہجری مندرجہ صفحہ ۱۶۰۔ (۳) نقل فرمان محمد جلال الدین اکبر بادشاہ غازی بنام قاضی کمال پرگنہ بلگرام مرقومہ شعبان المعظم ۹۷۹ھ نوسو اناسی ہجری یہ اصل فرمان مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبہ مخطوطات میں محفوظ ہے۔ مندرجہ صفحہ ۱۶۰ - (۴) نقل فرمان محمد جلال الدین اکبر بادشاہ غازی بنام قاضی کمال پرگنہ بلگرام مرقومہ دوم شہر شوال سنہ الف احکہ مندرجہ صفحہ ۱۵۷ (۵) نقل فرمان عالیشان جہانگیر بادشاہ بنام قاضی محمد سعید عرف قاضی بھکاری پرگنہ بلگرام مرقومہ ۷ ماہ آبان الٰہی ۱۰۲۵ھ ہجری مندرجہ صفحہ ۱۲۷۔ (۶) نقل فرمان شاہجہاں بنام قاضی عبد الرسول و قاضی محمد منعم پرگنہ بلگرام مرقومہ بست ہفتم ربیع الثانی ۱۰۶۳ھ ایکہزار ترسٹھ ہجری مطابق ۲۶ سنہ جلوس، یہ اصل فرمان مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبہ مخطوطات میں محفوظ ہے۔ (۷) فرمان محمد شاہ بادشاہ غازی بنام فضیلت مآب قاضی محمد یوسف ثالث پرگنہ بلگرام مرقومہ ۴ سنہ جلوس۔ (۸) الف فرمان شاہی بنام شریعت و فضیلت مآب قاضی محمد یوسف ثالث متعلقہ موضع مھورا مرقومہ یازدہم شہر شعبان المعظم ۷ سنہ جلوس ہمایونی موافق ۱۰۷۵ھ (۹) فرمان محمد فرخ سیر بادشاہ غازی در مدد معاش شیخ ہدایت اللہ مرقومہ صفر المظفر ۵ سنہ جلوس۔ (۱۰) فرمان شاہی بنام شریعت و فضیلت پناہ قاضی محمد احسان اللہ بہ سلسلہ عطاء مواضعات کوندھی و مھورا و بلند رپور مرقومہ ۱۱ سنہ جلوس (۱۱) فرمان شاہی بنام شریعت مآب قاضی احمد اللہ متعلقہ تقرر منصب قضائے پرگنہ بلگرام مرقومہ ۳۰ سنہ جلوس (۱۲) الف از طرف وزیر الممالک صدر الصدور بنام شریعت و فضیلت پناہ قاضی احمد اللہ مرقومہ ۱۶ رجب المرجب ۱۱۹۱ھ ہجری (۱۲ب) فرمان وزیر الممالک مدار المہام شجاع الدولہ بنام شریعت و فضیلت پناہ قاضی احمد اللہ مرقومہ چہارم شہر صفر ۱۱۹۲ھ ہجری۔ (۱۳) مصدقہ نقولات فرامین شاہان بابر۔ ہمایوں اور جہانگیر مندرجہ صفحات ۱۴۴ و ۱۶۷

(دستخط تصدیق کنندگان سجلات و فرامین مذکور)

(۱) پروفیسر محمد حبیب چیرمین شعبہ تاریخ مسلم یونیورسٹی (۲) پروفیسر حبیب الرحمٰن پرنسپل ٹریننگ کالج مسلم یونیورسٹی (۳) پروفیسر ایم۔ ایل رووائے چودہری شعبہ اسلامک ہسٹری کلکتہ یونیورسٹی (۴) پروفیسر رام کمار چوبے سکریٹری انڈین کلچر ایسوسی ایشن بنارس ہندو یونیورسٹی (۵) خلیق احمد نظامی، ریڈر شعبہ تاریخ مسلم یونیورسٹی (۶) ضیا احمد بدایونی چیرمین شعبہ فارسی مسلم یونیورسٹی (۷) امتیاز علی عرشی ناظم رضا لائبریری رام پور (۸) ڈاکٹر غلام سرور پی، ایچ۔ ڈی (۹) محمد احمد سعید خاں نواب چھتاری پرو چانسلر مسلم یونیورسٹی (۱۰) محمد زبیر اسسٹنٹ لائبریرین مسلم یونیورسٹی (۱۱) مسعود علی ذوقی ہیڈ ماسٹر اسکول مسلم یونیورسٹی (۱۲) عبید الرحمٰن خاں شروانی آنریری ٹریژرر مسلم یونیورسٹی (۱۳) عظمت الٰہی رجسٹرار مسلم یونیورسٹی (۱۴) سید محمد حسن مارہروی ثم البلگرامی اسسٹنٹ رجسٹرار مسلم یونیورسٹی (۱۵) سید بشیر الدین لائبریرین مسلم یونیورسٹی لائبریری (۱۶) چرن سنگھ ریونیو منسٹر اترپردیش (۱۷) سید سبط الحسن الفاضل انچارج مخطوطات (۱۸) مظہر الدین صدیقی فرشوری بلگرامی (۱۹) سید مرتضیٰ حسین زیدی بلگرامی (۲۰) سید خورشید حسین بلگرامی (۲۱) پیرزادہ سجاد حسین بلگرامی (۲۲) سری نرائن کپور چیرمین میونسپل بورڈ بلگرام (۲۳) ہریش چندر اگروال وکیل بلگرام۔

جلالة الملک والدین افتخار مومنین

اعلی حضرت جناب المتوکل علی الله محمد ظاهر شاه صاحب

ملیک مقتدر افغانستان خلد الله ملکه و سلطنته

اعلیحضرت همایونی !

درین تاریخ هزار سالهٔ کشور ما این فرصت بسیار مهم ، موجب مباهات و مایهٔ افتخار است که بوساطت این دانشگاه ملی ما در حضور ملیک مقتدر از آن نوادر مخطوطات و فرامین ملوکانه تاریخ هند که بیکی از نیاکان ما موسوم به قاضی محمد یوسف که در سنه ۴۰۹ هجری دارای افتخار رکاب مناعت انتساب بادشاه فقیدیمین الدوله سلطان محمود غزنوی رح بوده ، اعطاء شده بودند تقدیم کنیم-

بصد احترامات بعرض خدمت ملوکانه میرساند که از اجداد ما قاضی محمد یوسف مرحوم چون به منصب جلیلهٔ عامل خطهٔ بلگرام فائز شد، معه همراهیان در عوض تمتع ذاتی و حصول اغراض سلوک بر طریق مواسات و مواخات نموده آن خطه را گهوارهٔ علوم و فنون گردانیدند و با لمتیجه آن نفسانی، قصبهٔ محقر در ظرف چندسال فی المثل یونان هند شد و اخلافش هم ازین طریق رهنمونی اعراض نه نموده علم علوم مشرقیه را افراشته و بالاخره آن خطهٔ جانفزا در کشور ما بمقام بلند حائز شد و ازین رو در تاریخ هند- هیچ دور از اسماء افاضل و اماثل که در قصبهٔ بلگرام زیسته اند، عاری نیست-

درین نزدیکی دولت جمهوری هند برای دایر کردن یاد گاری یکی از شاعران زبان هندی سید غلام نبی المتخلص به رسلین بلگرامی که مولدش بلگرام بوده و تصنیفاتش سبب تنویر فکر گردیده ، زر خطیر تصویب نموده اند -

نظر به ارادت دیرینه ، احترامات فائقه و روابط فرهنگی بین دو کشور های هند و افغانستان ، سجلی که بقلم قاضی محمد یوسف فاتح بلگرام ثبت شده است و هم سجلات دیگر و فرامین ملوکانه که در اعصار مختلفه از جانب سلاطین هند به قاضی موصوف و این خانوادهٔ نجیب اعطاء شده ، به شرف نظر اقدس ملوکانه رساند - این سجل اول الذکر از حیث قدامت ، و ارزش و مقام ارجمندش در مخطوطات عظیم المرتبت هند گوئی جوهریست همچون کوه نور، زیرا که در هیچ کتابخانهٔ هند حتی در دخائر اسناد و اوراق ملی هند در دهلی نو اینقدر قدیم و گران ارز مدرک و سند پیدا نمی شود -

ما بکمال ادب سپاس گزار دولت جمهوریهٔ ما هستیم که بواسطه اش افتخار دیدار اعلیحضرت ملوکانه اندوختیم و امتیاز اهداء نسخه های تاریخ بلگرام بدست آوردیم -
گر قبول افتد زهی عز و شرف :

زر در کف تو بخاک ماند لیکن ✱ گر دست بخاک بر نهی زر گردد

العارض

قاضی شریف الحسن بلگرامی

ایدیتر مسلم یونیورسٹی گزٹ علیگڈه

۲۷ رجب المرجب سنه ۱۳۷۷ هجری

جلالة الملک والدین افتخار مومنین

اعلیٰحضرت جناب المتوکل علی الله محمد ظاهر شاه صاحب

ملیک مقتدر افغانستان خلد الله ملکه و سلطنته

اعلیحضرت همایونی !

درین تاریخ هزار سالهٔ کشور ما این فرصت بسیار مهم، موجب مباهات و مایهٔ افتخار است که بوساطت این دانشگاه ملی ما در حضور ملیک مقتدر از آن نوادر مخطوطات و فرامین ملوکانه تاریخ هند که بیکی از نیاکان ما موسوم به قاضی محمد یوسف که در سنه ۴۰۹ هجری دارای افتخار رکاب مناعت انتساب بادشاه فقید یمین الدوله سلطان محمود غزنوی رح بوده، اعطاء شده بودند تقدیم کنیم-

بعد احترامات بعرض خدمت ملوکانه میرساند که از اجداد ما قاضی محمد یوسف مرحوم چون به منصب جلیلهٔ عامل خطهٔ بلگرام فائز شد، معه همراهیان در عوض تمتع ذاتی و حصول اغراض نفسانی، سلوک بر طریق مواسات و مواخات نموده آن خطه را گهوارهٔ علوم و فنون گردانیدند و با لنتیجه آن قصبهٔ محقر در ظرف چندسال فی المثل یونان هند شد و اخلافش هم ازین طریق رهنمونی اعراض نه نموده علم علوم مشرقیه را افراشته و بالاخره آن خطهٔ جانفزا در کشور ما بمقام بلند حائز شد و ازین رو در تاریخ هند- هیچ دور از اسماء افاضل و اماثل که در قصبهٔ بلگرام زیسته اند، عاری نیست-

درین نزدیکی دولت جمهوری هند برای دایر کردن یاد گاری یکی از شاعران زبان هندی سید غلام نبی المتخلص به رسلین بلگرامی که مولدش بلگرام بوده و تصنیفاتش سبب تنویر فکر گردیده، زر خطیر تصویب نموده اند -

نظر به ارادت دیرینه، احترامات فائقه و روابط فرهنگی بین دو کشور های هند و افغانستان، سجلی که بقلم قاضی محمد یوسف فاتح بلگرام ثبت شده است و هم سجلات دیگر و فرامین ملوکانه که در اعصار مختلفه از جانب سلاطین هند به قاضی موصوف و این خانوادهٔ نجیب اعطاء شده، به شرف نظر اقدس ملوکانه رساند - این سجل اول الذکر از حیث قدامت، و ارزش و مقام ارجمندش در مخطوطات عظیم المرتبت هند گوئی جوهریست همچون کوه نور، زیرا که در هیچ کتابخانهٔ هند حتی در ذخائر اسناد و اوراق های هند در دهلی نو اینقدر قدیم و گران ارز مدرک و سند پیدا نمی شود-

ما بکمال ادب سپاس گزار دولت جمهوریهٔ ما هستیم که بواسطه اش افتخار دیدار اعلیحضرت ملوکانه اندوختیم و امتیاز اهداء نسخه های تاریخ بلگرام بدست آوردیم- گر قبول افتد زهے عز و شرف :

زر در کف تو بخاک ماند لیکن * گر دست بخاک بر نهی زر گردد

العارض

قاضی شریف الحسن بلگرامی

ایدیتر مسلم یونیورستی گزت علیگده

۲۷ رجب المرجب سنه ۱۳۷۷ هجری

۵۸۶

منشی محمد محمود حمد عثمانی بلگرامی

آپ شیخ عثمانی تھے۔ وطن بلگرام محلہ قاضی پورہ۔ آپ کے خاندان میں اچھے بزرگ اور نامور ہستیاں گذری ہیں۔ منشی محمد مسعود شیخ امام الدین نبیرہ شیخ نظام صابر کے بیٹے تھے جو ۱۱۸۲ھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ فارغ التحصیل ہوکر آپ نواب سعادت علی خاں حاکم اودھ کے زمانہ میں نواب نصیر الدولہ بہادر کے نائب مقرر ہوئے۔ پھر غازی الدین حیدر کے زمانہ میں نواب معتمد ولہ کے نائب رہے۔ آپ کو کارگذاری کے سلسلہ میں امیر الامراء سید الملک وخان بہادر کے خطابات عطا ہوئے۔ انگریزوں کے ابتدائی عہد حکومت میں آپ کا بڑا وقار تھا۔ ۱۷ رجادی الاول ۱۲۳۹ھ ہجری کو آپ نے کوٹھی نور بخش لکھنؤ میں انتقال کیا۔

آپ کے بیٹے منشی ظہیر الدین ۱۲۱۰ھ ہجری میں بمقام بلگرام پیدا ہوئے اور اپنی خداداد قابلیت و شہرت سے دبیر الانشا کا خطاب پایا۔ آپ کو واجد علی بادشاہ کے ہم مکتب ہونے کا فخر حاصل تھا۔ آپ عہد سلطنت نواب غازی الدین حیدر ۱۲۳۳ھ ہجری تا ۱۲۷۲ھ ہجری عہد واجد علی شاہ تک پانچ فرمانرواؤں کے زمانہ میں اعلیٰ عہدوں پر ممتاز رہے آپ بڑے کثیر التصانیف تھے۔ کم وبیش ۴۰ کتب مختلف مضامین پر لکھیں۔ ان خدمات کے صلے میں آپ کو ابوظفر بہادر شاہ بادشاہ کے دربار سے رفیق الدولہ کا خطاب عطا ہوا۔ آخری وقت میں آپ کیننگ کالج لکھنؤ میں فارسی کے مدرس اول رہے۔ ۱۲۹۲ھ ہجری میں آپ نے لکھنؤ میں انتقال کیا۔

آپ کے فرزند منشی محمد محمود حمد عثمانی بلگرامی لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ پانچ سال کی عمر میں مولانا شاہ عبدالرزاق صاحب نے بسم اللہ کہلائی۔ کم سنی میں آپ کے والد نے انتقال کیا۔ سید غلام حسنین قدر بلگرامی آپ کے استاد مقرر ہوئے انہوں نے نہایت شفقت سے آپ کو تعلیم دی۔ شعر وسخن میں آپ پہلے شیخ امداد علی بحر کے شاگرد ہوئے اپ کے بعد قدر بلگرامی سے اصلاح لیتے رہے جن کو حمد صاحب کی شاگردی پر فخر تھا۔ آپ ۱۳۰۰ھ ہجری میں معہ اہل وعیال بلگرام تشریف لائے اور جوبلی اسکول بلگرام میں فارسی کے افسر مدرس مقرر ہوئے جس کے اختتام پر اردو ورناکیولر اسکول بلگرام کے عرصہ دراز تک انچارج رہے۔ ۱۳۰۹ھ ہجری میں آپ مولانا فضل رحمٰن شاہ صاحب علیہ رحمت کے مرید ہوئے۔ ۱۹۱۱ء میں بہ تقریب دربار دہلی قیصر باغ کی بارہ دری میں آپ کو صاحب کمشنر نے تمغہ طلائی عطا کیا۔ اور ۱۹۱۳ء میں نمائش ہردوئی میں سب سے بہتر کلام پیش کرنے کے سلسلہ میں طلائی تمغہ ملا۔

آپ صاحب دیوان تھے جس کا نام ارمغان جدید ہے۔ جو بشیر المطابع بلگرام میں چھپ چکا ہے۔ شعر وسخن میں آپ اپنے وقت کے استاد کامل مانے جاتے تھے اور جس مشاعرہ میں آپ شرکت فرماتے اس کی رونق وشہرت بڑھ جایا کرتی تھی۔

۱۸۸۵ء سے ۱۹۳۶ء تک تقریباً پچاس سال آپ کا مشغلہ ترتیب وتحقیق تاریخ بلگرام رہا جس کا صرف پہلا حصہ تنقیح الکلام فی تاریخ البلگرام کے نام سے پہلی بار شائع ہوسکا۔ آپ کے مشہور شاگردوں میں سید مقبول حسین صاحب وصل بلگرامی۔ سید ناظر الحسن ہوش بلگرامی۔ ڈاکٹر سید مرتضیٰ حسین بلگرامی۔ بابو شنکر سہائے وکیل جوہر بلگرامی۔

سید اسرار حسین صاحب بلگرامی۔ سید حبیب احمد آزاد بلگرامی ڈاکٹر حامد حسن بلگرامی۔ سیدہ بیگم عرف چندا ایم۔ اے بلگرامی۔ مولوی ظہیر الدین ظہیر بلگرامی۔ سید شریف الحسن راز بلگرامی۔ عزیز احمد خاں صاحب بلگرامی اور حکیم محمد آفاق صاحب آفاق بلگرامی خاص طور سے قابل الذکر ہیں۔

انتساب میں ان بلگرامی بزرگوں کی طرف بھی اجمالاً اشارہ کیا گیا ہے جو اپنی خداداد ذہانت و ذکاوت اور غیر معمولی علمی قابلیت وصلاحیت کی بنا پر باہر نکل کر دیگر بلگرامیوں کی طرح بڑی عظمت و شہرت حاصل کر سکتے تھے لیکن وطن کے مخصوص و دلفریب ماحول نے انھیں نہ گھر چھوڑنے دیا اور نہ وہ دنیا میں کچھ کر سکے۔ حمد مرحوم بھی جن کی فارسی میں قابلیت مسلمہ تھی انھیں میں سے تھے۔ آپ کے معزز شاگردوں نے اکثر اچھی اچھی جگہوں پر بلایا لیکن آپ نے کسی حال میں وطن چھوڑنا پسند نہ کیا۔

وطن میں آپ کے ان کتبوں۔ تاریخوں اور لوحوں کے علاوہ جو جابجا عمارات و مزارات پر نظر آتی ہیں۔ آپ نے اہلیان وطن کے اصرار پر آج سے تقریباً ۶۰ سال پیشتر ایک مہندی بھی لکھی تھی جو ہر سال ۸ محرم کو ۱۲ بجے رات شیخ عبدالنور باف ساکن محلہ میدانپورہ کی مہندی میں اہتمام کے ساتھ پڑھی اور بڑے ذوق و شوق کے ساتھ سنی جاتی ہے۔ جس کے مقطع کا بند مندرجہ ذیل ہے۔

جس کو گردونِ دون یوں ستائے   وہ بنی مہندی کیونکر لگائے

حمد کا کب یہ طرز سخن ہے   صرف اظہار رنج و محن ہے
کیسی شادی کی یہ انجمن ہے   جس میں سامان گور و کفن ہے
جس کا نوشاہ خوں میں نہائے   وہ بنی مہندی کیونکر لگائے

اُردو اسکول کی ملازمت کے آخری دور میں آپ نے ایک قطعہ خود لکھکر اپنے چند مبتدی طلباء کو اس وصیت کے ساتھ یاد کرایا تھا کہ جب میں مر جاؤں تو تم لوگ میری قبر پر اس کو لگوا دینا۔

اے حمد ہم شاعر خوش گو تھے بڑے   جھنڈے تھے ہماری ہی فصاحت کے گڑے
کل حد ہماری ہی خوش بیانی کی تھی   ہم آج لحد میں ہیں خاموش پڑے

آپ آخری دور میں بہت کمزور ہو گئے تھے۔ ایک بار گر پڑنے کی وجہ سے عرصہ تک صاحب فراش رہے۔ آپ نے ۱۱ر جنوری ۱۹۴۷ء مطابق ۱۳۶۶ھ ہجری اپنے آبائی مکان میں انتقال کیا۔ اور اپنے قدیم قبرستان کھجور والے کھیت میں جانب مشرق سپرد خاک کئے گئے۔

آپ کے شاگرد رشید سید حبیب احمد صاحب آزاد بلگرامی ابن مولوی سید محمد ابراہیم صاحب ساکن محلہ میدانپورہ نے آپ کی مندرجہ ذیل تاریخ وفات لکھکر اور اپنے صرفہ سے بنوا کر آپ کی قبر پر لگوا دی ہے۔

نام نامی حمد ان کا شاعر شیریں کلام   فی زمانہ در حقیقت تھے وہ فخر بلگرام
جھلملا کر بجھ گئی یکبارگی شمع حیات   ہو گیا زیر و زبر بزم سخن کا انتظام
صنعتِ ابجد میں لکھ آزاد یاد مرگِ حمد   فرق ہائے عین عین و فرق ہائے سین و لام

(یعنی ۱۳۶۶ھ ہجری)



محمود الشعرا جناب منشی محمد محمود صاحب حمد عثمانی
بلگرامی لکهنوی مؤلف تاریخ هذا

دیباچہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خدائے بزرگ و برتر کی حمد اور اُس کے رسول برحق محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم کی نعت اور اصحاب کبار کی منقبت کے بعد اضعف العباد اللہ القوی محمد محمود المتخلص بہ حمد عثمانی بلگرامی ثم الکھنوی خلف رفیق الدولہ دبیرالانشا منشی محمد ظہیرالدین خاں بہادر متخلص بہ ظہیر عثمانی بلگرامی مرحوم و مغفور عرض کرتا ہے کہ پہلے اپنا مولد و منشا شہر لکھنؤ اور وہاں کی مستقل بود و باش ہونے کی وجہ سے اپنے اس آبائی وطن بلگرام کی طرف کوئی توجہ خاص نہ تھی۔ صرف اتنا معلوم تھا کہ ہاں وطن ہے اور مکان و جائداد آبائی یہاں بھی ہونے کی وجہ سے برسوں کے بعد کبھی ضرورتاً چند روز کے لیے آنا بھی ہو جایا کرتا تھا اور یہاں کے بعض بزرگ و احبا کا اخلاق حب الوطن کی طرف مائل کر دیتا تھا آخر انہیں حضرات کی مخلصانہ کوشش نے ۱۳۰۶ھ ایکہزار تین سو چھ ہجری مطابق ۱۸۸۸ء ایکہزار آٹھ سو اٹھاسی عیسوی میں بحیلہ ملازمت یہاں کی مستقل سکونت کے لیے مجبور کیا اور مع اہل و عیال لکھنؤ سے آکر اپنے مکان خاص میں قیام پذیر ہوا۔ اسی عرصہ میں اس نامور مقام بلگرام کے تاریخی حالات دریافت کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ کتب و اسناد و فرامین و خطوط قدیم وغیرہ جو کچھ ملے انکو دیکھنا اور ہر صورت سے حالات کا پتہ لگانا شروع کیا۔ مشاہیر کے بہت کچھ حالات دریافت ہوئے مگر قدیم تاریخی واقعات کی حالت کچھ عجب گومگو پائی بلکہ اصل تو یہ ہے کہ راجہ سری جس کے عہد میں یہاں اسلام کا دخل ہونا بیان کیا جاتا ہے اُس کی عملداری کے قبل کی کوئی حالت صحیح کسی نے نہیں لکھی۔ جہاں تک دیکھا گیا صرف آبادی اسلام سے حال ملتا ہے وہ بھی اختلاف اور مبالغے کے ساتھ۔ ہنود کی تو کوئی تاریخ موجود نہیں البتہ مسلمانوں نے شوق کیا مگر ابتدائے

اسلام کے بہت عرصے کے بعد۔ بعض ایسے رسالوں کا بھی پتا لگتا ہے جو زمانہ قدیم میں لکھے گئے۔ مثلاً شیخ برکت اللہ فرشوری نے جامع البرکات میں رسالۂ شیخ عماد فرشوری کا ذکر کیا ہے اور انکو معاصر سید محمد صغری جد سادات صغروی کا لکھا ہے جن کا زمانہ اخیر چھٹی اور شروع ساتویں صدی ہجری مطابق اخیر بارھویں اور شروع تیرھویں صدی عیسوی میں تھا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ رسالہ مذکور بلگرام کی تاریخ میں نہ تھا شاید بطور نسب نامے کے ہوگا جس میں کہیں کہیں کسی کا کچھ حال بھی لکھا ہوگا۔ اس لیے کہ اگر تاریخی واقعات اور ابتدائی اسلام وغیرہ کا ذکر ہوتا تو شیخ برکت اللہ صاحب فرشوری اور نیز اُن کے خاندان والوں نے جہاں اپنے جد اعلیٰ شیخ محمد فقیہ فرشوری کو فاتح بلگرام اور اپنے خاندان کو قدیم سے قاضی قرار دیا ہے وہاں کبھی رسالہ شیخ عماد فرشوری کا مفصل حوالہ دیے بغیر نہ رہتے۔ اس کے بعد نسب نامہ منظومۂ میر عبد الواحد کلاں صغروی اور رسالۂ انساب مولفہ سید حسن دانشمند صغروی اور کتاب مراۃ المبتدین مولفہ سید شریف بن عم صغروی کا پتہ لگتا ہے جس کی تالیف کو تقریباً دو سو ستر برس کا زمانہ ہوا ہوگا۔ اس کتاب کی عبارت کا حوالہ جا بجا میر آزاد کی تالیف میں ملتا ہے مگر حوالوں کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب صرف مشاہیر کا تذکرہ ہے جس کا مدار بقول بعض مولفین اکثر سمعی کہانیوں پر ہے۔ قدیم تاریخی واقعات کا اس میں ذکر نہیں اس لیے کہ یہ کتاب جن متاخرین کے ہاتھ لگی وہ اپنی اپنی تالیف میں جہاں انھوں نے حسب دلخواہ واقعات میں طبع آزمائی کی ہے اگر ذرا بھی اپنی تحریر کی موافقت یا تائید اس میں پاتے گو وہ بے اصل اور من گھڑت ہی کیوں نہ ہوتی بغیر اس کا حوالہ دیے نہ رہتے۔ یہی حالت دیگر مذکورۂ بالا رسائل کی بھی ہے کہ تاریخی واقعات بالخصوص فتح بلگرام کے حالات سے کورے ہیں۔ المختصر اگلوں نے تاریخی حالات نہیں لکھے اگر انکی توجہ اس طرف ہوتی اور اُس وقت کے ہنود سے بھی کچھ مدد لیتے تو قدیم حالات بہت کچھ دریافت ہو سکتے تھے اور غالباً اگر اگلے لوگ تحقیق و انصاف سے لکھتے تو قریب قریب صحیح واقعات قلم بند ہوتے برخلاف ان تالیفات کے جن کا آغاز بارھویں صدی ہجری سے ہوا۔ یہ تالیفات جہاں تک میری نظر سے گزریں ان کے مولفین کا مقصد تاریخ کی صحت نہیں معلوم ہوتا بلکہ ہر مولف کی مختلف تالیف اس امر کا ثبوت دیتی ہے کہ تالیف سے ان کا خاص منشا اپنے خاندان کا اقتدار اور ایک دوسرے پر تفوق ظاہر کرنے کا تھا۔ واقعات کی صحت پر بالکل نظر نہیں رکھی گئی بلکہ بعض تالیفات کی نسبت تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ صحیح واقعات پر اپنے اپنے حسب منشا تصنع کا پردہ ڈالکر اُن کے چھپانے کی کوشش کی گئی۔ جسقدر تاریخی حالات میری نظر سے گذرے

اُن کے مولفین شیوخ فرشوری شیوخ عثمانی۔سادات رضوی اور سادات صغروی کے بزرگ نظر آئے جن میں شیوخ فرشوری اور سادات صغروی نے تالیفات کی بھرمار زیادہ کی ہے اور غائر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دو خاندانوں نے تاریخی واقعات کو بالکل تصنع کا دفتر بنا رکھا ہے اور اسی وجہ سے اپنے اپنے اقوال کی شہرت کی غرض سے انھوں نے تالیفات کا خزانہ خوب لٹایا ہے۔یہ جملہ تالیفات حقیقتاً اپنے اپنے خاندانوں کے نسب نامے ہیں اُنہیں میں ہر مولف نے اپنے اکثر بزرگوں کے تذکرے بھی درج کر دیے ہیں۔ بعض نے غیر خانداں کا نسب نامہ بھی معہ تذکرۂ مشاہیر لکھا ہے۔ان تالیفات کو میں نے تاریخ بلگرام کی حیثیت میں نہیں پایا۔جناب میر غلام علی صاحب آزاد نے ایک کتاب مآثر الکرام فی تاریخ بلگرام کے نام سے ضرور لکھی مگر میں تاریخ بلگرام اُسکو بھی نہیں کہہ سکتا کیونکہ انہوں نے اس میں دو فصلیں قائم کرکے پہلی فصل میں فقرا اور دوسری میں فضلا کا تذکرہ صرف لکھا ہے۔تاریخی واقعات کی تشریح کو بالائے طاق رکھ دیا۔البتہ فتح بلگرام اور ابتدائے اسلام کا واقعہ ضرور خوب تصنیف کیا ہے اور اپنی بعض دیگر تالیف میں بھی کچھ حصہ تصنیف شامل کرکے سادات صغروی کے لیے بہت کچھ مسالہ تیار کر دیا ہے جس سے بعض تاریخی واقعات نے اختلافی شکل پیدا کر لی میری تحقیق میں پہلے اس معرکۂ اختلاف وجدت میں حضرت سادات صغروی بالخصوص بھتیجے سادات ساکنان محلہ میدانپورہ نے قدم رکھا ہے۔جناب سید محمد صغریٰ صاحب کی نسبت ان حضرات نے ایسی ایسی باتیں بنائیں اور تاویلیں کیں کہ اپنے سنجیدہ مزاج برادران سیدواڑہ وغیرہ کو بھی بہکا کے آہستہ آہستہ اپنا ہمخیال بنا لیا۔انہیں کی غیر منصفانہ اور نامحققانہ تحریروں اور شوخ بیانی نے مجھکو تنقیح وتحقیق اور انصافاً جابجا جواب دینے پر مجبور کرکے بزرگ سادات محلہ سیدواڑہ وغیرہ کے سامنے نادم وخواستگار معافی بنایا۔ الغرض انھوں نے اپنی قابلیت وجوہر علمی کے مطابق خوب خوب شبدیز قلم کی جولانی دکھائی ہے۔پہلے سید ضیاءاللہ صاحب تاجوزئی اور علامہ میر عبدالجلیل صاحب بھتیجے ساکنان محلہ میدانپورہ نے اپنے اپنے نسب نامے نظم لکھے اور مجملاً اُن میں سید محمد صغریٰ صاحب کو فاتح بلگرام کہا مگر بعد ان کے میر آزاد صاحب اتنی شہ پاکر اُسکو لے اڑے اور ایسی ایسی اُسکی تفصیل کی کہ اُن کی شوخی تحریر اور آتش بیانی نے بالکل بارود میں چنگاری کا کام کیا اور اُسی وقت سے اختلاف کا طوفان نہایت زور شور سے اُٹھ کھڑا ہوا اور ہر مولف اپنی اپنی ہانکنے لگا اس میں شک نہیں کہ اس جادے کی پیشوائی کا فخر میر صاحب موصوف کو ضرور حاصل ہے اور اس واقعہ نگاری کے استاد وہی ہیں۔شیوخ فرشوری نے

جو کچھ بلند پروازیاں کیں گو وہ میر آزاد صاحب کے خلاف ہیں مگر طریقہ سکھایا ہوا اور جوش دلوایا ہوا انہیں کا ہے۔ اس بارے میں میرا زیادہ عرض کرنا چھوٹا منہ بڑی بات ہے لہذا میں اپنے اس قول کے ثبوت میں میر آزاد صاحب کے ہر مضمون خلاف پر اُن کے معاصرین نے جو خیالات اپنے میر صاحب موصوف کی حیات میں بذریعہ تقریر و تحریر ظاہر کیے اپنے اپنے موقع پر بجنسہٖ نقل کروں گا۔ اور اسی طرح شیوخ فرشوری اور دیگر مدعیوں کی بھی کمزور تحریروں اور تقریروں کی نسبت جو کچھ اُن کے معاصرین نے لکھا ہے پیش کروں گا۔ اس وقت صرف میر آزاد صاحب کی تالیفات کی نسبت مجملاً و مختصراً بعض اُن کے معاصرین کی چند تحریریں نقل کیجاتی ہیں جن سے اختلاف کی ابتدا اور صحیح واقعات کی پردہ پوشی کا پتہ لگ جائیگا اور ناظرین منصف مزاج بخوبی اصلیت کی تہ کو پہنچ جائیں گے۔

مولف شرائف عثمانی اپنی کتاب کے دیباچہ میں لکھتے ہیں (اما بعد احقر الناس عاصی غلام حسن صدیقی الفرشوری البلگرامی متخلص شیس بر ضمیر مہر تنویر نکتہ سنجان و دقیقہ شناسان حق بیں و حق پژوہ عرض میدارد که در عنفوانِ جوانی و اواسطِ ایام زندگانی که بہترین اوقات و خوش ترین ساعات حیات است جمع از دوستان و برادران مثل اخوی مکرمی شیخ اہل اللہ خلف شیخ محمد افضل عثمانی البلگرامی وغیرہ سلمہم اللہ تعالےٰ و میر نوازش علی عرف لالہ میاں نبیرہ و جانشین میر لطف اللہ عرف شاہ لدّھا بہمہ طرح مجلس انداختہ ہمہ گر صحبت موافق میداشتیم و از ہر نوع مواد شعر و سخن مہیا ساختہ علی الرغم روزگار بجام حضور بادۂ سرور پیمودہ بحکایات مسرت آمیز و کلمات بہجت انگیز رونق انجمن افزودہ وقت را غنیمت مے انگاشتیم بیشتر وقت برزبان میر نوازش علی مذکور جاری مے گشت بلکہ مے گفتند کہ کتابے مخصوص بذکر شعرائے بلگرام پیراستہ آید۔ بنابر آنکہ آسامی شعرا معدودے چند بیش نبودند خواطر متوجہ ایں کار نمی شدند و در تاخیر و تعویق بود۔ دریں ضمن در شہور سنہ ۱۱۵۱ یک ہزار و یک صد و پنجاہ و یک ہجری میر غلام علی بہشتہ متخلص بآزاد سلمہ اللہ الی یوم المیعاد کہ از الہ آباد رونق افزائے وطن شدند و بریں خطرہ اطلاع یافتند بتقریب تعمیر چبوترۂ مزار سید محمد واسطی مرحوم کہ چراغان عشیرۂ سید عمر وغیرہ ساکنان بلگرام محلہ سیدواڑہ میگویند کتابے بر سبیل نسب نامہ جمع فرمودند و بے اطلاع ما مردم اکثر اقوال سماعی و قیاسی کہ معتمد علیہ نبودند درج نمودند و بعد چندے بعزم زیارت حرمین شریفین از بلگرام براہ دکن روانہ سفر حجاز گردیدند و دراں حین نواب آصف جاہ نظام الملک بہادر ناظم صوبجات دکن بو نبا و ملاقات نمودہ رباعی گفتہ بخدمتش گزرانیدند و آں اینست۔ رباعی

اے حامی دین محیط جود و احسان | حق داد ترا خطاب آصف بجہان
از تخت بدرگاہ سلیمان آمد | تو آل نبی را بدر کعبہ رسان

نواب معزالیہ پانصد روپیہ زاد راہ بآں عنایت فرمود و استدعا کرد کہ ہرگاہ از زیارت حرمین الشریفین مراجعت بہندوستان نمایند بہمیں راہ بیایند۔ پس آزاد مذکور بعد حصول زیارت بیت اللہ شریف و مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وارد دکن شدند۔ نواب معزالیہ باعزاز و اکرام پیش آمدہ و میر مذکور را تا غایت الف و اسنینا سے دست داد۔ الاآں بسبب آبخور دراں ملک استقامت دارند و از انجا کتابے مسمیٰ مآثر الکرام فی تاریخ بلگرام و نسخۂ سرو آزاد نام تالیف فرمودہ بہ بلگرام فرستادند۔ چوں بنظر جمع از فضلا و بعضے از روسائے بلگرام گذشت بسبب آنکہ اکثر اقوال خلاف واقع تاریخ و اسناد و وثائق و فرامین بودند ہریک بزرگان بملاحظۂ آں بگرداب حیرت درافتادند کہ ہرگاہ تبیان ایشاں سرتا سر خلاف واقع و مخالف اسناد و تواریخ سلف است بجز اینکہ ساقط از اعتبار است چہ تواں گفت۔ وقطع نظر بنائے کتاب محتوی بر صدق و صواب مے باید تا جا بر خلف را دلیل یقینی باشد و معتمد علیہ گردد۔ خصوصاً اکثر بزرگان شیوخ عثمانی کہ از ابتدائے آبادی اسلام بلگرام منصب قضا رو احتساب در دودمان ایشاں الاآں از روئے اسناد و فرامین از عہد سلطنت سلطان محمود غزنوی بلا فصل نسلاً بعد نسل تعلق دارد و سجلات و وثائق بمواہیر و دستخط ایں قضات در تمام بلگرام موجود اندو فرامین سلاطین و کتابہائے عمارت و الواح مزارات وغیرہ احکام شرعی و مالی از اں خبر مے دہند دریافتہ بمیر سید محمد خلف الصدق میر عبدالجلیل و خال آزاد مذکور اظہار نمودند کہ اگر موافق اسناد و فرامین وغیرہ وثائق در کتاب مآثر الکرام بعید تحریر آرند ہر آئنہ موجب مزید اعتبار و اعتماد گردد۔ میر سید محمد مذکور فرمودند کہ ماخود استمزاج میر غلام علی کردہ ایم نوشتہ اند کہ مارا اطلاع نبود حالا شما کتابے علیحدہ مشتمل بر احوال بزرگان خود بنویسید و ہرچہ دراں شکوک داشتہ باشند از نسخۂ مآثر الکرام سازند لاجرم جمعے از اخوان صفا متحلی بزیور وحلیہ وفا کہ عبارت از برادران عشیرۂ قضات عثمانیان است التماس نمودند کہ کتابے مخصوص بہ ذکر قدمائے بلگرام متضمن از زوائد و محتوی بر فوائد و اقعات صنادید بلگرام مع سوانح سلاطین اسلام و اولیائے کرام کہ جوار سواد بلگرام آسودہ اند باید نوشت تا حاکی و ناطق باشد و از دروغ مبرا بود تا کذب و افترائے آزاد مذکور نزد یک خبرت بنیان واضح و لائح گردد۔ بالآخر در شہور

۱۱۵۹ھ یک ہزار و یک صد و پنجاہ و نہ ہجری مقدسہ ہمگیں ہمت بر تالیف این نسخہ سر دادم و از آنجا
کہ باعث بر تالیف این نسخہ برادران عثمانی بودہ اند و راقم الحروف نبیرہ این دودمانم این نسخہ را ترتیب دادم
و **شرائف عثمانی** نام گزاشتم و برخ از احوال اسلاف خود کہ در بلگرام اشتہار بفرشوری دارند نیز در
قید تحریر آوردم و انچہ از دیدی کتب تواریخ معتبرہ و اسناد و فرامین سلاطین و سجلات و وثائق اسلاف
و کتابہائے عمارات و الواح مقابر و مساجد وغیرہ بنظر درآمدہ وہم از بعضے تصانیف بزرگان عثمانیان
و گواہی و دستخط پیشناں عشایر فرشوریاں و ترکمانان و اغوانان و شرلیفان و سادات ڈھبہہ و بعضے سادات
کہ عقب آنہا ماندہ چیدہ چیدہ مفصل دریں صفائح ثبت نمودم) ترجمہ (اس کے بعد آدمیوں سے زیادہ
حقیر گنہگار غلام حسن صدیقی فرشوری بلگرامی متخلص ثمیں حق دیکھنے والے اور حق تلاش نکتہ سنجوں اور دقیقہ شناسوں
کے روشن دل پر ظاہر کرتا ہے کہ شروع جوانی اور زندگی کے درمیانی دنوں میں جو کہ زیست کے بہتر اور
اچھے وقت ہیں بہت سے دوست اور بھائی مثل بھائی شیخ اہل اللہ بن شیخ محمد افضل عثمانی بلگرامی وغیرہ سلمہم اللہ
تعالےٰ اور میر لطف اللہ عرف شاہ لدھا بھتنے کے پوتے اور جانشیں میر نوازش علی عرف لالہ میاں ایک
جلسے میں باہم صحبت موافق رکھتے تھے اور ہر طرح کا مادّہ شعر و سخن مہیا کر کے زمانے کے برخلاف خوشی
و خرمی کے ساتھ مسرت آمیز حکایتوں اور خوشی و تازگی بخشنے والے کلمات سے محفل کی رونق بڑھا کر
وقت کو غنیمت جانتے تھے۔ میر نوازش علی مذکور اکثر کہا کرتے تھے کہ ایک کتاب خاص بلگرام
کے شاعروں کے ذکر میں مرتب کی جائے چونکہ شاعروں کے نام تھوڑے سے ہی تھے اس لیے اس
کام کی طرف طبیعتیں متوجہ نہ ہوتی تھیں اور یہ کام رکا رہا۔ اسی اثنا ۱۱۵۱ھ ایک ہزار ایک سو اکاون
ہجری مطابق ۱۷۳۸ء ایکہزار سات سو اڑتیس عیسوی کے مہینوں میں میر غلام علی بھتنے متخلص بآزاد خدا
اُن کو قیامت تک سلامت رکھے الہ آباد سے وطن "بلگرام" میں آئے اور اس خطرے "ارادہ
تالیف کتاب مذکور" سے اطلاع پائی تو خاندان سید عمر وغیرہ ساکن بلگرام محلہ سیدواڑہ کے جد اعلیٰ
سید محمد صغریٰ مرحوم کے مزار کے چبوترے کی تعمیر کی تقریب میں ایک کتاب "شجرۂ طیبہ" بطریق
نسب نامہ جمع فرمائی اور بغیر اطلاع ہم لوگوں کی اکثر سنے ہوئے اور قیاسی قول جو معتبر نہ تھے اس میں درج
کیے تھوڑے دنوں کے بعد حرمین شریفین کی زیارت کے ارادے سے دکن کی راہ سے حجاز کے
سفر کے لیے روانہ ہوئے اُس وقت نواب آصف جاہ نظام الملک بہادر دکن کے صوبوں کے

ناظم تھے اُن سے ملاقات کی اور رباعی کہکر اُن کی خدمت میں گذرانی ترجمہ رباعی اے دین کی حمایت کرنے والے سخاوت اور نیکی کے سمندر خدا نے تجھکو دنیا میں آصف خطاب دیا ۔ وہ "آصف" سلیمان کی درگاہ میں تخت لایا ۔ تو نبی کی آل " ہم " کو کعبے کے دروازے تک پہنچا دے ۔ نواب موصوف نے زاد راہ کے لیے پانچسو روپیہ انکو عنایت فرمائے اور خواہش کی کہ جب حرمین شریفین کی زیارت کرکے ہندوستان کو چلیئے گا تو اسی راہ سے آئے گا ۔ پس آزاد مذکور بیت اللہ اور مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرکے دکن میں پہنچے ۔ نواب موصوف اعزاز و اکرام سے پیش آئے اور میر مذکور کو بہت الفت اور انس ہوگیا ۔ آجکل دانے پانی کے بموجب اُسی ملک میں قیام رکھتے ہیں اور وہاں سے کتاب مسمی ماثر الکرام فی تاریخ بلگرام اور کتاب سرو آزاد نام تالیف فرماکر بلگرام بھیجیں ۔ جب بہت سے فاضلوں اور بعض رؤسائے بلگرام کی نظر سے گذریں تو اس سبب سے کہ اکثر باتیں ۔ تاریخ ۔ سندوں ۔ دستاویزوں اور فرمانوں کے خلاف تھیں سب بزرگ اُنکو دیکھکر حیرت میں پڑ گئے کہ جب ان میر آزاد کا بیان تمام و کمال خلاف واقع اور اگلی تواریخ اور سندوں کے خلاف ہے تو سوا اس کے کیا کہا جائے کہ نامعتبر ہے ۔ اور قطع نظر اس کے کتاب کی بنیا دسچائی اور درستی سے شامل ہونا چاہیے تاکہ آیندہ والوں کے لیے یقینی دلیل ہو اور اس پر اعتبار کیا جائے ۔ خاص کر اکثر بزرگ شیوخ عثمانی کہ ابتدائے آبادی اسلام بلگرام سے قضا اور احتساب کا منصب ان کے خاندان میں سندوں اور فرمانوں کی رو سے سلطان محمود غزنوی کے عہد سلطنت سے بلافصل نسلاً بعد نسلٍ اس وقت تک تعلق رکھتا ہے اور ان قاضیوں کے دستخط اور مہروں کے قبالے اور دستاویزیں تمام بلگرام میں موجود ہیں اور باوجود اس کے بادشاہوں کے فرمان اور عمارتوں کے کتابے اور مزاروں وغیرہ کی لوحیں اور ان کے شرعی و مالی احکام اُن کے منصبوں کے خبر دیتے ہیں یہ سب باتیں دریافت کرکے میر آزاد مذکور کے ماموں میر سید محمد ولد عبد الجلیل سے ظاہر کیا کہ اگر سندوں ۔ فرمانوں اور دستاویزوں وغیرہ کے موافق کتاب ماثر الکرام میں تحریر کریں تو ضرور زیادہ اعتبار کا سبب ہو میر سید محمد مذکور نے فرمایا کہ ہم نے خود میر غلام علی کی رائے دریافت کی ہے انھوں نے لکھا ہے کہ ہمکو اطلاع نہ تھی اب آپ ایک کتاب علیحدہ بزرگوں کے احوال میں خود لکھئے اور جو کچھ شکوک ہوں کتاب ماثر الکرام سے دور کر دیجئے ۔ ناچار چند بزرگی کے زیور اور وفا کے خلعت سے آراستہ

خالص دوست بھائیوں نے جن سے قضات عثمانی کا خاندان مراد ہے کہا کہ ایک کتاب مخصوص قدمائے بلگرام کے ذکر میں فضول باتوں سے پاک اور بزرگان بلگرام کے واقعات کے فائدوں سے ملی ہوئی مع سوانح بادشاہان اسلام اور اُن روسائے کرام کے جنکے مزار سواد بلگرام کے جوار میں ہیں لکھنا چاہیے جس سے سب حال معلوم ہو اور جھوٹ سے پاک ہو تاکہ آزاد مذکور کا جھوٹ اور بہتان عقلمندوں کے نزدیک واضح اور ظاہر ہو جائے۔ بالآخر ۱۱۵۹؁ ایک ہزار ایک سو انسٹھ ہجری "مطابق ۱۷۴۶؁ ایک ہزار سات سو چھیالیس عیسوی" کے مہینوں میں تمام ہمت اس کتاب کی تالیف کا باعث عثمانی بھائی ہوئے ہیں اور راقم الحروف اس خاندان کا ناتی ہے اس کتاب کو ترتیب دیا اور شرائف عثمانی نام رکھا اور تھوڑا سا حال اپنے بزرگوں کا بھی جو بلگرام میں فرشوری مشہور ہیں لکھدیا اور جو کچھ تواریخ کی معتبر کتابوں اور اگلی سندوں اور فرمانوں اور قبالوں اور دستاویزوں اور عمارتوں کے کتابوں اور مقبروں اور مسجدوں وغیرہ کی لوحوں اور عثمانی بزرگوں کی بعض تصانیف اور اگلے فرشوریوں اور ترکمانوں اور اغوانوں اور شریفوں اور سادات ڈھبا اور بعضے سادات کہ جن کا خاندان باقی نہیں رہا اُن کی گواہیوں اور دستخطوں کی رو سے چیدہ چیدہ مفصل ان صفحوں میں تحریر کردیا) اب ناظرین ذرا شرائف عثمانی کے دیباچے کے ایک مقام کی اتنی عبارت ملاحظہ فرمائیں (و ماورائے آں ساکن جدید از احوال قدمائے اسلام و فتح بلگرام چہ خبر دارد وانچہ برخود مخفی ست بر دیگراں چہ نویسد و مقصود آزاد مذکور ہمیں قدر بود کہ من از اولاد سید محمدؒ و اسلام ام و نیز سید مذکور فتح بلگرام نمودہ و ازیں امر بجز بدنامی ہیچ مطلب شان برآمد کار نگردید۔ الا نا واقفان را از مطالعہ کتاب کاذبہ اسلام و آبادی مسلمین بلگرام بموجب تاریخ ظلبغزاد آزاد خداداد کہ سنش شش صد و چہار دہ ہجری واضح خواہد شد۔ و بزرگ حضرت آزاد مذکور از قصبۂ سمدن در عہد ملک بہلول لودی در بلگرام برائے تحصیل علم برآمدہ و بعد چندے بوجہ اخلاق اہالیان بلگرام طرح توطن انداختہ ان معنی بر جمہور قدمائے بلگرام پیدا و ہویداست و عبث کتابے بمضمون باطلہ کہ دور از قیاس است فراہم نمودہ و متقدمین را با متاخرین قرار دادہ و خود را از اولاد سید محمدؒ مذکور ظاہر ساختہ) ترجمہ (اور علاوہ اس کے نیا سکونت رکھنے والا قدیم مسلمانوں اور فتح بلگرام کا حال کیا جانے۔ جو وہ خود نہیں جانتا دوسروں کو کیا بتائے گا۔ آزاد مذکور کا مقصد صرف یہ تھا کہ میں سید محمد صغریٰ

کی اولاد سے ہوں در سید مذکور ہی نے بلگرام کو فتح کیا اور اس سے سوائے بدنامی کے اُن کا اور کچھ مطلب نہ نکلا۔ مگر ہاں ناواقفوں کو جھوٹی کتاب " مآثر الکرام " کے مطالعہ سے اسلام اور بلگرام کے مسلمانوں کی آبادی آزاد کی طبع زاد تاریخ خداداد کے بموجب ۶۱۴ھ چھ سو چودہ ہجری مطابق ۱۲۱۷ء ایک ہزار دو سو سترہ عیسوی میں معلوم ہوگی۔ حضرت آزاد مذکور کے بزرگ قصبۂ سمدن سے ملک بہلول لودی کے عہد میں تحصیل علم کے لیے بلگرام* پر ظاہر ہے۔ دور از قیاس جھوٹے مضمون کی کتاب " مآثر الکرام " بیکار تالیف کرکے متقدمین کو متاخرین میں قرار دیا اور اپنے آپ کو سید محمد مذکور کی اولاد سے ظاہر کیا) اس بیان کی تصدیق و تائید حیات جلیل مولفہ جناب سید مقبول احمد صاحب صمدنی مطبوعہ پبلشر رام نارائن لال الہ آباد ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۲ سطر ۱ و ۲ میں ملاحظہ ہو (یعنی آزاد کے مورث اور بزرگوں کے خمیر کا اسی خاک صمدن ضلع فرخ آباد سے ہونا جہاں کے توطن کا شرف بندہ ہیچمدان کو بھی حاصل ہے)۔ حاشیہ ۲ صفحہ ۱۳ سطر ۹ لغایت ۱۲ (صمدن ضلع فرخ آباد ممالک متحدہ آگرہ واودھ میں مسلمانوں کا ایک مشہور قصبہ ہے۔ حوادث دہر سے گھٹتے گھٹتے اس کی مردم شماری تین ہزار رہ گئی ہے۔

سادات کی آبادی بہت پرانی ہے کسی وقت سادات کے بہت سے قبائل اور عشائر یہاں رہتے تھے جو عرب و عجم کے مختلف مقامات سے آئے تھے۔ رفتہ رفتہ بہ تقاضائے خدمت یا بہ تلاش معاش ترک وطن کر گئے۔ میر غلام علی آزاد کا خاندان نیز یہ بھی انہیں میں سے تھا۔ ان کے مورث ملک بہلول لودی کے عہد میں طلب علم کے لیے بلگرام گئے اور وہیں کے ہو رہے اسی لیے شیخ غلام حسن ثمیں نے شرایف عثمانی میں آزاد کے دعوائے بلگرامیت پر تعریض کی ہے اور اپنے انگریزی " ترجمہ احمد شاہ ابدالی و وزیر عماد الملک " کے دیباچہ میں ایرون صاحب بھی اُن کے ہم نوا پائے جاتے ہیں) اور لیجئے دوسرے میر آزاد صاحب کے ہمعصر فاضل اجل قاضی احمد اللہ صاحب عثمانی بلگرامی رسالہ مسجلات فی تاریخ القضات میں تحریر فرماتے ہیں

(بعضے اخوان زمان مثل میر غلام علی آزاد بھتمہ در تالیف خود ماثر الکرام تاریخ بلگرام بے لسمعیات بردہ واعتماد برافواہ عام کردہ کہ جز افسانہ بیش نیست و ماخذ تالیف خود در امراۃ المبتدین تصنیف میر شریف بن سید عمرو اسلی کہ ا ونیز اقوال افواہ عامہ جمع نمودہ مقرر کردہ و میر غلام علی آزاد اسلام

*: آپ کے اور چند دنوں کے بعد اہل بلگرام کے اخلاق کی وجہ سے یہیں رہ پڑے مگر یہ بات تمام قدمائے بلگرام

بلگرام را در عہد سلطان شمس الدین ایلتمش ۶۱۴ھ اربع عشر و ستماتہ نوشتہ و تاریخ آنرا لفظ خداداد یافتہ) ترجمہ (بعض ہمعصر بھائیوں مثل میر غلام علی آزاد بھتیے نے اپنی تالیف مآثر الکرام تاریخ بلگرام میں سنی ہوئی باتوں پر اعتبار کیا جو کہانی کے سوا اور کچھ نہیں - اور مراۃ المبتدین تصنیف میر سید شریف ولد سید عبد الواحد واسطی کو کہ اُنھوں نے بھی عام سنی ہوئی باتیں جمع کر دیں اپنی تالیف کا ماخذ مقرر کیا - اور میر غلام علی آزاد نے بلگرام کے اسلام کو سلطان شمس الدین التمش کے عہد ۶۱۴ھ چھ سو چودہ ہجری مطابق ۱۲۱۷ء ایکہزار دو سو سترہ عیسوی" میں لکھکر اُسکی تاریخ خداداد پائی) یہ اور نیز دیگر اعتراضات جو آیندہ ہر موقع پر ناظرین کی خدمت میں پیش کیے جائینگے سب میر آزاد صاحب کی دفات سے کم از کم تین ۳ سال قبل اُن پر بڑے شد و مد سے ہوئے اور میر صاحب موصوف کی نظر سے بخوبی گزرے مگر کسی کا جواب اُن کی یا اُن کے خاندان کے کسی شخص کی طرف سے آج تک دیکھنے اور سننے میں نہیں آیا گو بظاہر تلخ تھے لیکن انکو شربت کے گھونٹ کی طرح پی جانا پڑا - خیر یہ سب کچھ سہی مگر اس میں شک نہیں کہ جناب میر آزاد صاحب نے اپنی جودت طبع سے سادات صغروی کے قدیم اور فاتح بلگرام ہونے کا دعویٰ کرنے کا بہت اچھا ڈھرا ڈال دیا اور آیندہ اس خاندان کو بہت کچھ مضمون آفرینی کا سبق دے گئے - جس سے اُن کی درسگاہ میں بعض بڑے زور شور کے ارشد تلامذہ نکلے جنھوں نے تعلیمی مضامین میں ایسی خامہ فرسائی کی جس کی جرأت خود اُن کے پیشوا میر آزاد صاحب کو بھی نہ ہوئی تھی - اُن کی سحر بیانی کا اپنے موقع پر ذکر ہوگا انشاءاللہ -

اب مجکو ایک خاص تصنیف کا ذکر کرنا ہے جس نے سونے میں سہاگے کا کام کیا ہے - وہ ایک مختصر رسالہ فارسی میں ملفوظ حضرت خواجہ عماد الدین قدس سرہٗ کے نام سے موسوم ہے اور شاید صحیفۂ آسمانی کی طرح بلگرام میں جناب سید محمد الملقب بسید صغریٰ کے بلگرام کو فتح کرکے اسلام قائم کرنے کی خبر دینے کے لیے نازل ہوا ہے - نہ اُس کے زمانہ تصنیف کا پتہ لگتا ہے نہ مصنف صاحب کا اور کہانیاں وہ وہ اس میں درج ہیں جن کا سر ہے نہ پیر عقل سلیم انکو دیکھکر گرداب حیرت میں پڑجاتی اور خواہ مخواہ یہ کہنا پڑتا ہے کہ جناب میر آزاد صاحب نے جو سید محمد صغریٰ و خواجہ عماد الدین قدس سرہٗ صاحب ولایت بلگرام کو ہمعصر اور پیر بھائی قرار دیکر ہر ایک کے سنہ وفات تحریر فرمائے ہیں ان جملہ جدت خیز مضامین کی تائید اور تصدیق کے لیے وہ نازل ہوا ہے - مقام غور ہے کہ حضرت خواجہ صاحب موصوف

کا کوئی مفصل حال کتب تواریخ میں نہیں ملتا اور نہ اُن کے مریدین کا ہونا کہیں سے ثابت ہوتا ہے۔ اس امر کے معترف بھی مورخین بلگرام ہیں یہی وجہ ہے کہ اتنے بڑے ولی اللہ کا حال مفصل وثوق اور سند کے ساتھ کوئی نہیں لکھ سکا ان کا ملفوظ تیار کرنا تو درکنار لیکن اس ملفوظ کے گمنام مصنف صاحب کو نہیں معلوم بذریعہ الہام دریافت ہوا یا کیا بات ہوئی جو قلم اُٹھا کر کہاں کی کہاں لکھ ڈالی جسکا کوئی ماخذ نہیں معلوم ہوتا نہ مصنف صاحب نے کہیں اپنے آپ کو خواجہ صاحب کا ہمعصر اور اُنکا یا اُن کے خاندان کا مرید وغیرہ ہونا ثابت کیا ہے جس سے خیر پیران نمی پرند مریداں مے پرانند کے زمرے میں اُنکی یہ تصنیف سمجھی جا سکے بہر حال انہیں وجوہ سے اُسکی شان میں صحیفہ آسمان کی طرح نازل ہونا مجبوراً کہنا پڑا یہ بات قابل غور ہے کہ حضرت خواجہ صاحب کا زمانہ حالانکہ عہد سلطان محمود غزنوی میں متحقق ہے۔ لیکن اگر بالفرض عہد سلطان شمس الدین التمش ہی میں مان لیا جائے تو بھی تیرھویں صدی ہجری زمانہ ظہور رسالہ مذکور تک چھ سو برس ہوتے ہیں۔ اتنے عرصہ دراز کے بعد ایسے مفصل حالات جن کا کہیں پتہ نہیں ایک گمنام مولف "جو دراصل مصنف ہے" کے قلم سے تحریر ہو گئے اور بڑا تعجب یہ ہے کہ باوجودیکہ میر آزاد صاحب کے تحریر کردہ اُن تاریخی واقعات کی ایسی تائید او رتصدیق اس سے ہوتی ہے جن پر دوسرے مورخ بھی بلکہ غلط اور طبع زاد ہونے کا دھبا لگاتے ہیں مگر کہیں اس کی سند انھوں نے اپنے کلام کی تائید میں نہیں پیش کی اور نہ دیگر مورخین قدیم نے کہیں اپنی تالیفات میں اس کا ذکر کیا۔ البتہ بعض متاخرین مثل جناب سید محمد صاحب صغروی وغیرہ نے اپنی تالیف اور میر آزاد صاحب کے تعلیم کردہ مضامین میں خوب اس کی سندیں دیں ہیں۔ جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس صحیفے کے نزول کو بہت زمانہ نہیں ہوا بلکہ تیرھویں صدی ہجری کا ایک شگوفہ ہے اور اگر تیرھویں صدی کے قبل نازل ہوا تو بارھویں صدی ہجری کے اُدھر اُس کے وجود کا پتا لگنا دشوار ہے۔ غالباً کسی دور اندیشی اور مصلحت سے اس کو میر آزاد صاحب نے اپنی تائید کلام کا شرف نہیں بخشا اور پردۂ اخفا کے غلاف میں محفوظ رکھا کہ آئندہ کسی زمانہ میں

لہ پیر نہیں اُڑتے مرید اُڑاتے ہیں یعنی پیروں میں وہ کرامات نہیں ہوتی جو مرید لوگ اپنی طرف سے اُن کی نسبت بیان کیا کرتے ہیں

اپنے پیرو ان متاخرین کی تحریر و تقدیریں بخوبی سند ہوگا اور اُسوقت اپنے کلام کی بھی تائید کا کام خود بخود اس سے نکلیگا - اس کے مولف کے نام کا نشان نہونا بڑا پُر مصلحت راز ہے - اس میں شک نہیں کہ آزادی کا پہلو اس میں ضرور ہے - اور اگر ایسا نہیں تو خدا جھوٹ نہ بلوائے تو اس کے کسی خاص واسطی قلم کی جادو نگاری ہونے میں تو کلام ہی نہیں - اس موقع پر ایک نقل قابل ذکر ہے جو خالی از دلچسپی نہوگی - ایک مرتبہ چند اصحاب نے ایک صحبت میں فتح بلگرام اور قدامت پر ذکر چھیڑا تو حافظ سید اولاد احمد صاحب صغروی ساکن محلہ میدان پورہ بڑے دعوے کے ساتھ بولے کہ دیگر قبائل جو بلا کسی سند کے فاتح بلگرام اور قدیم ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں یہ بالکل بے اصل ہے اور سید محمد صغریٰ صاحب کا فاتح ہونا اظہر من الشمس ہے جس کا جی چاہے حضرت خواجہ عماد الدین کا ملفوظ اٹھا کر دیکھے جس میں صاف صاف خواجہ صاحب کی زبان سے ایک سید کا فوج مسلمانان عرب ولایت سے آکر کافروں کا قتل کرنا مرقوم ہے اور اُن کی پیشین گوئی کے چند سال بعد ہمارے جدّ اعلیٰ سید محمد صغریٰ صاحب نے آکر بلگرام کو فتح کیا - اتفاق سے اُس جلسے کے ایک کونے میں میں بھی بیٹھا تھا - سُن کر رہا نہ گیا اور اُٹھ کر دست بستہ عرض کی کہ جناب سید صاحب کا فرمانا بہت بجا ہے مگر ایک چھوٹی سی حکایت اس وقت حسب حال ہے جو گلزار دبستان میں لڑکے پڑھا کرتے ہیں - **حکایت** شیرے و مردے باہم "یک خانہ تصویر خود با دیدند - مرد شیر را گفت - ببین شجاعت انسان کہ شیر را تابع کردہ است - شیر گفت بلے مصور ایں انسان است اگر شیر مصور بودے ایں چنیں نبودے - ترجمہ (ایک شیر اور ایک آدمی نے ساتھ ساتھ ایک گھر میں اپنی تصویریں دیکھیں" ان تصویروں میں آدمی کو غالب اور شیر کو مغلوب کرکے دکھایا تھا" آدمی نے شیر سے کہا تو آدمی کی بہادری دیکھتا ہے کہ شیر کو اپنے بس میں کر لیا ہے - شیر نے کہا ہاں یہ تو ٹھیک ہے مگر تصویر آدمی کی بنائی ہوئی ہے اگر شیر کی بنائی ہوئی ہوتی تو ایسا نہوتا) ملفوظ کی اصل حالت تو اوپر بیان ہی ہو چکی - اس موقع پر اس حکایت کے چبھتے ہوئے فقرے سنکر مقرر صاحب اور اُن کے ہمخیال تو سونٹھ کی ناس لیکر رہگیے اور بعض دیگر حاضرین جلسہ دوسرے خاندان والے بیساختہ قہقہہ لگا بیٹھے - ابھی تھوڑا زمانہ ہوا کہ شاعر نامی جناب سید فرزند احمد صاحب صفیر بلگرامی نے ایک تاریخ بلگرام مسمیٰ بہ طبقات کرام لکھکر اس کا پہلا حصہ طبع کروایا جب اسکی کچھ جلدیں

بلگرام میں آئیں تو اُس کے مہمل ہونے کا اسقدر شہرہ ہوا کہ دیگر قبائل تو درکنار خود اُن کے خاص قبیلے کے بزرگوں نے نادم ہو کر اُن کی کتاب کی مہملیت پر صاد کیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ مجبوراً خجل ہو کر انکو وہ مطبوعہ جلدیں تلف کر دینا پڑیں پس جب تاریخ نویسی کی حالت اور مورخوں کے منشار و اختلاف و اختراع کی کیفیت جو اوپر مذکور ہوئی ہو تو کیونکر باور کیا جا سکتا ہے کہ تاریخی واقعات صحیح لکھے گیے زیادہ تر اقوال سماعی اور مضامین طبع زاد پر تاریخ کی بنیاد قائم کی گئی ہے۔ البتہ بعض اور خاندان والوں نے قدیم قبالوں اور تحریروں وغیرہ سے کچھ کام لیا ہے جو قابل اعتماد سمجھا سکتا ہے۔ افسوس کہ مجھکو کل تالیفات یہاں کی ہم نہ پہنچیں۔ اکثر مفقود ہو گئیں جو رہیں اُن میں سے کچھ مکمل اور کچھ نامکمل دیکھنے کو ملیں اور کچھ لوگوں کے پاس تھیں مگر اُنھوں نے اُن میں ہوا لگ جانے کا ننگ گوارا نفرمایا۔ تاہم میں نے کوشش اور کھوج سے بہت کچھ پتا حتی الامکان لگایا۔ جو کتابیں دستیاب نہ ہو سکیں اُنھیں سے اکثر کے حوالے دیگر تالیفات میں دیکھنے سے یہ بات ضرور دریافت ہوئی کہ قدیم مولفین نے مخصوص اختلاف میں قدم نہیں رکھا اور نہ خاص قدامت و فتح بلگرام کی نسبت کوئی مختلف فیہ مسئلہ چھیڑا ورنہ بارھویں صدی ہجری والے مولفین اپنے اپنے دعووں کے مطابق اور موید جو مضامین اُن قدیم کتابوں میں پاتے وہ ضرور اس مسئلہ خاص میں مثل دیگر حوالوں کے بغیر اُن کی سند دیے نہ رہتے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے فتح و قدامت کے مسئلہ میں بالکل اختلاف نہ تھا اور یہ تاریخ کے سمندر میں اختلاف کا تلاطم بعض جدت خیز طبائع سے بزعم علم و فضل بارھویں صدی ہجری میں پیدا ہو کر اُسکی موجیں زیادہ شور انگیز اور طوفان خیز ہوتی گئیں۔ میں نے اس طوفان سمندر کو کوزے میں بند کر کے ناظرین کی خدمت میں پیش کرنے کی کوشش کی تاکہ جملہ موجوں کے تھپیڑوں اور تلاطم کا پورا سین اُن کے پیش نظر ہو اور سچے واقعات کے آبدار گوہر اُسکی تہ سے برآمد ہو جائیں۔

المختصر پہلے میں نے ۱۳۰۹ھ ایکہزار تین سو نو ہجری مطابق ۱۸۹۲ء ایکہزار آٹھ سو بانوے و ترانوے عیسوی میں اپنی تاریخی معلومات کو فارسی میں قلم بند کر کے اس کا نام شمشیر بے نیام تاریخ بلگرام رکھا۔ تالیف کتاب کے ایام میں حجت تمام کرنے کی غرض سے اکثر صاحبان سے زبانی بھی عرض کی اور بلگرام کے نامور و مشہور قبائل کے عمائد اور ذی علم اصحاب کی خدمت میں ایک تحریر بھی بدریافت

حالات وحصول اسناد وغیرہ پیش کی اور وقتاً فوقتاً پیش کرتا رہا اُسپر شیوخ عثمانی کے یہاں سے اکثر اسناد وسجلات وفرامین قدیم اور واقعات تحریری وغیرہ بہم پہنچے کچھ شیوخ صدیقی فرشوری نے رسالے وغیرہ دکھائے۔جناب مولوی محمد عبدالولی صاحب صدیقی فرشوری نے اپنے پردادا حضرت ثمین فرشوری کی تالیف کتاب شرائف عثمانی کی دو جلدیں۔ایک مسودہ اور دوسری مکمل جو مولف کی نظر ثانی اور تکمیل کے بعد صاف کی گئی تھی دکھائیں اور کچھ اوراق تاریخی حالات میں جو خود اپنی معلومات کے مطابق حسب طلب جناب ہارنگٹن صاحب بہادر مہتمم بندوبست کے واسطے تحریر کیے تھے وہ بھی عنایت فرمائے۔ میں نے اپنی کتاب ہذا میں جابجا حوالے شرائف عثمانی کے مکمل اور مولف کے نظر ثانی کیے ہوئے نسخہ مذکور سے دیے ہیں۔سادات رضوی ساکنان محلہ ملکنٹھ کچھ ہاں ہوں کرکے رہ گئے و علی ہذا۔ مگر بڑے افسوس اور تعجب کی بات یہ ہے کہ حضرات سادات صغروی ساکنان محلہ سیدواڑہ و میدانپورہ وسلمہ جو اکثر باتوں کے مدعی ہیں وہ بالکل ہی کانوں میں تیل ڈالکر بیٹھ رہے۔بہت اصرار پر بعض نے اتنا فرما دیا کہ میر آزاد صاحب کی تالیفات شجرۂ طیبہ اور مآثر الکرام وغیرہ میں سب کچھ موجود ہے تلاش کرکے دیکھ لو۔لیکن میں ان تالیفات کو اس بارے میں بخوبی دیکھ چکا تھا کہ بقول سعدی چوں طبل غازی بلند آواز ومیان تہی۔ترجمہ۔(نٹ کے ڈھول کی طرح آواز اونچی اور بیچ میں خالی) اِس اُن کے جواب سے معلوم ہوا کہ اس بارے میں اُن کی معلومات میر آزاد صاحب کی تحریر ہی تک محدود اور اسی پر طبیعت خوش اور مطمئن ہے اور سوا میر آزاد صاحب کے تصنیف کردہ بے ثبوت واقعات اور سمعی غیر معتبر روایات کے جن کے نہ راوی کا پتہ ہے نہ سلسلہ آگے چلتا ہے۔ نہ قیاس قبول کرتا ہے اور نہ کسی غیر خاندان کا واقف کار کوئی فرد بشر سوا تردید کے انکی تائید کرتا نظر آتا ہے اُن کے پاس اور کچھ نہیں۔البتہ میں اپنے مکرم جناب سید مہدی رضا صاحب عرف کالے میاں بن سید محمد رضا صاحب عرف کالے محمد خاندان سید ابوطاہر ساکن محلہ سیدواڑہ کا تہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انھوں نے آخر میں سادات صغروی کے کئی نسب نامے اور بہت کچھ حالات مجکو دیے اور اپنے والد ماجد کی تالیفات خلاصۃ الانساب اور شجرۃ الانساب وغیرہ خاص مولف کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخے اور کتاب جنیدیہ مولفہ سید جنید صغروی اور اُس کے حواشی جو مولف جنیدیہ کے بھتیجے سید غلام حسین صغروی نے لکھے اور اپنے بھتیجے خان بہادر سید اولاد حیدر

صاحب فوق کا ایک رسالہ خاص اُن کے ہاتھ کا لکھا ہوا وغیرہ مرحمت کر کے مرہون منت فرمایا
المختصر اُن کے اور نیز دیگر تالیفات کے مطالعے سے بخوبی ثابت ہوگیا کہ میر آزاد صاحب کی تحریر کے
بعد جن سادات صغروی یا اُن کے متعلقین نے جو کچھ لکھا ہے آنکھیں بند کر کے اور تحقیق کو بالائے
طاق رکھ کے میر آزاد صاحب ہی کی نقل اور پیروی سے اپنا جی خوش کیا۔ بعد اس کے پھر میں نے
احتیاطاً التماس ذیل بذریعہ اخبار و جرائد شائع کیا مگر صدائے[1] برنخاست

التماس

خاکسار نے ۱۳۰۰ھ ہجری میں تاریخ بلگرام لکھنا شروع کی مگر بوجوہ چند نایابی اکثر تالیفات مولفین
بلگرام قلم کی رفتار بہت سست بلکہ برسوں بند رہی جسقدر رسالا بہم پہنچا اُسکی مدد سے بہت کچھ لکھا
لیکن اُس کے دیکھنے سے ایک بڑی دقت یہ واقع ہوئی کہ جو خاص بات تاریخ کا جزو اعظم تھی یعنی "فتح
بلگرام" اس کی بابت بہت بڑا اختلاف نظر آیا۔ اکثر خاندان شیوخ عثمانی و فرشوری و سادات صغروی
وغیرہ بخلاف یکدیگر اپنے اپنے جد اعلاؤں کی نسبت فاتح بلگرام ہونے کے مدعی پائے گئے۔ لہذا
اس اختلافی صورت میں ضرورت پڑی کہ ہر مدعی کا دعوی مع اُس کے ثبوت و دلائل کے علیحدہ علیحدہ
قلم بند کیا جائے تاکہ ناظرین باتمکین اُس پر غائر نظر ڈالکر صحیح نتیجے کو پہنچ سکیں۔ اس بارے میں بہت
کچھ لکھا گیا اور لکھا جارہا ہے مگر بعض تالیفات بلگرام مثل رسالۂ شیخ عماد فرشوری۔ نسب نامۂ شیخ
عبدالکافی فرشوری۔ نسب نامہ نور محمد خطیب فرشوری رسالہ انساب سید حسن دانشمند۔ نسب نامہ
منظومۂ میر عبدالواحد کلاں مراۃ المبتدین مولفہ سید لطیف۔ نسب نامۂ منظوم سید مبارک محدث۔
تبصرۃ الناظرین مولفہ سید محمد شاعر۔ بوستان الکرام مولفہ سید ابوالحسن اور تذکرۃ الکرام مولفہ میر
نوازش علی رضوی وغیرہ مکمل اسوقت تک دستیاب نہیں ہوئیں۔ اس لیے جملہ باشندگان بلگرام
بالخصوص خاندان ہائے مسطور بالا اور جن خاندان کے اصحاب فتح کے مدعی ہوں سب کی خدمت
میں دست بستہ التماس ہے کہ تاریخی حالات خاص کر فتح بلگرام کے متعلق جو کچھ تالیفات و اسناد

---

[1] کوئی آواز نہ آئی یعنی خاموشی رہی۔

وسجلات قدیم وغیرہ جن حضرات کے پاس موجود ہوں تھوڑے عرصہ کے لیے مرحمت فرماکر مجھکو مرہون منت فرمائیں کہ کسی مدعی کے دعوے کے ثبوت میں کوئی کسی کسی کے خیال کے مطابق باقی نہ رہجائے۔ اس وقت جملہ مدعیان فتح بلگرام کے ثبوتوں کا زبردست معرکہ زیر تحریر ہے۔ اگر خاموشی اختیار کیگئی اور بعد انطلاع میری کتاب کے کسی ایک مدعی کے ثبوتوں کے مقابلہ میں کسی دوسرے مدعی کو اپنے ثبوت کم زور معلوم ہونے پر تاؤ پیچ آیا اور پھر نئے ثبوت بہم پہنچانے کی کوشش کی گئی توگستاخی معاف وہ ثبوت (مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید بر کلا خود باید زد[ل]) کے مصداق ہوں گے اور دیگر مدعیان مخالف کو اُن کے مصنوعی اور مستحدث کہدینے کا موقع ملیگا۔ جو شاید بیجا ہوگا۔ اس لیے مکرر گذارش ہے کہ ضرور اور جلد میری استدعا قبول فرمائی جائے۔ اور اگر باوجود متواتر درخواستوں کے بھی کوئی حربہ اس معرکے میں استعمال کرنے سے چھوڑ دیا گیا تو مجبوری ہے پھر میری کتاب کو مجھ سے اگلے مولفین کی تالیفوں کی طرح کوئی مخالف مدعی مورد اعتراض نہ ٹھہرائے۔

واضح کہ اس مضمون کے کئی اشتہار میں ۱۳۰۹؁ ہجری سے اب تک بلگرام میں دیچکا ہوں مگر پوری کامیابی نہوئی۔ لہذا اب بذریعہ اخبار و جرائد آخری استدعا ہے بعد اس کے معرکۂ مذکور کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔ فقط

ملتمسہ ہیچمیرز محمد محمود احمد۔ بلگرام ضلع ہردوئی محلہ قاضی پورہ

یہ التماس کئی رسالوں میں اشاعت کے لیے بھیجا منجملہ اُن کے مرقع لکھنؤ جلد ۱ عدد ۱ اکتوبر ۱۹۲۶؁ کے صفحہ آخر میں نظر سے بھی گذرا۔ اسی طرح غالباً اور رسالوں میں بھی ہوگا۔ علاوہ ازیں کتاب ہذا میں اس نظر سے درج کر دیا کہ اسکو دیکھکر اب بھی جو اصحاب جو کچھ ثبوت و دلائل وغیرہ اپنے دعوے کے متعلق مرحمت فرمائیں وہ درج کیے جائیں اور نیز میری حیات تک جسوقت بھی جو کچھ اسناد وغیرہ دستیاب ہوں گے وہ بھی ضرور کتاب میں بڑھا دوں گا۔ اسوقت مجبوراً جو کچھ کتب تواریخ اور نسب نامے وغیرہ جس خاندان کے اپنی کوشش اور حکمت عملی سے مجھکو دستیاب ہوسکے اُن سے لکھا۔ جب لکھ چکا تو دوسری دقت یہ درپیش آئی کہ ایک سرے سے تمام احباب اور

[ل] ۔ لڑائی کے بعد جو گھونسہ یاد آئے وہ اپنے منھ پر مارنا چاہیے۔

قدردانوں کے اصرار نے مجھے اس کے اُردو کردینے کے لیے مجبور کیا عرصہ دراز تک تفکرات چند در چند اور علالت وغیرہ کی وجہ سے اُن کی تعمیل ارشاد سے قاصر رہا - آخر اُسکو اُردو کرنا پڑا اور نہ صرف یہی بلکہ جہاں کسی دوسری زبان کی عبارت درج کی گئی وہاں اُس کے ساتھ اُسکا اردو ترجمہ بھی شامل کردیا اور اسوقت تک جو کچھ باتیں اور دریافت ہوئیں اُس میں بڑھا دی گئیں یہ سمجھنا چاہیے کہ اُسکی تکمیل بلکہ تالیف ہی اب ہوئی پہلا نام بھی تبدیل کرکے بجائے اُس کے دوسرا مناسب نام **تنقیح الکلام فی تاریخ البلگرام** رکھا اور ہر ایک بیان مسلسل کا ایک باب مقرر کرکے حسب ضرورت اکثر بابوں میں فصلیں بھی قائم کردیں - اور بوجہ ضخامت ایک یا چند بابوں کا ایک ایک حصہ الگ الگ کردیا اب التماس صاحبان ذی علم و ہنر کی خدمت میں یہ ہے کہ اختلافی واقعات وغیرہ میں اقوال و مباحث مختلف باہم سے جہاں میں نے حتی الامکان حقیقت کا انکشاف کیا ہی اور قدیم مورخین کی تحریر کے علاوہ جو کچھ جدید تحقیقات سے تذکرہ مشاہیر وغیرہ میں اضافہ کیا ہے اُس کی داد دیکر مجھکو فخر و مباہات بخشیں اور دعائے خیر سے یاد فرمائیں اور بمقتضائے (الانسان مرکب من الخطاء والنسیان) ترجمہ (انسان خطا اور بھول سے ملکر بنا ہے) جہاں کہیں غلط یا سہو پائیں اُسکو دامن عفو میں چھپائیں یا اصلاح منصفانہ و محققانہ سے مجھکو مستفید فرمائیں -

چونکہ بعض اصحاب شعرا نے اس کتاب کی تالیف فارسی کے زمانہ میں ازراہ خلوص خون جگر کھاکر کچھ تاریخیں اسکی لکھکر مرحمت فرمائی تھیں اور اب اُسکی دوسری شکل اور دوسرا نام اور دوسرے سنہ تالیف ہوگئے لہذا وہ پہلی تاریخیں جن کے مصنف فوت بھی ہوگئے بطور اُن کی یادگار کے یہاں درج کیجاتی ہیں اور اُنکے اندراج کے لیے یہی موقع مناسب معلوم ہوتا ہے -

---

لے چونکہ بعض عربی دانان ہند نے ہندی اسماے معربات گھڑنا شروع کیے ہیں اور اُنکے ایسے حرُوف کو جو عربی میں نہیں ہیں دوسرے حروف سے تبدیل کرکے ترکیب میں استعمال کرنا اختیار کیا ہے اور اصل صورت میں ان کا ترکیباً استعمال کرنا غلط سمجھتے ہیں لہذا اس امر کا اظہار ضروری معلوم ہوا ہے کہ میں نے جو کتاب ہذا کا نام تنقیح الکلام فی تاریخ البلگرام رکھا ہی اس میں عمداً مثل عربی دانان مذکور کے بلگرام کے کاف فارسی کو جیم عربی سے تبدیل کرکے اصلی خوبصورت نام بلگرام کو بلجرام بھی نہیں بنایا کیونکہ میرے عندیے میں یہ ترکیب جائز ہے مفصل بحث اسکی مخزن تحقیق میں کی گئی ہے -

تاریخ از نتیجہ طبع جناب حکیم سید بندہ رضا صاحب آرزو رضوی بلگرامی

منشیِ محمد کہ بر پاکی طبع محمود — ہر کسے را نظر افتاد نماید عش عش

بہر تاریخ کتابے کہ بود تالیفش — آرزو گفت نوی طرز عبارت دلکش ۱۳۰۹ء

ولہ

آرزو - محمد خوش نوشت کتاب — بتلاشِ کمال وجد و کد

پے تاریخ از لبِ ہاتف — نسخۂ بے نظیر بر آمد سنہ ۱۸۹۲ء

تاریخ تصنیف سید واجد علی صاحب واجد رضوی بلگرامی

دبیرِ نکتہ پرور محمد ذی فہم — کہ در فضل و بلاغت ہست محمود

بعلم و معنی و رنگیں بیانی — سبق از ہم عنانِ خویش بر بود

بحالات وطن فرسود خامہ — دریں ہنگام خرم وقت مسعود

گہر از معدنِ معنی بر آورد — نقاب از چہرۂ اسرار بکشود

نوشتہ داستانے بے کم و کاست — نشان بلگرام از کلک بنمود

بخاک رفتگاں آب بقا ریخت — چراغ افروختہ در بزم موجود

پس از عبدالجلیل و میر آزاد — ثنا رو آفریں از بہر ایں بود

برائے سال او واجد چو شد فکر

خرد گفتا بگو - تاریخ محمود

سنہ ۱۳۰۹

تاریخ مصنفہ مولوی غلام حیدر صاحب ارشد بلگرامی

منشی محمود محمد خوش گو — بے مثل و یگانۂ انام ست

او ہست بہ بلگرام موجود — گویا جامی میانِ جام ست

این نسخه چه دلکش رقم زد　　　مقبول و پسند خاص و عام ست

شمشیر بے نیام شد نام　　　تاریخش تیغ بے نیام ست

١٢١٠　　١٠١

هم سال دگر بخواند ارشد

حالاتِ صحیح بلگرام　ست

سنه ١٣٠٩ھ

پہلا باب دو فصلوں پر مشتمل ہے

پہلی فصل بلگرام کی قدیم حالات اور وجہ تسمیہ

یہ بات عام طور پر مشہور ہے کہ بلگرام جہاں آباد ہے اس آبادی کے متصل بقوے جانب غرب اور بقوے جانب جنوب کسی زمانے میں گنگا بہتی تھی بموجب قول اوّل گنگا کے پورب طرف اور بموجب قول ثانی اتر طرف لب دریا جنگل تھا۔ مگر یہاں کے مورخین اسکو تحریر میں نہیں لائے۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ آبادی سے قبل کا حال ہی کسی نے نہیں لکھا جسمیں اس کا ذکر کیا جاتا۔ لہٰذا اس امر کی بابت کوئی حوالہ نہیں ملسکتا۔ البتہ جب حکام انگریزی کو ملک اودھ کے قصبات وغیرہ کا حال دریافت کرنا منظور ہوا اور جناب مسٹر ہارنگٹن صاحب بہادر مہتمم بندوبست ضلع ہردوئی بلگرام کے تاریخی حالات کے مستفسر ہوئے تو تقریبًا ۱۸۷۰ء ایکہزار آٹھ سو ستر عیسوی میں بعض قابل اہل بلگرام نے اپنے معلومات کے موافق اُن کو آگاہ کیا۔ چنانچہ شیخ غلام حسن ثمیں صدیقی فرشوری مولف شرائف عثمانی کے پرپوتے جناب مولوی محمد عبدالوالی صاحب نے اپنی تحقیق کے مطابق جو کچھ مختصر کیفیت لکھدی تھی وہ مولوی صاحب موصوف نے مجھکو عنایت فرمائی جس کا دیباچہ میں ذکر ہوچکا ہے۔ اُس میں آبادی سے قبل یہاں گنگا کا ہونا اور اُس کے جانب شمال جنگل کا ذکر کیا ہے مگر وہی مدار اُس تحریر کا سماعت پر ہے۔ بہرحال یہ خبر جو سینہ بسینہ بذریعہ سماعت پہنچی ہے۔ اُس میں جنگل اور گنگا کا ہونا تو ضرور قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ البتہ دکھن کی طرف آبادی کے متصل گنگا کے ہونے میں جس شکل سے مشہور ہے بیشک تامل ہے۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ گنگا یہاں سے منتقل ہوکر کسی زمانے میں قنوج کے قریب بہنے لگی اور بلگرام سے گنگا تک پانچ کوس کا فاصلہ ہوگیا۔ دلیل اُس کے یہاں ہونے کی یہ پیش کیجاتی ہے کہ ابتک بلگرام

کے قریب جو کنوئیں کھیتوں وغیرہ میں کھودے جاتے ہیں اُن میں دریا کی بالو نکلتی ہے اور اس سے
بیّن ثبوت یہ ہے کہ تقریباً ۱۸۶۵ء ایکہزار آٹھ سو پینسٹھ عیسوی میں آبادی کے متصل دکھن طرف
کاشتکاروں نے آبپاشی کے لیے کنواں کھودا۔ جب پانی برآمد ہوا تو اُس کے متصل ایک ناؤ
کا ٹکڑا اور دریا کی بالو نکلی جس کے دیکھنے والے ابھی موجود ہیں۔ اس کا ذکر بھی مولوی عبدالولی
صاحب نے اپنی تحریر میں کیا ہے اور اُس ناؤ کے ٹکڑے کا بچشم خود دیکھنا انھوں نے خود مجھسے بیان
کیا۔ اب گذارش یہ ہے کہ بلگرام کے قریب جو کنووں میں بالو کا نکلنا بیان کیا جاتا ہے ٹھیک ہی
مگر دکھن طرف جدھر گنگا بقول ثانی بتائی جاتی ہی۔ اُدھر دریا کے مثل بالو نہیں نکلتی۔ البتہ پچھم طرف
ایسی بالو کی بھوڑ ضرور ہے اور وہیں کنووں میں بھی نکلتی ہے جس سے قول اول کی تصدیق ہوسکتی
ہی یہ ممکن ہے کہ گنگا چکر سے پچھم طرف ہوتی ہوئی نکل گئی ہو۔ مگر دکھن طرف کی روایت بالکل ضعیف
معلوم ہوتی ہے۔ جانب جنوب کنوئیں میں پانی کے پاس بالو اور تختہ نکلنے کا واقعہ بیشک صحیح ہے
مگر میرے نزدیک وہاں گنگا ہونے کا ثبوت کافی اس کو سمجھ لینا ناحق ہے۔ اس لیے کہ جب کنواں
زیادہ گہرہ کھود کر منڈل کیا جاتا تو پانی کے قریب بالو مثل ریگ دریا کے عام طور سے ہر جگہ برآمد
ہوتی ہے کچھ یہیں پر منحصر نہیں۔ یہ کوئی دریا ہونے کا ثبوت نہیں۔ مگر ہاں تختہ برآمد ہونا بیشک بہت
بڑی دلیل ہے اور جو لوگ یہاں کے تاریخی واقعات سے بخوبی واقف نہیں یا واقف ہوکر حالات
پر نظر تعمق نہیں ڈالتے انکا اسکو دلیل وا ثق سمجھنا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ مگر میں جو واقعات پر غور کرتا
ہوں تو مجھکو یہ دلیل بھی کمزور معلوم ہوتی ہے۔ واقعات ملاحظہ ہوں۔ شیخ غلام حسن صاحب
ثمین فرشوری نے شجرۂ لطیف عثمانی میں لکھا ہے کہ جب قاضی محمد یوسف عثمانی سلطان محمود غزنوی کے
حکم سے مسلمانوں اور دینداروں کی جماعت سے دریائے گنگ عبور کرکے بلگرام میں وارد ہوئے
تو کہتے ہیں کہ بلگرام کا والی جس کا نام سری راجہ تھا قلعے سے نکل کر جوئے کلیانی کے کنارے
مقابلے کے لیے صف آرا ہوا جو بلگرام سے قنوج کی طرف ڈیڑھ کوس کے فاصلے پر واقع ہے
اور بہت بڑی لڑائی ہوئی اس واقعے کے ۴۰۹ھ چار سو نو ہجری لکھے ہیں جو مطابق ۱۰۱۸ء ایکہزار اٹھارہ عیسوی
کے ہیں۔ یہی قول تمام شیوخ عثمانی کا بھی ہے اور سنہ فتح مذکور کے دیگر قبائل بھی معترف ہیں البتہ
فاتح میں بعض کو اختلاف ہے اس سے معلوم ہوا کہ ۴۰۹ھ ہجری سے تختہ مذکور برآمد ہونے کے

وقت تک تقریباً آٹھ سو تہتر برس کا زمانہ سنہ ہجری کے حساب سے ہوا۔ اُسوقت جوئے کلیان گر گیا بلگرام سے ڈیڑھ کوس کے فاصلے پر تھی۔ اور گنگا جوئے کلیان کے دکھن طرف اُس سے بھی زیادہ فاصلہ پر تھی غالباً اسی مقام پر یعنی قنوج کے قریب جانب شمال ہو گی جہاں اب ہی یا کچھ اس سے ہٹی ہوئی ہو تو سمجھ لینا چاہیئے کہ یہاں سے منتقل ہوئے گنگا کو کسقدر زمانہ دراز گذرا کہ ۹۰۰ہجری میں بھی بلگرام سے اسقدر دور اور قنوج کے نزدیک تھی گنگا کی رفتار سے ہزاروں سال کا زمانہ اُس کے یہاں سے بتدریج منتقل ہونے کا پایا جاتا ہے۔ پس پہلا سوال یہ ہے کیا اتنے زمانہ دراز تک گنگا کی ناؤ کا تختہ زمین کے اندر مٹی میں دبا ہوا باقی رہسکتا ہے اور پہچانا جاسکتا ہو کہ یہ ناؤ کا تختہ ہے۔ میرے نزدیک اس کا جواب نفی میں ملے گا۔ اور دوسرا سوال یہ ہے کہ جب گنگا بلگرام سے دکھن طرف منتقل ہوئی تو بیچ میں جوئے کلیان کو پھاندکر کسطرح نکل گئی جو گنگا کے مقابلہ میں بالکل ذراسی کم گہری ندی بلکہ نالا ہے اب تک موجود ہے اور برسات کے علاوہ اُس میں پانی بھی نہیں رہتا اس کے بیچ میں چھوٹ رہنے کی کیا وجہ۔ اگر کہا جائے کہ گنگا کے منتقل ہونے کے بعد جوئے کلیان کا وجود ہوا تو پہلی بحث یعنی ۹۰۰ہجری سے سینکڑوں بلکہ ہزاروں برس پہلے گنگا کا یہاں سے منتقل ہونا اور بھی مضبوط ہو گئی اور پہلے سوال کا جواب بالکل ناممکن ہو کر گنگا کے یہاں ہونیکا جو ثبوت کافی سمجھا گیا تھا وہ اُڑ گیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ جوئے کلیان پہلے بڑی ندی تھی اسکی ناؤ کا وہ تختہ ہوگا تو بھی تختہ گنگا ہونے کا ثبوت نرہا۔ اور علاوہ اس کے یہ بات بھی بے جوڑ ہے اس لیے کہ جوئے کلیان جو بلگرام سے ڈیڑھ کوس کے فاصلے پر ہے اس کا گنگا کی طرح جگہ سے ہٹ جانا کوئی نہیں کہتا۔ جہاں پہلے تھی وہیں اب بھی ہے اور تختہ نکلا بلگرام کی آبادی کے متصل پھر ناؤ کیا یہاں خشکی میں چلی۔ بالفرض اگر اس کا بھی منتقل ہونا مان لیا جائے تو وہ بھی ۹۰۰ہجری سے قبل کا ہو سکتا ہے کیونکہ سنہ مذکور میں تو ہیں تھی جہاں اب ہے لہذا اس کے بھی بلگرام کے متصل ہونے کا اتنا بعید زمانہ ثابت ہو گا کہ اُس وقت کے تختے کا وجود بھی مٹی میں اب تک یا اُسوقت تک جبکہ تختہ برآمد ہوا تھا باقی رہنا ناممکن ہے البتہ یہ تاویل ہوسکتی ہو کہ گنگا پہلے جوئے کلیانی کے اُتر جانب آبادی کے متصل بہتی تھی اور بعد کو جوئے کلیانی سے علیحدہ کسی ایسے مقام سے کٹ کے قنوج کے قریب جا کر بہنے لگی جہاں جوئے کلیانی کا تعلق اس سے نہ تھا اس جوئے کلیانی اپنے مقام پر بدستور قائم رہی و گنگا اس کے دکھن طرف جا کر بہنے لگی۔ اگر یہ تاویل تسلیم بھی کر لی جائے تو پھر قول ثانی کے بموجب کسی زمانہ میں گنگا کا بلگرام کے متصل دکھن جانب ہونا تو مان لیا جاسکتا ہے۔ مگر اُس کا یہاں سے

منتقل ہونا ۴۰۰ھ چارسو ہجری سے قبل ہی کا ثابت رہا اور برآمد شدہ تختہ اس صورت میں بھی ناقص ثبوت یہاں گنگا ہونے کا رہا اور جو اعتراض کم از کم نوسو برس کے قریب مٹی میں تختہ دبا رہکر باقی رہنے یا پہچانا جاسکنے کی بابت اوپر ہوچکا ہے وہ نہ ہٹا۔ پس سوا اسکے اور کوئی بات خیال میں نہیں آتی کہ کسی وقت یہ مقام جہاں تختہ برآمد ہوا گہرا ہوگا اور یہاں قبر ہوگی بعد اس کے زمین برابر ہوگئی اُس قبر کا کوئی تختہ کنواں کھودنے میں نکل آیا جسکو اتنا زمانہ ہوا کہ تختے کا وجود باقی رہا اور کسی چیز کا یا بالفرض کسی ٹوٹی ہوئی ناؤ ہی کا تختہ گرا پڑا کسی وجہ سے اس زمین نشیب میں دبا رہگیا۔ المختصر اس بحث سے نتیجہ یہ نکلا کہ دکھن طرف بلگرام کے متصل گنگا ہونے اور یہاں سے منتقل ہوجانے کا کوئی ثبوت کافی نہیں اور پھر یوں بحث کو گنجائش بہت ہے۔ مگر قنوج کے قریب اور بلگرام سے دکھن طرف تقریبًا پانچ کوس کے فاصلے پر گنگا کے ہونے میں کوئی کلام نہیں اسوقت موجود ہے۔

یہ بات بھی کسی نے نہیں لکھی کہ گنگا کے کنارے کا جنگل کب اور کس طرح اور کس کے وقت میں آبادی سے منتقل ہوا جس نے لکھا اُس نے اسلامی آبادی سے لگا لگایا اور بلگرام کی وجہ تسمیہ اپنے خیال کے موافق بیان کردی۔

شیخ غلام حسن صاحب ثمین صدیقی قرشوری نے شرائف عثمانی میں لکھا ہے (تلے ست کہ بنام بیل مشہور است۔ گویند بیل نام دیوے یا جنے بود در عہد کفار آنجا مقام داشت و اسم بلگرام بنسبت باوست۔ چہ در ہندی گرام بمعنی مقام است چنانچہ دیہ و قریہ را گرانوں میگویند و بیل آں دیو بود کہ آنجا مقام داشت بایں واسطہ بلگرام گفتہ اند۔ گویند آں بیل از مقام خود بول میکرد و بول او تا پرگنہ مسرکھ کہ معبد کفار واز بلگرام بفاصلہ سہ منزل است میرفت وہنود آں تبرک آنرا امید نشتند مشہو ست کہ حضرت خواجہ عماد الدین او را کشتہ چراغ اسلام روشن گردانیدہ) ترجمہ (ایک ٹیلہ ہے جو بیل کے نام سے مشہور رہے۔ کہتے ہیں بیل نامی ایک دیو یا جن تھا جو کافروں کے زمانے میں وہاں رہتا تھا۔ اور بلگرام کا نام اُسی کی نسبت سے ہے کیونکہ ہندی میں گرام مقام کے معنی پر ہے چنانچہ گاؤں کو گرانوں کہتے ہیں اور بیل وہ دیو تھا جو وہاں رہتا تھا اسی سبب سے اسکو بلگرام کہا گیا۔ کہتے ہیں وہ بیل جو اپنے مقام سے پیشاب کرتا تھا وہ پرگنہ مسرکھ تک جاتا تھا جو کافروں کی عبادت گاہ اور بلگرام سے تین منزل کے فاصلہ پر ہے اور ہندو اُسکو پرساد جانتے تھے۔

مشہور ہے کہ حضرت خواجہ عماد الدین نے اُسکو مار کر اسلام کا چراغ روشن کیا۔) مولف شرائف عثمانی کے اس سمعی بیان پر کوئی بحث کی ضرورت نہیں اسلئے کہ انہوں نے اسپر اعتماد کلی نہیں کیا بلکہ ہر جگہ لکھدیا ہے "میگویند ومشہور است" ترجمہ "لوگ کہتے ہیں اور مشہور ہے" جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جیسا لوگ کہتے ہیں اور مشہور ہے سنکر ویسا لکھدیا خواہ وہ صحیح ہو یا غلط وہ اُس کے ذمہ دار نہیں البتہ جناب مولوی سید محمد صاحب صغروی ساکن محلہ میدانپورہ نے نظم اللآلی کی آخری فصل میں جس کی سرخی ہے فصل در اجوبۂ ادلۂ مدعیان قدامت) ترجمہ (قدامت کا دعوی کرنیوالوں کی دلیلوں کے جوابوں میں فصل) بڑے وثوق کے ساتھ ملفوظ حضرت خواجہ عماد الدین قدس سرہٗ "جس کا ذکر میں دیباچے میں کر چکا ہوں" کا حوالہ دے دیکر بیل دیو کی کہانی لکھی ہے جسکو اپنے زعم میں اپنے جد اعلی سید محمد صغری صاحب کے قدیم اور فاتح بلگرام ہونے اور یہاں اُن کے اسلام قائم کرنے کا ثبوت خیال کیا ہے بغور ملاحظہ ہو (و ما صغرائیاں را برائے اثبات حقیقت خود والطال دعاوی مدعیان چند ادلۂ است ساطع و براہین است قاطع۔ یکے اینکہ بلگرام نام ایں قصبہ مرکب است از بیل وگرام۔ بیل نام دیو است وگرام در ہندی بمعنی شہر و آبادی۔ اضافت منقلبہ است یعنی شہر بیل و بیل دیوے بود بسیار زبردست کہ جوگیان و ساحران اینجا آنرا از کوہستان کشمیر بزور سحر و جادو آوردہ در اینجا برائے امانت خود ہا متمکن کرانده بودند و تا عہد آں دیو لعیں ایں جا چراغ اسلام احدی مشتعل کردن نتوانست۔ چنانچہ در رسالۂ ملفوظ حضرت خواجہ عماد الدین قدس سرہٗ مے نگارد کہ آں دیو لعیں تا چند کردہ آدم مخالف دین و مذہب خود نمی گزاشت وکسی کہ او را پرستش نمے نمود او را بسزا مے رسانید و راجہائے ایں ملک پیش کش مے گزرانیدند تا بحدیکہ حکومت و امراو تاراجہائے کوہستان وکشمیر بود و اگر دریں ملک چراغ پرستش کسے دیگر روشن مے شد از جلکہ آں چراغ را دور کردے و در بلگرام ساحران وجوگیان بسیار بودند۔ آں دیو را از پرستش و افسون بجہت معاونت خود از کوہستان آوردہ بودند وایں ہم باتفاق ثابت است و ملفوظ خواجہ صاحب برآں ناطق کہ دیو ملعون را خواجہ عماد الدین آمدہ بقوت زور باطن سوختند) ترجمہ (اور ہم صغرویوں کے پاس اپنی حقیقت ثابت کرنے اور مدعیوں کے دعوی باطل کرنے کے لیے چند روشن اور کاٹ دینے والی دلیلیں ہیں —

ایک یہ کہ اس قصبے کا نام بلگرام بیل اور گرام سے مرکب ہے۔ بیل دیو کا نام ہے اور گرام ہندی

میں شہر اور آبادی کے معنی پر ہے اُلٹی اضافت (ترکیب مقلوب) ہی یعنی بیل کا شہر۔ بیل ایک بڑا زبردست دیو تھا جسکو یہاں کے جوگیوں اور جادوگروں نے کشمیر کے پہاڑوں سے جادو کے زور سے لاکر اپنی مدد کے واسطے یہاں رکھا تھا اُس ملعون دیو کے زمانے تک یہاں اسلام کا چراغ کوئی روشن نکر سکا۔ چنانچہ خواجہ عماد الدین قدس سرہٗ کے ملفوظ میں لکھا ہے کہ وہ ملعون دیو کئی کوس تک اپنے خلاف دین و مذہب والے آدمی کو نہیں چھوڑتا تھا اور جو اُسکی پرستش نہیں کرتا تھا اُسکو سزا دیتا تھا اِس ملک کے راجہ اُس کو نذر دیا کرتے تھے یہانتک کہ اُس کی حکومت پہاڑوں و کشمیر کے احاطہ تک تھی۔ اگر اس ملک میں کسی دوسرے کی پرستش کا چراغ روشن ہوتا تھا تو اُس چراغ کو جکڑ سے دور کر دیتا تھا۔ بلگرام میں جادوگر اور جوگی بہت تھے وہ اُس دیو کو پرستش اور جادو سے اپنی مدد کے واسطے پہاڑوں سے لائے تھے۔ یہ بھی بالاتفاق ثابت ہے اور خواجہ صاحب کا ملفوظ اس بات کو بتاتا ہے کہ دیو ملعون کو خواجہ عماد الدین نے آکر زور باطن کی قوت سے پھونکدیا۔ جناب مولوی صاحب موصوف نے اپنے مسند الیہ ملفوظ خواجہ صاحب سے ایک طویل کہانی کا خلاصہ یہ بھی لکھا ہے (وقتیکہ خواجہ صاحب آں دیو ملعون را بقعر جہنم رسانید وجز آں براجۂ بلگرام رسید خواست کہ سوار شدہ بیاید و از خواجہ صاحب مقابلہ نماید۔ نہ مالیش گفتند کہ در کتب خود دیدہ ام کہ عہدے تمام مسلمانان محیط خواہند شد و ہر کہ با ایشاں مقاومت خواہد نمود بخاک مذلت خواہد افتاد۔ باید کہ از عمال ایں درویش تعرض مکن نمے بینی کہ ہچو دیو قوی و زبردست را کہ باعانت او آسائش مے نمودی در یکدم نابود نمودہ تو چہ حقیقت داری کہ مقاومت کنی۔ راجہ خاموش ماند۔ من بعد جوگیئے کہ در سحر و ساحری طاق بود با جازت راجہ پیش خواجہ صاحب آمد و سحر ہا ظاہر نمود خواجہ صاحب بزور باطن سحر و جادوے رفع کردند چوں ہدایت اسلام در مقسوم او بود ایماں آورد و اسلام قبول کرد و نزد راجہ رفتہ ابطال سحر و تمامی قصہ بیان نمودہ دعوت اسلام نمود راجہ برافروختہ گفت کہ رفاقت سابقہ مانع است وگرنہ ترا از جاں مے کشتم۔ جوگی گفت تو چہ حقیقت داری کہ مرا بکشی من دست آنکس گرفتہ ام کہ چندیں ہزار مثل تو پیش او ہیچ و خس است و باز آمدہ از خواجہ صاحب بیان حال و استدعا استیصال نمود خواجہ صاحب در جواب فرمودند کہ کشتن ایں دیو موقوف ایں درویش بود و زدن ایں کافر

سہل است۔ اما سیدے از ولایت مع فوج مسلمانان اہل عرب خواہد آمد و از فرمان والی دہلی اینجا آمدہ ایں کافراں را خواہد کشت چنانچہ حسب فرمودۂ خواجہ صاحب بعد چندے ستید محمد صغریٰ غازی آمدہ آں راجہ و اعوان و انصارش را کشتند و لوائے اسلام افراختند) ترجمہ (جسوقت خواجہ صاحب نے اُس ملعون دیو کو جہنم واصل کیا اور اسکی خبر بلگرام کے راجہ کو پہنچی تو اُس نے چاہا کہ سوار ہوکر آئے اور خواجہ صاحب سے مقابلہ کرے۔ اُس کے مصاحبوں نے کہا کہ ہمنے اپنی کتابوں میں دیکھا ہے کہ ایک زمانے میں تمام مسلمان گھیر لینگے اور جو کوئی اُن کے ساتھ برابری کرے گا وہ ذلیل ہوگا اس فقیر کو نہ چھیڑیے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ ایسے قوی اور زبردست دیو کو جسکی مدد سے آپ آرام کرتے تھے ایکدم میں اُس نے ناپید کردیا۔ آپکی کیا حقیقت ہے کہ اُس کی برابری کریں۔ راجہ چپ رہگیا۔ اس کے بعد ایک جوگی جو جادوگری میں یکتا تھا۔ راجہ کی اجازت سے خواجہ صاحب کے سامنے آکر جادو کرنے لگا۔ خواجہ صاحب نے زور باطن سے جادو کو روکا۔ چونکہ اُس کی قسمت میں اسلام کی ہدایت تھی وہ ایمان لایا اور مسلمان ہوگیا اور راجہ کے پاس جاکر اپنے جادو کا رد ہونا اور تمام قصہ بیان کرکے اُس کو بھی مسلمان ہوجانیکے لیے کہا۔ راجہ نے غصے میں ہوکر کہا کہ اگلی رفاقت کا خیال ہے ورنہ تجکو جان سے مار ڈالتا۔ جوگی نے کہا تیری کیا حقیقت ہے جو مجھکو مارے میں نے اُس شخص کا ہاتھ پکڑا ہے جس کے سامنے تیرے سے کئی ہزار گھاس پھوس کے مانند ہیں۔ اور واپس آکر خواجہ صاحب سے حال بیان کرکے اُس کی بیخ کنی کی خواہش کی خواجہ صاحب نے جواب دیا کہ اس دیو کا مارنا مجھپر موقوف تھا اور اس کافر (راجہ) کا مارنا سہل ہے ایک ستید ولایت سے عرب کے مسلمانوں کی فوج لیکر آئے گا اور دلی کے بادشاہ کے حکم سے یہاں آکر اس کافر (راجہ) کو مارے گا چنانچہ خواجہ صاحب کے فرمانے کے بموجب تھوڑے دنوں کے بعد ستید محمد صغریٰ غازی نے آکر اُس راجہ اور اُس کے مددگاروں کو مارکر اسلام کا جھنڈا بلند کیا۔

المختصر اسی قسم کی اٹکل پچو روایتیں گڑھ کے مشہور کر رکھی گئی ہیں اور تحریر میں بھی آگئی ہیں۔ بعض نے سادے طور پر مختصر لکھدیا ہے۔ بعض نے خوب مبالغے کا نمک مرچ لگا کر ان کو مزے دار بنایا ہے۔ بالخصوص جناب خواجہ صاحب کے ملفوظ کے گمنام مصنف صاحب نے تو اور بھی زیادہ بے پرکی اُڑائی ہے گستاخی معاف مجھکو ان کہانیوں کی صحت میں تامل ہے۔ اس لیے

کہ بعض مقام پر تو ایسی بے ڈھنگی گڑھت معلوم ہوتی ہے کہ قیاس چکر میں آتا ہی مثلاً جناب مولوی سید محمد صاحب نے جو یہاں کے جوگیوں اور ساحروں کا بزور سحر بیل دیو کو کوہستان کشمیر سے اپنی اعانت کے لیے لاکر ٹھہرانا اور اُس کے عہد تک چراغ اسلام کا مشتعل نہ ہوسکنا بیان کیا ہے اور اپنی تحریر کو ملفوظ خواجہ صاحب کے حوالے سے مضبوط کیا ہے جسکی اوپر نقل کیگئی یہ قصہ بھی کچھ کم شبہے اور تعجب میں ڈالنے والا نہیں اس لیے کہ جب جناب مولوی صاحب موصوف اور نیز اور سادات صغروی اس امر کے مدعی ہیں کہ ہمارے جد سید محمد صغری نے بلگرام کو فتح کرکے یہاں اسلام قائم کیا اور اپنے اس دعوے کے متعلق بہت کچھ دلیلیں دیگر قبائل مدعیان قدامت کے مقابلے میں پیش کرتے ہیں۔
تو گذارش یہ ہے کہ جب دیو مذکور کے عہد تک چراغ اسلام روشن نہوسکا اور بقول جناب مولوی صاحب وغیرہ اُن کے عقیدے کے موافق بعد اُس کے مرنے کے سید محمد صغری صاحب نے حسب فرمودۂ جناب خواجہ صاحب بلگرام کو فتح کرکے اسلام کا جھنڈا بلند کیا تو صاف ظاہر ہے کہ اس سے قبل بلگرام میں اسلام نہ تھا اور اس بات کے قایل یہی سادات موصوف ہیں۔ اب شبہہ قوی یہ پیدا ہوتا ہی کہ جب سید محمد صغری اور جناب خواجہ صاحب کی تشریف آوری کے قبل بالخصوص بیل دیو کی آمد سے پہلے یہاں اسلام کا پتا نہ تھا ہنود ہی تھے اور اپنے مذہب کے مطابق پرستش اصنام وغیرہ بے کھٹکے کیا کرتے تھے تو اُس وقت ہنود کے مذہبی امور میں مزاحمت کرنیوالا ایسا زبردست فرقہ اسلام بلگرام میں تھا ہی کہاں جس سے عاجز ہوکر بمقابلہ فریق مخالف مذہب جوگیوں و ساحران کو اپنی اعانت کے لیے بیل دیو کو کوہستان کشمیر سے لاکر یہاں رکھنے کی ضرورت اشد درپیش ہوئی۔
قصہ گویوں نے تو دیووں اور پریوں وغیرہ کی سکونت کا کوہ قاف میں ایک مقام خاص تجویز کرلیا ہی یہ کوہستان کشمیر میں بیل دیو اور پھر وہ بھی خاص ہندو مذہب کا بھولا بھٹکا جوگیوں کے ہاتھ لگ گیا تھا بہت موزوں ہوتا اگر اس کہانی کے مصنف صاحب بھی بجائے کوہستان کشمیر کے کوہ قاف سے بیل دیو کو منگواتے اور شدھی کرکے پہلے ہی سے اُسکو ہندو بھی بنا لیتے
المختصر بیل دیو کی آمد کی وجہ جو بغیر کسی معتبر حوالے اور سند کے لکھدی گئی ہے بالکل بھدی اور کمزور ہے اور یہ امر تسلیم کرنے کے لیے مجبور ہونا پڑتا ہے کہ یہ کہانی محض جھوٹی اور منگڑھت ہے۔ کوئی وجہ معقول جوگیوں کو بیل دیو کے لانے کی نہ تھی اور نہ بیل اُسوقت یہاں آیا۔ اور اگر بالفرض دیو کے آنے کی وجہ

صحیح ہی یعنی جوگیوں کا مخالف مذہب "اسلام" کو مغلوب یا نابود کروانے کی غرض سے لانا مسلم ہے تو قصہ سچا ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی مسلم ہوگا کہ سید محمد صغریٰ اور جناب خواجہ صاحب کی تشریف آوری اور بیل دیو کے بھی آنے سے قبل یہاں مسلمان تھے - یہ اور بھی عقب اور سید صغری صاحب کے قبل بلگرام میں مسلمانوں کا وجود نہ تسلیم کرنے والوں کے حق میں زہر ہے - کیونکہ اُن کی سبقت اور قدامت ہی میں بٹا لگایا جاتا ہے جسکو وہ اپنے اعزاز اور شرافت کا تمغہ سمجھتے ہیں -

مشکل تو یہ ہے کہ اگر کہانی کو سچا کرنے کی لیے گھبرا کے اسلام کا ہونا قبل سید محمد صغریٰ صاحب اور بیل دیو کے تسلیم کر لیا گیا اس لیے کہ ملفوظ خواجہ صاحب کی صحت پر حرف نہ آنے پائے کہ وہ ہی سند الیہ اور مطلب کے موقعوں پر حسب دلخواہ حوالے اور ثبوت کا کام تقریباً ترھویں صدی ہجری سے دینے لگا ہی تو بھی تو بیل دیو کی آمد کی وجہ قوی نہ ثابت ہوگی اور کہانی پر کذب و دروغ کا شبہہ باقی ہی رہے گا - اور اُس وقت یہ سوال پیدا ہوگا کہ جب جوگی ایسے کامل ساحر تھے کہ بیل سے زبردست دیو کو اپنے کمال سحر سے بالکل قابو میں کر سکے حتیٰ کہ اُسکو بزور سحر یہاں لاکر رکھا اور وہ اپنا قدیم مقام چھوڑ کے بلگرام میں رہنے کے لیے مجبور ہو گیا تو ایسی حالت میں بیل سے اعانت چاہنے کی اُنکو کیا ضرورت تھی - وہ اپنے کمال سحر سے بہ نسبت بیل دیو کے جو اُن کے سحر سے مجبور ہو گیا کہیں زیادہ اعانت خود کر سکتے تھے اور بیل دیو کو مفت میں تکلیف دیکر گھر سے بے گھر کرنا بالکل بے سود تھا - بہرحال بیل دیو کی آمد کی وجہ جو بیان کیگئی ہے اُس کا قوی اور مدلل ہونا مرے نزدیک ہرن کے سینگوں پر ہے -

آمدم برمطلب - بیل کا راجہ سری کے عہد میں ہونا اور خواجہ صاحب کے ہاتھ یا زور باطن سے اُس کا مارا جانا سب کو تسلیم ہے اور یہ غیر ممکن یا خلاف قیاس بھی نہیں - مگر اس بیل کے دیو اور اُس کے نام سے بلگرام موسوم ہونے میں غلط فہمی ہے جو آگے ظاہر ہوگی - اس میں تو کسی کو اختلاف نہیں کہ بلگرام کا دوسرا نام سری نگر ہے اور اس نام کی وجہ تسمیہ راجہ سری کے نام کی نسبت سے ہی - پس جب راجہ سری اور بیل کا ایک ہی زمانہ تھا جیسا کہ اوپر ذکر ہوا تو ایک ہی زمانے میں ایک ہی مقام کے دو مختلف نام یعنی بیل کی نسبت سے بیل گرام اور راجہ سری کی نسبت سے سری نگر ہونا کتنی انوکھی بات ہے - اگر یہ تاویل کیجائے کہ بیل چونکہ دیو تھا اس کی عمر بھی بڑی تھی اس لیے راجہ سری سے پہلے بیل گرام نام دیو مذکور کی نسبت سے چلا آتا تھا جب دیو مارا گیا تب

راجہ سری اپنے نام سے سری نگر نام رکھدیا تو سوال یہ ہے کہ جب بیل راجہ سری کا البا محسن اور
معاون تھا کہ اُسکی اعانت سے راجہ چین کیا کرتا تھا اور اُسکی وجہ سے قوی پشت تھا جسکی شہادت
جناب مولوی سید محمد صاحب کی تحریر بحوالہ ملفوظ خواجہ صاحب دیتی ہے جو پیشتر نقل کیگئی تو راجہ
کو کونسی ایسی ضرورت لاحق تھی کہ دیو کے مرتے ہی اُس کا نام مٹانے کی کوشش کرتا ایسے محسن
اور معاون کی تو اور یادگار اُسکو قائم کرنا چاہیے تھی نہ کہ پہلا کام وہ یہی کرتا کہ اُس کا نام مٹاکر اپنے
نام سے سرنگر بلگرام کا نام رکھدیتا - افسوس ہمارے مسلمان بھائیوں نے آپس ہی میں ایک دوسرے
سے سنکر جو پایا وہ لکھ مارا کاش ہنود اور اُنکی کتابوں سے مدد لیتے بالخصوص اُن حالات میں جن کا
تعلق ہنود سے تھا گوکہ اُنکی تواریخ بھی کہانی کا روپ بھرے ہوئے ہے مگر تاہم اپنی سمعی روایتوں
سے ملان کرنے سے ضرور کوئی بات پیدا ہوتی - اگر متقدمین اسبات کا خیال کرتے تو بہت کچھ حالات
صحیح دریافت ہو سکتے تھے جیکا اب دریافت مشکل بلکہ قریب قریب ناممکن ہے مگر خیر حتی الامکان میں نے
جو تحقیق کی ہے اُس کے مطابق عرض کرتا ہوں - مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے بیل کا جھگڑا طے
کیا جائے جس کا تعلق خاص بلگرام سے ہی کیونکہ اسی کی بے سروپا کہانیوں اور مختلف تذکروں نے
عقل کو چکر میں ڈالا ہے -

المختصر جب ان کہانیوں اور مختلف روائتوں سے میری تسکین نہوئی میں نے ذی علم اور لائق
ہنود سے بلگرام کی وجہ تسمیہ اور بیل کی بابت دریافت کیا - انھوں نے کہا کہ ہمارے یہاں ایک مدت
سے بذریعہ اپنے بزرگوں کے سینہ بسینہ یہ بات مشہور چلی آتی ہے اور پوتھیوں میں بھی ذکر ہے کہ یہاں
جنگل تھا اور اُس جنگل میں بِلّ نامی دانب یا دیت جسکو بتول بھی کہتے ہیں رہا کرتا تھا اُسی کی نام کی
نسبت سے اس مقام کا نام بل گرام پڑگیا اور وہ اس دیبی کی پرستش کرتا تھا جسکا نام اسکے نام کی نسبت سے
بلیشری (بِلّ ایشوری) ہوگیا اور دیبی مذکور کی مورت جہاں اُس نے قائم کی تھی آج تک اُسی
مقام پر بلگرام میں موجود ہے اور اُسی کے قریب پورب طرف کچھ آگے بڑھکر بل کا بازار تھا
پہلے وہ مقام بلہٹا بعدہٗ چھچھٹی بازار مشہور ہوا - ایک دیبی اُس نے وہاں بھی بلہاٹیشری
(بل ہاٹ ایشوری) کے نام سے قائم کی تھی جو عرصہ دراز کے بعد بلہٹا دیبی کہی جانے لگی
یہ دریافت ہوکر مجھکو حالات واقعات یعنی بلیشری کی مورت اور مقام بلہٹا کے دیکھنے سے ضرور

اُن کے قول کی مطابقت پائی گئی اور بلبھا کے لفظ سے قدیم اصل نام بلّ ہاٹ کا پتہ لگا جس کے لفظی معنی بل کا بازار۔ کثرت استعمال سے بل ہاٹ کا لفظ بگڑ کر بلبٹا ہو گیا۔ مگر اس بات کی خلش رہی کہ بل یا بلول کے وجود کا کوئی ثبوت کافی ضرور ملنا چاہیے۔ جو ان سب باتوں کی مطابقت اور صداقت کی دلیل ہو سکے۔ چنانچہ بموجب ضرب المثل کے کہ جوئندہ یابندہ۔ ترجمہ (ڈھونڈھنے والا پانے والا یعنی جو چیز ڈھونڈھی جاتی ہے وہ مل ہی جاتی ہے) مجھکو ہنود کی مشہور تاریخ سری مدبھاگوت میں بلول کا پتہ لگ گیا ملاحظہ ہو اسکندھ ۱۰-ادھیائی ۸، آخر ترجمہ مطبوعہ (یہ مہا بلرام جی کے دیکھتے ہی سب رکھیشور خوش ہو کر بولے کہ مہاراج آپکی دیا سے سوت کے مرنے کا سوچ تو چھوٹ گیا لیکن بلول دئت بندر روپ پورنماشی اور اماوس اور دوادسی کو آکر ہمارے جگ اور ہوم میں پیپ اور لہو اور ہڈی پھینک دیتا ہے اس سے ہم لوگ بڑا دکھ پاتے ہیں۔ آپ تیرتھ یاترا سیون پر دیال ہو کر اُس بندر کو مار ڈالیے تو ہم لوگ نربھے ہو کر جگ اور ہوم کیا کریں۔ یہ بات سنکر بلرام جی بولے کہ بہت اچھا ہم اُسکو مار کر تمہارا کھٹکا چھڑا دینگے) پھر ملاحظہ ہو ادھیائی ۹، شروع ترجمہ مطبوعہ (سکھدیو جی بولے کہ اے راجہ پرکھیت۔ ریوتی رمن نے رکھیشوروں کے کہنے سے بلول دئت کو مارنے کیواسطے کئی دن تک نیم کھار مصر کھ میں نواس کیا۔ جب پورنماشی کے دن بڑی آندھی چلکر پانی اور لہو اور پیپ برسنے لگا۔ اُسوقت رکھیشوروں نے بلرام جی سے کہا کہ اے مہاراج یہ سب لچھن اس بندر کے آنے کے ہیں۔ یہ بات سنکر بلدیو جی نے ہل اور موسل اپنے ہتھیار کو یاد کیا ویسے وے دونوں اُن کے پاس آپہنچے تب وہ بندر روپ دئیت کالا پہاڑ ایسا لمبا اور چوڑا بڑے بڑے دانت لال لال آنکھیں ڈراونی صورت بنائے ترسول ہاتھ میں لیے بادل کی طرح گرجتا ہوا وہاں آیا تب بلدیو جی نے اپنا ہل اور موسل لیکر اُسکی طرف چلے جب اس بندر نے بلرام جی کو اپنے سے زیادہ زبردست دیکھا تب وہ منتر کے زور سے انتر دھیان ہو کر مل اور موتر برسانے لگا۔ یہ حال دیکھتے ہی ریوتی رمن نے اُس بندر کو ہل کی نوک سے اُٹھا کر زمین پر ٹپک دیا اور ایک موسل اُس کے سر پر ایسا مارا کہ پران اُس کا نکل گیا۔ اُس دیت کا مرنا دیکھکر سب رکھیشور اس طرح خوش ہو گئے کہ جس طرح برترا اسر دیت کے مرنے سے دیوتا خوش ہوئے تھے اور اُسیوقت رکھیشوروں نے ریوتی رمن کو آشیرباد دیکر ایسے خوشبودار پھولوں کی مالا گلے میں پہنا دی جس کے

پھول کبھی نہ کمھلادیں دیوتوں نے بلدیوجی پر پھول برسا کر دندبھی بجائی) جب بلوں کا یہ حال معلوم ہوگیا تو
احتیاطاً یہاں کے قابل پنڈتوں سے پھر دریافت کیا کہ یہ بلول کون ہے جسکا ذکر سری مدبھاگوت میں
ہی انھوں نے کہا کہ یہی بلول دیئت ہے جو یہاں کے جنگل میں رہتا تھا اور نیکھار سرکہ میں جاکر تیرتھ
باسیون کو پریشان کیا کرتا تھا یہی بِل دانٹ کے نام سے مشہور ہے - اسی کی بود و باش یہاں تھی
اور بل گرام اسی کی نسبت سے یہاں کا نام ہوا - یہ معلوم ہونیکے بعد مجھکو فکر ہوئی کہ کچھ بلیشری کا
بھی حال دریافت کرنا چاہیے کہ اس کی کیا اصل ہے. کسی کتاب میں تو اسکا پتہ لگا نہیں مگر بعض پنڈتوں نے
کہا کہ ہمارے یہاں سینہ بسینہ بزرگوں سے یہ بات مشہور چلی آتی ہے کہ بل جسکو بلول بھی کہتے ہیں ایک
دیئت تھا جو یہاں رہا کرتا تھا وہ اس دیبی کی پرستش کیا کرتا تھا اس لیے اُس کے نام کی نسبت سے اس کا
نام بلیشری ہے - اصل اور صحیح نام بل ایشوری ہے - ایشوری بقاعدہ ہندی ایشور کا صیغہ تانیث ہے
معنی ترکیبی اس کے بل کی ایشوری - پنڈت چندی دین صاحب ولد پنڈت گنیش پرشاد صاحب شکل
نے ایک روایت بیان کی کہ یہ دیبی راجہ بین قدیم والی قنوج کی ایک بیٹی منجملہ اُسکی سات بیٹیوں کے تھی -
راجہ بین بہت بڑا درویش منش پرہیزگار آدمی تھا وہ اپنے راج کا ایک پیسا بھی اپنی اور اپنے اہل وعیال
کی ذات پر نہ صرف کرتا تھا بلکہ اپنی محنت سے بینے (پنکھے) بنا بنا کر بیچتا اور اُنکی قیمت سے بسر اوقات
کرتا تھا - اسی نسبت سے وہ راجہ بین کے لقب سے مشہور ہوگیا - اُس کی یہ قلیل آمدنی اُس کے معمولی خرچ
کو بھی کافی نہوتی تھی اس لیے اُس کو اپنی بیٹیوں کی شادی کی بڑی فکر تھی - پس سات بیٹیوں کی شادی
کرنا امر محال تھا سمجھکر اُس نے مجبوراً یہ بات تجویز کی کہ ان ساتوں کو کہیں جنگل میں لیجا کر پرمیشر کے بھروسہ پر
چھوڑ دینا چاہیے - آخر اُن بیگناہ بھولی پاکدامنوں کو اپنی چھاتی پر پتھر رکھکر گھر سے لے چلا قنوج کے اُتر
طرف ایک جنگل تھا اُس کے اور قنوج کے بیچ میں دریائے گنگ حائل تھا اُسکو عبور کرکے جنگل میں آیا اور اُن
معصوموں کو تھوڑی دیر ادھر اُدھر وہاں کے طرح طرح کے درخت اور عجائب منظروں کی سیر میں بہلاتے
بھٹکاتے کسی موقع پر نظر سے اوجھل ہوکر قنوج پہنچگیا اب ان بیچاری معصوموں نے جو دیکھا تو باپ کا کہیں
پتا نہیں - چندے ادھر اُدھر تلاش کرکے صبر کیا - جو اُنمیں کچھ سیانی اور سمجھدار تھیں اُنھوں نے خیال
کیا کہ بابا جان ہماری شادیوں کے لیے فکرمند تھے اور راجکا پیسا اس کام میں وہ صرف نہیں کرسکتے تھے
کمائی کی اپنی قلیل آمدنی میں یہ کام ناممکن سمجھتے تھے لہذا سوا ہمیں پرمیشر کو سپرد کردینے کے اور چارہ ہی کیا

تھا۔ خیر وہ سب جنگل کے پھل وغیرہ پر بسر کرکے اپنے پرمیشر کی یاد میں جسکے بھروسہ پر اکیلی بن میں چھوڑ دی گئی تھیں مصروف رہنے لگیں۔ اُس جنگل میں یہ دئت (دیو) بل رہتا تھا۔ ناگاہ ایک مرتبہ اُن سیانی لڑکیوں میں سے ایک کا سامنا ہوگیا۔ بل کی بھیانک شکل اور وحشیانہ حرکات دیکھکر وہ ست کی دیبی بہت پریشان اور متردد ہوئی اور اپنے پرمیشر کی طرف دھیان کرکے التجا کرنے لگی کہ اے پرمیشر میں تیرے ہی بھروسے اور مدد پر اس ہوکے جنگل میں بن باس ہوں۔ اگر میرا باپ راجہ بین تیرا سچا سیوک اور میں اُس کی ست کی بیٹی ہوں تو اس ناپاک زبردست دئت پر مجکو فتحیاب کر اور یہ مردہ ہوجائے۔ اتنا کہنا تھا کہ وہ گران ڈیل زبردست دیو اُسی جگہ پہاڑ کی طرح پھٹ پڑا اور روح قالب سے پرواز کرگئی۔ جب اُس دیبی نے اپنے آپ میں یہ ست دیکھا تو پرمیشر کا شکر ادا کیا اور ہر طرح سے اس کے دلکو اپنی زبان کے اثر پر تقویت اور اطمینان ہوا۔ پھر اُس نے دعا مانگی کہ اے پرمیشر میں چاہتی ہوں کہ یہ دئت پھر اُسی طرح زندہ ہوجائے اور مجکو کسی طرح کا آزار نہ پہنچا سکے۔ چنانچہ اُسکی دعا سے وہ پھر زندہ ہوا اور اُسوقت اُس دیبی کے پاؤں پر گر پڑا اور ایسا اُس کا معتقد ہوگیا کہ اُسکو خاص اپنی دیبی مان کر اُسکی پرستش کرنے لگا۔ اسی وجہ سے وہ دیبی بلیشری (بل ایشوری) کے نام سے موسوم ہوئی۔ بعدہٗ بل نے ایک پتھر پر اُس دیبی کی مورت تراشی اور اُس کی پرستش کرتا رہا۔ چونکہ اس روایت کی حقیقت اور ثبوت کا مجکو پتا نہیں لگا اس لیے اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ علاوہ اس کے بلگرام کے قابل اور مستند پنڈت جناب گوپال رام صاحب اس روایت کے قائل نہیں۔ وہ صرف پتھر کی مورت بناکر بل کا اُسکی پرستش کرنا اور موجودہ بلیشری کا بل کے وقت سے اپنے اسی قدیم مقام پر قائم رہنا مانتے ہیں۔ میں نے دیکھا جس پتھر پر بلیشری کی مورت بنی ہی وہ ایک فٹ نو انچ لمبا اور چھ انچ چوڑا ہے کسی زمانے میں ہندوؤں نے مٹھ بنوا دیا یا پرانے مٹھ کی تجدید کردی ہے۔ اُس کے اندر وہ مورت مع چند اور مورتوں کے نصب ہے۔ کثرت مرور ایام سے اس مورت کی آنکھ۔ ناک۔ کان۔ اور منہ کچھ نہیں معلوم ہوتا بلکہ دیگر اعضا بھی صاف محسوس نہیں ہوتے۔ غور کرنیسے کچھ سر اور دھڑ۔ ہاتھ پاؤں کے نشانات معلوم ہوتے ہیں۔ اس کی کہنگی اور فرسودگی سے ثابت ہوتا ہے کہ بیشک ہزاروں برس کی ہے۔

ایک مورت سب سے بڑی بالکل بے ڈھنگی بلیشری کی مورت کے دہنی طرف نصب ہے

جو طول میں ڈھائی فٹ اور عرض میں چار انچ ہے اس کا سر گردن سے الگ ہے جو ملا کر نصب کیا گیا ہے۔ داہنا ہاتھ شانے کے پاس سے اور بایاں کہنی کے پاس سے غائب ہے۔ داہنا پاؤں ران کے پاس سے اور بایاں گھٹنے کے بیچ سے نہیں ہے۔ اس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ بِل کی مورت ہے۔ کیا عجب کہ بعد بِل کے اُس کے معتقدین میں سے کسی نے اسکو تراشا ہو اور ہنود نے کسی زمانے میں یہ معلوم کر کے کہ یہ مورت بِل کی ہے یہ جگہ اُس کے لیے مناسب سمجھکر یہاں قائم کر دیا ہو یہ اتنی کہنہ و فرسودہ نہیں جتنی کہ بلیشری کی مورت ہے۔ اس کے علاوہ اور چند مورتیں بلیشری کے بائیں جانب ہیں وہ بھی کسی زمانے میں ہنود نے نصب کی ہیں۔ یہ سب معمولی سخت پتھر کی ہیں۔ مٹھ کا رخ پورب طرف ہے اور اُس سے ملحق ایک کوچہ دکھن سے اُتر کو گیا ہے۔ ہنود کل مورتوں کی پرستش کرتے ہیں اور اُن کا عقیدہ ہے کہ اگر آنکھ میں پھلی یا جالا وغیرہ پڑ جائے اور وہ پانی جو ان مورتوں پر پڑ کے بہتا ہے چند روز لگایا جائے تو آنکھ اچھی ہو جاتی ہے۔ ہنود میں یہ بھی مشہور ہے کہ بلیشری پر کسی جاندار کی بھینٹ نہیں چڑھتی۔ زیادہ تر انکی بھینٹ میں ناریل اور ریَن پھل چڑھا کے بطور پرشاد تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ یا زیادہ سے زیادہ بکرے کا۔ ذرا سا کان کاٹ کے وہ بکرا مالی کو دیدیا جاتا ہے تھوڑے عرصہ کا واقعہ ہے کہ زمانہ شاہی میں موضع ترتی پور تحصیل و ضلع ہردوئی کے ایک بڑے سرکش ٹھاکر مکرند سنگھ نے آ کے بکرا چڑھانا چاہا تو اُسوقت کے مشہور پنڈت دیبی دین عرف دودا پنڈت ولد پنڈت دھنی رام صاحب پانڈے نے جنکے مکان کا دروازہ پچھم طرف بالکل بلیشری کے مٹھ کے مقابل اور صرف ایک کوچہ درمیان میں فاصل ہے اور اُن کی وفات کو قریب ساٹھ سال کے ہوئے ہوں گے ٹھاکر صاحب سے کہا کہ یہ دیبی بل پردان (بھینٹ) نہیں لیتیں آپ یہ نئی بات نہ کیجیے مگر انھوں نے نہ مانا اور بھینٹ دینے کے لیے بکرا لے ہی آئے۔ جیسے ہی اُس پر تلوار چلائی اُن کا ہاتھ شل ہو گیا تلوار چھوٹ پڑی اور بیہوش ہو کر گر پڑے اُن کے ساتھی اُٹھا کر لیگئے اور گھر پر پہنچکے دم نکل گیا۔ یہ واقعہ مجھسے جناب گرد مرلی دھر صاحب ولد پنڈت شیام لال صاحب شکل نے جو ایک سچے اور معتبر آدمی ہیں اور بلیشری کے بالکل قریب دودا پنڈت موصوف کے گھر سے ملحق دکھن طرف رہتے ہیں۔ بیان کیا اور کہا کہ میں نے خود پنڈت دیبی دین عرف دودا پنڈت موصوف کی زبان سے سنا۔

اس واقعے کی تصدیق جناب پنڈت بھگوان دین صاحب ولد جناب پنڈت بھوانی پرشاد صاحب مسر نے بھی کی۔ بعض پنڈتوں نے یہ بھی بیان کیا کہ بل کے بنائے ہوئے اشلوک سنسکرت زبان میں ہم نے دیکھے جن میں بلیشری کی تعریف اکثر تھی۔ جناب پنڈت گوپال رام صاحب نے فرمایا کہ ہمارے یہاں خود موجود تھے مگر تلف ہو گئے ان سے معلوم ہوتا تھا کہ بل سنسکرت کا زبردست عالم تھا۔

المختصر جہاں بلیشری کا مٹھ ہے وہ محلہ بلیشری ٹولہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس محلہ کے درمیان دیبی موصوف کے قریب سے ایک رستہ پورب کو گیا ہے اس میں آگے بڑھکر تھوڑے فاصلہ پر بل کا بازار (بل ہاٹ) تھا جس کا ذکراوپر ہوا اسی میں بلہاٹیشری (بل ہاٹ ایشوری) عرف بلٹھا دیبی کا مٹھ رستے کے اتر طرف دکھن رخ ہے۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ اب اس مٹھ میں بلہاٹیشری کا وجود نہیں کسی زمانے میں (جس کا اب کسیکو علم نہیں) بلہاٹیشری کی مورت تلف ہو گئی صرف مٹھ کا نشان رہگیا اس میں ایک پتھر (جس میں دو مورتیں عورتوں کی ترشی ہوئی ہیں) کسی زمانے میں ہنود نے رکھدیا ہے جو ایک پیپل کے درخت کے نیچے زمین سے دستیاب ہوا تھا۔ اسی وجہ سے یہ مورتیں اب پیپراسنی دیبی کے نام سے مشہور ہیں۔ شاذ کوئی پرانا قصہ سنے ہوئے اسی پتھر کو بلٹھا دیبی بھی کہدیتا ہے۔ یہ موجودہ پتھر دو فٹ لمبا اور ۹ انچہ چوڑا ہے۔ اس کے نیچے کے حصہ میں دونوں مورتیں نوانچہ لمبی بنی ہیں۔ پتھر کے دہنی طرف مورت سیدھی کھڑی ہے اور بائیں طرف والی اپنے بائیں ہاتھ پر ایک چھوٹی سی اور مورت کو لیے ہوئے ہے جس کے بوجھ کی وجہ سے کمر جھکی ہوئی ہے اور بایاں کولہا ٹیڑھا بنایا گیا ہے یہ پتھر ہزاروں برس کا نہیں معلوم ہوتا۔ اسکی مورتیں بالکل صاف اور مکمل ہیں۔

میں نے اس طرح کی کئی مورتیں ایسے ہی پتھر پر بنی ہوئی دیکھیں جو بعض مقامات پر زمین سے برآمد ہوئیں اور بلگرام میں جابجا موجود ہیں جس سے ظاہر ہے کہ آمد اسلام سے پہلے ذی اقتدار ہنود کی عمارتوں میں ایسے ہی پتھر تراشے ہوئے لگائے جاتے تھے منجملہ انہیں کے ایک پتھر یہ بھی ہے۔ اسی مٹھ میں میرے وقت میں تقریباً ۱۳۲۶ھ ایکہزار تین سو چھبیس ہجری مطابق ۱۹۰۸ء ایکہزار نوسو آٹھ عیسوی میں پنڈت رام دین بلگرامی نے ایک مورت پاربتی دیبی کی سنگ مرمر کی بنی ہوئی ایک طاق چھوٹے سے ستون پختہ میں بنواکر بالکل بیچ میں رکھی ہے۔ پاربتی سنگ مرمر کی چوکی پر پالتی مارے ہاتھ جوڑے بیٹھی ہیں۔ لمبائی اس مورت کی مع چوکی نوانچ اور چوڑائی چھ انچ ہے۔ ہنود بلیشری

اور بلہا ٹیشری کے مقام بلؔ کے وقت سے یہی مانتے ہیں جواب ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ بلؔ تھا ضرور اور وہی تھا جس کا ذکر سری مدبھاگوت میں ہے۔ گو اُس کے واقعات کی شکل ہنود کے یہاں بھی سب صحیح نہو۔ اور بیل بانڈویا وپائے معروف جسکی کہانیاں مشہور ہیں اُس کا پتا اُس تحریر سے لگتا ہے جو جناب مولوی عبد الوالی صاحب صدیقی فرشوری نے جناب ہارنگٹن صاحب بہادر مہتمم بندوبست کو لکھکر بھیجی تھی جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ وہ بیل ایک ہندو فقیر کا نام بتاتے ہیں اور وجہ تسمیہ بیل گرام اُسی کی نسبت سے لکھتے ہیں اور بعد اُس کے راجہ سری کی نسبت سری نگر موسوم ہونا اور بعد راجہ سری کے اہل اسلام کا سری نگر کو ترک کرکے اصلی نام بیل گرام کو بلگرام کہنا رقم فرماتے ہیں مگر یہ روایت سمعی ہے مگر اس میں بیل کی کیفیت اُن سمعی اور گڑھی ہوئی روایتوں کی طرح بے تکی نہیں جو اوپر مذکور ہوئیں لہذا اقرین قیاس ہونے کی وجہ سے اس بیل کی تصدیق ہنود سے بھی کرنے کی ضرورت ہوئی اور دریافت کرنیسے معلوم ہوا کہ ہاں بیل بھی گزرا ہے مگر وہ دیو نہ تھا بلکہ اعلیٰ درجے کا جادوگر جوگی تھا جس کا مسکن میدان بیل تھا۔ راجہ سری اُس کا نہایت معتقد تھا اور اُس کی جادوگری کے زور کا اُسکو بہت بل تھا۔ جناب پنڈت گوپال رام صاحب ولد جناب پنڈت دیبی دین صاحب مسر سے معلوم ہوا کہ اس بیل کو قریب ہزار برس کے زمانہ گذرا ہوگا۔ ہنود اہل اسلام کے اس بیل اور نیز راجہ سری پر غلبہ پانے سے بھی انکار نہیں کرتے مگر جناب پنڈت صاحب مذکور اور دیگر ذی علم ہنود کو بلگرام کا اس بیل کے نام سے موسوم ہونا تسلیم ہے بلکہ وہ کہتے ہیں بلگرام اسی پہلے بل کے نام سے مو[illegible]م ہوا ہے اور بلیشری اور بلہا ٹیشری عرف بلٹھا دیبی اسی وقت کی ہیں۔

المختصر بلؔ اور بیل دو شخص ان دو ملتے جلتے ناموں کے یہاں گزرے ہیں اور دونوں کے تذکرے گڈمڈ ہو کر زبانوں پر کچھ تغیر تبدل کے ساتھ رہے۔ امتداد ایام کی وجہ سے بلؔ کے نام کا مسلمانوں میں پتا نرہا اور بیل جو اُن کے زمانے سے قریب ہوا اُسی کا نام اُن کی زبانوں پر رہا اور جو واقعات بل اور بیل دونوں کے جسطور پر مسموع ہوئے وہ سب اکیلے بیل کی نسبت خیال کیے۔ کیونکہ بل کے نام سے اُن کے گوش آشنا نہ تھے یہی وجہ ہے کہ مختلف زمانوں کے دو شخصوں کے واقعات ایک شخص واحد مان کر میل نہیں کھاتے۔ مسلمانوں کے اس دھوکے کا ثبوت شرائف

عثمانی کی عبارت میں ملاحظہ ہو جس کا اوپر ذکر ہوا اور اب اُس کا ہر فقرہ علیحدہ علیحدہ دکھایا جاتا ہے
(تلے است کہ بنام بیل مشہور است) ترجمہ (ایک ٹیلا ہے جو بیل کے نام سے مشہور ہے) اتنا
جملہ بیل سے تعلق رکھتا ہے ۔ یہ اونچا مقام آبادی کے دکھن طرف جسپر خواجہ عماد الدین قدس سرہٗ
کا مزار واقع ہے اور ابتک بیل کہلاتا ہے وہی ہے جہان بیل رہتا تھا اور اُس نے معبد بنایا تھا
بلکہ کتب تواریخ میں معبد بیل اسکو لکھا ہے ۔ آگے تحریر کیا ہے (گویند بیل نام دیوے یا جنے بود در
عہد کفار آنجا مقام داشت و اسم بلگرام نسبت باوست چہ در ہندی گرام بمعنی مقام است چنانچہ
دیہہ و قریہ را گرانوں میگویند و بیل آں دیو بود کہ آنجا مقام داشت باین واسطہ بلگرام گفتہ اند
ترجمہ (کہتے ہیں بیل نامی ایک دیو یا جن تھا جو کافروں کے زمانے میں وہاں رہتا تھا اور بلگرام
کا نام اُس کی نسبت سے ہے ۔ کیونکہ ہندی میں گرام مقام کے معنی پر ہے ۔ چنانچہ گانوں کو گرانوں
کہتے ہیں اور بیل وہ دیو تھا جو وہاں رہتا تھا اس سبب سے اسکو بلگرام کہا گیا) یہ جملہ بل سے نسبت
رکھتا ہے اس لیے کہ بیل دیو یا جن نہ تھا مگر دونوں کے واقعات صرف بیل کی نسبت خیال کرنے
کی وجہ سے (آنجا مقام داشت) ترجمہ (وہاں رہتا تھا) تحریر ہوا ورنہ بل کا مسکن بلگرام کے
کسی خاص مقام پر متحقق نہیں ۔ اس کے آگے تحریر کیا ہے (گویند آں بیل از مقام خود بول میکرد
و بول او تا پرگنہ مسرکھ کہ معبد کفار واز بلگرام بفاصلہ سہ منزل است میرفت و ہنود آں تبرک
آں را میدانستند) ترجمہ (کہتے ہیں وہ بیل جو اپنے مقام سے پیشاب کرتا تھا وہ پرگنہ مسرکھ
تک جاتا تھا جو کافروں کی عبادت گاہ اور بلگرام سے تین منزل کے فاصلے پر ہے اور ہندو
اُسکو پرساد جانتے تھے) یہ جملہ بھی کسی قدر تغیر کے ساتھ بل کے متعلق ہے اور سری بھاگوت
میں جو اس کا نیمکھار مسرکھ میں جا کر تیرتھ باسیون کو دق کرنا اور بلرام جی کے مقابلے کے وقت
بل اور موتر برسانا مذکور ہے اُس سے مطابقت رکھتا ہے یہ جو کسی قدر تغیر ہے امتداد ایام کے
باعث سے واقع ہوا ہے ۔ اور آخری فقرہ عبارت مقوس کا غالباً تعصب مذہبی کی علامت ہے
پھر آگے تحریر کیا ہے (مشہور است کہ حضرت خواجہ عماد الدین او را کشتہ چراغ اسلام روشن گردانید)
ترجمہ (مشہور ہے کہ حضرت خواجہ عماد الدین نے اُسکو مار کے اسلام کا چراغ روشن کیا) یہ جملہ بالکل
بیل سے مناسبت رکھتا ہے جس سے ہنود کو بھی انکار نہیں ۔

پس اگر ابتدائے آبادی اسلام کے زمانہ میں تاریخ لکھی جاتی تو اُسوقت بیل کا زمانہ بالکل قریب تھا صحیح صحیح اُس کے واقعات قلم بند ہوتے اور بل کے واقعات بھی بہت کچھ دریافت ہوتے اور دونوں ایک میں گڈمڈ نہوتے نہ اب اسقدر تحقیق اور طویل تحریر کی ضرورت پڑتی المختصر روایتوں کا غلط ملط اور مسلمانوں کا دھوکہ کھانا جو تحقیقات اور بحث سے ثابت ہوا مع وجوہ و ثبوت کے تحریر کیا گیا جس سے علاوہ اختلافات کے ایک بڑا بھاری اور بیڈھب اختلاف جو بیل کی موجودگی کے زمانے کا مختلف واقعات کے باہم گڈمڈ ہو جانے کی وجہ سے پڑتا تھا اور جس کا تال میں کسی طرح نہیں ملتا تھا سب جاتا رہا یعنی مطابق تاریخ ہنود تو بل بلرام جی براور کنھیا جی کے زمانے اخیر دواپر گ جگ میں تھا جسکو ابتک اُن کے عقیدے کے موافق پانچہزار سال سے زیادہ ہوتے ہیں۔ اور مسلمانوں کے قول کے بموجب وہ سلطان محمود غزنوی اور راجہ سری کا ہمسر اور نام اُس کا بیل معلوم ہوتا ہے جس کو اسوقت تک ۹۰۰ نوسو سال سے زیادہ ہوتے ہیں اُسپر بھی اور طرۂ یہ ہوا کہ ہمارے سادات صغروی بیچارے کی ٹانگ پکڑ کے سلطان شمش الدین التمش کے عہد میں گھسیٹے لاتے ہیں۔ اس حساب سے ابتک سات ہی سو سال سے زیادہ ہوتے ہیں۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا ترجمہ (راہ میں کسقدر زیادہ فرق ہے۔

المختصر بل کو بہت زمانہ دراز ہوا جیساکہ ہنود کی تاریخ بتاتی ہے۔ بالفرض اگر اُن کے جگوں کا اعتبار اپنی تاریخی معلومات سے بہت دور ہونے کی وجہ سے نہ بھی کیا جائے تو بھی سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں برس اُدھر اس کا زمانہ پایا جاتا ہے۔ اور بیل کا زمانہ غلبہ اسلام کے قریب تھا جیساکہ اوپر مذکور ہوا اب رہی یہ بات کہ بلگرام بل کے نام سے موسوم ہے یا بیل کے نام سے۔ یہ بات بھی بحث سے طے کر دی گئی کہ بلگرام بل ہی کے نام سے موسوم ہے۔ اس وجہ تسمیہ میں کوئی بے تکاپن نہیں معلوم ہوتا

ہمارے مکرم جناب مرزا احمد صاحب صفیر بلگرامی صغروی نے زور شاعری سے اپنی تاریخ میں بلگرام کی وجہ تسمیہ سب سے الگ لکھی ہے کہ سید محمد صغری ۶۱۲ھ چھ سو بارہ ہجری میں قبل فتح بلگرام بدائت جنگ تشریف لائے اور از روئے علم مکاشفہ بیلک دیو کا حال دریافت کرکے پہلے اُسی کا استیصال منظور ہوا اور بزور سیادت اور قوت دعوت لڑکر اُس دیو کو زیر اور مطیع و منقاد کیا۔ تاریخ اُسکی (بیلگ رام شدہ) ترجمہ (بیلگ فرمانبردار ہوا) مشہور ہے جس سے ۶۱۲ھ چھ سو بارہ ہجری نکلتے ہیں

اُس کے رام ہونے کے بعد سید محمد صغریٰ نے راجہ سری سے جنگ کی اور بعد فتح اسی فقرہ (بیلگ رام شد) سے شدہ شدہ لفظ (شدہ) ساقط ہو کر پہلے بیلگ رام مشہور ہوا آخر بلگرانوں اور بلگرام ہو گیا۔ ہے تو گڈا عقلی مگر لگا یا خوب۔ البتہ کسر اتنی رہ گئی کہ تاریخ پوری کرنے کی غرض سے بیل کے نام میں گو گاف کی دُم لگا کر اپنا مطلب نکالنا چاہا مگر پھر بھی دو عددوں کی کمی رہ گئی جسکی وجہ سے علامہ میر عبدالجلیل صاحب کی فتح بلگرام کی تاویلی تاریخ (خداداد) سے دو سال قبل سید محمد صغریٰ صاحب کو بلگرام میں تشریف لا کر بیٹھ رہنے کی ایک اور نئی روایت سب سے الگ گڑھنا پڑی اور سید محمد صغریٰ صاحب کو مفت میں دو سال جنگ اور فتح کے التوا کی تکلیف اٹھانا پڑی۔

المختصر تنقیح سے نتیجہ یہ نکلا کہ دواپر جگ کے آخر میں جسکو مطابق تاریخ ہنود اب تک پانچ ہزار سال سے زیادہ ہوئے اس مقام پر جنگل تھا اور اُس میں بل نامی دانب یا دیت دیوا رہا کرتا تھا جس کا ذکر مفصل اوپر ہوا۔ اُسی بل نے پہلے اپنی آبادی یہاں قائم کرکے اس کا نام (بل گرام) رکھا۔ اسکے زمانے کے بعد اور چوتھی صدی ہجری مطابق دسویں صدی عیسوی کے قبل کے تاریخی حالات صحیح اور قابل اطمینان دریافت نہیں ہوتے۔ تاہم بلگرام کے متعلق کچھ افسانے اور حوالے بھونپت کرت اور اس کے ترجمے پریم ساگر میں ملتے ہیں یا کچھ قصے کہانیاں بعض زبانوں پر باقی ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ یہاں جنگل تھا اور اس کے قریب ہی گنگا بہتی تھی۔ رفتہ رفتہ زمین کو کاٹتی ہوئی قنوج کے قریب پہنچی ہے۔ البتہ اس کا پرانا نام (بل گرام) زمانہ آخر تک برابر قائم رہنا اسبات کی دلیل ہے کہ بل کے وقت سے راجہ سری کے عہد تک کم و بیش کسی نہ کسی طرح کی آبادی مسلسل یہاں رہی اور وہی پرانا نام برابر زبانوں پر جاری رہا اور راجہ سری سے قبل باشندگان قدیم میں سے کسی نے اُس نام کو تبدیل نہیں کیا اگر اسکی آبادی کا سلسلہ کبھی منقطع ہو کر ایک مدت دراز تک اُجاڑ جنگل پڑا رہتا۔ اور آخر میں کبھی کوئی اِسکو از سر نو آباد کرتا تو اُس دوسری آبادی کا دوسرا نام بھی لازمی تھا پس جسطرح قنوج کا قدیم نام ہزارہا برس سے بوجہ آبادی مسلسل کے ابتک نہیں مٹا وہی حالت اس کی بھی ظاہر ہوتی ہے۔

ہجری صدیوں کے اوائل میں یہاں ٹھٹیروں کی آبادی اور اُنہیں کی حکومت اور قبضہ اور وہی اُس کا پرانا نام بل گرام دریافت ہوتا ہے۔ ٹھٹیروں کی حکومت کے زمانے میں کبھی اس کا تعلق

ہستناپور کی غربی سلطنت سے اور کبھی اجدھیا کی شرقی بادشاہت سے ہو جاتا تھا۔

ابھی تقریباً ۱۳۳۷ھ ایکہزار تین سو سینتیس ہجری مطابق ۱۹۱۸ء ایکہزار نوسو اٹھارہ عیسوی میں عزیزی پنڈت گرودر پرشاد صاحب وکیل سلمۂ ولد جناب پنڈت دیبی پرشاد صاحب تواری نے اپنے مکان کی تعمیر شروع کی تو ایک مقام پر بہت قدیم زمانے کی بھٹی اور راکھ اور برتن بنانے کا سامان تانبے وغیرہ کے ٹکڑے اور اوزار بالکل بوسیدہ اور زنگ آلودہ برآمد ہوئے جو چھونے سے مٹی کی طرح چور چور ہو گئے اس کیفیت کے ملاحظہ سے یہاں ٹھٹیروں کی قدیم آبادی کی تصدیق بھی ہو گئی یہ مقام بلیشری مذکور کے بالکل قریب گوشہ شمال و مشرق میں ہے۔

چوتھی صدی ہجری اور دسویں صدی عیسوی میں راجہ سری قوم راجپوت ریکوار (جسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ قنوج کے راجہ کا نائب یا اُس کے متعلقین میں سے تھا) نے دریائے گنگ کو عبور کر کے ٹھٹیروں کو بلگرام سے نکالکر اس پر اپنا پورا قبضہ دخل کر لیا۔ اور اسکو اپنی راج دھانی مقرر کر کے قریب قریب وسط آبادی میں ایک بلند اور عالی شان قلعہ بنایا جو اوپر کوٹ کے نام سے مشہور رہے۔ اس قلعے کے جانب غرب ایک وسیع تالاب (ساگر) بنایا اور جانب شمال ایک وسیع میدان میں جو قتلغ پور کہا جاتا ہے۔ ایک چھوٹی گڑھی اور بھی بنائی۔ اور اپنے رہنے کا خاص محل مقام لپسیز میں جو بلگرام سے قریب دو میل اور چھوٹی گڑھی سے قریب ایک میل کے فاصلے پر جانب شمال ہے تعمیر کیا۔ اور بجائے قدیم نام بل گرام کے اس کا نام اپنے نام کی نسبت سے (سری نگر) رکھکے یہاں کا ذی اقتدار راجہ ہوا۔ اس کا گرو وہی زبردست ساحر بیل جوگی تھا جو بیل دیو مشہور ہے اور جس کا ذکر اوپر گزرا۔ اُسکی سکونت خاص مع اپنے چند چیلوں کے راجہ سری کے قلعے (اوپر کوٹ) کے قریب گوشہ جنوب و مشرق میں ایک اونچے میدان میں تھی۔ وہ مقام خود بھی بیل کے نام سے مشہور ہے۔ بیل کی حمایت اور مدد سے راجہ کی حکومت بڑے زور شور کی تھی اور غرور کی ہوا اس کے سر میں سمائی اور یہ خیال جما ہوا تھا کہ بیل کی ساحری کے زور سے کوئی مجھکو زیر نہیں کر سکتا۔

دوسری فصل

آمد اسلام وفتح بلگرام وذکر چند بزرگان شریک معرکۂ فتح

تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ ۴۰۹ھ چار سو نو ہجری مطابق ۱۰۱۸ء ایکہزار اٹھارہ عیسوی عہد سلطان محمود غزنوی میں بلگرام کی فتح واقع ہوئی اور اُسی وقت سے یہاں اسلام کے قدم جم گئے اور تمام احکام شرعی وتحریر سجلات وقبالجات وغیرہ لقاعدۂ اسلام جاری ہوگئے اور آخر زمانے تک جاری رہے ۔ لیکن یہ امر کہ بلگرام کا فاتح اور یہاں اسلام کو قائم کرنے والا فی الحقیقت ہو کون شخص اس کو بعض خود غرضوں نے خواہ مخواہ جھگڑے میں ڈال رکھا ہے جس سے اُن کا یہ مطلب ہے کہ بلا سے ہمارے جد اعلیٰ فاتح سمجھے جائیں یا نہ سمجھے جائیں کم ازکم اصل فاتح خاندان کی حالت ہی بادی النظر میں مثل ہمارے مشکوک ومذبذب معلوم ہونے لگے اور خود سچے بنکر دوسرونکو جھوٹا بنائیں اور اپنی چرب زبانی اور ہمنوائی سے ناواقفوں کو دھوکہ دے دیکر اپنے جد اعلیٰ کو فاتح بلگرام ظاہر کیا کریں ۔

میں دیکھتا ہوں کہ آجکل جو مشہور خاندان یہاں موجود ہیں اُن میں سے اکثر نے اپنی شرافت علوی نسب اور باہم ایک دوسرے پر تفوق کا دارومدار انہیں دو باتوں یعنی آمد اسلام اور فتح بلگرام کو اپنے اسلاف کی طرف منسوب کرنے پر رکھا ہے ۔ اور اپنے اپنے آباو اجداد کا پیشتر آنا اور بلگرام کو فتح کرکے اسلام کی بنیاد قائم کرنا بیان کرکے فخر ومباہات کرتے ہیں کہ ہمیں قدیم اور ہم ہی فاتح ہیں ۔ جو خاندان دوسرے خاندان کی قدامت کے ثبوت زبردست پاتا ہے اور اُس کی تردید نہیں کرسکتا وہ اس معاملے میں تو اُس سے متفق الرائے ہوجاتا ہے اور اُس کے ساتھ آپ بھی قدیم بنکر کہنے لگتا ہے کہ ہاں فلاں خاندان کے اور ہمارے بزرگ ایکہی وقت

میں آئے ہیں۔ مگر فتح بلگرام کے بارے میں باستثنائے بعض بالکل ایک دوسرے کے خلاف ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے ہی جد اعلیٰ نے بلگرام کو فتح کیا باقی اور خاندان والے جن کا صرف اُسوقت آنا مجبوراً تسلیم ہی وہ اُن کے ہمراہ آئے تعجب یہ ہے کہ جن لوگوں کا فاتح کے ساتھ شریک معرکۂ فتح ہونا ثابت ہے اور بعض دوسرے خاندان والے بھی تسلیم کرتے ہیں اُن میں سے جن کا خاندان بلگرام میں ہا کوئی اپنے فاتح ہونے کا دعویٰ کرتا نہیں معلوم ہوتا۔ اور جنہوں نے محض اپنی زبان سے اپنے کسی بزرگ کو فاتح کہلیا یا صرف اپنے قلم سے لکھ لیا مگر دوسروں نے اُس کو بالکل نہیں مانا وہ فاتح بلگرام ہونیکے مدعی ہیں۔

فتح بلگرام کے متعلق اکثر نے بہت سے واقعات اپنے فہم و ادراک کے موافق گڑھے ہیں۔ یہ دعویٰ اکثر کا ایک ہی وقت اور ایک ہی معرکے میں برعکس ایک دوسرے کے ناممکن الوقوع معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ فاتح ایک شخص کہا جائے گا جو بادشاہ یا سپہ سالار اور سب سے بالادست ہوگا اور جس کے تابع حکم تمام فوج ہوگی۔ البتہ بنظر شرکت جنگ فوج کا ہر ادنی سپاہی بھی اپنی نسبت یہ الفاظ استعمال کرسکتا ہے کہ میں نے فتح کیا۔ اور ایک حد تک اُس کا یہ کہنا صحیح بھی ہوسکتا ہے۔ مگر ہر سپاہی بادشاہ یا سپہ سالار اور سب سے بالادست نہیں ہوسکتا نہ اُس کا فاتحانہ قبضہ سمجھا جاسکتا ہے اور نہ اصلی فاتح ہونے کا لقب اُسکو زیبا ہوسکتا ہے سوا اس کے کہ اپنا جی سمجھالے۔ لیکن جبکا شریک ہونا ہی نہ ثابت ہو اُن کا اپنا جی سمجھالینا بھی فضول ہے۔ پس اس نظر سے اصلی فاتح بلگرام ہونے کے لقب کا مستحق ایک ہی شخص ہوسکتا ہے جو بادشاہ یا سپہ سالار اور سب سے بالادست ثابت ہو اور اُسکی فتح اور حکومت وغیرہ کے ثبوت بمقابلہ ہر مدعی کے کامل اور زبردست ہوں۔

اپنے خاندان کو بہت قدیم ثابت کرنے والوں میں سے بعض سنہ ۴۰۷ھ چار سو سات ہجری مطابق سنہ ۱۰۱۶ء ایکہزار سولہ عیسوی میں اور اکثر سنہ ۴۰۹ھ ہجری مطابق سنہ ۱۰۱۸ء ایکہزار اٹھارہ عیسوی میں بعہد سلطان محمود غزنوی اپنے اپنے اسلاف کا بلگرام میں تشریف لاکر سکونت اختیار کرنا بیان کرتے ہیں۔ علاوہ انکے ایسے خاندان بھی ہیں جو یکے بعد دیگرے اُن کے بعد آآکر سکونت پذیر ہوتے گئے۔ وہ بیچارے کسی بات کے مدعی نہیں معلوم ہوتے اور نہ اسکے مدعی ہونیسے الضافاً اصلی وقعت اور شرافت میں کسی طرح کی کمی ہوسکتی ہے۔ مگر ایک نہایت حیرت انگیز امر یہ ہے کہ ان نو

آباد خاندانوں میں سے صرف ایک خاندان نے سب سے اختلاف کر کے اپنی ڈھائی اینٹ کی مسجد الگ بنائی۔ وہ کون ہمارے واجب التعظیم حضرت سادات صغروی۔ غالباً اسکی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ خداوند تعالےٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان کے خاندان میں ماشاء اللہ ترقی اور برکت بہ نسبت دیگر خاندانہائے قدیم کے زیادہ عطا فرمائی لہذا انہوں نے سمجھ لیا کہ ہماری کثرت تعداد نے دیگر مقامات پر شاید یہ اثر ڈالدیا ہے کہ بلگرام کے نامور اور سربرآوردہ روسا اور مشاہیر میں ہمیں ہم خیال کیے جانے لگے ہیں۔ اس یقین نے انکو تقریباً آخر کی دو ڈھائی صدیوں سے آفتاب درخشاں پر خاک ڈالنے کی جرأت دلوائی ہے جسکی ابتدا انہیں میں سے بعض اُن اصحاب نے اپنی افسانہ طرازی کے ذریعے سے کی ہے جنکو اپنی قابلیت اور علم پر ناز تھا۔ اور باطناً یہ دعویٰ تھا کہ ہمارا قول یا تحریر اگر اب نہ سہی تو کبھی ضرور مسلم سمجھی جائیگی۔ گو تاریخی واقعات پر غور کرنے سے قریب قریب یہی کیفیت اور بھی بعض خاندانوں کی ظاہر ہوتی ہے مگر اُنمیں اور اِن میں فرق اتنا ہے کہ انہوں نے سوا اپنے اس جداعلیٰ کے جو دراصل پہلے بلگرام میں تشریف فرما ہوا اُس سے چند پشت آگے کے ایک بزرگ کا سلطان محمود غزنوی کے عہد میں بھی آکر بلگرام میں اسلام قائم کر دینا یا فتح کرنا بیان کر دیا ہے۔ تاکہ جن خاندانوں کا دراصل سلطان محمود غزنوی کے عہد سے سکونت پذیر ہونا ثابت اور اظہر من الشمس ہے۔ اُن کے مقابلے میں خود مدعی بننے اور ناواقفوں کو قدامت اور فتح کے بارے میں شبھے میں ڈالدینے کا موقع ملے۔ خیر انھوں نے تو اپنے دعوے کے لیے ایک دھوکے کی ٹٹی کھڑی بھی کر رکھی ہے اور رلمو لگا کے شہیدوں میں ملنے کی ترکیب سوچ لی ہے مگر حضرات صغروی کا بغیر اس ترکیب کے فاتح ہونے کا دعویٰ نرالا ہے۔ اس لیے کہ وہ اپنے انہیں جداعلیٰ سید محمد صغریٰ صاحب کو سب سے قدیم اور فاتح ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں جن کا بلگرام میں آکر سکونت پذیر ہونا باقوال مختلف و مشتبہ ایک سو پچپن یا دو سو پانچ یا قریب تین سو برس بعد قدیم خاندانوں کے ثابت ہوتا ہے۔ پس مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سب مدعیوں کے دعوے لفظ بلفظ اور ان کے ثبوت وغیرہ ایک دوسرے کے مقابلے میں جسقدر مجھکو اسوقت تک دستیاب ہو سکے ہیں بلا کم و کاست مع انکی تنقیح کے ہر خاندان کے ذکر کے آغاز میں لکھکر ناظرین کی خدمت میں پیش کروں۔ جن پر غور اور انصاف کی نظر ڈالنے سے کچھ فیصلہ کسی کے حق میں کیا جا سکے۔ لیکن یہ جھگڑا العبد ذکر

اُن چند بزرگوں کے "جو فتح بلگرام کے معرکہ میں شریک تھے اور جن کے مزار پُرانوار زیارت گاہ خاص و عام ہیں" شروع کروں گا۔ اس لیے کہ ان مقدس متقدمین "جنکی نسل بھی باستثنای بعض بلگرام میں نہیں چلی" کے ذکر کا اور کوئی موقع مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

خواجہ عمادالدین چشتی قدس سرہٗ

ابتدائے اسلام بلگرام میں اوّل اوّل جس نے ولایت کا جھنڈا گاڑا وہ بالاتفاق آپ ہی کی ذات بابرکات ہے۔ بلگرام کے تمام خاندانوں میں شروع سے ابتک کوئی ایسا نہیں جو آپکو مقدم اسلام بلگرام اور یہاں کا شاہ ولایت نہ مانتا ہو۔ آپ حضرت خواجہ ابو محمدؒ چشتی قدس سرہٗ کے خلیفہ تھے۔ مفصل حال آپ کا کسی کتاب سے معلوم نہیں ہوا۔ صاحب شرائف عثمانی نے لکھا ہے کہ بعض اسناد سے آپکا زمانہ عہد سلطان محمود غزنوی میں متحقق ہوتا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ کتاب مراۃ الاسرار میں کشف المحجوب و روضۃ الصفا سے نقل کیا ہے کہ خواجہ ابو محمدؒ کے جملہ خلفا میں سے ایک عمادالدین تھے جو امارت اور راہل و عیال چھوڑ کر خواجہ کے درویشوں میں داخل ہو گئے اور خواجہ نے اُن کے حق میں فرمایا کہ (عمادالدین ما عماد دین است) ترجمہ (ہمارا عمادالدین دین کا کھمبا ہے) انتہی۔ یہاں سے آپ کا مرتبہ جاننا چاہیے کہ آپکے پیر و مرشد آپکو دین کا رکن فرماتے ہیں۔ آپ کے مرشد وہ بزرگ ہیں جن کی نسبت مورخین نے بالاتفاق لکھا ہے کہ ہندوستان کی اوّل فتح حضرت خواجہ ابو محمدؒ چشتی کی مدد سے بنام سلطان محمود غزنوی ہوئی۔

آپکو بھی اپنے مرشد کے ساتھ میں سلطان محمود غزنوی کا تقرب حاصل تھا اور تیمناً و تبرکاً اکثر معرکوں میں سلطان کے ہمراہ رہا کرتے تھے۔ چنانچہ ہندوستان کے نویں حملہ میں قنوج پر چڑھائی کے وقت بھی آپ کے ساتھ تھے اور جس طرح آپکے مرشد کی بدولت معرکہ سومنات میں سلطان محمود غزنوی کو کامیابی حاصل ہوئی جسکی شاہد کتب تواریخ ہیں اُسی طرح آپکی برکت سے معرکہ سری نگر "بلگرام" میں رئیس المومنین میر الجاہدین حضرت قاضی محمد یوسف مکی المدنی انگا زرونی کو فتح نصیب ہوئی جب لشکر اسلام سے راجہ سری مغلوب ہو کر قلعہ بند ہوا اور اُس کے معاون و بہی خواہ بیل ساحر "جن کا

ذکر فصل اول میں او پر ہوا" نے اپنے زور سحر سے لشکر اسلام کو مغلوب کرنیکی کوشش کی تو آپ نے
اپنے زور باطن وکرامات سے رد سحر کر کے اس کو قتل کیا اور قلعہ فتح ہو کر اسلام کا جھنڈا گڑ گیا۔ مفصل
ذکر اس فتح کا قاضی محمد یوسف گازرونی مذکور کے حال میں ہوگا۔ آپکی نسبت مشہور ہے اور بعض مولفین نے
بھی لکھا ہے کہ ہر روز صبح کو تحصیل علوم کے لیے کھڑاؤں پہنے قنوج تک جاتے تھے بیچ میں گنگا
حائل ہے لیکن آپ بلا تکلف گنگا سے گزر جاتے تھے ایک پہر میں جاتے اور ایک ہی پہر میں
اسی طرح شام کو واپس آتے تھے۔ میں اس روایت کی نسبت نہیں کہہ سکتا کہ کہاں تک صحیح ہے اس لیے
کہ بلگرام میں تشریف لانے کے وقت آپکی ولایت اور بزرگی وکمال مسلمہ ہے۔ اُس زمانہ میں آپ
کی طالب علمی کی ایسی اشد ضرورت پر قیاس نہیں جمتا علاوہ اس کے اُس وقت قنوج کے راجہ
کی ہنودی عملداری میں کون سے مسلمان بزرگ ایسے وہاں موجود تھے جن سے خواجہ صاحب
سے بزرگ صاحب کمال کو تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت تھی۔

آپنے حسب تعلق اہل وعیال اور امارت ترک کر کے گوشہ فقر میں قدم رکھا پھر متاہل نہیں ہوئے
صاحب مراۃ المبتدین نے لکھا ہے کہ آپ نے کسی کو مرید اور خلیفہ نہیں کیا اور اپنی ولایت اور حالت
کو ظاہر نہ کرتے تھے میر آزاد صاحب نے مآثر الکرام میں خضر علیہ السلام سے آپکی ملاقات ہونا
اور آخر ایام زندگانی میں آپکی کرامات ظاہر ہو کر راز فاش ہو جانا بھی تحریر کیا ہے۔

سنۂ وفات آپکے دریافت نہیں ہوئے۔ حالات اور واقعات سے وفات پانچویں
صدی ہجری مطابق گیارھویں صدی عیسوی کے ربع اول یا دوم میں معلوم ہوتی ہے۔ مزار پر
انوار منجملہ املاک حضرات قاضی محمد یوسف فاتح بلگرام میدان بیل "جو مسلمانوں کی قبروں کے
واسطے قاضی موصوف نے وقف کر دیا تھا" کے گوشہ شمال ومغرب میں بلندی پر واقع ہے۔

چھٹی صدی ہجری اور بارھویں صدی عیسوی کے آخر میں قاضی محمد یوسف ثانی عثمانی بن قاضی شمس الدین
بن قاضی محمد یوسف گازرونی فاتح بلگرام نے اپنے عہد حکومت میں آپکی درگاہ نوائی اور قلندر وابراہیم
دو شخص درگاہ کی مجاوری اور خدمت کے لیے مقرر کر کے پانچسو چوراسی گز زمین درگاہ کے قریب
انکی سکونت کے لیے ہبہ کر دی۔ بعد اُس کے جب قلندر اور ابراہیم کی خاص اولاد میں کوئی
نہ رہا تو بندگی قاضی عبدالدائم عثمانی بن قاضی محمود الداد بن علامہ قاضی عبدالکافی بن قاضی محمد یوسف

ثانی مذکور نے بابرشاہ کے عہد میں پھر اپنے پردادا کی طرح دو غلام عبداللہ اور عبدالرحیم کو آزاد کر کے درگاہ کا مجاور بنایا۔ اور وہی زمین جو قاضی محمد یوسف ثانی نے قلندر اور ابراہیم کو دی تھی عبداللہ اور عبدالرحیم کو سکونت کے لیے ہبہ کر دی نقل ہبہ نامے کی یہ ہے (باعث تحریر این چند کلمہ آنکہ چوں بندہ عاصی الراجی آں رحمۃ العلام عبدالدایم ابن اللہ داد قاضی بلگرام فی التاریخ سابع وعشرین شہر رمضان المبارک آزاد کردم از ملک خود دو نفر مسمیٰ عبداللہ و عبدالرحیم را بجہت مجاوری و خدمت درگاہ خواجہ عماد الدین صاحب ولایت بلگرام قدس سرہٗ العزیز و موازی پانصد و ہشتاد و چہار گز زمین معروف الحدود کہ کاغذ ہبہ نامہ آں علیحدہ بدستخط و سجل اجداد بزرگوار خود بنام قلندر و ابراہیم است و از اولاد ہر دو ضعیفے باقی ست بنابراں مجدداً زمین مذکور بہ ہر دو نصفا نصف ہبہ نمودم تا متصل درگاہ سکونت گرفتہ بر ہماں مسلک بمجاوری درگاہ پرداختہ باشند چنانچہ ہر دو اقرار نمودہ بطوع رغبتِ خود قبول کردند و آزاد شدند۔ مے باید کہ احدے از فرزندان من دعویٰ زمین مذکور بنام بردہا و اولاد شاں ننمایند و ناتوانند در مراعات کوشند بنابراں نوشتہ دادہ شد کہ ثانی الحال برائے اینہا و فرزنداں اینہا حجتے باشد۔ وکان ذالک تحریر فی التاریخ الخامس من شہر ذی حجہ سنہ اربع وستین و ثماں ماتہ) ترجمہ (ان چند کلموں کے لکھنے کا سبب یہ ہے کہ بندۂ گنہگار خدا کی رحمت کے امیدوار عبدالدایم الہداد قاضی بلگرام کے بیٹے نے ماہ رمضان المبارک کی ستائیسویں تاریخ دو غلام مسمیٰ عبداللہ اور عبدالرحیم کو خواجہ عماد الدین صاحب ولایت بلگرام قدس سرہٗ العزیز" اُن کے پیارے بھید پاک ہوں" کی درگاہ کی مجاوری اور خدمت کے واسطے اپنی ملک سے آزاد کیا اور پانسو چوراسی گز کے برابر زمین ظاہر حدوں کی جسکے ہبہ نامے کا کاغذ علیحدہ میرے بزرگ اور اجداد "قاضی محمد یوسف ثانی مذکور" دستخطی اور آراستہ قلندر اور ابراہیم کے نام ہے اور اُن دونوں کی صرف اولاد ضعیف "ناقص النسل" باقی ہیں اس بنا پر نئے سرے سے زمین مذکور دونوں " عبداللہ و عبدالرحیم" کو برابر آدھی آدھی ہبہ کروں تاکہ درگاہ کے قریب سکونت اختیار کر کے اسی طریقہ سے درگاہ کی مجاوری میں مشغول رہیں۔ چنانچہ دونوں نے اقرار کر کے اپنی خوشی اور رغبت سے قبول کیا اور آزاد ہو گئے۔ چاہیے کہ میرے فرزندوں میں سے

کوئی زمین مذکور کا دعویٰ ان دونوں اور انکی اولاد سے نکریں اور جہاں تک ہو سکے رعایت میں کوشش کریں لہذا یہ تحریر دیگئی کہ دوسرے وقت اُن کے اور اُن کے فرزندوں کے لیے دلیل ہو اور یہ ہبہ نامہ ماہ ذالحجہ کی پانچویں تاریخ ۸۶۴ھ آٹھسو چونسٹھ ہجری اور مطابق ۱۴۵۹ء ایکہزار چارسو انسٹھ عیسوی میں لکھا گیا) چنانچہ عبداللہ اور عبدالرحیم اور بعدہٗ اُن دونوں کی اولاد درگاہ کے مجاور ہوئے اور قلندر کے لقب سے مشہور رہے۔ شرالف عثمانی میں لکھا ہے کہ ۱۱۳۶ھ ایکہزار ایکسو چھتیس ہجری مطابق ۱۷۲۳ء ایکہزار سات سو تیئس عیسوی عہد محمد شاہ میں قاضی وقت محمد احسان عثمانی بن قاضی محمد ناصر بن قاضی محمد فضیل بن قاضی محمد یوسف ثالث بن قاضی بھکاری بن قاضی کمال بن بندگی۔ قاضی عبدالدایم مذکور سے شاہ یسین قدس سرہٗ ساکن میدان پور اور سید ابراہیم ساکن خرد پورہ وغیرہ نے استدعا کی کہ سال میں ایک دن خواجہ صاحب کا عرس مقرر کرکے کوئی شخص خاص اس کام کی خدمت کے لیے معین فرمادیا جائے کہ وہ اور اُسکی اولاد ہمیشہ ہر سال اُسے انجام دیتے رہیں۔ آخر قاضی محمد احسان عثمانی نے عیدالفطر کے روز آپ کا عرس مقرر کرکے میدان پور میں سے کچھ زمین مزروعہ درگاہ کے متصل جس کی آمدنی اُسوقت دس بارہ روپیہ سال تھی عرس کے خرچ کے لیے دیدی انتہیٰ۔ پھر ایک عرصہ دراز کے بعد خادم عرس مسمی بہادر علی نے وہ زمین سمیر کنجڑے ساکن میدانپورہ کے پاس رہن کردی چونکہ اُس سے اقرار تھا لہذا طوعًا و کرہًا دس بارہ روپیہ عرس کے لیے اُس سے لیے جاتے تھے۔ پھر وہ زمین جان محمد عرف جنا پسر بہادر علی مذکور نے منشی ظہور احمد اور انکی دختر مسماۃ آمنہ فاطمہ وغیرہ ساکنان محلہ کٹرہ کے ہاتھ بیچ ڈالی جسکی آمدنی اب ڈیڑہ سو ما صہ روپے سالانہ ہوگئی اور کھیت کا نام بڑھا مشہور ہے اس کے فروخت ہو جانے پر ادائے رسم عرس کا کوئی ذریعہ باقی نہ رہا۔ دوسرے سال لوگ عرس میں شریک ہونیکی غرض سے آئے اور سناٹا دیکھکر اپنے اپنے گھر واپس آگئے۔ خدا حکیم عبدالرشید سلمہٗ کا بھلا کرے کہ یہ حال دیکھکر اُس کے آیندہ سال سے اُنھوں نے عرس میں شیرینی وغیرہ تقسیم ہونے کا خرچ خود برداشت کیا اور بعدہٗ جب اپنی جائداد کا وقف نامہ محررہ ۲۹ ؍اگست و مصدقہ یکم ستمبر ۱۹۳۰ء اپنی دختر رابعہ بیگم سلمہا کے حق میں کیا تو اس میں مبلغ بارہ ؏ روپیہ سالانہ مستقل خواجہ صاحب کے عرس کے لیے مقرر کردیے۔ افسوس کہ اُس معافی قدیم کی حفاظت کا کسی نے خیال

نہ کیا ورنہ پیشتر سے کہں زیادہ اہتمام کے ساتھ معافی کی آمدنی میں عرس ہوتا - اور درگاہ جو منہدم ہورہی ہے اس کی مرمت بھی بخوبی ہوسکتی جس کے لیے اکثر چندے کی بھیک مانگنے کی ضرورت ہوا کرتی ہے -

اس شکستہ درگاہ عالی کی کرسی یک منزلہ مکان کی برابر بلند چاروں طرف احاطہ پختہ اور جانب غرب مسجد بلا سقف ہے - تربت کے سرہانے ایک پتھر گڑا ہے جسکی بلندی سطح زمین سے دو فٹ آٹھ انچہ ہے - بعد اس کے پتھر سے چار فٹ پانچ انچہ کے فاصلہ پر جانب شمال ایک ستون پختہ ہشت پہل بنا ہے اور اُس پر اُس کے موافق گنبد ہے - ہر پہل میں چراغ رکھنے کے لیے طاقچے بنے ہیں - بلندی اس ستون کی مع گنبد آٹھ فٹ پانچ انچہ ہے اور دروازہ درگاہ کا جانب مشرق گوشہ جنوب میں ہے -

اسمیں شک نہیں کہ یہ درگاہ عالی قبلہ حاجات اور برآورندۂ مرادات ہے - میر سید محمد متخلص بشاعر خلف علامہ میر عبد الجلیل بلگرامی فرماتے ہیں - قطعہ

خواجۂ کامل عماد الدین قطب اولیا حلقہ باب حریم او حصار بلگرام
از رو دموکب این خسرو عالی جناب سرمہ چشم ملک باشد غبار بلگرام
آستان اشرف او بوسہ گاہ آسماں بارگاہ اقدس او افتخار بلگرام

ترجمہ - ولیوں کے سردار کامل خواجہ عماد الدین کی درگاہ کے دروازے کا حلقہ بلگرام کا قلعہ "محافظ" ہے - اس عالی جناب بادشاہ کے سواروں کا گروہ آنے سے بلگرام کا غبار اُڑکر فرشتوں کی آنکھوں کا سرمہ ہے - اس کی بزرگ و برتر چوکھٹ کو آسمان چومتا ہے اُس کی پاک بارگاہ پر بلگرام کو فخر ہے -

میں جب لکھنؤ سے آیا تو آپکے اوصاف حمیدہ سن کر یک بیک دلمیں عقیدت کا ولولہ پیدا ہوا باوجود اس کے کہ مزار شریف بالکل بستی کے کنارے ویرانے سے متصل ہے - لیکن پہر رات گزرے ایکدن یہی دھن سمائی کہ بے خوف و خطر درگاہ کی طرف تنہا سناٹے میں چل کھڑا ہوا - آستان والا پر پہنچتے ہی فی البدیہہ یہ شعر موزوں ہوا - ؎

باادب باش کہ جائے متبرک این ست درگہ عارف حق خواجہ عماد الدین ست

ترجمہ ادب سے رہ کہ یہ خداشناس خواجہ عمادالدین کی درگاہ بڑی پاک جگہ ہے۔ یہ شعر پڑھتا ہوا مودب درگاہ کے اندر داخل ہوا اور خاک تربت کو چوم کر چشم بصیرت کا سرمہ بنایا۔ ذوق وشوق میں تربت کے جانب مشرق کھڑا ہو کے درود پڑھنا شروع کیا۔ میں صحیح عرض کرتا ہوں کہ خواب کی سی حالت مجھپر طاری ہوگئی اور مزار کشادہ نظر آیا۔ دیکھا کہ خواجہ صاحب نے چہرہ مبارک سے کفن ہٹایا اور گھوم کر میری طرف نظر کی قرینہ سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ میری طرف گھوم کے درود شریف سننے میں تکلف ہوا۔ اسوقت فرط جلال سے میرا بدن کانپنے لگا اور یکایک ہوش آگیا۔ میں زیارت سے بخوبی مشرف ہوا۔ حلیہ میری نظر میں ہے۔ آپ دوہرے بدن کے بزرگ ہیں۔ گندمی رنگ چوڑا گول چہرہ۔ ناک چوڑی اونچی کم۔ گردہ گھنی کھچڑی ڈاڑھی اوسط درجے کی لمبی۔ عمر قریب ساٹھ یا پینسٹھ سال کی۔ الغرض زیارت سے مشرف ہو کر گھر واپس آیا اور دوسرے روز یہ غزل حضرت کی شان میں کہی اور مزار مبارک پر جاکر پڑھی۔

غزل

عجب سودا بسر دارم عمادالدین چشتی را — کہ خود از جاں خریدارم عمادالدین چشتی را

چو حرفے بر زباں آرم شود افشای اسرارم — نمیدانم چہ پندارم عمادالدین چشتی را

بہر جائے کہ بنشینم جمال مصطفےٰ بینم — اگر در دل خیال آرم عمادالدین چشتی را

شبے تنہا بدرگاہش بیاگاہیدم از جائے — شد آگاہی ز اسرارم عمادالدین چشتی را

زخاکش برنمے خیزم سرشک از دیدہ می ریزم — بجان مشتاق دیدارم عمادالدین چشتی را

ز فکرت ہا پریشانم پشیمانم پشیمانم — چہ خدمت ہا بجا آرم عمادالدین چشتی را

تعجب چیست در عالم دہد شہرت گرامی ہمدم — عقیدت ہائے بسیارم عمادالدین چشتی را

شود تاب فراقش چوں منم در بلگرام اکنوں — طلبگارم طلبگارم عمادالدین چشتی را

چنیں اے حمد اثر دارد کہ در مرقد برقص آرد
ہمیں مستانہ اشعارم عمادالدین چشتی را

ترجمہ

میرے سر میں عمادالدین چشتی قدس سرہٗ کا عجب طرح کا سودا ہے کہ جان سے ان کا خریدار ہوں۔

اگر کوئی بات زبان پر لاتا ہوں تو میرے بھید کھلے جاتے ہیں - میں نہیں جانتا کہ عماد الدین چشتی کو میں کیا سمجھتا ہوں - اگر عماد الدین چشتیؒ کا خیال دل میں لاتا ہوں تو جہاں بیٹھتا ہوں حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال دیکھتا ہوں - ایک رات کو اکیلا اُنکی درگاہ میں جاکر میں اُن کے مرتبے سے آگاہ ہوا اور عماد الدین چشتی میرے بھیدوں سے آگاہ ہوئے میں عماد الدین چشتی کے دیدار کا جان سی مشتاق ہوں انکی خاک "تربت" سے نہیں اُٹھتا ہوں آنکھوں سے آنسو گرایا کرتا ہوں - میں اپنی فکروں سے پریشان ہوں اس سلیے بہت شرمندہ ہوں کہ عماد الدین چشتی کی کیا خدمت بجالاؤں -

دوستو تعجب نہیں کہ میرے بے شمار عقیدے عماد الدین چشتی کو دنیا میں مشہور کردیں - میں اب بلگرام میں ہوں انکی جدائی کی کیونکر تاب ہو میں عماد الدین چشتی کا نہایت طلبگار رہوں - اے حمد میرے مستانہ شعروں میں ایسا اثر ہے کہ عماد الدین چشتی کو قبر کے اندر وجد میں لاتے ہیں -

خواجہ صاحب کی نسبت مورخین بلگرام اور نیز مجھ کو جو کچھ حال متحقق ہوا وہ تو یہ ہے جو اوپر مذکور رہوا - لیکن جناب میر آزاد صاحب کا شبدیز قلم اس میدان میں کچھ اور ہی شوخی دکھاتا نظر آتا ہے - چونکہ خواجہ صاحب کا تقدم اور ان کے وقت سے بلگرام میں اسلام کا قیام ایسا مسلم اور اظہر من الشمس امر ہے کہ کسی خاندان کا کوئی فرد بشر متقدمین و متاخرین میں سے ایسا نہیں ہے جو اس کا معترف نہ ہو لہٰذا اس کے تسلیم کرنیکے سوا تو چارہ ہی نہ تھا مجبوراً ان کو اپنی کتاب مآثر الکرام میں لکھنا پڑا (از قدما ءاولیاء بلگرام و صاحب ولایت ایں مقام ست) ترجمہ (بلگرام کے قدیم ولیوں میں سے اور یہاں کے صاحب ولایت ہیں) باوجود اس کے قدیم خواجہ صاحب کو جدید سیّد محمد صغریٰ صاحب کے ساتھ کس مزے سے ملاکر دونوں کے زمانے کے قریب دو سو برس کے فرق کو زراسی جنبش قلم میں برابر کردیا ہے یعنی چونکہ سلطان شمس الدین التمش خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا مرید تھا اس لیے خواجہ عماد الدین اور سید محمد صغریٰ صاحب دونوں کو خواجہ قطب الدین موصوف کا مرید قرار دیدیا اور خواجہ عماد الدین کی تاریخ وفات بھی دوم شوال ۶۳۲ھ اثنین وثلثین وستمائۃ سیّد محمد صغریٰ صاحب کے زمانے سے ملتی جلتی نہیں معلوم کہاں سے تحریر کرکے سب کے زمانوں کا تال میل ملادیا - اس کے متعلق میں اور زیادہ کہنا نہیں چاہتا بلکہ میر آزاد صاحب کے معاصر قابل اور لائق مولفین نے جو کچھ انکی اِس کارروائی کی بابت اُن کے عین حیات میں تحریر کیا ہے

بعینہ نقل کیے دیتا ہوں ۔

مولانا غلام حسن صاحب ثمین فرشوری شرائف عثمانی میں لکھتے ہیں (مخفی نماناد کہ غلام علی آزاد مذکور بسیارے از اغلاط صریحہ بکار بردہ ۔ بیشتر روایات طبع زاد او بر زبان قلمش گزشتہ ۔ بہ تحقیق وقائع پے نہ بردہ ۔ یکے از جملۂ او این است کہ حضرت خواجہ را معاصر سید محمد واسطی نوشتہ وسید محمد را پیر بھائی یعنی برادر طریقت حضرت خواجہ قرار دادہ وہردو را مرید خواجہ قطب الدین بختیار اوسی کاکی مقرر نمودہ ۔ وبراثر آں سنۂ وفات حضرت خواجہ وسید محمد مذکور در نسخہ مآثر الکرام ثبت گردانیدہ وحالانکہ در ہیچ کتاب احوال حضرت خواجہ وسید مذکور را اندراج نیافتہ تفحص این معنی بسیارے اعزہ کردہ از جائے یافتہ نشد ۔ ونہ سندے یا سجلے یا وثیقہ الیست کہ حاکی وناطق براین معنی بودہ باشد ۔ مگر کم از صد سال است کہ سید شریف بن سید عمر مرحوم مذکور محلہ سید واڑہ کتابی موسومہ مراۃ المبتدین در اخبار بلگرام تصنیف دادہ اگرچہ او نیز بر اقوال سماعی وقیاسی رفتہ آنچہ آزاد سمدنی ایجاد کردہ در مراۃ المبتدین نیامدہ) ترجمہ (پوشیدہ نہ رہے کہ غلام علی آزاد مذکور نے بہت سی صریح غلطیاں کیں اُن کی طبیعت کی گڑھی ہوئی اکثر روائتیں اُنکے قلم کی زبان سے نکلیں ۔ واقعات کی تحقیق کی جستجو نہیں کی ۔ منجملہ اُن کے یہ ہے کہ خواجہ "عماد الدین" کو سید محمد واسطی "سید محمد صغریٰ" کا معصر لکھدیا ۔ اور سید محمد کو حضرت خواجہ عماد الدین، کا پیر بھائی قرار دیا ۔ اور دونوں کو خواجہ قطب الدین اوسی کاکی کا مرید مقرر کرکے اسی نشان سے حضرت خواجہ "عماد الدین" اور سید محمد مذکور کی وفات کے سنہ کتاب مآثر الکرام میں قائم کر دیے ۔ حالانکہ حضرت خواجہ "عماد الدین" اور سید مذکور کے حالات کسی کتاب میں درج نہیں ۔ اس امر کی بہت سے عزیزوں نے جستجو کی مگر کہیں سے پتا نہ لگا ۔ نہ کوئی سند یا قبالہ یا دستاویز ہے جس میں سے یہ بات معلوم ہو سکے ۔ لیکن سو برس سے کم ہوئے کہ محلہ سید واڑہ کے سید شریف بن سید عمر مرحوم مذکور نے ایک کتاب موسومہ مراۃ المبتدین بلگرام کے حالات میں تصنیف کی ۔ اگرچہ اُنھوں نے بھی سنی ہوئی اور قیاسی باتیں لکھیں مگر جو کچھ آزاد سمدنی نے ایجاد کی وہ مراۃ المبتدین میں بھی تھیں) دوسرے اُن کے ہمعصر قاضی احمد اللہ صاحب عثمانی رسالہ مسجلات فی تاریخ القضات میں تحریر کرتے ہیں (و میر غلام علی زمانہ خواجہ صاحب را در عہد سلطان شمس الدین التمش نوشتہ کہ سید محمد صغریٰ وخواجہ صاحب ہردو مرید خواجہ قطب الدین دہلوی

اند و تاریخ وفات دوم شوال سنہ اثنین وثلاثین وستمائۃ نوشتہ این ہمہ اختراع و افتراءست)
ترجمہ (اور میر غلام علی "آزاد" نے خواجہ صاحب "خواجہ عماد الدین" کے زمانے کو سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں لکھ دیا اور لکھا کہ سید محمد صغریٰ اور خواجہ صاحب "خواجہ عماد الدین" دونوں خواجہ قطب الدین دہلوی کے مرید ہیں اور وفات کی تاریخ دوسری ماہ شوال سنہ ۶۳۲ چھ سو تبیس "ہجری" لکھ دی۔ یہ سب ایجاد اور جھوٹ ہے) بہرحال میر آزاد صاحب نے خاص واقعات کی نسبت جہاں کہیں اور مولفین کے خلاف جو کچھ تحریر فرمایا وہ محض اپنی قابلیت کے بھروسہ پر۔ ثبوت کافی اس کا کوئی نہیں ملتا۔

پیر عرب و رب قدس اسرارہم

دو بزرگ ہیں۔ اول الذکر کا نام نہیں معلوم چونکہ عربی تھے اس لیے پیر عرب مشہور رہیں۔ آخر الذکر فارس کے تھے اور اصل نام داراب تھا۔ دونوں سردار رئیس المومنین امیر المجاہدین حضرت قاضی محمد یوسف مکی المدنی الگازرونی کے لشکر کے ہمراہ تھے۔ پہلا معرکہ جو سنہ ۴۰۹ ہجری مطابق سنہ ۱۰۱۸ اٹھارہ عیسوی میں جوئے کلیانی "گرگیا" کو عبور کرکے راجہ سری سے ہوا اُس میں دونوں شہید ہوکر وہیں میدان جنگ میں دفن کیے گئے۔ مزار دونوں کے پاس پاس ہیں ایک ہی پختہ چبوترے پر جو سڑک بلگرام سے قنوج کو گئی ہے اُس کے جانب غرب اور جوی کلیانی مذکور کے جانب شمال قریب دو سو قدم کے فاصلے پر ہیں۔ سرہانے دونوں کے ایک ایک پتھر گڑا ہوا ہے۔ کثرت استعمال سے آخر الذکر کا داراب عرب کا ہموزن ہوکر درب ہوگیا اور اب دونوں عرب درب کہے جاتے ہیں۔

پیر حمیر قدس سرہٗ

آپ کا نام نہیں دریافت ہوا۔ حمیر بکسرِ اوّل وسکون میم وفتح یائی تحتانی بنی سبا کے قبیلوں

میں سے ایک قبیلے کا نام ہے اور آپ اسی قبیلے سے تھے اس وجہ سے پیر حمیر مشہور ہو گئے۔ ناواقف لفظ حمیر کو بضم اوّل و فتح میم و سکون یائے تحتانی سمجھتے اور بولتے ہیں اور یہ غلط ہے۔ آپ بھی رئیس المومنین امیر المجاہدین حضرت قاضی محمد یوسف مکی المدنی الگازرونی کے لشکر کے ہمراہ سرداروں میں سے تھے جب ۴۰۹ھ ہجری مطابق ۱۰۱۸ء ایکہزار اٹھارہ عیسوی میں جوری کلیانی پر معرکہ ہوکر راجہ سری کی فوج پس پا ہوتی چلی آرہی تھی تو سری نگر "بلگرام" کے قریب میدان جنوبی میں شہید ہو کر وہیں مدفون ہوئے۔ اس مقام پر بارھویں صدی ہجری میں قاضی محمد احسان عثمانی نے باغ لگایا۔ جو فی زمانہ بڑا باغ کہلاتا ہے اسی کے اندر آپ کا مزار شریف آگیا ہے۔

پیر غار قدس سرہٗ

افسران لشکر اسلام سے تھے قلعے کے قریب کی جنگ میں بعد پیر حمیر مذکور کے مع اپنے چند سپاہیوں کے ۴۰۹ھ ہجری مطابق ۱۰۱۸ء ایکہزار اٹھارہ عیسوی میں میدان بیل کے متصل شہید ہوئے اور ہنگامہ جنگ میں اپنے ساتھی شہیدوں کے ساتھ ایک ہی غار میں دفن کیے گئے۔ چونکہ آپ افسر اور بزرگ تھے اس لیے اس زمانے کے لوگوں نے بعد شہادت پیر غار کہنا شروع کیا اور اسی لقب سے مشہور ہو گئے شرائف عثمانی میں لکھا ہے کہ انکی کرامات اکثر لوگوں پر ظاہر ہوئیں اور وقت شہادت فرمایا تھا کہ ہمارا مزار پختہ نہ بنایا جائے۔ چنانچہ مزار پر کچا چبوترہ تھا۔ اکثر لوگوں کی وہاں سے حاجتیں پوری ہورہی ہیں۔ انتہٰی۔

یہ گنج شہیداں کا کچا چبوترہ میدان بیل کے متصل گوشہ شمال مغرب میں شاہراہ کے پچھم طرف چند قدم کے بعد ہی۔ خواجہ عماد الدین قدس سرہٗ کی درگاہ اور اس گنج شہیداں کے درمیان شاہراہ مذکور فاصل ہے۔ اب اس کے جنوب طرف گور غریباں اور جانب شمال ایک کھیت ملحق ہے اس کھیت کا کنواں اس کے پورب طرف ہی جسکی پٹری اس سے ملحق ہے۔ اس چبوترے کی وجہ سے اتنا کھیت ٹیڑھا کر دیا گیا ہے۔

پیر جنید قدس سرہٗ

کہا جاتا ہے کہ آپ بھی لشکر اسلام کے افسروں میں سے تھے قلعے کے قریب کی جنگ میں بعد پیر غار مذکور کے ۴۰۹ھ چار سو نو ہجری مطابق ۱۰۱۸ء ایکہزار اٹھارہ عیسوی میں شہید ہوئے۔ مزار مبارک قلعے کے نیچے گوشہ مشرق وجنوب میں ہے۔ اس کے اور قلعے کے درمیان شاہراہ فاصل ہے۔ مزار پختہ سرہانے پتھر گڑا ہے۔ مرمت ہوتی رہتی ہے۔

پیر غیب قدس سرہٗ

آپ کا یہ عرف صفاتی معلوم ہوتا ہے جسکی وجہ نہیں دریافت ہوئی۔ افسران لشکر اسلام سے تھے قلعے کے قریب کی جنگ میں آپ بھی ۴۰۹ھ ہجری مطابق ۱۰۱۸ء ایکہزار اٹھارہ عیسوی میں شہید ہو کر قلعے کے جانب مشرق دفن ہوئے۔ مزار پختہ سطح زمین کے برابر ہی سرہانے پتھر گڑا ہوا ہے۔ قلعے کے پاس سے جو سڑک پورب کو گئی ہے۔ اس سے ملحق اُتر کی طرف ایک چھوٹی بلاسقف مسجد کے صحن میں مزار ہے صیقلگروں کے مکان بالکل اس کے پاس ہیں۔

حضرت حاجی محمد سالار المعروف بہ سالار ہفت حجی مکی المدنی قدس سرہٗ

آپ قوم کے شیخ عثمانی تھے نسب کا سلسلہ آگے دوسرے باب کی دوسری فصل شیوخ عثمانی شجرہ نمبر ا میں ملاحظہ ہو۔ آپ قاضی محمد یوسف عثمانی فاتح بلگرام کے برادر یکجدی تھے جنکا ذکر دوسرے باب کی دوسری فصل میں ہوگا۔ سات حج متواتر کیے اس لیے سالار ہفت حجی کے لقب سے مشہور ہیں۔ مدینہ منورہ سے تشریف لاکر بارگاہ سلطان محمود غزنوی میں مشرف وممتاز ہوئے۔ نہایت جری۔ وجیہ اور بااقتدار بزرگ تھے۔ سلطان موصوف چونکہ ایسے بزرگوں کا قدردان ومعتقد تھا لہذا

آپکو بڑی عزت و وقعت کے ساتھ سالار لشکر مقرر کیا۔ ہندوستان کے فتوحات میں آپ سلطان کے ساتھ بعہدۂ سپہ سالاری داد مردانگی و شجاعت دیتے رہے۔ ۴۰۹ھ چارسو ہجری مطابق ۱۰۱۸ء عیسوی میں سلطان کے ساتھ معہ اپنے برادر حقیقی قاضی محمد یوسف عثمانی مذکور اور پسران شیخ محمد رفیع و شیخ محمد کریم الدین کے قنوج تشریف لائے اور حسب الحکم سلطان بمعیت قاضی محمد یوسف عثمانی مذکور بلگرام کی مہم پر راجہ سری کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے۔ جب راجہ سری شکست کھاکر قلعہ بند ہوا تو آپ کے برادر قاضی محمد یوسف عثمانی نے تو قلعے کا محاصرہ کیا اور آپ نے معہ چند سرداروں غازی کمال وغیرہ کے راجہ سری کی دوسری گڑھی کا جو قلعے کے جانب شمال تھی محاصرہ کرلیا جب راجہ محاصرہ لشکر اسلام سے تنگ آکر آتر طرف سے گڑھی کی فوج کی مدد سے اپنے اہل عیال کو پسینر سے لیکر فرار ہو جانے کے ارادے سے نکلا تو گڑھی پر آپ کا محاصرہ پایا پھر تو راجہ اور اسکی گڑھی کی فوج محصور کو مجبوراً سوا کٹ مرنے کے کوئی چارہ نہ رہا۔ آخر راجہ کو دیکھکر وہ محصور فوج بھی جان پر کھیل کر نکل پڑی اور گڑھی کے میدان شرقی میں سخت مقابلہ و مقاتلہ ہوا دونوں طرف کے بہادروں نے اپنی جانیں لڑا دیں۔ جتنی لڑائیاں بلگرام کی مہم میں ہوئیں ایسی شدید جنگ کسی میں نہیں ہوئی فتح و شکست کے فیصلہ کا یہی آخری معرکہ تھا۔ راجہ اسی اثنا جنگ میں سرداروں کو مصروف جنگ دیکھکر اپنی فوج کے ساتھ متعلقین کو پسینر سے لیتا ہوا فرار ہوگیا اور گڑھی فتح ہوگئی۔ آپ اسی جنگ شدید میں شہید ہوکر اپنی جائے شہادت پر مدفون ہوئے جو قتلغ پور کے نام سے موسوم ہے۔ مزار شریف ایک پڑاوے کے متصل زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ آپ کے ساتھ کے جو سپاہی جنگ میں کام آئے وہ اکثر آپ کے مزار کے ملحق مدفون ہیں۔ آپ کا مزار مبارک اس وقت تک نہایت شاندار بلند و پختہ قائم ہے مگر اس کے قریب کی زمین اسقدر کٹ گئی ہے کہ مردوں کی ہڈیاں اور بعض کے پورے ڈھانچے کھلے ہوئے نظر آتے ہیں اور اس مقام کو دیکھکر عجیب عبرت معلوم ہوتی ہے۔ مزار شریف اور اس کی شان کچھ ایسی دلکش ہے کہ اس ہو کے میدان میں دہاں سے ہٹنے کو جی نہیں چاہتا فاعتبروا یا اولی الابصار۔

آپ کے دونوں صاحبزادے شیخ محمد رفیع و شیخ محمد کریم الدین مذکور قنوج میں متوطن و متاہل ہوئے ان میں سے فرزند دوم شیخ محمد کریم الدین کے پوتے شیخ معین الدین بن شیخ امین الدین

بن شیخ محمد کریم الدین تو قنوج سے قصبہ پالی میں جا کر آباد ہوئے اُن کے خاندان میں بڑے بڑے ذی اقتدار قاضی۔ رئیس اور امیر ہوئے۔ پالی میں بڑے محل اور چھوٹے محل کے رئیس سب اسی خاندان کے لوگ ابتک موجود ہیں۔ اور فرزند اول شیخ محمد رفیع کی اولاد قنوج میں اسوقت تک موجود ہیں اُن کے خاندان میں بڑے بڑے بزرگ اور امرائے عالی وقار ہوئے تمام مسلمانان باشندگان قنوج میں سب سے اعلیٰ و افضل و ذی اقتدار لوگ اسی خاندان میں گزرے ہیں۔ وہاں کے کچھ محلے اسی خاندان کے امرا کے آباد کئے ہوئے ہیں جن میں سے احمدی ٹولہ شیخ احمدی دانشمند بن شیخ نصیر الدین بن شیخ محمود بن شیخ محمد رفیع مذکور رئیس اعظم قنوج کا آباد کیا ہوا اُنہیں کے نام سے موسوم ہے۔ اس محلے میں اکثر اُنہیں کے خاندان کے لوگ رہتے ہیں۔ اور شیخ احمدی دانشمند مذکور کے بھائی شیخ دادن کی اولاد بوجہ قرابت باہمی پالی اور بلگرام میں بھی آباد ہیں۔

واضح ہو کہ بعض علاء الدین غوری کے ہمراہ آپ کا ہندوستان میں آکر قنوج میں قیام پذیر ہونا بتاتے ہیں اور کوئی مفصل حال ظاہر نہیں کرتے مگر چونکہ بلگرام میں آپ کا مزار شریف مشہور و معروف ہے اور یہاں کی معتبر تاریخ شرائف عثمانی میں لکھا ہے کہ (القصہ بعد از کشش و کوشش بسیار راجہ سری تاب جنگ نیاورد و روزے از جانب شمال قلعہ خود برآمدہ رو بفرار نہادہ دراں وقت حضرت سالار ہفت جی و پیر قرآن خواں و حضرت غازی کمال پسر سید اعز الدین الحال معروف بہ لال پیر شہید گردیدند و ہمانجا مدفون گشتند و راجہ مذکور بجانب کوہ کماؤں رفت و بلگرام نزہت شعار اسلام شد) ترجمہ (القصہ بہت محنت اور کوشش کے بعد راجہ سری لڑائی کی تاب نہ لایا اور ایک دن اپنے قلعے کے اترطرف سے نکل کر بھاگ گیا اُسوقت حضرت سالار ہفت جی اور پیر قرآن خواں "حافظ محمود" اور حضرت غازی کمال پسر سید اعز الدین معروف بہ لال پیر شہید ہوئے اور اُسی جگہ دفن ہوئے اور راجہ مذکور کوہ کماؤں کی طرف چلا گیا۔ اور بلگرام اسلام کی پاک جگہ ہوگیا)۔ لہذا تحریر شرائف عثمانی و نسب نامۂ حضرت سالار موصوف اور واقعات پر نظر کرنے سے بیان مسطور الصدر ہی صحیح اور قابل اعتبار معلوم ہوتا ہے اور قول ثانی کمزور۔

حافظ محمود قرآن خواں قدس سرہ

آپ بہت بڑے بزرگ حافظ قرآن اور خدا رسیدہ لشکر اسلام میں تھے ۔ ۴۰۹ھ چار سو نو ہجری مطابق ۱۰۱۸ء ایکہزار اٹھارہ عیسوی میں حضرت حاجی محمدؒ سالار ہفت حجی مذکور کے ساتھ قلعے کے شمالی اور گڑھی کے شرقی میدان میں شہید ہوکر وہیں موضع قتلغ پور کی زمین میں مدفون ہوے ۔ آپ کی قبر مبارک سے اکثر عارفوں نے قرآن مجید پڑھنے کی آواز سنی اس سبب سے پیر قرآن خواں مشہور ہوئے ۔ پیر قرآن خواں کا بگڑا ہو الفظ پیر خرا کا آجکل عوام کی زبان پر جاری ہے ۔ بلگرام کی کچہری تحصیل کے پچھم طرف تھوڑے فاصلے پر جو سڑک سانڈی کو گئی ہے اُس کے دکھن سڑک سے قریب سو اسّو ۱۲۵ قدم کے فاصلے پر قبر ہے ۔ آپ کی اور اور حاجی محمدؒ سالار ہفت حجی مذکور کی قبروں کے درمیان قریب ایک سو اَسّی قدم کا فاصلہ ہے میر آزاد صاحب نے مآثر الکرام میں تحریر فرمایا ہے کہ شیخ فیضی اور ابوالفضل کے بھانجے شیخ عبدالصمد کتاب اخبار الاصفیا میں لکھتے ہیں کہ " ترجمہ " حافظ محمود قرآن خواں ممتاز وقت اور سرامد عصر تھے ۔ کہتے ہیں کہ جب سے وفات پائی ہر شب جمعہ کو نکتہ نیوش خدا شناس اُن کے مرقد منور سے قرآن پڑھنے کی آواز سنتے ہیں ۔ اور میں نے اُن سچے لوگوں کی زبان سے سنکر لکھا ہے کہ جنھوں نے خود گوش ہوش سے سنا ہے ۔ آرام گاہ بلگرام انتھے ۔

غازی کمال قدس سرہٗ

آپ قوم کے سیّد تھے نسب کا سلسلہ یوں ہے ۔ سید کمال بن سید اعز الدین المعروف بہ لال پیر بن سید عثمان بن سید ابا بکر بن سید عبد اللہ ابو طالب بن سید حسن فارس لقب بن سید یحیٰی ابو الحسن بن سید حسین ابو عبد اللہ بن سید احمد محدث شاعر بن سید عمر بن سید یحیٰی محدث بن سید حسین بن سید ابو الحسن بن زید شہید بن امام زین العابدین بن امام حسین بن علی

بن ابی طالب۔

آپ کے پدر بزرگوار سید اعزالدین المعروف بہ لال پیر قریہ ساوس سے جو عراق عرب میں واسطہ کے قریب ہی سلطان محمود غزنوی کی خدمت میں آکر ممتاز ہوئے۔ اور آپکو بھی مع اپنے برادر سید جمال اور پسر سید نصیرالدین کے سلطان مذکور کا تقرب حاصل ہوا۔ ہندوستان کے معرکوں میں اکثر آپنے سلطان کے ساتھ کارنمایاں کیے یہانتک کہ غازی کا لقب ملا۔ ۴۱۶ھ ہجری مطابق ۱۰۲۵ء ایکہزار اٹھارہ عیسوی میں بحکم سلطان محمود غزنوی قاضی محمد یوسف عثمانی مکی المدنی الگازرونی کے ساتھ سری نگر ”بلگرام“ کی مہم میں تشریف لائے۔ جب راجہ سری محاصرہ لشکر اسلام سے تنگ آکر قلعے کے اُس طرف سے اپنے اہل و عیال کو پسنیر سے ساتھ لیکر بھاگ جانے کی نیت سے نکلا تو اُدھر آپ بھی حضرت حاجی محمد سالار بفت جی مذکور کے ساتھ گڑھی مذکور کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ وہاں بہت سخت مقابلہ ہوا اُسی میں آپ گڑھی کے نیچے شہید ہو کر گڑھی ہی میں مدفون ہوئے اور گڑھی خالی ہوگئی۔

سید شریف صفروی بلگرامی نے مراۃ المبتدین میں لکھا ہے کہ آپ بہت صالح اور اخلاق ظاہری و باطنی سے آراستہ تھے۔ بغرض طلب علم فرزندوں کو بانگرمئو میں چھوڑ کر بلگرام تشریف لائے۔ ایک روز کافروں نے مسلمانوں پر حملہ کیا مسلمان بھی مقابل ہوئے۔ اُن میں غازی کمال بھی شریک تھے۔ ایک کافر نے ان کے ایسا ہاتھ مارا کہ سر الگ ہوگیا یہ ایک ہاتھ میں نیزہ اور دوسرے ہاتھ میں اپنا سر لیے ہوئے شہر کی طرف آتے تھے کہ جنگ کے تماشائیوں میں سے کسی نے کہا کہ یہ آدمی تو سر ہاتھ میں لیے ہوئے آرہا ہے۔ اُس کا ٹوکنا تھا کہ اُسی جگہ پر آپنے نیزہ زمین میں گاڑ دیا اور گھوڑے سے اُتر کر مر گئے اور نیزے کی لکڑی سے ایک بڑا درخت پیدا ہوا۔ مزار اُسی جگہ پر ہے جو اب عیدگاہ کی پشت پر ہے۔

میر آزاد صاحب نے بھی مآثر الکرام میں اسی قول کو نقل کیا ہے لیکن مولانا غلام حسن صاحب ثمین فرشوری بلگرامی شرائف عثمانی میں سید شریف اور میر آزاد دونوں کے قول نقل کرکے لکھتے ہیں کہ ان کا کلام افسانے سے زیادہ نہیں اور حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت غازی کمال پسر حضرت سید العارفین سید اعزالدین قدس سرہ برادران ڈھیا کے بزرگوں میں ہیں اور سید اعزالدین حضرت سالار مسعود غازی کے معرکے میں شہید ہو کر گوپامئو میں اپنی جائے شہادت پر مدفون ہوئے۔ اور حضرت غازی

کمال سلطان محمود غزنوی کے حکم کے بموجب ۴۰۹ھ چارسو نو ہجری میں قنوج سے رئیس المومنین امیرالمجاہدین حضرت قاضی محمد یوسف صاحب مکی المدنی الگازرونی جدّ اعلای عشیرہ قضات عثمانی کے ہمراہ آکر بلگرام کے معرکے میں شہید ہوکے عیدگاہ کی پشت پر مدفون ہوئے جب سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر چڑھائی کی تھی اُسی زمانے میں اُن کے والد ماجد حضرت اعزالدین معروف بہ لال پیر قریہ سالوس سے جو واسط کے قریب ہی سلطان مذکور کے ساتھ ہند میں تشریف لائے۔ اور مرآۃ الاسرار و مراۃ مسعودی میں لکھا ہے کہ جب سلطان الشہدا " سالار مسعود غازی" نے اطراف کو فوجیں روانہ کیں تو سید اعزالدین کو اکثر سادات کے لشکر کے ساتھ گو پامئو اور اُس کے گرد و نواح کیطرف متعین فرمایا۔ سیّد مذکور وہاں نمایاں کوششیں کر کے اپنے اکثر ساتھیوں کے ساتھ شہید ہوئے۔ اُن کا مرقد منورہ قصبہ گو پامئو میں ہے انتھی۔

غازی کمال کے بیٹے سید نصیرالدین مذکور کا خاندان بلگرام میں موجود رہا وہ صاحب شرائف عثمانی کے بیان کا معترف اور سید شریف و میر آزاد کے قول کا منکر پایا جاتا ہے۔ اس نظر سے ان دونوں اصحاب آخرالذکر کا کلام بیشک افسانہ معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

واضح ہو کہ عیدگاہ کی پشت پر جو غازی کمال کا مزار بنایا گیا ہے اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ عیدگاہ قبل کی ہے اور اسکے بعد غازی کمال اسکی پشت پر مدفون ہوئے۔ ایسا نہیں کیونکہ غازی کمال ۴۰۹ھ چارسو نو ہجری مطابق ۱۰۱۸ء ایکہزار اٹھارہ عیسوی میں شہید ہو کر مدفون ہوئے اور عیدگاہ مذکور قاضی محمود عثمانی نے گیارہویں صدی ہجری کے اوائل میں مزار غازی کمال سے ملحق جانب شرق گڑھی مفتوحہ مذکورہ پر بنوائی۔ پس جو نشان مولفین نے لکھا ہے وہ عیدگاہ بننے کے بعد کا ہے۔

ملک ہادی ترمزی

آپ بھی سرداران لشکر اسلام سے تھے۔ اور سری نگر " بلگرام" کے معرکے میں شریک تھے جب راجہ سری لشکر اسلام سے مغلوب ہو کر قلعہ بند ہوا تو زیر قلعہ جانب شمال آپ ہی اپنے دستے سے قلعے کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ راجہ سری ضیق محاصرہ سے تنگ ہو کر اُسی سمت سے بھاگا تھا۔ جدھر آپ محاصر تھے اُسوقت آپ ہی سے معرکہ کارزار گرم ہوا۔ بعد اُس کے گڑھی کے

قریب حضرت حاجی محمد سالار مفت جی وغیرہ سے جو جنگ ہوئی اس میں بھی آپ شریک تھے۔ اور سردار تو شہید ہوئے جیسا کہ اوپر ان کے حال میں ذکر ہوا مگر آپ بعون اللہ تعالے مظفر و منصور پھرے۔ اور بعد فتح مثل باقی ماندہ سرداروں کے برفاقت حضرت قاضی محمد یوسف گازرونی یہاں مستقل قیام فرمایا۔ پائیں قلعہ جانب شمال جدھر آپ کا محاصرہ تھا وہیں مکان سکونت تعمیر کیا۔ آپ کے خاندان کی جائے سکونت وہی مقام رہا۔ کچھ عرصہ کے بعد مختار دین برادر نو مسلم راجہ سری کے خاندان نے بھی آپ ہی کے قریب جانب شرق موضع بوسر سے نکل کر اپنی آبادی قائم کی۔ چنانچہ ان دونوں خاندانوں کے بعض بزرگوں کے نام سے وہاں کے بعض محلوں بازید پورہ اور معانی ٹولا وغیرہ کا پتہ لگتا ہے جن کا ذکر اپنے موقع پر ہوگا اب اس مقام پر ایک عرصہ سے سادات صغروی اور ہنود کھتریوں وغیرہ کی آبادی بڑھتے بڑھتے محلہ سید واڑہ۔ کاسو سیٹھیہ اور کھترانا کہلاتا ہے وہاں کی آراضی کے متعلق قدیم قبالوں میں انہیں دونوں خاندان موصوف الصدر کے احفاد کے نام نظر آتے ہیں۔

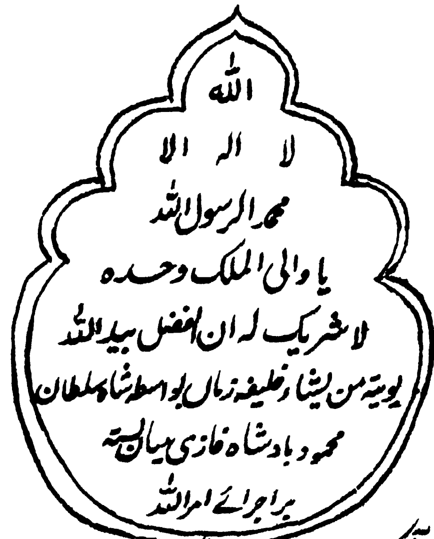
سید حمید بسال

آپ غازی کمال قدس سرہ "جن کا ذکر اوپر ہوا" کے سگے بھائی تھے۔ غازی کمال کے ساتھ سلطان محمود غزنوی کی حضوری میں پہنچکر فوجی خدمت پر مامور ہوئے۔ قاضی محمد یوسف عثمانی مکی المدنی الگازرونی کے ساتھ مع اپنے بھائی غازی کمال کے سری نگر "بلگرام" کے حملے میں شریک تھے بعد فتح بلگرام برفاقت قاضی موصوف آپ نے یہیں کی سکونت اختیار کرکے اپنی خاص قبیلے کی زوجہ منکوحہ مسماۃ تاج النساء عرف بی بی تاجن بنت سید جعفر اکبر حسین کو بھی اپنے پاس طلب کرلیا اور پائیں قلعہ جانب مغرب خانہ سکونت تعمیر کیا۔ آپ کے اولاد نہ تھی اس وجہ سے اپنے بھتیجے نصر الدین بن غازی کمال کو متبنے کیا تھا۔ بلگرام فتح ہونیکے کے چند سال بعد وفات پائی۔

سیّد نصیر الدین

آپ غازی کمال قدس سرہٗ کے بیٹے اور سید جمال مذکور کے بھتیجے تھے اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ لشکر اسلام میں شامل تھے۔ بعد فتح سری نگر "بلگرام" اپنے چچا کے ساتھ قلعے کے نیچے جانب غرب میدان میں سکونت اختیار کی۔ جب آپکی اولاد کی ترقی ہوکر وہاں آبادی کا سلسلہ بڑھا تو وہ میدان محلہ میدان پورہ کے نام سے موسوم ہوا۔ آپ کا خاندان ایک زمانہ دراز سے بلگرام میں سادات اور سادات ملّا کے لقب سے مشہور رہے۔ صغیر بلگرامی نے طبقات کرام تاریخ بلگرام میں ڈھبھا کی وجہ تسمیہ یہ لکھی ہے کہ ہندی میں ڈھبھا اسکو کہتے ہیں جس کے پانوں کے تلوے زیادہ موٹے اور اونچے ہوں۔ آپ کے احفاد میں ایک بزرگ اسی طرح کے گزرے اور اُنکی اولاد سے اس خاندان کو بلگرام میں ترقی ہوئی اس لیے وہ خاندان ڈھبھا کہلایا۔ اور "ملّا" کی نسبت کہا جاتا ہے کہ آپ دادا سید اعزالدین سید سالار مسعود غازی کے معلم تھے۔ ملا محاورے میں بہت پڑھے ہوے کو کہتے ہیں اس لیے اُن کی اولاد کے لوگ ملّا کے لقب سے مشہور ہوے اگر یہ وجہ صحیح ہے تو "ملّا" کا لقب آپکے خاندان میں ڈھبھا کے لقب سے قدیم ہے واللہ اعلم۔

بعد فتح سرینگر "بلگرام" جب آپ کے دادا سید اعزالدین المعروف بہ لال پیر بحکم سید سالار مسعود غازی گوپامئو کیطرف فوج لیکر گئے اور وہاں کے معرکوں میں شہید ہوے تو آپ نے حضرت قاضی محمد یوسف عثمانی، مکی المدنی الگازرونی حاکم سری نگر "بلگرام" کے وسیلے سے دو فرمان حضور سلطان محمود غزنوی سے حاصل کیے جنکی رو سے سرینگر "بلگرام" اور گوپامئو دونوں مقاموں میں آپکے حقوق عطا ہوئے۔ بلگرام کے متعلق فرمان بخط کوفی کی نقل یہ ہے۔ جس پر یہ مہر ثبت ہے۔



والیان کرام قسلطۂ ولایت ہندوستان آنکہ سید نصیر الدین بذریعہ رئیس المومنین و امیر المجاہدین قاضی محمد یوسف مکی المدنی حاکم قصبہ سرنگیر بدرگاہ گیتی پناہ بعرض اقدس و معلی ظل اللہ رسانید کہ جدم سید العارفین سید اعزالدین ہمراہ سالار مسعود غازی فی سبیل اللہ دغزا شہادت یافتہ در گوپامؤ مدفون گشت و پدرم سید کمال غازی نیز شہادت یافتہ در سری نگر مدفون است و عیال و اطفال ہمراہ میدارم امیدوارم کہ چیزے وجہ گزران در نگر مذکور رامداد مع فرزندان مقرر شود تا در اینجا بندہ مسکن خود ساختہ سکونت نماید و راجہ قنوج نیز بریں معنی برضائے خود درخواست نمود - دریں باب فرمان عالی شان واجب لاطاعت والاذعان از مکمن لطف و احسان از درگاہ خلیفۃ الرحمن شرف نفاذ و عزاصدار یافت کہ قریہ دیوالی معمولہ سری نگر متعلقۂ ضمیمۂ بلدہ قنوج موازی دو ہزار ہفت صد و پنجاہ و پنج بیگہ زمین محدد و قدیم بگز راجہ ساہی کہ دو مشت و دو انگشت مے شود و نہ صد بیگہ زمین زیر آبادانی نگر مسطور آنرا از ابتدائے فصل خریف لوئیل بسید نصیر الدین مع فرزندان مقرر و مفوض داشتہ شد کہ حاصلات آنرا فصل بفصل سال بسال مع فرزندان صرف مایحتاج خود نمودہ از قوت لایموت مطمئن بودہ بیاد الہی اشتغال داشتہ بسر اوقات مے نمودہ باشند و مے باید کہ عاملان و سربراہکاران و سررشتہ داران و زمینداران حال و استقبال مگندکور از قریہ مرقوم و از زمین تر بود لعلت مال وجہات و اخراجات و عوارضات والی ولایت و توالعات آں و دستور زمینداری ہیچ وجہ و علتے از دامی و درمے گاہے طمع نہ نمودہ مجوز تکالیف نگشتہ مزاحمت نرسانند و از جائے طلب سند مجدد نداند دریں باب حسب المسطور تاکید و قدغن تمام لازم دانستہ از فرمودہ تخلف نورزند - تحریر فی التاریخ تسعہ خرداد ماہ الٰہی سنہ احدی و عشرین و اربع ماتہ من ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم -

مہر کی عبارت کا ترجمہ (پوجا ہوا کوئی نہیں مگر اللہ محمد اللہ کا رسول ہے' اے ملک کے مالک "بادشاہ" وہ "اللہ" اکیلا ہے اُس کا کوئی شریک نہیں - بڑائی اللہ ہی کی ہاتھ میں ہے جس کو چاہے دے - وسیلے سے زمانے کا خلیفہ شاہ سلطان محمود بادشاہ لڑائی میں کافروں کو قتل کرنے والا بادشاہ اللہ کا حکم جاری کرنے پر کمر باندھے ہوئے -)

فرمان کی عبارت کا ترجمہ (ملک ہندوستان میں مقرر کیے ہوئے بزرگ حاکم تحریر ہو کہ سید نصیر الدین نے ایمانداروں کے رئیس اور جہاد کرنے والوں کے سردار قاضی محمد یوسف مکی مدنی حاکم

سری نگر "بلگرام" کے ذریعے سے خدا کے پاک اور برتر سایۂ "سلطان محمود غزنوی"
کی دنیا کو پناہ دینے والی درگاہ میں عرض کی کہ میرے دادا اولیا کے سردار سید اعزالدین سالار مسعود غازی کے ہمراہ خدا کی
راہ پر جہاد میں شہید ہوکے گوپامئو میں دفن ہوئے اور میرے باپ سید کمال غازی بھی شہید ہوکے سرنگر بلگرام میں
دفن ہیں میں جو اور بال بچے رکھتا ہوں امیدوار ہوں کہ نگر مذکور میں میری اور میرے بال بچوں کی گزر
اوقات کے لیے کوئی معاش مقرر کردی جائے تاکہ یہاں اپنا گھر بنا کر سکونت رکھوں۔ اور قنوج کے
راجہ نے بھی اس مضمون پر اپنی رضامندی سے درخواست کی۔ پس عالی شان فرمان جسکی اطاعت
اور فرمانبرداری واجب ہے ازروئے لطف و احسان خدا کے خلیفہ "سلطان محمود" کی درگاہ سے
جاری اور صادر ہوا کہ موضع دیوالی معمولہ سری نگر "بلگرام" متعلق ضمیمہ شہر قنوج دو ہزار ساٹھ بیگہ ۲۰۶۰
بیگہ کے برابر زمین قدیم حدوں کے مطابق راجہ سہائے گز سے جو دس مٹھی اور ۲-انگل کا ہوتا ہے
اور نو سو بیگہ ۹۰۰ بیگہ زمین نگر مذکور کی آبادی کے نیچے فصل خریف کے شروع سے سید نصیر الدین کے لیے
مع فرزندوں کے مقرر اور سپرد کردی گئی کہ اُس کے حاصلات کو فصل بفصل سال بسال مع فرزندوں کے
اپنی حاجت میں صرف کرکے قائم رہنے والی خوراک سے مطمئن ہوکے خدا کی یاد میں مشغول رہ کر
اوقات بسر کرتے رہیں۔ اور چاہیے کہ نگر مذکور کے عامل۔ سربراہکار۔ سررشتہ دار اور زمیندار موجود
و آیندہ لکھے ہوئے گاؤں اور زمین سے مالک ملک اور اُس کے ماتحتوں کے مال۔ اطراف۔ اخراجات
حاجات اور دستور زمینداری کے سبب سے کسی طرح کوئی دام اور درم کی طمع نہ کرکے اور تکلیفوں کو
جائز نہ رکھ کے دکھ نہ پہنچائیں اور کہیں سے نئی سند کی خواہش نہ رکھیں۔ اس بارے میں لکھے ہوئے کے
مطابق پوری تاکید اور تقید لازم جان کے فرمائے ہوئے کے خلاف نہ کریں۔ تحریر تاریخ ۹ خرداد مطابق
اساڑھ ماہ الہی "ماہ شمشی" سنہ ۴۲۱ھ چار سو اکیس ہجری "مطابق سنہ ۱۰۳۰ء ایکہزار تیس عیسوی"

دوسرا فرمان گوپامئو میں تین سو پچاس بیگہ پختہ زمین عطا ہونے کی بابت ہے عبارت اس کی
سوائے تصریح آراضی کے سب فرمان مسطور الصدر کے مطابق ہے۔ سنہ تحریر اور عبارت مہر بھی
ایک ہی اس لیے اس کی نقل بخیال طول فضول نہیں کی گئی۔ ان دونوں فرمانوں کے وجود کا ذکر

آگے دوسرے باب کی پہلی فصل اور شیوخ عثمانی کے دعوے کے ثبوت کے آغاز میں ہوگا۔

موضع دیوالی مذکور کی دو ہزار سات سو چھین سگہ زمین رفتہ رفتہ بذریعہ بیع وغیرہ آپ کے خاندان سے منتقل ہوتی رہی۔ آخر میں موضع مذکور کے بسوے آپکے اخفا نے سید علی حسین ولد سید شہامت علی کے ہاتھ قاضی احمداللہ عثمانی کے عہد میں بیچ لیے۔

آپ کی اولاد کے دونوں خاندان مذکور میں سے سادات ڈھبا کا خاندان تیرہویں صدی ہجری مطابق انیسویں صدی عیسوی سے مفقود ہوگیا۔ اب کوئی فرد بشر اس نامی خاندان کا اولاد پسری میں نظر نہیں آتا۔ محلہ میدانپورہ کے جنوبی کنارے پر محلہ ٹکڑا کے متصل جانب غرب اس خاندان کی ایک سرا باقی ہے جو ڈھبوں کی سرائے کہلاتی ہے اور اُس سے اس خاندان کا نام ابھی تک زبانوں پر جاری ہے۔ اور سادات ملّا کے خاندان کے کچھ لوگ ابتک باقی ہیں لیکن شہر کانپور میں سکونت رکھتے ہیں۔ افسوس کہ آپ کے خاندان کے حالات کی کوئی کتاب دستیاب نہوئی جو مفصل حال لکھا جاتا ہے۔

دوسرا باب

خاندان شیوخ عثمانی کے ذکر میں اور یہ نو فصلوں پر مشتمل ہے

پہلی فصل شیوخ عثمانی کے دعوے اور ثبوت کے بیان میں

مسلمانوں کے جتنے خاندانوں کی قدامت بلگرام میں ثابت اور متحقق ہے منجملہ اُن کے شیوخ عثمانی کا خاندان ایسا نظر آتا ہے جس کی سکونت مسلسل اور مستقل اسوقت تک بلگرام میں موجود ہے اور اُسکے دعوے کے ثبوتوں کے مقابلے میں کسی دوسرے خاندان کے دعوے کے ثبوت بھی قابل اعتماد نہیں ملتے بلکہ تمام خاندانوں کے اکثر بزرگ اس کے دعوے کے معترف اور مسلم نظر آتے ہیں۔ لہذا پہلے اسی خاندان کا دعوی اور اُس کے ثبوت لکھکر اس کے مشاہیر کا ذکر کرتا ہوں۔ بعد اس کے جس خاندان کے دعوے کے متعلق جو ثبوت ملے ہیں اور ملینگے وہ اُس خاندان کے ذکر کے آغاز میں تحریر کرتا جاؤں گا۔

شیوخ عثمانی کہتے ہیں کہ ہمارے جد اعلیٰ حضرت قاضی محمد یوسف عثمانی مکی المدنی الگازرونی نے سلطان محمود غزنوی کے عہد میں بلگرام کو فتح کر کے یہاں اسلام قائم کیا اور تمام بلگرام میں انکی حکومت تھی۔ قلعہ راجہ سری اور میدان پورہ "جس کا ذکر پہلے باب میں ہو چکا ہے" پر اور نیز دونوں مقاموں سے لیکر جوے کلیان کے قریب تک مسلسل ہمارا قبضہ رہا۔ اور قلعے کے دیگر اطراف کی زمین ہمارے فاتح جد اعلیٰ نے اپنے لشکر کے غازی افسروں اور سپاہیوں وغیرہ کو بعد فتح کے سکونت کے لیے تقسیم کی۔ مدتوں اُن غازیوں اور سپاہیوں وغیرہ کے خاندان اُس پر آباد رہے۔ بعدہٗ مختلف

زمانوں میں انقلاب دوران سے رفتہ رفتہ وہ زمین اکثر دیگر نوباش خاندانوں میں منتقل ہوتی گئی اور قلعۂ مذکور پر جو اوپر کوٹ کے نام سے مشہور ہے ہماری سکونت رہی اسی لحاظ سے اُسکا نام قاضی پورہ ہوا۔

قاضی عثمان احمد عرف قاضی احمد اللہ عثمانی رسالۂ مسجلات فی تاریخ القضات میں لکھتے ہیں کہ ترجمہ (حضرت قاضی "قاضی محمدؐ یوسف" نے سلطان محمود سبکتگین انار اللہ برہانہ" "اللہ اُسکی دلیل کو روشن کرے" کے عہد میں شہر گازرون سے آکر قصبۂ سرنگر میں جو بلگرام کہا جاتا ہے قیام کیا۔ اور اُس ٹیلے پر جو شہر کے بیچ میں واقع ہے اور ہندی زبان میں اُسکو کھیڑا کہتے ہیں اپنا گھر بنایا۔ کہتے ہیں کہ اُس کھیڑے پر راجہ سری کا قلعہ تھا اور قصبۂ سری نگر راجہ کے نام سے موسوم تھا۔ جب سلطان محمود ۴۰۹ھ چار سو نو میں قنوج تشریف لایا اور قنوج کو گھیر لیا تو اُسوقت قنوج کے راجہ نے سلطان کے خوف اور شان و شوکت سے اطاعت قبول کی اور گردن باندھکے مطیع و فرماں بردار ہوا۔ چنانچہ سلطان محمود کا مہری فرمان جو لکھا گیا ہے اس بات کو ظاہر کرتا ہے۔ اُسوقت سے سلطان محمود غازی نے حضرت قاضی محمدؐ یوسف کو قصبۂ سرنگر" بلگرام" کے فتح کرنے اور احکام شرعی کے نافذ اور دین نبی کے امر و نہی " نیک کاموں کا حکم کرنا اور خلاف شرع باتوں کا منع کرنا" جاری کرنے کے لیے کافروں پر مقرر کیا اور حضرت قاضی نے سلطان کے حکم کے بموجب قصبۂ سری نگر میں غازیوں کی فوج لیکر راجہ سری والی قصبۂ سرنگر پر حملہ کیا اور راجہ مذکور نے جوے کلیانی پر جو قصبۂ سری نگر سے قنوج کیطرف واقع ہے مقابلہ کیا اور برابری کی تاب نہ لاکے بھاگ گیا اور گونڈے اور بہرائچ کی طرف اپنے بال بچوں سمیت جاکے آباد ہوا۔ راجہ مذکور کی اولاد گونڈے اور بہرائچ میں اسوقت موجود ہے۔ اس مضمون کا ذکر مشرح غلام حسن فرشوری نے شرائف عثمانی میں کیا ہے اور حضرت قاضی نے اسلام کا ڈنکا شہر کی بلندی "قلعۂ راجہ سری" پر بجایا اور تمام کافر مغلوب۔ مطیع اور فرماں بردار ہوکر اسلام سے میل جول کے ساتھ آباد ہوئے اور حضرت قاضی فتح کے بعد مقہور" جس پر بادشاہ یا خدا کا قہر نازل ہو" راجہ کے قلعے میں قیام کرکے بلگرام کی حکومت میں مشغول ہوئے اور شرعی احکام بھی کھُلم کھُلا نافذ اور جاری کر دیے)

قاضی شریف احمد عثمانی اپنے رسالے میں لکھتے ہیں۔ ترجمہ (حضرت قاضی "قاضی محمد یوسف" حاکم نوراللہ مرقدہٗ "اللہ اُنکی قبر کو روشن کرے" نے سلطان محمود غزنوی ابن امیر سبکتگین انار اللہ برہانہم "اللہ اُنکی دلیل کو روشن کرے" کے عہد میں شہر گازرون سے آکے قصبۂ سرینگر میں جسکو اب لوگ بلگرام کہتے ہیں قیام کیا اور ٹیلے پر جو شہر کے بیچ میں واقع ہے اپنا گھر بنایا۔ مشہور ہے کہ اس بلندی پر راجہ سری کا قلعہ تھا اور قصبۂ سرینگر اُس کے نام سے آباد ہوا۔ جسوقت کہ سلطان محمود غزنوی نے ممالک ہندوستان کی تسخیر کے لیے لشکرکشی کی تو حضرت قاضی یوسف حاکم نوراللہ مرقدہٗ "اللہ اُنکی قبر کو روشن کرے" سلطان محمود غزنوی کے ساتھ ہندوستان میں تشریف لائے اور حضرت سلطان نے ۴۰۹ھ چارسوٗ نو میں قنوج کو فتح کیا اور شہر قنوج کو فتح کرنے کے بعد حضرت قاضی حاکم نوراللہ مرقدہٗ کو راجہ سری والی قصبۂ سری نگر کے تباہ و برباد کرنے کا حکم دیا۔ حضرت قاضی نے سلطان محمود غزنوی کے حکم کے بموجب مع زبردست فوجوں کے دریای گنگ کو عبور کیا اور راجہ مذکور نے اپنے قلعے سے نکل کر جو بے کلیانی پر جو بلگرام سے ڈیڑھ کوس کے فاصلے پر قنوج کی طرف واقع ہے مقابلہ کیا اور لڑائی کی تاب نہ لاکر وہاں سے شکست کھاکے اپنے مضبوط قلعے میں قلعہ بند ہوا۔ حضرت قاضی نے قلعے کو گھیر لیا۔ آخر راجہ مذکور اپنے آپ میں برابری کی طاقت نہ دیکھکر مع اپنے جورو لڑکوں کے کوہ کمایوں کی طرف بھاگ گیا اور وہیں آباد ہوا۔ اور سری نگر یعنی بلگرام اسلام کی پاک جگہ ہوگیا۔ سلطان محمود غزنوی نے حضرت قاضی کو بلگرام کی حکومت سپرد کردی۔ اُسوقت سے حضرت قاضی حاکم نوراللہ مرقدہٗ اور اُن کی اولاد مقہور راجہ "جسپر بادشاہ یا خدا کا قہر نازل ہو" کے قلعے میں رہتے ہیں۔ شہر کی بلندی یعنی راجہ سری والی قصبۂ سرینگر کے قلعے میں پہلے جس نے اسلام کا ڈنکا بجایا وہ حضرت قاضی تھے۔ یہ بات راجہ مذکور کے قلعے پر قبضہ اور ملکیت سے اور نیز پُرانی اور نئی سندوں سے ظاہر ہے اور سابق و حال کی سندیں بلگرام کی فتح اور قدامت راقم کے بزرگوں کی نسبت ہونے کو ظاہر کرتی ہیں)

یہ شیوخ عثمانی کا دعوی ہے جو مذکور ہوا۔ اب اس کے متعلق جو ثبوت مجھکو بہم پہنچے ملاحظہ ہوں۔ قاضی احمداللہ عثمانی اسلام بلگرام عہد سلطان محمود غزنوی سے ہونے اور قاضی محمد یوسف عثمانی گازرونی کے فاتح اور حاکم بلگرام ثابت ہونے کی بابت رسالہ مسجلات میں سلطان محمود غزنوی کے اُس

فرمان کا حوالہ دیتے ہیں جسکی پوری نقل کتاب ہذا کے پہلے باب کی دوسری فصل میں سید نصیر الدین ابن غازی کمال قدس سرہٗ کے ذکر میں اوپر درج ہو چکی ہے۔

فی الحقیقت فرمان مذکور کے آغاز کا یہ فقرہ سلطان محمود غزنوی کی طرف سے قاضی محمدؒ یوسف عثمانی کے حاکم سرنیگر "بلگرام" ہونے کا زبردست ثبوت ہے کہ (سید نصیر الدین بذریعۂ رئیس المومنین والامیر المجاہدین قاضی محمد یوسف مکی المدنی حاکم قصبۂ سرنیگر بدرگاہ گیتی پناہ بعرض اقدس و معلی ظل اللہ رسانید) ترجمہ (سید نصیر الدین نے ایمان داروں کے رئیس اور جہاد کرنے والوں کے سردار قاضی محمد یوسف مکی المدنی حاکم قصبۂ سرنیگر "بلگرام" کے ذریعے سے خدا کے پاک اور برتر سائے "سلطان محمود غزنوی" کی دنیا کو پناہ دینے والی درگاہ میں عرض کی) اس فقرے میں سلطان محمود غزنوی کی طرف سے قاضی محمد یوسف کی نسبت القاب "رئیس المومنین والامیر المجاہدین" اور "حاکم سرنیگر" اس امر کو صاف ظاہر کرتے ہیں کہ جو خاندان اپنے بزرگوں کو جنگ سرنیگر "بلگرام" میں شریک ہونیکی وجہ سے یا محض اُسوقت اُن کا آنا بیان کرکے اُنھیں فاتح بلگرام ٹھہراتے ہیں اور ایک دوسرے کے بزرگوں کو کہتے ہیں کہ ہمارے بزرگوں کے ساتھ آئے ہیں اُن سب میں سردار اور امیر لشکر قاضی محمد یوسف عثمانی ہی تھے اور اصل فاتح بلگرام ہونے کا سہرا اُنھیں کے سر تھا۔ باقی اور بزرگ جنکا شریک جنگ ہونا ثابت ہے اُنکی ماتحتی اور ہمراہی میں تھے۔ کیونکہ کسی خاندان کے بزرگوں کی نسبت اُن کے امیر لشکر اور فاتح یا حاکم بلگرام ہونے کا ذرا سا بھی ثبوت سوا اپنی زبانوں سے کہنے اور اپنے قلموں سے لکھنے کے اور کہیں نہیں ملتا۔

مولانا شیخ غلام حسن ثمین فرشوری نے بھی فرمان مذکور الصدر کی نقل اپنی کتاب شرائف عثمانی میں درج کی ہے اور دوسرے فرمان کا بھی ذکر کیا ہے جو تین سو پچاس[350] بیگہ پختہ زمین واقع قصبۂ گوپامئو کی بابت سید نصیر الدین مذکور کو مرحمت ہوا۔ اس لیے کہ اس فرمان کے آغاز میں بھی وہی فقرۂ مسطور الصدر (سید نصیر الدین بذریعۂ رئیس المومنین الخ) موجود ہے۔

واضح ہو کہ فرمان مذکور الصدر سے چونکہ قاضی محمد یوسف عثمانی کی سرداری اور حکومت سرنیگر "بلگرام" کا ثبوت ملتا ہے۔ اس لیے جب ابتدائے اسلام و فتح بلگرام کے متعلق اختراع و اختلاف کا طوفان بے تمیزی برپا ہوا تو شیوخ عثمانی نے مخالفین کی لن ترانیوں کی تردید کے لیے جو

بہت سی اصلیں اور نقلیں قدیم کاغذات کی بہم پہنچائیں منجملہ اُنکے اصل فرمان سلطان محمود غزنوی بھی خاندان سید نصیر الدین مذکور سے حاصل کر کے اپنے یہاں محفوظ رکھا۔ اُس کی اور نیز دوسرے فرمان مذکور بابت اراضی گوپامئو کی مصدقہ نقلیں بھی کرمی سید کرم علی صاحب پیرزادے ساکن محلہ سید انپورہ "جو اصل مالکان فرمان یعنی خاندان سید نصیر الدین مذکور سے تعلق رکھتے ہیں" کے پاس محفوظ ہیں انکو بھی میں نے دیکھا۔ ان نقلوں پر ان کے مطابق اصل ہونے کی تصدیقی مہر مفتی امیر الدین احمد بن عبید اللہ کی ثبت ہے مگر میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ تصدیق کہاں تک معتبر و صحیح ہے۔ اس لیے کہ جس فرمان کی نقل میں نے شرائف عثمانی اور رسالہ مسجلات فی تاریخ القضات وغیرہ سے پہلے باب کی دوسری فصل میں بہ تحت ذکر سید نصیر الدین کی ہے اُس سے اور اس نقل سے فرق ہے۔ اس میں تین جگہ تھوڑی تھوڑی عبارت اور پانچ الفاظ متفرق مقام کے غائب ہیں۔ اور چار لفظوں میں خفیف سا تغیر و تبدل ہے جس سے معنی میں فرق نہیں آتا۔ مگر ایک لفظ ایسا بدلا ہوا ہے جو دونوں نقلوں کے مطابق اصل ہونے کی تردید کرتا ہے۔ وہ یہ کہ سنہ تحریر فرمان احدیٰ[۴۲۱] و عشرین واربع مائۃ میں بجائے "احدیٰ" کے "ثلث" مرقوم ہے جس سے سنہ ۴۲۳ھ چارسو تئیس ہو گئے۔ اور یہ صحیح نہیں ہو سکتے اس لیے کہ سلطان محمود غزنوی کی وفات سنہ ۴۲۱ھ چارسو اکیس کتب تواریخ سے ثابت ہیں۔ پھر سنہ ۴۲۳ھ چارسو تئیس میں سلطان موصوف کی وفات سے دو سال بعد کے فرمان کیونکر ہو سکتے ہیں۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ اصل فرمان چونکہ خط کوفی میں تھے لہذا یہ سب فرق جو ان نقلوں میں ہوئے یہ نقل نویس سے انکو بخوبی پڑھے نہ جا سکنے کا نتیجہ اور تصدیقی مہر تصدیق کنندہ مفتی صاحب کی بے پروائی کا نشان ہے۔ جو انھوں نے نقل نویس کے اعتبار پر کر دی۔ اور صحیح و معتبر نقل وہی ہے جو لائق و قابل مولفین مذکورۂ بالا نے خود اصل فرمان سے اپنی کتابوں میں درج کی ہے۔ بہرحال (قاضی محمد یوسف حاکم قصبۂ سرنگر) ہر نقل میں موجود ہے اس میں کہیں اختلاف نہیں۔ اور یہی اتنا جملہ فرمان بھر میں شیوخ عثمانی کے دعوے کا ثبوت ہے۔

ان فرامین مذکور الصدر سے قبل کے ایک فرمان کا اور بھی پتا لگتا ہے جو راجہ سری کے بھائی مختار دین نو مسلم کے حق میں ہے۔ شرائف عثمانی میں لکھا ہے کہ "ترجمہ" راجہ سری کے بعض بنی اعمام بلگرام سے پانچ کوس موضع پوسر میں رہتے تھے۔ جب قاضی محمد یوسف نے سرنگر

کو فتح کر کے قلعے پر قبضہ کر لیا تو وہ قاضی موصوف کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ اگر حضرت کی توجہ سے ہماری آبائی زمینداری سلطان کے حضور سے ہمارے واسطے مقرر ہو جائے تو ہم مسلمان ہوتے ہیں اور خراج ادا کرنے کے لیے حاضر ہیں۔ چنانچہ حضرت قاضی نے اُن کی درخواست منظور کی اور راجہ سری کا بھائی اُن کی خدمت میں حاضر ہو کے مسلمان ہو گیا۔ حضرت قاضی سنے یہ حال سلطان کو لکھا۔ سلطان نے نہایت خوش ہو کے بلگرام کی حکومت حضرت قاضی کو مفوض فرمائی اور راجہ کے بھائی کو مختار دین خطاب بخشا اور فرمان لکھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ حضرت قاضی کی خدمت میں رہ کر خاطر جمع سے رہے۔ اُس کے بعد اُس کا بیٹا اختیار دین باپ کے دستور پر جان و دل سے مطیع و فرمانبردار رہا تھے۔

واضح ہو کہ جو فرمان برادر راجہ کی نسبت بیان کیا گیا ہے اُس کی پوری نقل نہیں۔ صرف اتنا مضمون ہی شرائف عثمانی میں ہے (کہ در خدمت حضرت قاضی بودہ بخاطر جمع پرداختہ باشد) ترجمہ (حضرت قاضی "محمد یوسف گازرونی" کی خدمت میں رہکر خاطر جمع سے بسر کرے) غالباً وہ فرمان ۴۰۹ھ چار سو نو یا دس ہجری میں بعد فتح بلگرام کے لکھا گیا ہو گا۔ اُس کی بابت مدعیان مخالف کہہ سکتے ہیں کہ جب اُس کی نقل اور تاریخ وغیرہ کا پتا نہیں تو کیونکر باور کیا جا سکتا ہے کہ یہ واقعہ اور فرمان صحیح ہے یہ اُن کا کہنا بصورت مدعیان مخالف بجا ہو سکتا ہے۔ مگر ساتھ ہی اس کے یہ بھی غور و انصاف کرنا چاہیے کہ وہ اپنے اپنے دعووں کے ثبوتوں کو ملاحظہ فرمائیں جو اُنھوں نے اپنے قلم سے تحریر کیے ہیں اور دوسروں نے بلکہ بعض اُنہیں کے خاندان کے بزرگوں نے اُنکو نہیں تسلیم کیا بلکہ اُنکی تردید کی ہے جسکو میں نے اپنی کتاب میں موقع موقع پر مفصل تحریر کر دیا ہے۔ یہ واقعہ اور فرمان سلطانی کا خلاصہ مضمون مقوس بالا دوسروں کی طرح خود اپنی "شیوخ عثمانی کی" تحریر نہیں بلکہ ایک مدعیان مخالف کے خاندان کا عالم شخص لکھ رہا ہے اس لیے یہ ضرور صحیح سمجھی جانیکے قابل ہو سکتی ہے۔ اور اگر یہ نہ بھی سہی تو بھی مخالفین کی خود رقم کردہ تحریروں سے تو اس کا پایہ برتر ہونے میں کوئی تامل نہیں۔ علاوہ اس کے سلطان محمود غزنوی کے جس فرمان اصلی کی پوری نقل مع مہر بادشاہی و تاریخ تحریر سید نصیر الدین کے حال میں درج ہوئی اور اُسکی نقلوں کا ذکر بھی اوپر ہو چکا ہے وہ خود اس فرمان کا مؤید ہے جس سے

معلوم ہوتا ہے کہ فی الحقیقت یہ فرمان پہلے لکھا گیا اور اسی وقت بلگرام کی حکومت حضرت قاضی کو مفوض فرمائی گئی اور جس فرمان کی پوری نقل پیش کی جا چکی ہے وہ اس کے بعد کا ہے جس میں حکومت بلگرام حضرت قاضی کو مفوض ہونے کا ثبوت بین فقرہ (قاضی محمد یوسف بکی المدنی حاکم قصبۂ سری نگر) میں ملتا ہے۔

شرائف عثمانی میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب کوئی بہت بڑی ناموری کا کام کرتا یا بڑی قدر و منزلت حاصل کرتا ہے تو اس کے عہد کے بھاٹ ہندی زبان میں بطریق نظم و نثر کچھ تصنیف کرکے پڑھتے ہیں جسکو بروا کہتے ہیں - یہ رسم بلگرام میں قدیم سے ابتک جاری ہے ازانجملہ حضرت قاضی کی مدح کا بروا یہ اشتر سال بیری بنو اس اندھ کار کا جے جگ جوت لوبھی ماتھے گج انکس -
ترجمہ - دشمن کو ویران کرکے جلا وطن کر دینے والا - تاریکی دور کرنیکے لیے آفتاب - لالچی کے لیے ہاتھی کے ماتھے پر آنکس کے مثل ہے - اور راجہ کے بھائی کو جب حضرت قاضی نے مسلمان ہونے پر سرفراز فرمایا تھا اور سلطان کی طرف سے اُس کو مختار دیں کا خطاب اور فرمان حاصل ہوا تھا تو اسکی مدح میں یہ بروا کہا گیا تھا بروا رن بیٹھ گاجے سبھا بیٹھ راجے جو کوئی دین اسلام کو نہ چھاجے تا پر مختار دین کو تاجنا باجے - (ترجمہ) رزمگاہ میں گرجنے والا مجلس میں رونق دینے والا - جو کوئی دین اسلام کی موافقت نہ کرے اُس پر مختار دین کا تازیانہ لگایا جائے

علاوہ اس کے اور بھی کاغذات قاضی محمد یوسف مذکور کے عہد کے نظر آتے ہیں جن میں اُن کے نام کا طغرا بخط ولایت اُن کے دست و قلم خاص سے ہی - اُن کا ذکر آگے حضرت قاضی موصوف کے حال میں ہوگا - غرضکہ جو ثبوت لکھے گئے اور آیندہ اپنے موقعوں پر لکھے جائینگے اُن سے قاضی محمد یوسف کی حکومت بلگرام میں صاف ظاہر ہوتی ہے اور ثابت ہے کہ وہ منجانب سلطان محمود غزنوی اپنے آپکو ڈنکے کی چوٹ حاکم سری نگر لکھتے تھے - اب راجہ سری کو شکست دیکر بلگرام میں اسلام کا جھنڈا بلند کرنے کا واقعہ - اسکی نسبت جہاں تک بلگرام کی تالیفات مجھکو بہم پہنچیں کسی میں اسکی تردید نہیں ملی - بعض نے اپنے جد اعلیٰ کو فاتح بلگرام بنانے اور اسکے ثبوت بہم پہنچانے کی کوشش ضرور کی مگر شیوخ عثمانی کے دعوے اور نہ ثبوتوں سے چشم پوشی کر گئے۔

یہ بات قابل غور ہے کہ ہر مدعی ایک دوسرے کی تردید کرتا نظر آتا ہے مگر شیوخ عثمانی کے دعوے اور ثبوتوں کی تردید کے بجائے تائید نظر آتی ہے۔

اب میں علاوہ شیوخ عثمانی کے دوسرے خاندان کے بزرگوں کی تحریریں حرف بحرف نقل کرتا ہوں جنہوں نے اپنی تالیفات میں شیوخ عثمانی سے بھی زیادہ اُنکے جد اعلیٰ قاضی محمد یوسف مذکور کے راجہ سری کو شکست دیکر سری نگر "بلگرام" کو فتح کرنے اور اسلام قائم کرکے خاص مقامات اپنے قبضۂ و دخل میں لاکر قلعۂ مفتوح کے تین اطراف مشرق و مغرب شمال میں اپنے ہمراہیان شرفا و نجبا وغیرہ کو آباد کرنے اور اُن کے اعزاز خاندانی وحکومت وغیرہ کا حال مفصل تحریر کیا ہے۔

میر نوازش علی رضوی الملقب و المشتہر بملک زادہ ساکن محلہ ملکنٹھ اپنی تالیف کتاب تذکرۃ الکرام تاریخ اسلام بلگرام میں لکھتے ہیں "القصہ جد اعلای مجموع قضات عثمانیہ قاضی محمد یوسف گازرونی ہمرکاب لشکر ظفر پیکر سلطان محمود غازی غزنوی در قنوج آمدہ سلطان قنوج را مفتوح ساختہ بعد تنظیم و نسق آں محال قوج بسرکردگی و سرداری او بایں روئے گنگ جہت تسخیر قصبۂ سرنگر کہ الحال بلگرام مشہور است فرستادہ۔ راجہ سری فرار شدہ و پرگنۂ بلگرام یعنی پرگنہ سرنگر بے مقابلہ و مقاتلہ مفتوح شدہ نزہت شعار اسلام گردید و بجاے نالہ ناقوس بانگ اللہ اکبر بلند شدہ سلطان محمود غازی غزنوی قاضی محمد یوسف عثمانی گازرونی را کہ ہمرکاب لشکر ظفر پیکر بود بحلیہ علم و فضل آراستہ و پیراستہ منصب جلیل القدر قضای سری نگر عطا فرمودہ و فرمان قضا بنام نامیش مرقوم شدہ و بشوکت تمام بر مسند قضای سرنگر اجلاس دادہ حاکم سرنگر خواند از اں دور و عہد خدمت قضائے بلگرام ظہراً بعد ظہر و نسلاً بعد نسل و بطناً بعد بطن در فرزندان قاضی محمد یوسف عثمانی است کسے دیگر از شرفائے شہر یا غیر محال قاضی بلگرام نشد مگر در عہد اکبر بادشاہ قریب بست سال شیخ اللہ داد شوری قاضی بلگرام ماندہ انشاء اللہ تعالےٰ بیشتر تفصیل ایں رقم زدہ کلک بیاں خواہد شد الحال اثبات قضائے قاضی محمد یوسف مقدم دانستہ بہ تشریح وتحقیق آں قلم را سر میدہد۔ موید ایں حال و نبیہ مصدق ایں مقال صکوک اند بمہر و سجلات و طغرائے قاضی محمد یوسف و فرزندان او از خانۂ شرفائے متقدمین بلگرام برآمدند و محرر اوراق ہم بچشم خود دیدہ۔ قاضی احمد اللہ جہت اثبات قدامت آبائی و قضا آں سجلات را از دست فرزندان مثل محب اللہ و سید کمال احمد و پسرش سید خیرات حسین ملقب بہ ڈھبھا ساکن محلہ میدانپورہ و محمد دایم

شریف ولد کرم اللہ شریف ساکن محلۂ منگلۂ بعض اصل و بعض نقل بدست کردہ پیش خود نگاہ داشتہ و اکثر بزرگان شہر نیز دیدہ اند والآنہ آں اسناد پیش قاضی موجود اند از ہمہ عبارت صکوک کاری نیست مگر سنہ و طغرای سجلات نوشتن دریں مقام مناسب دانستہ مرقوم نمودہ تا کسے افترا و اختراع مولف رسالہ بپاس خاطر عشیرۂ عثمانیاں خیال نکند و گمان و ظن برکذب نہ نماید چرا کہ احقر را از قدامت و حداثت کسے کار نیست اخوت وطنی و دینی باہمہ یکساں میدارد و مردم ہر محلہ را بزرگ و بزرگ زادہ و مہتر و بہتر میداند اما انچہ نفس الامر و حق است و آں را پوشیدہ نمی تواند کرد از گفتن و نوشتن آں مجبور و ناچار است و آں این ست صکوک ماضیہ لطغرا و سجل قاضی محمد یوسف عثمانی گازرونی کہ اولیست کہ اول قاضی سرنیگر شد از محلۂ میدانپورہ از خانۂ سید محب اللہ ڈھیا قطعۂ تملیک نامہ برآمدہ مرقوم رابع جمادی الاول سنۂ احدی عشرین واربع ماتہ - عبارت طغرای سجل این است - اقرا لوکیل بما فیہ کتبہ یوسف بن عاصم بن خالد بن داؤد الحاکم لقصبۂ سرنیگر - غرضکہ آنجناں اسلام قوت گرفت کہ بعد یازدہ سال از آبادی مسلمین در سرنیگر بیع و شرار رواج گرفت -

ایضاً - سجل دیگر لطغرای قاضی یوسف ہذا از خانۂ سید خیرات حسین بابت بیعنامہ برآمدہ تحریر فی الخامسہ من شہر جمادی الاول سنہ ثمان و ثلثین واربع ماتہ عبارت طغرا این است اقرالمقرہ بما فیہ کتبہ یوسف بن عاصم بن خالد بن داؤد الحاکم لقصبۂ سرنیگر - و سوای ازیں چند قطعہ کاغذ شرعیہ از خانۂ محمد دائم شریف بن کرم اللہ شریف از سجلات فرزندان قاضی یوسف ہذا برآمدند سنہ و عبارت طغری آں سجلات نیز بہ تحریر مے آید تا کہ زمانۂ اوشاں دریافت اہل خبرت و بصیرت گردد و کذب و صدق عشیرۂ شیوخ فرشوری دریافت شود - قاضی کمال بن ظہیر الدین بن یوسف بن عاصم بن خالد بن داؤد فی السابع والعشرین من شہر شعبان عمہ میامنہ سنہ اربع ثلثین وستماتہ ایضاً دیگر سجل لطغرای قاضی معروف بن کمال بن ظہیر الدین مرحوم تاسع عشر من شہر جمادی الاولیٰ سنہ ثلاث وستین وثمانماتہ و دیگر سجل برآمدہ لطغرای قاضی عبدالکافی بن قاضی یوسف ثانی بن قاضی شمس الدین بن قاضی یوسف بن عاصم بن خالد بن داؤد تحریر فی التاریخ تاسع عشر جمادی الآخر سنہ ثلاث عشرین وثمانماۃ) ترجمہ (القصہ تمام عثمانی قاضیوں کے جداعلیٰ قاضی محمد یوسف گازرونی سلطان محمود غازی غزنوی کے فتحمند لشکر کے ساتھ قنوج میں آئے -

اور دیگر قدیم رئیسوں کی گواہیوں سمیت بلگرام کے قدیم رئیسوں کے گھروں سے کیونکر نکلیں۔ یہ اوپر کے فقروں اور گفتگو کی سچائی کی مدلل اور سچی تقریر اور مکمل و درست تحریر ہے۔)

ایضاً حقیقت حال این کہ حضرت قاضی حاکم نور اللہ مرقدہٗ قلعہ راجۂ مذکور را بموجب حکم حضرت سلطان محمود غزنوی در سنہ تسع و اربع مائۃ بزور شمشیر فتح کردہ بشوکت و دبدبۂ تمام در آں مسکن خود نمودہ و الآں اولاد حضرت قاضی در آں مسکن دارند)

ترجمہ (حقیقت حال یہ کہ حضرت قاضی "قاضی محمد یوسف" حاکم "خدا انکی قبر کو روشن کرے" نے راجہ مذکور کے قلعہ کو سلطان محمود غزنوی کے حکم کے بموجب ۴۰۹ھ چار سو نو میں تلوار کے زور سے فتح کرکے بڑے دبدبہ اور شوکت کے ساتھ اس میں اپنی سکونت کی اور حضرت قاضی کی اولاد اب تک اس میں رہتی ہے)

ایضاً (خلاصہ آنکہ حضرت قاضی حاکم سری نگر نور اللہ مرقدہٗ و اولاد آنحضرت بسا آراضی سکنی آباد و غیر آباد قصبہ بلگرام طالبان و خویش باشان را مرحمت فرمودند و حضرت قاضی صاحب طبل و علم و مقرب الحضرت خواقین غزنویہ بود و نیز اولاد آنحضرت قاضی از قدیم اہل دول و صاحب منصب و جاگیرات و صوبجات و صاحب فیلاں و صاحب علم و نوبت و مقرب الحضرت خواقین شدہ آمدہ اند و در بلگرام انچہ سخاوت و شجاعت و امارت و ایالت شدہ است در ہمیں دودمان ذوی الاحترام گردیدہ و کسے سا کنان بلگرام را این چنیں مرتبہا حاصل و میسر نگشتہ و در تمامی اطراف و اکناف کہ شہرہ سخا وجود و شجاعت اہل بلگرام مشہور است باعث این نام آوری ہمیں دودمان ست و ذکر جملہ سرداران این دودمان سابق تعلیم آمدہ است کہ تمامی جوار قریبہ و بعیدہ از بنگالہ تا گجرات و کابل و قندھار و خاندیس و برار از دست جود این ہمہ بزرگان فیضیاب شدہ تا بدودم بلگرام و جوار آں چہ رسد اول کسیکہ کوس اسلام بر بلندی شہر یعنی در قلعہ راجہ سری والی قصبہ سرنگر نواخت حضرت قاضی حاکم نور اللہ مرقدہٗ بود۔ پس قدامت و حکومت و حکومت و ریاست حضرت قاضی و اولادش از عہد سلطان محمود غزنوی اظہر من الشمس است)

ترجمہ (خلاصہ یہ ہے کہ حضرت قاضی محمد یوسف " حاکم سرنگر "خدا اُن کی قبر کو روشن کرے" اور اُن حضرت کی اولاد نے قصبہ بلگرام کی بہت سی آباد و غیر آباد زمین مانگنے والوں اور نئے آکے رہ پڑنے والوں کو مرحمت فرمائیں حضرت قاضی صاحب طبل و علم اور بادشاہان غزنویہ کی درگاہ کے

مقرب تھے اور آن حضرت قاضی کی اولاد بھی بہت دولت مند منصبوں - جاگیروں - صوبوں - نشان نقاروں - اور ہاتھیوں کی مالک اور بادشاہوں کی درگاہ میں برابر مقرب ہوتی چلی آئی ہے اور بلگرام میں جو کچھ سخاوت - بہادری - امیری اور سرداری ہوئی ہے اسی معزز خاندان میں ہوئی ہے - ساکنان بلگرام میں سے کسی کو ایسے مرتبہ حاصل اور میسر نہیں ہوئے - اہل بلگرام کی سخاوت بخشش - اور بہادری کا جو شہرہ چاروں طرف ہے اس ناموری کا باعث یہی خاندان ہے - ان سب سرداروں کا ذکر پہلے لکھا جا چکا ہے - کہ نزدیک و دور بنگالے سے گجرات - کابل - قندھار - خاندیس اور برار تک ان سب بزرگوں کی بخشش سے فیضیاب ہوا بلگرام اور اُس کے پڑوس کا کیا ذکر - شہر کی بلندی یعنی راجہ سری نگر کے قلعے میں پہلے جس نے اسلام کا ڈنکا بجایا وہ حضرت قاضی حاکم "خدا اُن کی قبر کو روشن کرے" تھے پس حضرت قاضی اور آن کی اولاد کی قدامت - حکومت اور ریاست سلطان محمود غزنوی کے عہد سے آفتاب سے زیادہ ظاہر ہے -)

ایضاً (اگر گویم حضرت قاضی یوسف جد اعلائے عشیرۂ قضات حاکم بلگرام بودہ و بنائے قلعہ نہادہ روا بودہ باشد زیرا کہ در تمام سجلات و صکوک کہ مسجل بطغرائے حضرت قاضی اند لفظ حاکم مندرج است و آلاں بسیارے از اولاد او اہل دول و روشناس سلاطین شدہ آمدہ اند و بدفعات حکومت بلگرام تا دیگر پرگنات از حضور بنام خود گرفتہ حاکم ماندہ اند جائے دارد و سوائے آں این است کہ محلہ عشیرہ قضات بربالاتل مذکور کہ مسکن خاص سری راجہ والی قصبہ بود واقع شدہ و محلہ ایشاں مشہور بقاضی پورہ در وسط شہر بربالائے حصار پائیں حصار بطول و بسط رو دادہ و ماورائے آنکہ در عہد اکبر شاہ قاضی محمود بن قاضی کمال مذکور بپایہ امارت رسیدہ و از حضور مخاطب بقبا رالملک شدہ و پرگنہ حویلی لکھنؤ و پرگنہ اکبرپور و پرگنہ سرہرپور و پرگنہ بلگرام بجاگیر او مقرر بودہ)

ترجمہ (اگر میں کہوں قاضیوں کے خاندان کے جد اعلیٰ حضرت قاضی یوسف بلگرام کے حاکم تھے اور انھوں نے قلعے کے بنا د رکھی تو درست ہے اس لیے کہ اُن تمام قبالوں میں جو حضرت قاضی کے طغرے سے مسجل ہیں حاکم کا لفظ درج ہے) اور یہ کہنا بجا ہے کہ اُن کی اولاد میں ابتک بہت دولتمند اور بادشاہوں کی جان پہچان ہوتے آئے ہیں اور بلگرام کی حکومت دوسرے پرگنوں تک بادشاہوں کے حضور سے اپنے نام لیکر حاکم رہے ہیں - اور اُس کے سوا یہ بات ہی کہ قاضیوں

پر حضرت قاضی نے ایک باغ لگا دیا[۱]۔ اب اُسی جگہ محلہ سلہڑا آباد ہے اور حضرت قاضی کے بیٹے قاضی شمس الدین کا مزار اُسی جگہ پختہ چبوترے پر اسوقت موجود ہے۔ چنانچہ بعض سندوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بندگی قاضی عبدالدائم عثمانی اور اُن کے فرزندوں نے وہ باغ سید عبدالواحد مرحوم "جو اپنے وقت کے بہت بڑے بزرگ اور کامل تھے" اور اُن مرحوم کے فرزندوں کو ہبہ کر دیا ہے۔ القصہ بہت سختی اور کوشش کے بعد راجہ سری لڑائی کی تاب نہ لا یا اور ایک دن اپنے قلعے کے اطراف سے نکل کے بھاگ گیا۔ اُس وقت حضرت سالار ہفت جی۔ پیر قرآن خواں اور سید اعزالدین معروف بہ لال پیر کے بیٹے حضرت غازی کمال شہید ہو کر اُسی جگہ مدفون ہوئے اور راجہ مذکور کوہ کمایوں کیطرف چلا گیا۔ اور بلگرام اسلام کی پاک جگہ ہوا۔ اس کے بعد حضرت قاضی نے راجہ مذکور کے قلعے میں خود قیام کیا اور اُن کے ساتھی سید نصیر الدین بن حضرت غازی کمال شہید۔ شریف۔ ترکمان۔ پٹھان اور ملک بازید کے دادا ملک ہادی ترمذی وغیرہ اور شریف واصیل لوگ فتح کیے ہوئے قلعے کے پورب پچھم اور اُتر جانب آباد ہوئے۔ چنانچہ اسوقت ان کی اولاد آباد و موجود ہیں حضرت قاضی نے قلعہ مذکور کے محاصرے کے وقت ملک ہادی ترمذی مذکور کو قلعہ کے اُتر جانب مقرر فرمایا تھا اسلئے ملک ہادی ترمذی مذکو لینے ہیں سکونت اختیار کی

یہاں ایک خاص اور قابل غور بات یہ ہے کہ واقعہ نگار کی تحریر مسطور الصدر میں باوجود اُس کے فرشوری ہونیکے جن اپنے اعلیٰ شیخ محمد فقیہ فرشوری کو اور فرشوریوں نے فاتح بلگرام بیان کیا ہے "جیسا کہ اُن کے دعوے اور ثبوت کی فصل میں تحریر ہوگا" اُن کا نام کہیں قاضی محمد یوسف کے ہمراہیوں میں بھی نہیں آیا۔

ایضاً۔ (الغرض حکومت و ریاست حضرت قاضی ازاں وقت الآن نسلاً بعد نسل شدہ آمدہ وہم ازاں وقت آبادی حضرت قاضی و اولاد در قلعہ مذکور است وہنوز خدمت قضا و احتساب دریں عشیرہ

---

[۱] یہ امر محقق ہے کہ یہاں پر راجہ سری کا باغ تھا۔ اسی کے متصل قاضی صاحب موصوف نے بہت بڑا باغ نصب کیا۔ مگر چند ماہ راجہ سری کے قلعہ بند رہنے کے زمانے میں جبکہ جنگ اور فتح قلعہ کی فکر درپیش تھی ایک عظیم الشان باغ کا ترتیب دینا تعجبات سے ہے۔ اسوقت باغ لگانے کا کونسا موقع تھا۔ ایسے کام تو دلجمعی اور اطمینان میں ہوتے ہیں۔ پس تحقیق مقام یہ ہے کہ بعد فتح بلگرام اور تسلط کے یہ باغ لگایا گیا۔

علاقہ دارد)

ترجمہ (الغرض حضرت قاضی "قاضی محمد یوسف" کی حکومت اور ریاست اُسوقت سے ابتک پشت بہ پشت چلی آتی ہے اور اُسی وقت سے حضرت قاضی اور اُن کی اولاد کی آبادی قلعہ مذکور میں ہے اور ابھی تک قضا اور احتساب کی خدمت اس خاندان کے متعلق ہے۔)

ایضاً (قلعہ راجہ سری والی سری نگر را حضرت قاضی حاکم نور اللہ مرقدہٗ بعد قتال و جدال بسیار بدست آوردہ و در آں مسکن خود ساختہ چنانچہ سابق ذکرش گزشتہ و ازاں روز اسم آں قاضی پورہ گردید و در اسناد نیز قاضی پورہ مے نویسند الآں اولاد حضرت قاضی نور اللہ مرقدہٗ در آں مسکن میدارند و قاعدۂ کلی ست و رسم قدیم کہ ہر افسری برائے قلع و قمع متمردی لشکر میکشد و چوں در اہتنبیہ و تعذیب رسانید مسکن خاص اورا زیر تصرف و آبادی خود مے آرد۔ بحیرتم کہ اگر قاضی حاکم نور اللہ مرقدہٗ قلعہ سرینگر را مفتوح نہ ساختہ و بدست خود نیاوردہ چرا قلعہ مذکور کہ مسکن خاص راجہ مذکور است رحل اقامت انداختند چنانچہ ہنوز اولاد آنحضرت قاضی بدستور در آں مسکن دارند۔ و قطع نظر اگر اسلام بلگرام در عہد سلطان محمود غزنوی نگردیدہ چرا اسناد عہد محمود غزنوی و اولادش بطغرائے قضات آں وقت و بگواہی روسا رقدمائے دیگر از خاندانہائے روسا رقدمائے بلگرام برآمدند تقرریست مدلل و راست و تحریریست مکمل و درست بر صدق و راستی فقرات و مقال بالا)

ترجمہ (سری نگر کے مالک راجہ سری کے قلعے کو حضرت قاضی "قاضی محمد یوسف" حاکم خدا اُن کی قبر کو روشن کرے" نے بہت لڑائی اور کشت و خون کے بعد حاصل کر کے اپنا مسکن بنایا جیساکہ اوپر ذکر ہوا اور اُسی دن سے اس کا نام قاضی پورہ ہوا اور سندوں میں بھی قاضی پورہ لکھتے ہیں۔ حضرت قاضی "خدا انکی قبر کو روشن کرے۔" کی اولاد ابتک اُس میں سکونت رکھتی ہے اور یہ کلی قاعدہ اور قدیم رسم ہے کہ جو افسر کسی سرکش کو تباہ و برباد کرنے کے لیے لشکر کشی کرتا ہے اور جب اُسکی تنبیہ اور سزا کر چکتا ہے تو اُس کے خاص مسکن کو اپنی آبادی اور تصرف میں لاتا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ اگر قاضی حاکم "خدا اُن کی قبر کو روشن کرے" سری نگر کے قلعہ کو فتح کر کے اپنے قبضہ میں نہیں لائے تو قلعہ مذکور میں جو راجہ مذکور کا خاص مسکن ہے۔ کیونکر اپنی سکونت قائم کی کہ ابتک اُن حضرت قاضی کی اولاد بدستور اُسی میں سکونت رکھتی ہے۔ اور قطع نظر اس سے اگر بلگرام کا اسلام سلطان محمود غزنوی کے عہد میں نہیں ہوا تو محمود غزنوی اور اُس کی اولاد کے وقت کی سندیں اُسوقت کے قاضیوں کے طغروں اور

یوسف ثانی کا بیٹا عبد الکافی، عبدالکافی کا بیٹا قاضی محمود اللہ قصبہ بلگرام کا حاکم۔ پانچویں تاریخ ماہ ذی الحجہ ۸۰۶ھ (آٹھ سو چھتیس)

واضح ہو کہ جن کاغذات کا ذکر میر نوازش علی رضوی نے کیا ہے انکا اور نیز دیگر کاغذات کا مختصر مضمون معہ تاریخ و شکل طغرا صاحبان دستخط کے حالات میں تحریر ہوگا انشاءاللہ

اب شیوخ عثمانی کے مخالف مدعی شیوخ فرشوری جن کی نسبت میر نوازش علی رضوی اوپر تحریر کر چکے ہیں کہ (و سوائے ازیں چند قطعہ کاغذ شرعیہ از خانہ دائم شریف بن کرم اللہ شریف از سجلات فرزندان قاضی یوسف ہذا برآمد سنہ و عبارت طغرای آں سجلات نیز بہ تحریر مے آید تا کہ زمانۂ اوشاں دریافت اہل خیرت و بصیرت گردد و کذب و صدق عشیرہ شیوخ فرشوری دریافت شود) ترجمہ اوپر ہو چکا۔ انہیں شیوخ فرشوری کے خاندان کے ایک محقق شخص شیخ غلام حسن متخلص بہ ثمیں فرشوری بلگرامی کی تحریر ملاحظہ ہو۔ انہوں نے شرائف عثمانی کے مطلع ثانی میں پہلے حضرت قاضی محمد یوسف کے اسلاف کی قدر و منزلت اور سلطان محمود غزنوی کا اُن بزرگوں کی خدمت میں کمال اعتقاد و رسوخ بیان کر کے لکھا ہے کہ جب سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان کو فتح کیا تو عمدہ اور اچھے صاحب شریعت و طریقت اصحاب کو جابجا قائم کر کے خراج لیا اور اسلام کو رائج کیا چنانچہ شیخ علی بن عثمان بن علی الجلال الغزنوی کو جنکی کنیت ابو الحسن اور ہندوستان میں پیر علی حضری مشہور ہیں لاہور میں طلب کیا وہ لاہور گئے اور اُن کے مقدم کی برکت سے وہاں اسلام قائم ہوا۔ وہیں انہوں نے وفات پائی اس کے بعد لکھتے ہیں (ہمیں قسم حضرت قاضی را کہ عمدۂ ولایت بود رئیس المومنین و امیر المجاہدین گردانیدہ بحکومت بلگرام مامور فرمودہ و حضرت قاضی باجماعت مسلمانان و افواج دین داران عبور دریائے گنگ نمودہ بہ بلگرام کہ سری راجہ والی آنجا بود و بلگرام راسری نگر میگفتند وارد شدہ بجنگ پرداخت و گویند کہ راجہ از قلعہ برآمدہ برلب جوئے کہ بفاصلہ یک نیم کروہ از بلگرام جانب قنوج واقع است و جوئے کلیانی نام دارد بمقابلہ جنگ قائم شد و جنگے عظیم در پیش آمد۔ چنانچہ حضرات پیر عرب و پیر حمیر و پیر غار و پیر غیب شہید شدند و مزار ہر یک شہداء مستشہد این معنی است کہ تا ایندم موجود و زیارت گاہ ہر خاص و عام است۔ آخر الامر راجہ مذکور تاب جنگ نیاوردہ در قلعہ کہ بر بلندی تمام است متحصن شد و کفار پرگنہ از چہار طرف بمدد راجہ مے آمدند۔ حضرت قاضی بقلعہ چسپیدہ و لشکر را جانب شرقی و شمالی شہر مخیم ساخت و یک خیمہ خود متصل موضع چاند پور کہ آمد و شد کفاران بیگر بیشتر

ازاں طرف است نیز برپا ساختہ بود و چند ماہ کہ راجہ مذکور متحصن بود آنجا باغ حضرت قاضی ترتیب دادہ و الحال آنجا محلہ سلہڑا آباد ان است و مرقد قاضی شمس الدین خلف حضرت قاضی برچبوترہ پختہ الآن ہمانجا است چنانچہ از بعضے اسناد معلوم می شود کہ بندگی قاضی عبدالدایم عثمانی و فرزندان شان آں باغ را بسید عبدالواحد مرحوم کہ از مشائخ کبار وقت و اکمل زمانہ بودند و فرزندان آں مرحوم را ہبہ نمودہ اند۔ القصہ بعد کشش و کوشش بسیار راجہ سری تاب جنگ نیاورد روزے از جانب شمال قلعہ خود برآمدہ رو بفرار نہادہ درآں وقت حضرت سالار مفت جی و پیر قرآں خواں و حضرت غازی کمال پسر سید اعزالدین الحال معروف بہ لال پیر شہید گردیدند و ہماآنجا مدفون گشتند و راجۂ مذکور بجانب کوہ کماؤں رفت و بلگرام نزہت شعار اسلام شد و من بعدش حضرت قاضی در قلعہ راجہ مذکور رحل اقامت خود انداختہ و ہمراہیان حضرت قاضی مثل سید نصیر الدین بن حضرت غازی کمال شہید و شریفاں و ترکمانان و افغانان و ملک ہادی ترمذی جد ملک بازید وغیرہ شرفا و نجبا جانب شرق و غرب و شمال قلعہ مفتوحہ آباد شدند چنانچہ آلان اولاد آنہا آباد و موجود اند و حضرت قاضی وقت محاصرۂ قلعۂ مذکور ملک ہادی مذکور را جانب شمال قلعہ مذکور تعین فرمودہ بود و ہمانجا ملک ہادی ترمذی مذکور سکونت نمود۔)

ترجمہ (اسی طرح حضرت قاضی "قاضی محمد یوسف" کو جو ولایت کے عمدہ لوگوں میں سے تھے ایمانداروں کا رئیس اور جہاد کرنے والوں کا سردار کر کے بلگرام کی حکومت عطا فرمائی اور حضرت قاضی مسلمانوں کی جماعت اور دین داروں کی فوجوں کے ساتھ دریائے گنگا کو عبور کر کے بلگرام میں "کہ سری راجہ وہاں کا مالک تھا اور بلگرام کو لوگ سرینگر کہتے تھے" آکر لڑائی میں مشغول ہوئے۔ کہتے ہیں کہ راجہ قلعے سے نکلکر ندی کے کنارے پر جو بلگرام سے قنوج کی طرف ڈیڑھ کوس کے فاصلے پر واقع ہے اور اُس کا نام جوئے کلیان ہی لڑائی کے لیے مقابلہ پر جما اور بڑی لڑائی ہوئی۔ چنانچہ حضرات پیر عرب۔ پیر حمیر۔ پیر غار اور پیر غیب شہید ہوئے۔ سب شہیدوں کے مزار اس بات کے شاہد ہیں جو اس وقت تک موجود ہیں اور ہر خاص و عام کی زیارت گاہ ہیں۔ آخر راجہ مذکور لڑائی کی تاب نہ لاکر قلعے میں جو بہت بلندی پر ہیں قلعہ بند ہوا۔ پرگنے کے کافر چاروں طرف سے راجہ کی مدد کو آتے تھے۔ حضرت قاضی نے قلعہ کو گھیر کے شہر کے پورب اور اُتر جانب لشکر کے خیمے لگا دیے۔ اور اپنا ایک خیمہ موضع چاند پور کے متصل بھی کہ ننگر کے کافروں کی آمد و رفت اُس طرف سے زیادہ ہی لگا دیا تھا۔ راجہ چند مہینوں تک قلعہ بند رہا تو اُس جگہ

سلطان نے قنوج کو فتح کرکے وہاں کے انتظام کے بعد انکو ایک فوج کا افسر اور سردار کرکے گنگا کے اس طرف قصبہ سرنگر کو جو اب بلگرام مشہور ہے تابع کرنے کے لیے بھیجا - راجہ سری بھاگ گیا اور پرگنہ بلگرام یعنی سرینگر بغیر مقابلے اور کشت و خون کے اسلام کی پاک جگہ ہوگیا اور سنکھ کی آواز کے بجائے "اللہ اکبر" "اللہ بہت بڑا ہے" کی آواز بلند ہوئی - سلطان محمود غازی غزنوی نے قاضی محمد یوسف عثمانی گازرونی کو جو فتحمند لشکر کے ساتھ اور علم وفضل کے خلعت سے آراستہ اور درست تھے سرینگر "بلگرام" کا جلیل القدر عہدہ قضا عطا فرمایا اور فرمان قضا اُن کے نام تحریر کرکے نہایت شوکت سے سری نگر "بلگرام" کی مسند قضا پر بٹھا کر سرینگر کا حاکم کیا - اُس زمانے سے قضائے بلگرام کی خدمت قاضی محمد یوسف عثمانی کے فرزندوں میں پشت بہ پشت مسلسل ہے - شرفائے شہر یا دیگر مقامات میں سے کوئی دوسرا شخص بلگرام کا قاضی نہیں ہوا لیکن اکبر بادشاہ کے عہد میں شیخ الہداد فرشوری بیس سال کے قریب بلگرام کے قاضی رہے اگر خدا نے چاہا تو اسکی تفصیل اچھی طرح لکھی جائیگی - اسوقت قاضی محمد یوسف کے قاضی ہونے کا ثبوت مقدم جان کر اُسکی تشریح اور تحقیق میں قلم اٹھاتا ہوں - اس حال کے مؤید اور اس بات کی دلیل قاضی محمد یوسف اور اُن کے فرزندوں کے دستخطی اور مہری قبالے ہیں جو بلگرام کے قدیم شریفوں کے گھروں سے نکلے اور میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھے - قاضی احمد اللہ نے اپنے بزرگوں کی قدامت اور قاضی ہونے کے ثبوت کے لیے وہ قبالے محب اللہ وسید کمال احمد اور اُنکے بیٹے سید خیرات حسین ڈھبے ساکن محلہ میدانپورہ اور محمد دائم شریف ولد کرم اللہ شریف ساکن محلہ ملکنہ وغیرہ سے بعض اصل اور نقل لیکر احتیاط سے رکھ لے انکو شہر کے اکثر بزرگوں نے دیکھا ہے اور اسوقت وہ سندیں قاضی کے پاس موجود ہیں - اُن کی سب عبارت سے کچھ کام نہیں مگر قبالوں کے سنہ اور طغرے اس مقام پر مناسب جان کے لکھے تاکہ کوئی شخص مولف رسالہ "میر نوازش علی رضوی کا بہتان اور ایجاد عثمانیوں کے قبیلے کے پاس خاطر سے نہ خیال کرے اور جھوٹ کا گمان نہ کرے اس لیے کہ مجھکو کسی کے قدیم اور جدید ہونے سے کام نہیں - وطنی اور دینی برادری سب کے ساتھ یکساں رکھتا ہوں اور ہر محلے کے بزرگ اور بزرگ زادوں کو بزرگ اور بہتر جانتا ہوں - لیکن جو بات واقعی اور درست ہی اسکو پوشیدہ نہیں کرسکتا

اس کے کہنے اور لکھنے میں مجبور و ناچار ہوں - وہ قدیم قبالے قاضی محمد یوسف عثمانی گازرونی کے
کے طغروں کے یہ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے جو سری نگر "بلگرام" کا قاضی ہوا وہ کون ہے - محلہ
میدانپورہ میں سید محب اللہ ڈبھے کے گھر سے ایک تملیک نامہ چوتھی تاریخ جمادی الاول ۴۲۱ھ چارسو اکیس
کا لکھا ہوا نکلا اس کے طغرے کی یہ عبارت ہے - جو کچھ قبالے میں لکھا ہے اس کا وکیل نے اقرار کیا لکھا
اس کو داؤد کے بیٹے خالد - خالد کے بیٹے عاصم - عاصم کے بیٹے یوسف قصبہ سرنگر "بلگرام" کے حاکم نے
غرضکہ اسلام نے ایسی قوت پکڑی کہ سرنگر "بلگرام" میں مسلمانوں کی آبادی سے گیارہ برس کے بعد شرعی
طریقہ پر خرید و فروخت کا رواج ہوگیا - ایضاً قاضی یوسف ہذا کے طغرے کا دوسرا قبالہ بیعنامہ کی بابت پانچویں
تاریخ ماہ جمادی الاول ۴۳۸ھ چار سو اڑتیس کا لکھا ہوا سید خیرات حسین کے گھر سے نکلا اس کے طغرے کی یہ عبارت
ہے - جو کچھ قبالے میں لکھا ہے اس کا اقرار کرنے والی نے اقرار کیا - لکھا اس کو داؤد کے بیٹے خالد خالد کے
بیٹے عاصم - عاصم کے بیٹے یوسف قصبہ سری نگر "بلگرام" کے حاکم نے اور اس کے سوائے چند قطعہ کاغذ
شرعی قاضی محمد یوسف ہذا کے فرزندوں کے دستخطی نکلے - اُن کاغذوں کے طغروں کی عبارت اور سنہ
بھی لکھے جاتے ہیں تاکہ عقلمند اور دانا لوگوں کو اُن کا زمانہ دریافت ہو جاے اور شیوخ فرشوری کے خاندان
کا جھوٹ سچ کھل جائے - قاضی کمال بن ظہیرالدین بن یوسف بن عاصم بن خالد بن داؤد کا طغرا ستائیسویں تاریخ
ماہ شعبان مبارک ۶۳۶ھ چھ سو چھتیس کا لکھا ہوا

ایضاً دوسرا قبالہ قاضی معروف بن کمال بن ظہیرالدین مرحوم کے طغرے کا انیسویں تاریخ ماہ جمادی الاول
۶۶۳ھ آٹھ سو ترسٹھ کا لکھا ہوا اور دوسرا قبالہ قاضی عبدالکافی بن قاضی شمس الدین بن قاضی یوسف بن
عاصم بن خالد بن داؤد کے طغرے کا انیسویں تاریخ جمادی الاخر ۸۲۳ھ آٹھ سو تئیس کا لکھا ہوا)

ایضاً (باید دانست کہ بعد فوت قاضی عبدالکافی پسرش قاضی محمود بجائے او بر مسند قضا نشست
سنہ و سجل طغرئ بعینہٖ ثبت می شود قاضی محمود بن قاضی عبدالکافی بن یوسف بن شمس بن یوسف بن عاصم بن خالد
بن داؤد الحاکم بقصبہ بلگرام فی التاریخ خامس من شہر ذلحجہ سنہ ست وسبعین وثمانمائۃ)

ترجمہ (جاننا چاہیے کہ قاضی عبدالکافی کی وفات کے بعد اُن کے بیٹے قاضی محمود الھداد بجائے اُن کے
مسند قضا پر بیٹھے - سنہ اور قبالے کا طغرا بعینہٖ تحریر کیا جاتا ہے -
داؤد کا بیٹا خالد - خالد کا بیٹا عاصم - عاصم کا بیٹا یوسف - یوسف کا بیٹا شمس - شمس کا بیٹا یوسف ثانی -

کے خاندان کا محلہ اور پرکوٹ مذکور پر واقع ہے جو قصبہ کے مالک سری راجہ کا مسکن خاص تھا۔
اور ان کا محلہ قاضی پورہ شہر کے بیچ میں قلعے کے اوپر اور نیچے بہت لمبا چوڑا ہے۔ اس کے سوا
اکبر شاہ کے عہد میں قاضی محمود بن قاضی کمال مذکور بہت بڑے امیر و کبیر ہوئے۔ حضور سے
ضیاء الملک خطاب ملا اور پرگنہ حویلی لکھنؤ۔ پرگنہ اکبرپور۔ پرگنہ سرھرپور اور پرگنہ بلگرام جاگیر مقرر
ہوئے)

ایضاً (فی الجملہ حق سبحانہٗ تعالےٰ عشیرۂ عثمانیاں را از عہد حضرت عثمان ذی النورین مجمع فضائل
دینی و دنیوی برگزیدہ و رتبتے کہ در عالم باید خدائی تعالےٰ بایں عشیرۂ کرامت فرمودہ ــــــــ
ہر واحد ایں عشیرہ بحسن و خلق و حیا و حلم و فضل و علم و غیرت و دیانت و شجاعت و سخاوت است۔ ..
خصوصاً دولت و شجاعت و ہمت و حوصلہ و علم و فضل گویا درحصۂ ایں عشیرہ بالکل آمدہ)

ترجمہ (حاصل کلام خدائے پاک برتر نے عثمانیوں کے خاندان کو حضرت عثمان ذی النورین
دو روشنیوں والا یعنی محمد رسول اللہ کی دو بیٹیوں کا شوہر یکے بعد دیگرے" کے زمانے سے تمام
دینی اور دنیوی فضیلتوں کے لیے انتخاب کر لیا اور جو رتبہ دنیا میں چاہیے وہ خدائے برتر نے
اس خاندان کو عنایت فرمایا۔ اس خاندان کے ہر فرد بشر میں خوبی۔ مروت۔ شرم۔ بردباری
بزرگی۔ علم۔ غیرت۔ دینداری۔ بہادری۔ اور سخاوت ہی (خاصکر دولت۔ بہادری۔ ہمت۔ مقدور
علم اور بزرگی گویا بالکل اس خاندان کے حصہ میں آئی)

غرضکہ قاضی محمد یوسف عثمانی مذکور کا فاتح اور حاکم بلگرام و بانی اسلام ہونا شیوخ عثمانی سے زیادہ
تفصیل کے ساتھ غیر خاندانوں کے مولفین نے اپنی تالیفات میں انکی حکومت و سرداری کے ثبوت
کاغذات قدیم وغیرہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ دیکھ کر تحریر کیا ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اور آگے ہوگا۔
اور اس امر کی تصدیق ان سب مولفین سے قدیم درباری ہمایوں و اکبر کے شاعر نامی مولانا ضمیری بلگرامی
کے اس قطعہ سے ہوتی ہے جو انھوں نے قاضی ابو الفتح عرف قاضی کمال عثمانی کی مدح
میں زمین عطیہ کے شکریہ میں کہا ہے۔ مختصراً اس کے تین شعر جن سے تصنیف قطعہ کی وجہ اور ثبوت مذکور
کا اظہار ہوتا ہے یہاں لکھے جاتے ہیں۔

قطعہ

معدن فضل و کرم قاضی ابوالفتح آنکہ ہست		اعلم و اکمل کمال ابن ابوالعالم بد ہر
ما زمینے خانہ دارے درجہاں میخواستیم		او زملکِ خویشتن بخشید جا مار البشہر
اقبل آمد مولد و منشائے او در بلگرام		راند کفار لعیں را جد اعلائش بقہر

ترجمہ - بزرگی اور مہربانی کی کہاں قاضی ابوالفتح عرف قاضی کمال جو زمانے میں بڑے عالم اور کامل ابوالعالم " بندگی قاضی عبدالدایم عثمانی " کے بیٹے ہیں - ہم دنیا میں گھر کے لائق زمین چاہتے تھے انھوں نے اپنی ملک سے ہمکو شہر " بلگرام " میں جگہ عنایت کی - اُن کا وطن اور جائے پیدائش بلگرام میں بہت پہلے سے ہی - ملعون کافروں کو اُن کے جد اعلیٰ " قاضی محمد یوسف عثمانی " نے بزور زبردستی نکال دیا -

اشعار مسطور الصدر کا آخری شعر شیوخ عثمانی کی قدامت اور اُن کے جد اعلی کے فاتح اور بانی اسلام بلگرام ہونے کی پوری شہادت اور بیان مولفین مذکور کی کامل تصدیق ہے

واضح ہو کہ مولانا ضمیری موصوف کا وہ زمانہ ہے جبکہ بلگرام کے کسی خاندان کے سر میں اپنے جد اعلیٰ کی نسبت قدیم اور فاتح بلگرام ہونے کا سودا نہیں سمایا تھا - اس سے ثابت ہوتا ہی کہ زمانہ قدیم سے خاندان عثمانی کا مولد و منشاء بلگرام میں اقبل ہونا اور اُنہیں کے جد اعلی کا کفار کو بزور یہاں سے نکال کے اسلام قائم کرنا مسلّم تھا جسکے مطابق مولانا ضمیری ایک غیر شخص اپنے شعر میں صحیح واقعہ جو اظہر من الشمس تھا بیان کر گئے - اب ایک صداقت نامہ " صورتحال " ملاحظہ ہو جو شیوخ عثمانی کی قدامت اور اُن کے جد اعلیٰ کے بلگرام کو فتح کرنے اور عہدۂ قضا و احتساب عہد سلطان محمود غزنوی سے اُن کے خاندان میں ہونے کی بابت ہے - یہ صداقت نامہ قاضی شریف احمد صاحب عثمانی نے اُس زمانے میں تحریر کر کے مصدوق کروایا تھا - جبکہ مولوی سید محمد صاحب صغروی پچ بہیئے ساکن محلہ میدان پورہ نے کتاب نظم آللالی خاص اپنے نسب نامہ میں لکھکر اس کی ایک فصل در اجوبہ ادلۂ مدعیان قدامت " میں بزعم خود شیوخ عثمانی کے دعوٰں کی اپنے نزدیک تردید کرنے کی جرأت پہلے پہل کی تھی جسکی تنقیح اور تجویز انشاء اللہ اپنے موقع پر ہوگی - نقل اُس کی ہدیہ ناظرین ہے -

صداقت نامہ "صورتحال" باعث تحریر این چند سطور صداقت دستور آنکہ عہدۂ قضا ر
قصبہ بلگرام از عہد سلطان محمود غزنوی کہ در خاندان این خادم الشرع قاضی شریف احمد بن قاضی
مجد الدین محمدؐ بن قاضی علی احمد بن قاضی احمد اللہ مرحوم برین گونہ است ہنگامیکہ سلطان محمود غزنوی
برائے تسخیر ممالک ہندوستان لشکر کشید و بعد فتح بلدۂ قنوج قاضی محمدؐ یوسف مکی المدنی را کہ از اجداد
منتظر بود برائے فتح کردن قصبہ بلگرام مامور فرمود۔ قاضی محمد یوسف مع افواج سلطانی بقصبہ مذکور
آمدہ کہ راجہ سری والی قصبہ مذکور بود از و مقابلہ نمود۔ راجۂ مذکور تاب مقابلہ نیاوردہ رو بفرار
نہاد سلطان محمود قاضی محمد یوسف را بحکومت بلگرام و منصب قضا و احتساب مامور فرمود۔
این واقعہ در سنہ چہار صد و نہ ہجری رو دادہ۔ قاضی مذکور بموجب شرع حضرت خیر الانام علیہ الصلوٰۃ
والسلام اجرائے احکام شریعت غرا نمود و در قصبہ مذکور بر بالائے تل یعنی در قلعۂ راجۂ مذکور رحل اقامت
انداخت. ازاں زمان منصب عہدۂ قضا در خاندان منتظر است و جملہ سلاطین ماضیین و وزرائے
عالی مقدار بحال و برقرار بزرگان اسلاف منتظر داشتہ اند چنانچہ در سنہ یکہزار و دو صد و شصت
ہجری پدر منتظر مسمی قاضی مجد الدین محمدؐ بسبب ضعف پیری برادر حقیقی منتظر یعنی قطب حیدر را بجائے
خود بر عہدۂ قضا از پیشگاہ حضرت امجد علی شاہ انار اللہ برہانہٗ مقرر کنانید و خود عزلت گزین شد۔
و در سنہ یکہزار و دو صد و شصت و ہشت ہجری پدرم قاضی مجد الدین محمدؐ مذکور ازین جہاں فوت شد
و عقب آں برادرم قاضی قطب حیدر مذکور در ہماں سال و سنہ مذکور لاولد ازین جہان فانی رحلت
نمود پس بسبب استحقاق منتظر بجائے او مقرر شد و انچہ لوازمہ عہدۂ قضا راست آنرا منتظر تا ایندم بدیانت
و امانت پرداختہ حقیقت راست براست این بود کہ بقلم آمد فقط المرقوم یکم مارچ ۱۸۵۶ء عیسوی بیان
واقع است | محمد عسکری | بیان واقع است | محمدؐ ہادی | بیان واقع است | سید منظر علی | بیان واقع
است۔ | محمد اکبر | بیان واقع است محمدؐ ابراہیم عفی عنہ۔ بیان واقع است محمدؐ ابن حیدر عفی عنہ۔ بیان
واقع است | سید محمدؐ احمد | بیان واقع است | سید سخاوت حسین | بیان واقع است | سید نیاز علی |
بیان واقع است | باعلی حیدر | بیان واقع است | سری گور سہائے سری سال | بیان واقع است
| سید علی حیدر | بیان واقع است | سید فضل رسول | بیان واقع است | محمد اشرف | بیان واقع است
دیبی دیال قانون گو پرگنہ بلگرام بقلم صاحبدین محرر۔ بیان واقع است | میر فضل حسین | بیان واقع

قرۃ العین محمد عسکری بیان واقع است کاظم حسن حسینی بیان و اقع است سید مظہر احمد - بیان واقع است رامشرد اس قانونگو بلگرام بیان واقع است - درگا پرشاد قانون گو - بیان واقع است - اجودھیا پرشاد قانون گو بیان واقع است - محمد حامد - بیان واقع است ابوالحسن رضوی شہد بما فیہ[1] سید محمد رضا خاں شہد بما فیہ سید غلام حسنین بیان واقع است سید علی احمد بیان واقع است سخاوت علی بخط - لاریب فیہ[2] - محمد تجمل حسین ولد منشی سلطان حسین خان - بیان واقع است محمد زکی بخط بیان واقع است سید حشمت علی ابن محمد بخش بیان واقع است سید عترت حسین - مافی ہذا القرطاس صحیح[3] محمد حسن الحسینی بیان واقع است محمد حمید ولد مہدی حیدر - شہد بما فیہ تراب علی عفی اللہ عنہ بیان واقع است سید نصیر احمد بیان واقع است سید غلام حیدر بواقعی عہدۂ قضا[4] از قدیم بخاندان عالی شان مستشہد از قبل سلاطین وحکام مرجوع ومتعلق بودہ است الی یومنا ہذا بدستور است ومستشہد بہ نہایت عدالت ودیانت امورات مرجوعہ را بالفرام میرساند وانا علی ذالک من الشاہدین ابن حسن عفی عنہ بخط فی الحقیقت کتابت ہذا القرطاس صحیح[5] راضی برضا بیان واقع است میر سید علی انچہ درمتن مسطور است[6] صحیح است نعمت اللہ بیان واقع است محمد حسین اثنا عشری محمد حسین مسطور المتن صحیح[7] فقیر محمد عبد الواحد ابن شاہ محمد عارف بیان واقع[8] کہ از اجداد وآبائی خود شنیدہ ام کہ عہدہ قضا از عہد

---

[1] جو کچھ اس میں ہے اسکا گواہ ہوا

[2] اس میں شک نہیں

[3] جو کچھ اس کاغذ میں ہے صحیح ہے

[4] حقیقت میں عہدہ قضا قدیم سے بادشاہوں اور حاکموں کی طرف سے شہادت چاہنے والے دو قاضی شریف احمد" کے عالی شان خاندان کے متعلق رہا ہے اور اجتک بدستور ہے اور شہادت چاہنے والا" قاضی شریف احمد" اپنے امور متعلقہ کو نہایت انصاف اور سچائی سے انجام دیتا ہے بہ تحقیق اس پر گواہوں میں سے ہوں - ابن حسن عفی اللہ عنہ

[5] اس کاغذ کی تحریر فی الحقیقت صحیح ہے

[6] ورق میں جو لکھا ہے صحیح ہے۔

[7] ورق میں لکھا ہوا ہے صحیح ہے

[8] بیان ٹھیک ہے - میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ سلطان محمود غزنوی کے عہد سے عہدہ قضا قاضی احمد اللہ ابن قاضی محمد احسان کے خاندان میں ہوتا آیا اور اسوقت تک بدستور ہے اور شہادت چاہنے والا قاضی شریف احمد امور متعلقہ کو نہایت انصاف اور سچائی

سلطان محمود غزنوی در خاندان قاضی احمد اللہ ابن قاضی محمد احسان بودہ آمدہ دائی یومنا ہذا بدستور و مستشہد بہ نہایت عدالت و دیانت امورات مرجوعہ را بانصرام میرساند العبد سید حسین بخش عرف بدوح میاں بخطہ - بیان واقعہ است - قاضی محمد احسن ساکن باون [قاضی محمد احسن] انچہ در متن[۱] مسطور است صحیح ولاریب فیہ فقیر محمد حسین خلیل صوفی معی چشتی بخط [محمد حسین] بیان واقع است [محمد عطا] بیان واقع است ظہور احمد عفی عنہ - بیان واقع است [حیات علی] بیان واقع است پیر خاں مرد ہا بخطہ - بیان واقع است برج باسی لال بخطہ - بیان واقع است لہارام سیٹھ بخط ہندی بیان واقع است [محمد نصرت اللہ] مضمون[۲] متن صحیح است سید باصر علی - انچہ در[۳] متن مسطور صحیح و عہدۂ قضا از عہد[۴] قاضی احمد اللہ مرحوم تا الی الآن متعلق در خاندان عالی شان مستشہد بچشم خود دیدہ ام [سید شاہ حسن] ما فی القرطاس صحیح مہدی علی بن سید علی حسن حسینی الدکنی عفرہما اللہ - انچہ در[۵] متن صحیح و درست است روشن لال کائستھ ولد ٹھاکر پرشاد [روشن لال] فی الحقیقت[۶] عہدۂ قضا از روئے اسناد سلاطین و وزرار ماضیہ وہم از عہد محمود غزنوی ہذا المتن در خاندان مظہر علی الاتصال جاری بخطہ وکتبہ محمد رضا دلاور

ترجمہ ان چند سچے مضمون کی سطروں کے تحریر کرنے کا سبب یہ ہے کہ قصبہ بلگرام کا عہدۂ قضا سلطان محمود غزنوی کے عہد سے اس خادم شرع قاضی شریف احمد بن قاضی مجد الدین محمد بن قاضی علی احمد بن قاضی احمد اللہ مرحوم کے خاندان میں اسطرح پر ہے جسوقت کہ سلطان محمود غزنوی

ے بقیہ صفحہ ۸۴ - سے انجام دیتا ہے -

[۱] جو کچھ ورق میں لکھا ہے صحیح ہے اس میں شک نہیں

[۲] ورق کا مضمون صحیح ہے

[۳] - جو ورق میں لکھا ہے صحیح ہے اور عہدۂ قضا قاضی احمد اللہ مرحوم کے عہد سے ابتک شہادت چاہنے والے " قاضی شریف احمد " کے عالی شان خاندان میں اپنی انکھ سے دیکھا ہے -

[۴] جو کچھ کاغذ میں ہے صحیح ہے -

[۵] ورق میں جو کچھ لکھا ہے - صحیح ہے

[۶] - فی الحقیقت عہدۂ قضا اگلے بادشاہوں اور وزیروں اور عہد محمود غزنوی کی سندوں کی رو سے جیسا کہ ورق میں لکھا ہے - ظاہر کرنے والے " قاضی شریف احمد " کے خاندان میں لگاتار جاری ہے

نے ممالک ہندوستان کو فرمانبردار کرنے کے لیے لشکر کشی کی اور شہر قنوج کو فتح کرنے کے بعد قاضی محمد یوسف مکی المدنی کو جو میرے بزرگوں میں سے تھے قصبہ بلگرام کے فتح کرنے کے لیے حکم دیا تو قاضی محمد یوسف نے بادشاہی فوجوں کے ساتھ قصبہ مذکور میں آکر راجہ میری سے جو قصبہ مذکور کا مالک تھا مقابلہ کیا۔ راجہ مذکور مقابلے کی تاب نہ لاکر بھاگ گیا۔ سلطان محمود نے قاضی محمد یوسف کو قضا اور احتساب کا منصب دیکر بلگرام کا حاکم کردیا یہ واقعہ ۴۰۹ھ چار سو نو ہجری میں ہوا۔ قاضی مذکور نے خلق اللہ سے بہتر آنپر درود و سلام ہو "محمد رسول اللہ" کی شرع کے بموجب روشن شریعت کے احکام جاری کیے اور قصبہ مذکور میں اور برکوٹ یعنی راجۂ مذکور کے　　　　قلعے میں سکونت اختیار کی اُسوقت　سے عہدۂ قضا کا منصب میرے خاندان میں ہے اور تمام گذشتہ بادشاہوں اور بلند رتبہ وزیروں نے میرے بزرگوں کے حق میں بحال اور برقرار رکھا ہے۔ چنانچہ ۱۲۶۰ھ ایکہزار دو سو ساٹھ ہجری میں میرے باپ مسمی مجد الدین محمد نے ضعف پیری کے سبب سے میرے سگے بھائی یعنی قطب حیدر کو حضرت امجد علی شاہ "اُنکی دلیلیں روشن ہوں" کی حضور سے بجائے اپنے عہدۂ قضا پر مقرر کروادیا اور آپ گوشہ نشین ہو گئے ۱۲۶۲ھ ایکہزار دو سو باسٹھ ہجری میں میرے باپ مجد الدین محمد کا انتقال ہوا اور اُن کے بعد میرے بھائی قاضی قطب حیدر مذکور اُسی سال اور سنہ مذکور میں لاولد فوت ہوئے۔ ——————

پس استحقاق کے سبب سے اُن کی جگہ پر میں مقرر ہوا۔ اور عہدۂ قضا کے لیے جو باتیں ضروری ہیں انکو اس وقت تک دیانت اور امانت سے انجام دیتا ہون۔ سچی اور "ٹھیک ٹھیک حقیقت یہی تھی جو لکھی گئی لکھا ہوا پہلی تاریخ پانچ ۱۸۶۵ء کا۔

یہ اصل صورتحال مکرمی قاضی شریف احمد صاحب عثمانی کی وفات کے بعد تک اُن کے یہاں رہا۔ چونکہ برادرم قاضی مصطفے علی عثمانی اپنے والد قاضی شریف احمد مذکور کی وفات کے وقت کم عمر تھے اور اُن کے جملہ امور خانگی و ریاست و دفتر قضا وغیرہ کے منتظم و کارپرداز اُن کے سگے ماموں مولوی محمد عبدالوالی صاحب تھے اس لیے یہ صورتحال و نیز دیگر سجل وغیرہ بھی انھیں کے قبضہ و اختیار میں رہے۔ اُسوقت مسٹر ہارنگٹن صاحب بہادر مہتمم بندوبست بلگرام کے کچھ تاریخی حالات لکھنے کی غرض سے تین سجل تین فرمان اور ایک یہ صورتحال سب سات کاغذ اصل عاریتًا مولوی عبدالوالی

صاحب مذکور کے ذریعہ سے چوتھی تاریخ ماہ جنوری ۱۸۷۱ء ایکہزار آٹھ سو اکہتر عیسوی کو لے گیے اور سب کی رسید مولوی صاحب موصوف کو دیگئے جو اُردو میں صاحب بہادر موصوف کے سررشتہ دار محمد سعید صاحب کی لکھی ہوئی ہے اور اُس پر صاحب موصوف کے دست وقلم خاص سے انگریزی میں دستخط ہیں۔ اتفاق سے سفر دریا میں جہاز پر سے کچھ اسباب صاحب موصوف کا گر کر غرق ہوگیا اُسی کے ساتھ یہ سب کاغذ بھی گئے۔ اصل رسید مذکور مجھکو خود مولوی عبدالوالی صاحب نے دکھائی جو اسوقت تک اُن کے پسر عزیزی محمد عبدالقدیر سلمہٗ ساکن قاضی پورہ کے پاس موجود ہے چونکہ یہ رسید اس صورتحال اور نیز دیگر کاغذات مذکور اصل "جن کا ذکر اپنے موقع پر ہوگا" کے وجود کا ثبوت ہے لہذا اصل رسید سے حرف بحرف نقل کیجاتی ہے۔ نقل رسید۔

۴ جنوری ۱۸۷۱ء کو

تین قطعہ فرمان خط کوفی و تین قطعہ فرمان اکبری ایک قطعہ صورتحال قاضی عبدالوالی صاحب رجسٹرار سے لیگئی بعد نقل عرصہ ہفتہ میں دیجائیگی اور اس درمیان میں بہت احتیاط سے رہے گی لہذا یہ رسید لکھدی فقط۔

کوفی کتبہ	اکبری کتبہ	صورتحال
سنہ ۴۳۱ و ۴۳۸ و ۴۴۳ ہجری	سنہ ۹۷۰ و ۹۷۹ و ۹۸۱ ہجری	نوشتہ سنہ ۱۵۶ء

C A Houghton
4/1/71

کاغذات مندرجہ فہرست رسید مسطور میں آخری صورتحال بھی ہے اسپر شاید ہی موجودہ مسلمانوں کے خاندان کے کوئی بزرگ ہوں جنکی مہر یا دستخط تصدیقی نہ ہوں اور انہوں نے شیوخ عثمانی کے دعوے کا اعتراف نہ کیا ہو یہ سب عمائد و روسا و شرفای ہر خاندان ہیں۔ بالخصوص سید ابن حسن ساکن محلہ میدان پورہ جو مولوی سید محمد صاحب مولف نظم اللآلی کے ایک ذی علم اور قابل ہمعصر عزیز خاص ہیں اور مولوی صاحب موصوف کے دیگر ہمجد و ہمعصر برادران صغروی ساکنان محلہ سیدواڑہ کے دستخط اور مہریں خاص تصدیقی عبارت کے ساتھ نظم اللآلی کی "در فصل و راجوبۂ اولۂ مدعیان قدامت" کی پوری تردید اور شیوخ عثمانی کے دعوے کا کامل ثبوت ہیں۔ علاوہ ازیں جسقدر کاغذات قدیم

اصل یا اُن کی نقلیں بلگرام میں عہد سلطان محمود غزنوی سے اس وقت تک نظر آتی ہیں سب پر شیخ
عثمانی کے دستخط اور مہروں وغیرہ اور نیز اُن کے مقبوضات سے اُن کی حکومت اور عہدہ قضا
کا برابر ثبوت ملتا ہے جن کا بیان آگے خاندان شیوخ عثمانی میں مشاہیر کے ساتھ ہوگا انشاء اللہ تعالےٰ

المختصر شیوخ عثمانی کے دعوے اور ثبوت اسقدر مسلمہ ہیں کہ علاوہ بلگرام کے غیر مقامات اور غیر
مذہب والے بھی ان کے معترف ہیں۔ چنانچہ پنڈت بھگوان دیال اگن ہوتری انسٹرکٹر ٹریننگ کلاس
ہردوئی کا تالیف کیا ہوا جغرافیہ ضلع ہردوئی مطبوعہ ماہ جولائی ۱۹۱۳ء ایکہزار نوسو تیرہ عیسوی میری
نظر سے گذرا۔ اُس میں مجملاً بلگرام کا حال کچھ اصل او کچھ بوجہ پوری واقفیت نہ حاصل ہونیکے اصل میں تبدیلی
کے ساتھ نظر آیا۔ یہاں اُس کے بعض فقرے حسب ضرورت درج کیے جاتے ہیں (یہ سری کرشن
جی کا بسایا ہوا معلوم ہوتا ہے بلگرام پرانا نام ہے) یہ خیال غالباً مولف جغرافیہ نے بللرام جی برادر
سری کرشن جی کے ہاتھ سے بل دانب کے مارے جانے کا حال وہ جس کا ذکر پہلے باب کی پہلی فصل
میں ہو چکا ہے" سری مدبھاگوت میں دیکھکر جمایا ہے۔ ایضاً (نویں صدی میں راجہ سری رام ریکوارنے
یہاں سے ٹھٹھروں کو نکالا اور اُس کا نام سرنگیر رکھا درگا مندر اور ساگر تال بنوایا) ٹھٹھیرے ضرور یہاں کے
قدیم باشندے تھے اور ساگر تال بھی راجہ سری کے عہد میں قلعۂ راجہ سری کے گوشہ مغرب و شمال
میں تھا۔ ایضاً (اور ریکواڑوں کے سردار مدوالدین نے بلو دانو "بل دانب" کو جادو سے مارا
تھا بدیں وجہ بلگرام نام پڑا) یہ فقرہ بلگرام میں جو خواجہ عمادالدین کے ہاتھ سے دیو کے مارے جانے
کا قصہ مشہور ہے اسی کا بگڑا ہوا نام ہے۔ منجملہ فقرات مسطورالصدر کے ایک فقرہ ہے جو شیوخ عثمانی
کے دعوے کے مشک[۵] آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید کا مصداق ہونے کا ثبوت نظر آیا وہ یہ ہے
(سنہ ۱۰۱۸ء ایکہزار اٹھارہ عیسوی میں قنوج میں محمود غزنوی آیا۔ اُس کے سردار قاضی یوسف نے
اسپر حملہ کیا)۔ ملاحظہ ہو حیات جلیل موتفہ جناب مولوی سید مقبول احمد صاحب سمنی مطبوعہ پبلیشر
رام نرائن لال الہ آباد سنہ ۱۹۲۹ء صفحہ ۴۴ سطر ۱۳ و ۱۴ (بعدازاں ۴۰۵ھ ۱۰۱۴ء) میں بسر کردگی
قاضی یوسف جو امرا و سالاران افواج محمود سے تھے فتح مند عثمانی شیوخ آئے اور ریکواروں کو شکست

۵؎ ۔ مشک وہ ہے جو خود مہکے نہ کہ عطار کہے۔

دیکر پورے راج کو فتح کرلیا ۔) اس کے آگے راجہ سری کے بھائی کا مسلمان ہو کر مختار الدین اور مختار الدین کے بیٹے کا مسلمان ہو کر اختیار الدین نام رکھا جانا اور شرائف عثمانی کی تالیف کے وقت تک قاضی محمد یوسف کا دستخطی ایک سجل مرقومہ ۸۳۳ھ (۱۴۲۶ء) میر سید عزیز الدین "اعز الدین" معروف بہ لال پیر گو پاموی کے احفاد و اخلاف کے قبضہ میں موجود ہونا اور میر آزاد صاحب کا اس روایت کی تائید کرنا بھی بیان کیا ہے۔

لیکن ساتھ ہی اس کے صفحہ ۸۹ کی سطر ۳ - لغایت ۵ میں لکھتے ہیں کہ (انگریز مورخین اسکو تسلیم نہیں کرتے انکی تحقیقات کا ماحصل اسکو مشتبہ کرتا ہے ۔ اُن کے خیالات کے مطابق یہ تو ممکن ہے کہ محمود کی فوجیں بلگرام سے گزری ہوں اور لوٹ مار ہوئی ہو کچھ شیوخ یہاں رہ گئے ہوں مگر نظر بر واقعات مابعد مسلمانوں کا قبضہ اور مستقل قیام تسلیم نہیں کیا جاسکتا) پھر صفحہ مذکور کی سطر ۹ لغایت ۱۱ میں تحریر کرتے ہیں (بہر حال حبیب بہ عہد شہاب الدین محمد غوری اُس کے سپہ سالار قطب الدین ایبک نے ۵۸۹ھ (۱۱۹۳ء) میں راجہ جے چند پر حملہ کرکے قنوج فتح کیا اور قرب و جوار کے تمام رؤسار و راجگان کی قوت حکومت و سطوت کو خاک و برباد کردیا تو اُسی سال میں بلگرام پر مسلمانوں کا قبضہ بھی مسلسل و مستقیم ہوگیا

واضح ہو کہ حیاتِ جلیل کے لائق مولف کا اس معاملہ میں انگریز مورخین کی تحقیقات کے ماحصل سے مشتبہ ہوجانا بیجا نہیں اس لیے کہ جو شخص کسی خاص مقام کے اندرونی مسلسل واقعات اور اُن واقعات کے کامل ثبوتوں سے کما حقہٗ آگاہی نہیں رکھتا بلکہ روایات مختلف اُس کے پیش نظر ہیں اس کا مشتبہ ہوجانا ضروری ہے یا مخصوص کسی انگریز کی مشکوک تحریر دیکھکر اور انگریزی معلومات کا بھی بخلاف تواریخ سلاطین جن کے حالات میں اکثر مورخین ہمنوا ہوتے ہیں ایک قصبہ کی اندرونی حالت میں وہاں کی مختلف تحریریں دیکھکر اور وہ بھی جن میں وہاں کے بعض خود غرض مولفین نے اختلاف کی بھرمار کردی ہو وہی حال ہے جو ایک ہندوستانی بیرونی شخص کا ۔ جیسا کہ صفحہ مذکور کی سطر ۳ لغایت ۵ مقوس میں فقرہ " یہ تو ممکن ہے کہ محمود کی فوجیں بلگرام سے گزری ہوں اور لوٹ مار ہوئی ہو کچھ شیوخ یہاں رہ گئے ہوں" انگریز مورخین کے خیالات کے مطابق انکو بلگرام کی تاریخی حالت سے کما حقہٗ آگاہی نہ ہونے پر دال ہے ۔ اور اس کے آگے کا فقرہ " مگر نظر بہ واقعات مابعد مسلمانوں کا قبضہ اور اور مستقل قیام تسلیم نہیں کیا جاسکتا" اس کا جواب صرف اسقدر کافی ہے کہ واقعات مابعد مسلسل اور صحیح بہم ہی نہیں پہنچے جن پر نظر کی جاتی ۔ بعد اس کے دوسری عبارت مقوس مسطور الصدر یعنی

بہر حال جب بہ عہد شہاب الدین محمد غوری الخ" کا جواب میری کتاب کے باب ہذا کی فصل دوم میں بضمن ذکر قاضی محمد شمس الدین ملاحظہ ہو۔ مجھے امید ہے کہ میری کتاب کے ملاحظہ کے بعد سلطان محمود غزنوی کے عہد سے اسوقت تک مسلمانوں کا قبضہ اور مستقل قیام بلگرام تسلیم کرنے میں منصف ہندوستانیوں کا شبہ تو بالکل رفع ہو جائیگا اور صاحبان انگریز بہادر بھی اپنے مشتبہ خیالات میں بہت کچھ ترمیم فرمائینگے۔

بلگرام کے جغرافیہ پر جو غور کیا جاتا ہی تو ثابت ہوتا ہے کہ تمام آبادی اور اس سے ملحق آراضی سب ابتدائی اسلام میں اسی طرح قاضی محمد یوسف عثمانی گازرونی کے قبضہ و تصرف میں آگئی تھی جس طرح زمین مفتوحہ فاتح کے قبضہ و اختیار میں آ جایا کرتی ہے۔ اس میں سے بہت سی زمین اُسی وقت اپنے ہمراہی غازیوں کو انکی بود و باش کے لیے عنایت کی۔ اکثر آراضی بعد قاضی موصوف کے مختلف زمانوں میں انکی اور اون کے ہمراہیوں کی اولاد سے جنکو قاضی موصوف سے ملی تھی منتقل ہوتی رہی اور اُن منتقل شدہ زمینوں پر مختلف ناموں کے محلّے آباد ہوتے رہے جن کا ذکر اپنے موقعہ پر ہو گا۔
اور باقی آراضی اسوقت تک مسلسل آپ کی اولاد کے قبضہ میں ہے جسمیں زیادہ تر حصّے کے مالک و قابض برخورداران قاضی محمد یوسف علی۔ قاضی محمد اعظم علی۔ قاضی شریف الحسن۔ قاضی انوار احمد۔ اور قاضی رؤف احمد سلمہم اللہ تعالے ابنائی برادرم قاضی مصطفےٰ علی بن قاضی شریف احمد بن قاضی مجد الدین محمد بن قاضی علی احمد بن قاضی احمد اللہ مولف رسالہ مسجلات فی تاریخ القضات ہیں۔ جن میں سے اول الذکر "قاضی محمد یوسف علی" فی زمانا حسب الحکم تحریری جناب لفٹنٹ گورنر بہادر و استرضائے عمائد و روسائے قصبہ بموجب دستور قدیم قاضی وقت ہیں۔

دوسری فصل

شیوخ عثمانی کا شجرہ نمبر (۱) اور حکام و محتسبان عثمانی مندرجہ شجرہ نمبر (۱۱) کا ذکر

کتب تواریخ سے واضح ہے کہ حضرت عثمان[1] بن عفان رضی اللہ تعالے عنہ کثیر الاولاد تھے۔ روضۃ الاحباب۔ مرآت الجنان۔ ہفت اقلیم۔ صبح صادق۔ جذب القلوب۔ کنز الاخیار اور ملفوظات بزرگان وغیرہ میں آپکی اولاد کا مفصل ذکر ہے۔ مگر تمام کتب تواریخ سے اُن کے حالات نقل کرکے سب کے ترجمے کرنا طول فضول سمجھکر چند باتیں مجملاً و مختصراً ذیل میں درج کیجاتی ہیں۔

عمر امام الدین۔ بن عثمان رض کا حال مرات الجناں۔ ہفت اقلیم اور صبح صادق وغیرہ میں مرقوم ہے کہ آپ کا نام عمر اور لقب امام الدین تھا۔ اپنے وقت کے فقیہ تھے۔ مدینہ منورہ اور اُس کے اطراف کے لوگ علوم حدیث و فقہ وغیرہ آپ سے سند کرتے تھے۔ اکھتر سال کی عمر اور ۶۰ہجری میں زہر سے ہلاک کیے گئے۔

عبد اللہ[2] اکبر ملقب بہ حسام الدین بن عمر امام الدین مذکور کا حال مرات الجنان اور کنز الاخیار میں مذکور ہے وفات کے ۱۱۰ ایک سو دس ہجری ہیں۔ مولف رسالہ مسجلات نے اپنے رسالے میں کتب مذکور کی وہ عبارت نقل کردی ہے جس میں عبد اللہ اکبر اور اُن کے پدر عمر الدین وغیرہ کا ذکر ہے۔

خالد بن داؤد عثمان بن رکن الدین عبد الرحمن بن علاء الدین عبد اللہ ثانی بن علیم الدین عبد العزیز بن عبد اللہ اکبر ملقب بہ حسام الدین مذکور کا حال ہفت اقلیم اور ملفوظات بزرگان وغیرہ میں لکھا ہے

---

[1] سید جمال الدین محدث نے روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ حضرت عثمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی عمزاد بھائی تھے۔

[2] آپکے ایک چچا کا بھی یہی نام ہے۔

کہ امیر وقت اور مجمع فضائل تھے۔ المختصر بنسبت اس بیان کے یہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ازواج و اولاد کی تفصیل کا اظہار مناسب اور ضروری معلوم ہوتا ہے۔

مولف شرالف عثمانی نے کتاب روضۃ الاحباب سے نقل کی ہے کہ (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ را ہفدہ فرزند بودند۔ ہشت پسر و نہ دختر۔ ازانجملہ بود عبداللہ اکبر و مادر وے فاختہ بنت غزوان و عبداللہ اصغر و مادر وے رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکنیت حضرت عثمان ابوعبداللہ باو بود۔ وعمرو ابان و خالد۔ و مریم و مادر ایشاں ام عمر بنت جندب بن عمر بن حممہ بن الحرث بود و ثانی الحال کنیت حضرت عثمان ابوعمر باوست۔ و ولید و سعید[۵] وام سعید وام عثمان و مادر ایشان فاطمہ بنت الولید بن عبدشمس بن المغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم۔ و عبدالملک و مادر وے ام البنین بنت عینیہ بن حصن بن بدر فزاری۔ و عائشہ وام ابان وام عمرو مادر ایشاں رملہ بنت شعیبہ بن ربیعہ بن عبدشمس بن عبدالمناف بن قصی۔ وام خالد و اروی و ام ابان صغریٰ و مادر ایشاں نائلہ بنت الفرافصہ بن الاقوص بن عمر بن ثعلبہ بن الحارث۔ ترجمہ۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آٹھ لڑکے اور ۹ لڑکیاں سب اولاد تھیں یعنی فاختہ بنت غزوان کے بطن سے عبداللہ اکبر اور رقیہ بنت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بطن سے عبداللہ اصغر جنکی وجہ سے حضرت عثمان کی کنیت ابوعبداللہ تھی اور ام عمر بنت جندب بن عمر بن حممہ بن حرث کے بطن سے عمر۔ اباں۔ خالد۔ مریم۔ عبداللہ اصغر کی وفات کے بعد عمر مذکور کی وجہ سے دوسری کنیت حضرت عثمان کی ابوعمر ہوئی۔ اور فاطمہ بنت ولید بن عبدشمس بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم کے بطن سے ولید سعید۔ ام سعید۔ ام عثمان۔ اور ام البنین بنت عینیہ بن حصن بن بدر فزاری کے بطن سے عبدالملک اور رملہ بنت شعیبہ بن ربیعہ بن عبدشمس بن عبدمناف بن قصی کے بطن سے عائشہ۔ ام اباں۔ ام عمر اور نائلہ بنت فرافصہ بن اقوص بن عمر بن ثعلبہ بن حارث کے بطن سے ام خالد۔ اروی۔ ام ابان صغریٰ)

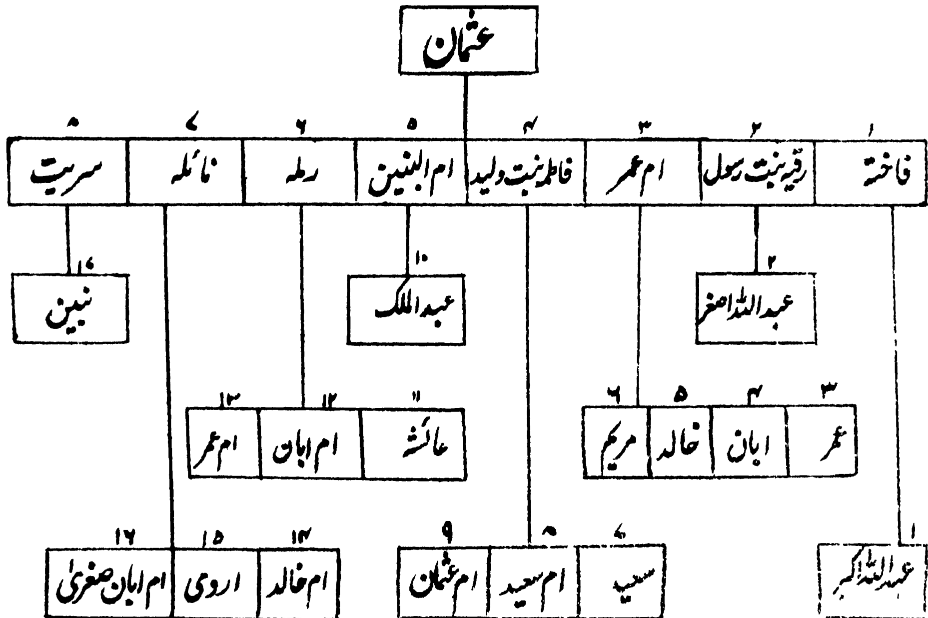
تاریخ علامہ ابن خلدون کچھ تغیر و تبدل کے ساتھ تفصیل مرقوم الصدر کی تائید کرتی ہے۔ ملاحظہ ہو ترجمہ تاریخ مذکور مطبوعہ قیصر ہند پریس الہ آباد ۱۳۱۹ھ ۱۹۰۱ء کتاب ثانی جلد چہارم اختتام خلافت عثمان بن عفان صفحہ ۲۸

---

[۵] تاریخ فرشتہ کے مولف نے ابتدائی کتاب میں بضمن ذکر ظہور اسلام در ہند آپکا نام سعد بغیر یائی تحتانی لکھا ہے یوں (در سنہ خمسین معاویہ حکومت خراسان را بسعد بن عثمان عفان داد) ترجمہ (سنہ پچاس میں معاویہ نے خراسان کی حکومت سعد بن عثمان عفان کو دی) ممکن ہے کہ کتابت کی غلطی ہو۔ واللہ اعلم

سطر، لغایت ۱۶ - (از واج و اولاد - ذی النورین نے زمانہ جاہلیت و اسلام میں آٹھ بیویاں کیں انہیں سے دو آنحضرت صلعم کی لڑکیاں تھیں ایک رقیہؓ دوسری ام کلثومؓ تیسری بیوی کا نام فاختہ بنت غزوان تھا ان کے بطن سے عبداللہ اصغر پیدا ہوئے لیکن عالم طفلی ہی میں مر گئے - چوتھی بیوی ام عمرو بنت جندب بن عمرو بن حمۃ الدوسیہ تھیں ان کے بطن سے چار اولادیں - خالد - ابان - عمرو مریم پیدا ہوئیں - فاطمہ بنت الولید بن مغیرہ مخزومیہ پانچویں بی بی کا نام تھا جن سے ولید و ام سعید و سعید پیدا ہوئے - چھٹی بیوی ام البنین بنت عینیہ بن حصن فزاریہ تھیں ان سے عبدالملک پیدا ہوئے اور لڑکپن ہی میں ان کا بھی انتقال ہو گیا - ساتواں عقد رملہ بنت شیبہ بن ربیعہ سے کیا ان سے تین لڑکیاں عائشہ ام ابان ام عمرو پیدا ہوئیں - نائلہ بنت الفرافصہ کلبیہ آٹھویں بیوی تھیں)

تاریخ الاسلام مولفہ مولوی محمد احسان اللہ صاحب عباسی مطبوعہ ثانی ۱۸۹۹ء منشی گلاب سنگھ اینڈ سنز پریس لکھنؤ بھی خفیف سے تغیر کے ساتھ تفصیل اول مرقوم الصدر کی موید ہے - ملاحظہ ہو کتاب مذکور کے چوتھے باب کی تیسری فصل کے آخر میں صفحہ ۲۸۲ کی تیرہویں سطر کے بعد -



واضح ہو کہ حضرت عثمان ذی النورین کی ازواج و اولاد کے ہونے میں تو کسی طرح کا شک و شبہ نہیں اور کسی قدر تغیر و تبدل جو نظر آتا ہے یہ کتب سیر میں ہوا ہی کرتا ہے - لیکن عمرو ابان - دونوں سگے بھائیوں

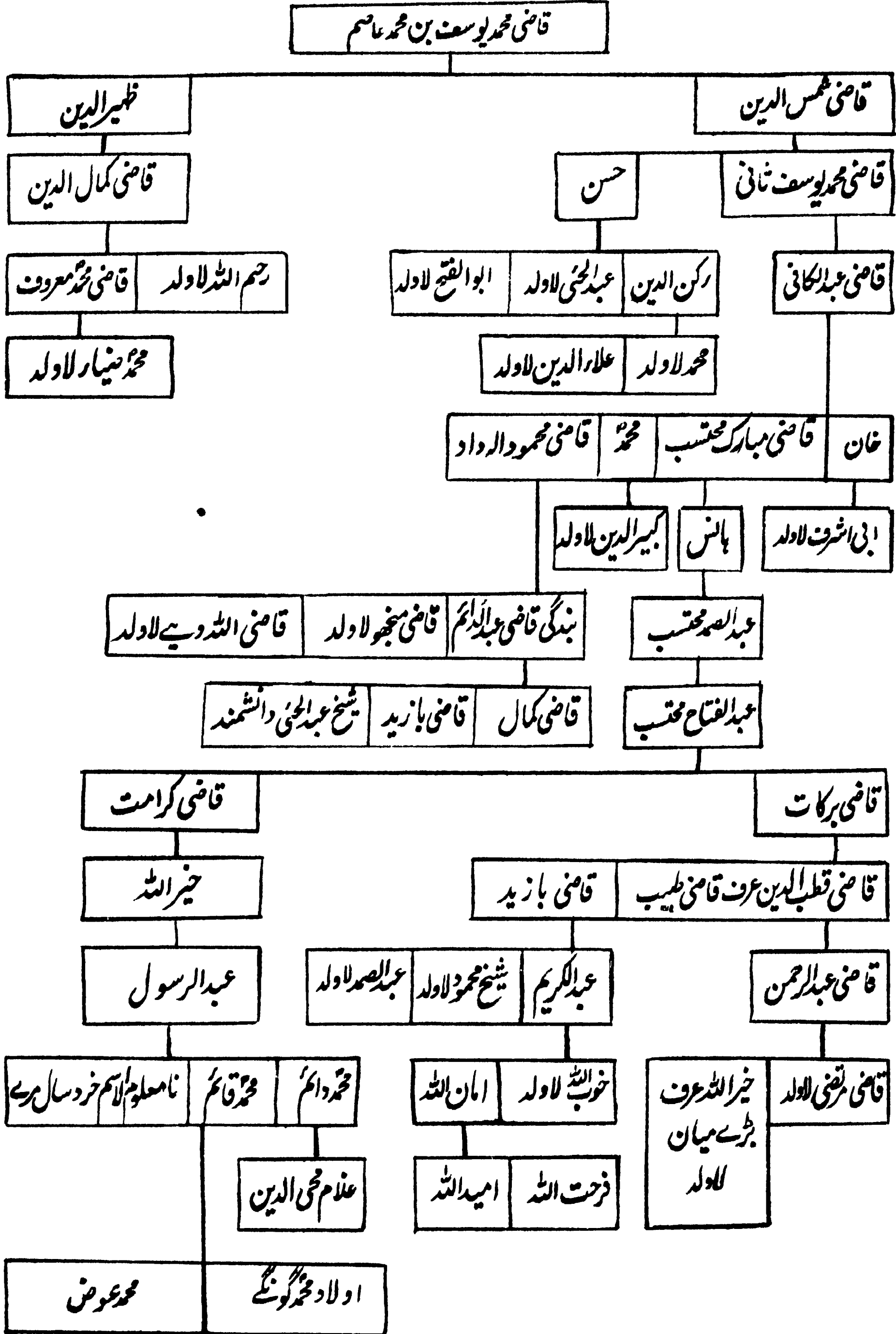
اور انکی والدہ ام عمر بنت جنذب کے بارے میں اکثر مورخین ہم نوا ہیں۔ اب چونکہ عمر بن عثمانؓ کی اولاد میں قاضی محمد یوسف اور ابان بن عثمانؓ کی اولاد میں حضرت حاجی محمد سالار عرف سالار ہفت جمی بلگرام میں تشریف لائے اور شیوخ عثمانی بلگرام کے جد اعلیٰ یہی دونوں بزرگ ہیں جنکی اولاد کے مشاہیر کا ذکر میری کتاب میں آئیگا لہذا ان کا شجرہ حضرت عثمانؓ سے لیکر اپنے وقت تک جو مجھکو بہم پہنچا اور جسکی ضرورت تھی مجمل درج کرتا ہوں

شجرہ نمبرا

حضرت عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ اکبر بن عبد شمس بن عبد مناف جد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راز بطن ام عمر بنت جنذب بن عمر بن تمہ بن حرث

امام الدین عمر	ابان	خالد
عبد اللہ اکبر ملقب بہ حسام الدین	زید	×
علیم الدین عبد العزیز	عبد الرحمن	
علاء الدین مشہور بہ عبد اللہ ثانی	ابراہیم	
رکن الدین المشہور بہ عبد الرحمن جو مدینہ سے گازرون میں سکونت پذیر ہوئے	محمود	
داؤد عثمان	علیم الدین	
خالد	ابو یوسف	
محمد عاصم	شہاب الدین	
قاضی محمد یوسف جد اعلای شیوخ عثمانی بلگرام وکاکوری وغیرہ	ابو محمد جلال الدین	
	شمس الدین	
	ابو بکر علی	
	عثمان خالد	
	حاجی محمد سالار المعروف بہ سالار ہفت جمی جد اعلائے شیوخ عثمانی قنوج وپالی وبعضے بلگرام وغیرہ جن کا ذکر پہلے باب کی دوسری فصل میں ہوا	

تکملہ (۱)


قاضی محمد یوسف بن محمد عاصم
قاضی شمس الدین
ظہیر الدین
قاضی محمد یوسف ثانی
حسن
قاضی کمال الدین
قاضی عبدالکافی
رکن الدین
عبدالحی لاولد
ابوالفتح لاولد
قاضی محمد معروف
رحم اللہ لاولد
محمد لاولد
علاء الدین لاولد
محمد ضیاء لاولد
خان
قاضی مبارک محتسب
محمد
قاضی محمود الہ داد
ابی اشرف لاولد
ہانس
کبیر الدین لاولد
عبدالصمد محتسب
بندگی قاضی عبدالدائم
قاضی منجھو لاولد
قاضی اللہ دیے لاولد
عبدالفتاح محتسب
قاضی کمال
قاضی بازید
شیخ عبدالحی دانشمند
قاضی برکات
قاضی کرامت
قاضی قطب الدین عرف قاضی طبیب
قاضی بازید
خیر اللہ
قاضی عبدالرحمن
عبدالکریم
شیخ محمود لاولد
عبدالصمد لاولد
عبدالرسول
قاضی مرتضی لاولد
خیر اللہ عرف بڑے میاں لاولد
خوب اللہ لاولد
امان اللہ
محمد دائم
محمد قائم
نامعلوم الاسم خردسال مرے
فرحت اللہ
امید اللہ
غلام محی الدین
اولاد محمد گونگے
محمد عوض

رئیس المؤمنین امیر المجاہدین قاضی محمد یوسف مکی المدنی الگازرونی جدّ اعلائے شیوخ عثمانی بلگرام

آپ کے اجداد کی سکونت پہلے بیت اللہ و مکہ معظمہ" بعدہٗ مدینہ منورہ میں رہی ۔ پھر آپ کے اسلاف میں رکن الدین عبدالرحمن مدینہ منورہ سے ملک فارس دارالولایت گازرون میں آکر رہے۔ کتب تواریخ میں گازرون کے بہت کچھ فضائل لکھے ہیں ۔ چنانچہ صاحب ہفت اقلیم نے لکھا ہے ایک تر اور باطراوت مقام ہے ۔ خاصکر فصل ربیع میں لالے اور عجیب و غریب شگوفوں کی کثرت سے نگارخانہ چین بلکہ مرغزار خلد برین نظر آتا ہے ۔ اسکی بنا قباد بن فیروز کی ڈالی ہوئی ہے ۔ یہ ہمیشہ معدن فضلا اور منبع علمار رہا ۔

قاضی صاحب موصوف کا حسب و نسب گازرون میں آفتاب کی طرح روشن ہے ۔ بڑے بڑے اہل دول ۔ ذی اقتدار ۔ ماہران انتظام حکومت اور کامل بزرگ اس خاندان میں گزرے جنکی خدمت میں سلطان محمود غزنوی کو رسوخ اور بندگی کا فخر حاصل تھا ۔ قاضی صاحب کے ہندوستان میں تشریف لانے کے بعد بھی انکا خاندان وہاں قائم رہا اور بڑے بڑے بزرگ اور ذی اقتدار لوگ ہوتے رہے ۔ شرائف عثمانی میں ہے کہ از ان جملہ خواجہ شیخ امین الدین باوجود اس کے کہ اتابک مظفرالدین تکلا بن زنگی کے وزیر تھے لیکن اہل فارس ان کے مرید تھے اور جملہ اولیا رسے ان کو شمار کرتے اور خوارق عادات ان کے بیان کرتے تھے ۔ اسی طرح ہمت و سخاوت کی نسبت کہ حاتم بھی ان کے سامنے خجل و شرمندہ ہوتا ۔ شیخ مجدالدین شاہ ابو اسحاق کے زمانے میں فارس کے شیخ الاسلام تھے ۔ حضرت خواجہ شمس الدین حافظ شیرازی نے ایک قطعہ میں ان بزرگوں کی مدح کی ہے فرماتے ہیں

فی المدح

بعہد سلطنت شاہ شیخ ابو اسحاق ۔۔۔ بہ پنج شخص عجب ملک فارس بود آباد

بخشت پادشہے ہچو او ولایت بخش — کہ جان خویش بپرورد و داد عیش بداد
دگر مربی اسلام شیخ مجد الدین — کہ قاضئ بہ ازاں آسماں ندارد یاد
دگر شہنشہ دانش عضد کہ در تصنیف — زیمن ہمت او کارہای بستہ کشاد
دگر بقیۂ ابدال شیخ امین الدین — بنائے کار موافق بنام شاہ نہاد
دگر قویم چو حاجی قوام دریا دل — کہ نام نیک ببرد از بریں بخشش و داد

نظیر خویش نہ بگزاشتند و بگزشتند
خدائے عزوجل جملہ را بیامرزاد

ترجمہ تعریف میں شاہ ابو اسحاق کے عہد سلطنت میں ملک فارس پانچ شخصوں کی وجہ سے عجب طرح آباد تھا۔ اوّل اُس "شاہ ابو اسحاق" کے مثل ملک بخشدینے والے کسی بادشاہ نے اس کی طرح عیش و آرام سے زندگی نہیں بسر کی۔ اور اسلام کے مربی شیخ مجد الدین عثمانی کہ اُن سے بہتر کہیں قاضی کا ہونا آسمان کو یاد نہیں یعنی ایسا قاضی کوئی نہیں گزرا اور نہایت دانشمند عضد الدولہ دیلمی کہ انصاف کرنے میں اُس کی ہمت کی برکت سے اٹکے ہوئے کام نکل گئے۔ اور اولیاء اللہ کے باقی ماندہ شیخ امین الدین عثمانی جنھوں نے موافق کاموں "مسجدوں۔ مدرسوں اور خانقاہوں" کی بنیاد بادشاہ "اتابک مظفر الدین تکلہ بن زنگی" کے نام سے رکھی۔ اور سخی حاجی قوام سا مضبوط جو بوجہ بخشش اور انصاف کے دنیا سے نیکنام گیا۔ سب اشخاص مذکور نے اپنا مثل نہیں چھوڑا اور گزر گئے خدائے غالب بزرگ سبکو بخشے۔

شیخ سعد الدین امیر مظفر کے معاصر تھے جنکی تصانیف شرح مشارق الانوار سیر سید ابرار جو سیر گازرونی کہلاتی ہے مشہور و معروف ہیں۔ ان سب بزرگوں کے حالات کتاب ہفت اقلیم میں علیحدہ علیحدہ مشرح لکھے ہیں۔ گازرونیوں کے فضائل سے کتب تواریخ بھری پڑی ہیں۔

حضرت قاضی موصوف "قاضی محمد یوسف" صاحب سیف و قلم اور سلاطین میں نہایت معظم و مکرم امرائے گازرون سے تھے۔ ہفت اقلیم۔ صبح صادق۔ نفحات الانس اور

کشف المحجوب وغیرہ کتب تواریخ میں لکھا ہے کہ سلطان محمود ۳۹۹ھ تین سو ننانوے ہجری
میں ہندوستان کی طرف متوجہ ہوا اور وہاں بلند اقتدار راجاں ہند سے جنگ کرکے انکو
مغلوب کیا اور بہت کچھ غنایم حاصل کیے۔ اکثر جگہ مستحکم قلعوں کو فتح کرکے عمدہ اور صاحب
شریعت وطریقت اصحاب کو مقرر کرکے اسلام کو رائج کیا۔ شرالف عثمانی کی عبارت سے
مفہوم ہوتا ہے کہ اسی زمانہ میں حضرت قاضی موصوف سے جو علم وفضل۔ شریعت۔ وطریقت۔
اقتدار ومرتبت اور عدالت وشجاعت میں فرد تھے بڑے اعزاز واکرام سے اپنی سلطنت
کا ایک رکن اعظم قرار دینے کی استدعا کرکے سپہ سالار مقرر کیا۔ آپ نے بڑے بڑے معرکوں
میں کفار کے مقابلہ میں ایسے ایسے کارنمایاں کیے کہ رئیس المومنین وامیر المجاہدین کے خطاب
سے مخاطب ہوئے۔ ہندوستان پر سلطان محمود غزنوی کے اکثر حملوں میں آپ ساتھ رہے
چنانچہ ۴۰۹ھ چار سو نو ہجری مطابق ۱۰۱۸ء ایکہزار اٹھارہ عیسوی میں جب سلطان کی فوجیں
قنوج کے قریب آکر پڑیں آپ ہمراہ تھے۔ قنوج کا راجہ تو تاب مقاومت ومجادلت نہ لاکر
سلطان کا مطیع اور باجگزار ہوگیا لیکن بلگرام کے راجہ سری کے تمرد ودشمنی اسلام کی
خبر سنکر حضرت قاضی موصوف نے حسب فرمودۂ سلطان مع اپنے جاں نثار افسروں اور سپاہیوں
کے بمعیت حضرت خواجہ عماد الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ مرید حضرت خواجہ ابو محمد چشتی قدس سرہٗ جو
سلطان کے ساتھ آئے تھے بلگرام کی طرف باگیں اٹھادیں اور دریائے گنگ کو عبور کرکے راجہ
سری پر حملہ کردیا۔ ادھر راجہ سری کو یہ حال معلوم ہوا تو اسنے گرد بل ددجس کا ذکر پیشتر ہوچکا ہے"
کے بل پر اپنی کل فوج آراستہ کرکے جو کلیانی کے کنارے جمادی اور وہیں دونوں فوجوں
کی مڈبھیڑ ہوگئی۔ لشکر اسلام نے جوئے کلیان کو بھی عبور کیا اور یکبارگی نعرۂ اللہ اکبر کے بادل
گرجنے اور ولایتی تلواروں کی بجلیاں چمک چمک کے کفار کے خرمن ہستی پر گرنے لگیں۔
کچھ لوگ لشکر اسلام کے بھی کام آئے جن میں دو افسر بھی تھے جو عرب درب مشہور ہیں۔
جن کا ذکر باب اوّل کی دوسری فصل میں اوپر ہوا۔ آخر سخت مجادلہ اور مقاتلہ ہوکر راجہ سری
کے قدم پیچھے ہٹنے لگے اور عثمانی فوج ظفر موج لشکر مخالف کو پس پا کرتی ہوئی بلگرام میں داخل
ہوگئی۔ قلعے کے قریب پہنچکر کفار نے پھر جی توڑکر مقابلہ کیا اس میں بھی کچھ بزرگ افسر لشکر اسلام

کے شہید ہوئے جن میں سے حضرت پیر حمیر۔ پیر غار اور پیر غیب قدس اسرارہم دو جن کا ذکر پہلے باب کی دوسری فصل میں اوپر ہوا" کے مزارات اس وقت تک زیارت گاہ خاص و عام ہیں۔ اس معرکے میں بھی راجہ شکست کھا کر مجبوراً قلعہ بند ہوا۔ سرینگر کی پورب طرف سے راجہ کی مدد کے لیے ہنود کی آمد جاری تھی۔ اس لیے اُس کے قلعہ بند ہونے پر قاضی صاحب موصوف اپنا خیمہ اُسی طرف لگا کر مددگاران راجہ کے سدّراہ ہوئے۔ باقی اور سرداروں نے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ یہ حالت دیکھکر راجہ کے گروہیل نے طیش میں آکر اپنے سحر کے خوب کرتب دکھائے۔ لیکن اُس کی ساحری حضرت خواجہ عماد الدین قدس سرہٗ کے زور باطن کے آگے کچھ نہ چلی اور اپنی جان سے اُسکو ہاتھ دھونا پڑا۔ قلعے کے اُتر طرف تھوڑے فاصلے پر ایک گڑھی تھی اور اُس میں بھی راجہ کی فوج تھی۔ کچھ عرصہ کے بعد ضیق محاصرہ سے جان پر کھیل کے اُسی طرف سے راجہ اسی نیت سے نکلا کہ گڑہی کی فوج کی مدد سے اپنے اہل و عیال کو پسینسر سے لیتا ہوا فرار ہو جائے۔ وہاں حضرت حاجی محمد سالار معروف بہ سالار ہفت جی وغیرہ گڑھی کا بھی محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ جب راجہ اُدھر سے نکلا تو اُن سے سامنا ہوا۔ جنگ شروع ہو گئی اور یہ واقع دیکھکر گڑہی کی فوج بھی راجہ کی مدد کے لیے نکل پڑی۔ یہ آخری مقابلہ بہت سخت ہوا اور راجہ کے جاں نثاروں نے ہتیلی پر جان رکھکے داد شجاعت دی یہاں تک کہ حضرت سالار ہفت جی مذکور۔ حافظ محمود قرآں خواں اور حضرت غازی کمال اس آخری معرکے میں شہید ہوے ان کے مزار بھی قلعے کے جانب شمال زمین قتلغ پور میں موجود ہے۔ اور اس معرکہ کے مظفر و منصور سرداروں میں ملک ہادی ترمزی تھے۔ ان سب بزرگوں کا ذکر پہلے باب کی دوسری فصل میں اوپر ہوا۔ آخر راجہ کے بہادر جاں نثار راجہ کو محاصرے سے نکال کے پسینسر سے اس کے اہل و عیال کو لیتے ہوئے کوہ کمایوں کی طرف پہنچے۔ وہاں راجہ نے دریائے الکنندا "جسکو وہاں والے گنگا جی کہتے ہیں" کے کنارے اپنی آبادی آبادی قائم کر کے اُس کا نام بھی سرینگر رکھا جو انیسویں صدی عیسوی کے آخر میں دریائے الکنندا اندکور کی طغیانی سے نیست و نابود ہو گیا اور اُس سے ایک میل کے فاصلے پر

از سر نو پھر برٹش گورنمنٹ نے دریائے الکھندا کے بائیں کنارے پر دو سرا سرینگر آباد کیا جو اب عملداری انگریزی گڑھوال میں پاوڑی سے نو میل کے فاصلے پر واقع ہے اور ابتک وہاں راجہ سری کے خاندان کے ٹھاکر ذی مقدرت موجود ہیں۔ جناب بشیشر ناتھ صاحب ولد جناب گیا پرشاد صاحب گجراتی جو ہندوستان کے تمام ہنود کے متبرک مقامات پر ہو آئے ہیں انہوں نے خود مجھسے بیان کیا کہ سمت ۱۹۶۴ ایکہزار نوسو چونسٹھ مطابق ۱۳۲۵ھ ایکہزار تین سو پچیس ہجری اور ۱۹۰۷ء ایکہزار نوسو سات عیسوی میں جب میں بدری ناتھ گیا تو خاص سرینگر کے دھرم سالے میں تین دن تک رہا۔ وہاں کے ٹھاکروں نے مجھسے پوچھا کہ کہاں کے رہنے والے ہو۔ میں نے بلگرام کا نام لیا تب انہوں نے یہ سوال کیا کہ تمہارا بلگرام قنوج سے کتنی دور اور کدھر ہے میں نے کہا اتر کی طرف پانچ یا چھ کوس ہے۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ مسرکھ بلگرام سے کتنی دور اور کدھر ہے میں نے کہا پورب اور اُتر کے کونے پر بیس کوس ہے۔ یہ سنکر وہ مجھسے لپٹ گئے اور بڑی خاطر کی اور کہا کہ وہ ہمارے پرکھوں کی جگہ ہے مجھے کچھ نقد بھی انہوں نے دینا چاہا مگر میں نے لینا منظور نہ کیا کیونکہ میرے پاس تیرتھوں کے لیے خرچ کافی موجود تھا۔

اب ادھر کی سنئے کہ جب راجہ بھاگ گیا تو قلعہ فتح ہو گیا اور کفرستان میں اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا۔ سلطان محمود غزنوی کو فتح کی اطلاع دی گئی اُس نے خدا کا شکر کیا اور فتح کے جلدو میں حضرت قاضی موصوف کو سری نگر "بلگرام" کی حکومت معہ عہدۂ قضا تفویض فرمائی۔ قاضی کا لقب اُسی وقت سے آپ کے اور آپکی اولاد کے ناموں کے ساتھ اضافہ ہوا اور آپکے خاندان کی شاخ کے ناموں میں اسوقت تک شامل ہے جس کا تعلق خاص عہدۂ قضا سے رہا آپکی رفاقت میں تمام اہل ولایت فاتح سرداروں اور سپاہیوں نے بھی اسپنے خیمے ڈیرے یہیں جما دیے جن میں۔ سادات حسینی۔ شیوخ۔ فاروقی۔ شریف۔ ترکمان افغان اور ملک ہادی ترمزی وغیرہ شامل تھے اور سب نے یہیں کی مستقل بود و باش اختیار کر کے بعض نے بعد اطمینان اپنے اہل و عیال کو بھی بلوا لیا۔ جن میں سے اکثر خاندان ختم ہو گئے اور بعض اسوقت تک بفضلہ تعالےٰ موجود ہیں خدا انکو دائم و قائم رکھے۔

رئیس المومنین امیر المجاہدین حضرت قاضی محمد یوسف گارزونی نے پائیں قلعہ مفتوحہ جانب مغرب وشمال ومشرق تاگوشہ جنوب وشرق اپنے رفیق شریف جاں نثار سرداروں وغیرہ کو بود وباش کی اجازت فرمائی اور اپنی جائے سکونت خاص قلعہ مفتوحہ کو ٹھہرایا۔ قلعے کے قریب میدان بیل کی چالیس بیگہ زمین اور گرطھی کے متصل قتلغ پور کی دوسو بیگہ زمین مسلمانوں کی قبروں کے واسطے وقف کردی جو اس وقت تک گورغریباں کے کام آرہی ہیں۔ متولی اس کے مختلف زمانوں میں مختلف اشخاص اہل اسلام ہوتے رہتے ہیں۔ آپ کی اولاد جو بڑھی سب کی آبادی خاص قلعہ مفتوحہ پر رہی جو اوپر کوٹ کہا جاتا ہے اور وہ آبادی قاضی پورہ کے نام سے موسوم ہوئی۔ چنانچہ قدیم کاغذات اور تحریروں سے خاص قلعہ مفتوحہ "اوپر کوٹ" ہی قاضی پورہ مستحق ہوتا ہے۔ جب خدا کے فضل وکرم سے خاندان قاضی موصوف میں اسقدر ترقی ہوئی کہ قلعے کی سطح ان کی سکونت کے لیے کافی نہ ہوسکی تو پائیں قلعہ جانب جنوب مکانات بننا شروع ہوئے اور عثمانی آبادی کا بہت بڑا حصہ پائیں قلعہ بھی قائم ہوکر مع قلعہ سب محلہ قاضی پورہ کہلانے لگا۔ کچھ عرصہ سے اوپر کوٹ کی آبادی کا خاتمہ ہوگیا۔ عمارتیں منہدم ہوگئیں صرف قاضی محمود عثمانی کی ازسرنو تعمیر کی ہوئی اکبر شاہ کے وقت کی جامع مسجد شکستہ و کہنہ اسوقت باقی ہے یا مکانات کی چند بنیادیں اور قبریں زیرزمین ہیں۔ اب اوپر کوٹ عرصے سے اجاڑ ہوجانے کی وجہ سے ناواقف لوگ صرف آبادی جنوبی پائیں قلعہ کو قاضی پورہ سمجھتے ہیں۔

اوپر کوٹ "قلعہ مفتوحہ" قاضی محمد یوسف موصوف کے عہد سے میرے وقت تک سلسلہ بسلسلہ بلاشرکت غیرے انکی اولاد کے قبضہ میں رہا جس کا ذکر مفصل اپنے موقع پر ہوگا انشاء اللہ۔

المختصر قاضی موصوف نے سری نگر "بلگرام" پر خاص اپنا قبضہ رکھا منجملہ اس کے پائیں قلعہ کی زمین گوشہ جنوب ومشرق میں شریفوں اور سادات وغیرہ کو اور شمال سے گوشہ مشرق تک ملک ہادی ترمزی وغیرہ اور جانب مغرب سید جمال اور سید نصیرالدین برادر وپسر غازی کمال شہید مذکور بن سید اعزالدین عرف لال پیر کو سکونت کے لیے عطا فرمائی۔

اور ساگر تالاب راجہ سری کا جو قلعے کے گوشہ شمال میں تھا وہ بھی تفریح کے لیے خاص اپنے قبضہ میں رکھا۔ بعد زمانہ دراز کے بند اور منہدم ہوگیا۔ اسکو انکی اولاد نے مع آراضی دیگر بزرگان

شیخ غلام اخی و شیخ نظر امام متوفی کو بوجہ قرابت کے دیدیا۔ راجہ سری کا خاص باغ آبادی کے جانب مشرق جہاں اب محلہ سلہڑا آباد ہے اپنے تصرف میں رکھا اور اُس میں اور زمین شامل کر کے دو سو بیگھے کا بہت بڑا باغ ترتیب دیا جو بقول صاحب شرائف عثمانی آپ کی اولاد سے سید عبد الواحد اکبر اور اُن کے خاندان کو پہنچا۔ اور جانب جنوب پائیں قلعہ راجہ سری سے جو سے کلیانی تک جہاں پہلا معرکہ راجہ سری سے ہوا تھا اور اب وہ ندی گرگیا کے نام سے بلگرام میں مشہور ہے کل اراضی آخر زمانے تک املاک قاضی کے نام سے مشہور اور انکی اولاد کے قبضہ و ملک میں رہی۔ کچھ اس میں سے بدفعات مختلف زمانوں میں منتقل ہوئی۔ اور باقی قرب و جوار بلگرام کے دیہات پر اُن کے قدیم مالکوں کے مطابعت قبول کر لینے پر انہیں کا قبضہ بدستور سابق قائم و بحال رکھا۔ بعد فتح سرینگر راجہ سری کا ایک چچیرا بھائی موضع بوسر سے حضرت قاضی موصوف کی خدمت میں حاضر ہو کر بصدق دل مسلمان ہوا اور مختار دین نام رکھا گیا۔ سلطان محمود غزنوی کا فرمان اُس کے نام صادر ہوا جسکا خلاصہ یہ تھا کہ حضرت قاضی کی خدمت میں رہکر خاطر جمع سے رہے اُس کے بعد اس کا بیٹا اختیار دین باپ کے دستور پر جان و دل سے مطیع و فرماں بردار رہا۔ راجہ سری کے زمانے کے کسی بھاٹ نے حضرت قاضی اور مختار دین مذکور کی تعریف بھی اپنی زبان میں کی ان سب باتوں کا ذکر مفصل اسی باب کی پہلی فصل میں اوپر گذرا ۴۲۰ھ چارسو بیس ہجری مطابق ۱۰۲۹ء ایکہزار انتیس عیسوی میں جب سید نصر الدین بن سید غازی کمال کو اپنے دادا سید اعز الدین ثانی المعروف بہ لال پیر کے گوپامئو میں شہید ہونے کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے بذریعہ حضرت قاضی موصوف سلطان محمود غزنوی سے استدعا کی کہ میرے دادا سید اعز الدین فی سبیل اللہ گوپامئو میں اور میرے باپ غازی کمال سرینگر میں شہید ہوئے۔ میں عیال اطفال ہمراہ رکھتا ہوں میری اور انکی گزراوقات کی کوئی سبیل فرمائی جائے۔ اس پر دو فرمان ایک موضع دیوالی معمولہ سری نگر اور نو سو بیگہ زمین زیر آبادی نگر مذکور کی بابت اور دوسرا فرمان تین سو پچاس بیگہ آراضی پختہ معمولہ قصبہ گوپامئو کی بابت بنام سید نصیر الدین مذکور ۴۲۱ھ چارسو اکیس ہجری میں نافذ ہوئے جنکی نقل پہلے

باب کی دوسری فصل میں سید نصیر الدین مذکور کے حال میں اوپر تحریر کی گئی ان فرمانوں میں سلطان محمود غزنوی نے فرمایا ہے کہ (سید نصیر الدین بذریعہ رئیس المومنین و امیر المجاہدین قاضی محمد یوسف مکی المدنی حاکم قصبہ سرینگر بدرگاہ گیتی پناہ بعرض اقدس و معلی ظل اللہ رسانید) ترجمہ (سید نصیر الدین نے قصبۂ سرینگر کے حاکم ایمانداروں کے رئیس اور جہاد کرنے والوں کے سردار قاضی محمد یوسف مکی و مدنی کے ذریعہ سے خدا کے پاک اور برتر سائے "سلطان محمود غزنوی" کی دنیا کو پناہ دینے والی درگاہ میں عرض کی۔)

حضرت قاضی موصوف اپنے نام کا طغرا بخط ولایت تحریر فرماتے تھے اور اپنے نام کے ساتھ اپنے باپ دادا پردادا تک کے نام شامل کرتے تھے۔ اُن کے عہد کا تملیک نامہ ہی جو مسماۃ تاج النساء عرف تاجن بی بی بنت سید جعفر اکبر حسینی منکوحہ سید جمال بن سید اعز الدین مذکور "جو سید جمال کی زوجہ خاص قبیلے کی بھتیں اور بعد توطن بلگرام سید جمال نے انکو بلوا لیا تھا" نے بوکالت سید کامل بن سید اکبر بن سید محمد تاج حسینی اپنے متبنی بھتیجے سید نصیر الدین بن سید غازی کمال مذکور کے نام دس بیگہ اور دس بسوہ زمین تین قطعوں کے بابت لکھا ہے جو انکو بعوض مہر اپنے شوہر متوفی کے ترکہ میں ملے۔ یہ تملیک نامہ چوتھی تاریخ ماہ جمادی الاول ۴۲۱ھ چارسو اکیس ہجری مطابق ۱۰۳۰ء ایکہزار تیس عیسوی کا لکھا ہوا ہے اور اصحاب ذیل کی اس پر گواہیاں ہیں۔ مبارک غزنوی۔ یحییٰ فارسی۔ عالم بن نظام۔ سید فخر الدین۔ سید کلیمن۔ سید عین الدین غزنوی۔ لال متنار امیر احرار غزنوی۔ علامت دستخط بی بی تاجن۔ علامت دستخط سید کامل باذنہ۔ اس کے نیچے قاضی محمد یوسف موصوف کے دستخط کا یہ طغرا ہے۔

عبارت طغرا۔ اقرالوکیل بما فیہ کتبہ یوسف بن عاصم بن خالد بن داود الحاکم بقصبۂ سرینگر

ترجمہ - جو کچھ قبالے میں لکھا ہے اُس کا وکیل نے اقرار کیا لکھا اسکو داؤد کے بیٹے خالد - خالد کے بیٹے عاصم - عاصم کے بیٹے یوسف قصبہ سرنگر "بلگرام" کے حاکم نے -
یہ تملیک نامہ سید خیرات حسین بن سید کمال احمد ڈھبے کے بیان سے نکلا جو سید نصیرالدین مذکور "جن کے حق میں تملیک نامہ ہی" کے خاندان میں تھے - اس کی نقل کامل قاضی احمد اللہ عثمانی نے رسالۂ مسجلات میں اور شیخ غلام حسن ثمین فرشوری نے شرالف عثمانی نے بتاریخ یکم ذیقعدہ ۱۲۶۷ھ ایکہزار دوسو ارسٹھ ہجری مطابق ۱۸۵۱ء ایکہزار آٹھ سو اکیاون عیسوی میں اس کی ایک نقل اصل سے کی اور اُس نقل سے میں نے لکھا - اس کے علاوہ ایک بیعنامہ ہے جس کے اوپر کی عبارت بوجہ کہنہ اور بوسیدہ ہونے کے باقی نہیں رہی - جسقدر عبارت باقی رہی اُس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی شئے کا بیعنامہ کسی عورت نے پچیس سکۂ رائج کے عیوض میں بنام سید نصیرالدین کمال بن سید اعزالدین مذکور بتاریخ پانچ جمادی الاول ۴۳۸ھ چار سو اڑتیس ہجری مطابق ۱۰۴۶ء ایکہزار چھیالیس عیسوی میں لکھا ہے اس کے نیچے قاضی محمد یوسف مذکور کے دستخط کا یہ طغرا ہے -

عبارت طغرا - اقر المقرہ بما فیہ کتبہ یوسف بن عاصم بن خالد بن داؤد الحاکم بقصبہ سرنگر -
ترجمہ - جو کچھ قبالے میں لکھا ہے اس کا اقرار کرنے والی نے اقرار کیا - لکھا اسکو داؤد کے بیٹے خالد - خالد کے بیٹے عاصم - عاصم کے بیٹے یوسف قصبۂ سرنگر "بلگرام" کے حاکم نے یہ سجل دہی ہے - جس کی نسبت مولوی سید مقبول احمد صاحب صمدنی نے حیات جلیل مطبوعۂ الہ آباد ۱۹۲۹ء ایکہزار نوسو انتیس عیسوی کے چوالیسویں صفحے کی آخری سطر سے پنتالیس صفحے کے شروع کی سطروں میں لکھا ہے (شرالیف عثمانی کی تالیف کے وقت تک قاضی

یوسف موصوف کا ایک سجل مرقومہ ۱۲۳۰ھ مطابق ۱۸۱۴ء " میر سید عزیز الدین[1] معروف بہ لال پیر گوپاموی کے احفاد و اخلاف کے قبضے میں موجود تھا۔ میر غلام علی آزاد بھی اس روایت کی تائید کرتے ہیں) اب مفصل کیفیت سجل مذکور کی ملاحظہ ہو۔

یہ بعینا سید محمد باقر ولد سید بدھے بن خضر ڈھبئے کے یہاں سے نکلا جو سید نصیر مشتری شئے مبیعہ مذکور کے خاندان میں تھے۔ اس کی بھی نقل جسقدر عبارت باقی رہ گئی تھی رسالہ سجلات اور شرائف عثمانی میں ہے اور ان دونوں مذکورۂ بالا سجلوں کی تصدیق میر نواز علی رضوی ساکن محلہ ملکنہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھکر تذکرۃ الکرام میں کی ہے جیساکہ اسی باب کی پہلی فصل میں اوپر ذکر ہوا۔

واضح ہو کہ دونوں سجل متذکرہ بالا اصل بخط کوفی زبان فارسی میں تھے۔ چونکہ ان سے قاضی محمد یوسف مذکور کی حکومت سرینگر " بلگرام " کا ثبوت ملتا ہے اس لیے انکو مخالفین کی لن ترانیوں کی تردید کے لیے قضات عثمانی نے حاصل کرکے دفتر قضا میں محفوظ کرلیا اور مکرمی قاضی شریف احمد صاحب عثمانی کی وفات کے بعد تاریخ چوتھی ماہ جنوری ۱۸۷۱ء ایکہزار آٹھسو اکتر عیسوی تک ان کے یہاں رہے بعدہٗ تاریخ مسطور کو مسٹر ہارنگٹن صاحب بہادر مہتمم بندوبست بلگرام کی تاریخ لکھنے کی غرض سے عاریتاً اپنی دستخطی رسید دیکر لیگئے اور اُن سے تلف ہوگئے جس کا ذکر مفصل اس باب کی پہلی فصل کے آخر میں صوبہ تھا کی نقل کے بعد ہو چکا۔ صاحب موصوف کی رسید میں فہرست کاغذات کے شروع پر ۴۲۱ھ اور ۱۲۳۰ھ ہجری کے کوفی کتبے یہی دونوں سجل مذکور الصدر ہیں۔

واضح ہو کہ آپنے اپنے اخیر زمانہ میں سرینگر کے بجائے اس کے قدیم نام بل گرام میں کچھ تصرف اپنی زبان کے موافق کرکے تخفیف لام بلگرام کردیا جو آج تک مشہور ہے۔ صاحب شرائف عثمانی لکھتے ہیں کہ بعض اسناد کی رو سے کالپی اور فتح پور ساندی میں بھی آپکی حکومت متحقق ہوتی ہے۔

---

[1] نوٹ: یہ نام غلط ہے اعزالدین چاہیے۔

آپ نے بلگرام فتح کر کے قلعہ راجہ سری کو اپنی سکونت خاص قرار دینے کے بعد اس پر کچھ عمارتیں بھی بنوائیں۔ ۱۳۴۳ھ ایکہزار تین سو تینتالیس ہجری مطابق ۱۹۲۵ء ایکہزار نو سو پچیس عیسوی میں جب قلعے پر کی کہنہ و شکستہ جامع مسجد موجودہ کی معمولی چھت چندے سے بنی تو قریب سقف منہدمہ مشت پہل دیواروں کے گوشہ کھودنے پر اُن گوشوں میں لگے ہوئے چند کتابوں کے پتھر کچھ مسلم اور کچھ ٹکڑے برآمد ہوئے جو قاضی محمود عثمانی بانی مسجد موجودہ نے بوقت تعمیر مسجد اس کی عمارت میں لگوا دیئے تھے جن کا علم اُس زمانہ کے بعد کسی کو نہ تھا۔ ان کتابوں میں بعض ایسے ہیں جن کے حروف بالکل جلتے رہے ہیں اور عبارت کا کوئی لفظ پڑھا نہیں جاتا۔ مگر یہ معلوم ہوتا ہے کہ خط نسخ بطور طغرا میں ہیں یہ کتابے انہیں عمارتوں کے ہیں جو قاضی صاحب موصوف اور انکی اولاد نے اوائل میں قلعے پر بنوائی تھیں۔ منجملہ ان کے ایک پتھر کا ٹکڑا ہے جس پر تین سطریں منقوش ہیں۔ پہلی سطر میں (جامع ... بلگرام فی العہد ابراہیم اور دوسری سطر میں (طان سلطان ...... ملکہ) اور تیسری سطر میں (ذولسار ..... بلگرام خلد ملکہ) پڑھا جاتا ہے۔ جہاں درمیان میں جگہ چھوڑ دی ہے وہاں کے الفاظ پڑھے نہیں گئے۔ یہ قدیم جامع مسجد کے کتابے کا ٹکڑا ہے جو قاضی صاحب موصوف نے اپنے اخیر زمانے سلطان ابراہیم بن سلطان مسعود بن سلطان محمود غزنوی کے عہد میں قلعہ مذکور پر بنوائی تھی کتابے کے ٹکڑے پر پہلی سطر میں "جامع" کے آگے جو لفظ غائب ہے وہ غالبًا "مسجد" کا لفظ ہے اور "فی العہد ابراہیم" یہی سلطان ابراہیم موصوف ہیں۔ کتابے کے بقیہ ٹکڑوں میں کسی پر سنہ تعمیر مسجد بھی ضرور ہوں گے مگر وہ دستیاب نہ ہوسکے کئی پتھر جامع مسجد موجودہ کی دیوار غربی کے اثار میں بھی لگے ہیں مگر ان کا نکلنا دشوار ہے وہ سب زمانہ قدیم کی یادگار ہیں۔

جو پتھر جامع مسجد موجودہ کی چھت بننے کے وقت بہم پہنچے اور جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے وہ سب برخوردار قاضی محمد یوسف علی عثمانی سلمہ کے گھر میں اسوقت موجود ہیں اور ان کا ذکر اپنے اپنے موقع پر ہوگا۔ ایک سنگ کتابہ مسجد کی فصیل پر الٹا لگا ہوا تھا وہ میں نے اپنے سامنے ۱۳۴۷ھ ایکہزار تین سو سینتالیس ہجری مطابق ۱۹۲۸ء ایکہزار نو سو اٹھائیس عیسوی

میں نکلوا کے دیکھا اُس پر فارسی میں تین شعر خط نسخ میں منقوش ہیں۔ پہلے شعر کے مصرع اول کے آخر (ابراہیم حسن) اور دوسرے شعر کے مصرع اول کے آخر (پنجم السال) اور مصرع ثانی کے آخر (کن نگاہ) اور تیسرے شعر کے مصرع ثانی کے آخر (صاحب جاہ) صرف پڑھا جاتا ہے۔ یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہ کس موقع کا کتابہ ہے یہ بھی برخوردار قاضی محمد یوسف علی مذکور کے گھر میں میں نے رکھوا دیا۔

واضح ہو کہ جامع مسجد موجودہ جس کے بالائے گوشے بوقت تعمیر سقف کھودنے پر کتابہائے مذکور برآمد ہوئے۔ یہ ۱۱۰۰ء ایکہزار گیارہ ہجری مطابق ۱۶۰۲ء ایکہزار چھ سو دو عیسوی میں از سرنو بنی اور سنگہائے مذکور جو اُسوقت تک قلعے پر باقی رہ گئے تھے منجملہ اُن کے جن کے حروف جاتے رہے تھے وہ مسلم اور باقی متفرق ٹکڑے بیکار سمجھکے قاضی محمود عثمانی نے عمارت مسجد میں صرف کر دیے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس وقت تک سوا شیوخ عثمانی کے بلگرام میں کوئی دوسرا خاندان فتح و قدامت کا مدعی نہ تھا اور شیوخ عثمانی ہی کی فتح۔ قدامت اور حکومت کا سکہ بلگرام میں بیٹھا ہوا تھا۔ ورنہ یہ قدیم یادگاریں جو عثمانیوں کے دعوے کے ثبوت کے لیے پتھر کی لکیریں ہیں ان کے ٹکڑے بھی ہرگز فضول جان کے عمارت میں مخفی نہ کر دیئے جاتے اور جس طرح بارہویں صدی ہجری میں فتح و قدامت کے طوفان بے تمیزی کی وجہ سے بیچارے قاضی احمد اللہ صاحب عثمانی کو مدعیان مخالف کے منہ میں لقمہ دینے کے لیے تمام بلگرام کے قدیم سجلات و فرامین وغیرہ کی اصلیں اور نقلیں فراہم کرکے اپنے دفتر قضا میں محفوظ رکھنے کی زحمت اٹھانا پڑی اُسی طرح یہ سنگین ثبوت بجائے صرف عمارت کرنے کے کسی ایسی جگہ محفوظ کیے جاتے جہاں پر مدعی ہر وقت انکو دیکھکر اصل فاتح کا قلعے وغیرہ پر قبضہ و دخل اور اس کی قدامت سے واقف ہو سکتا۔ خیر بفحوائے کل امر مرہون باوقاتہا ان کے ظہور کا وقت اب تھا اور انکی موجودگی کی ضرورت بھی اب زیادہ تھی۔ مگر ہاں یہ ضرور ہی کہ ادعائے فتح کا طوفان جو اس وقت برپا ہے اگر پہلے ہوتا تو جو پتھر عمارت مسجد مذکور میں بجائے اینٹوں کے لگا دیے گئے وہ بھی رکھ لیے جاتے اور علاوہ اُن کے جو بے پرواہی سے تلف ہو گئے انکی بھی محافظت کی جاتی۔ خیر اب جو مل گئے ہیں اور جو پہلے کے بچے بچائے

باقی ہیں۔ انکو مشتے نمونہ از خروارے سمجھنا اور حق و ناحق کا امتیاز کرنا چاہیے۔

آپ کا شروع زمانہ سلطان محمود غزنوی کے عہد میں اور انتہا سلطان ابراہیم بن سلطان مسعود بن سلطان محمود غزنوی کے عہد تک تھا۔ یہ سب سلاطین مثل سلطان محمود غزنوی کے آپ کے ساتھ مراعات ملحوظ خاطر رکھتے رہے۔ اور سری نگر "بلگرام" میں آپکی حکومت بماتحتی سلاطین موصوف آپکی آخر عمر تک قائم و بحال رہی۔ واقعات اور کاغذات قدیم سے آپکی پیدائش چوتھی ہجری کے ربع چہارم آخر عہد امیر ناصر الدین سبکتگین میں اور وفات پانچویں صدی ہجری کے آخر عہد سلطان ابراہیم بن سلطان مسعود میں اور عمر قریب سو برس کے معلوم ہوتی ہے۔ صرف تاریخ وفات ماہ رجب کی نویں نظر سے گذری۔ مزار شریف میدان بیل کے گوشہ جنوب و مشرق میں ہے۔
ساتویں صدی ہجری کے ربع اول میں جب آپ کے پوتے قاضی محمد یوسف ثانی کا انتقال ہوا اور انکی قبر آپکی قبر سے ملحق بنی تو اُن کے بیٹے قاضی عبد الکافی نے اُنکی اور آپکی دونوں قبروں پر گنبد تعمیر کرکے سنگ کتابہ نصب کیا۔ ذکر مفصل اس کا قاضی محمد یوسف ثانی کے حال میں آگے ہوگا۔

قاضی شمس الدین

آپ کی کنیت ابوالقاسم۔ قاضی محمد یوسف مذکور کے بڑے بیٹے نہایت عالم فاضل اور ادیب تھے۔ چنانچہ آپ کے دستخطوں میں ادیب کا لفظ موجود ہے۔ اپنے پدر بزرگوار کی وفات کے بعد سرینگر کے حاکم ہوئے۔ اور امر قضا اپنے چھوٹے بھائی قاضی محمد ظہیر الدین کے متعلق کیا کوئی کاغذ دستخطی قاضی محمد ظہیر الدین کا دستیاب نہیں ہوا۔ سکونت خاص قلعۂ راجہ سری" اوپر کوٹ" پر تھی۔

شرائف عثمانی میں لکھا ہے کہ بلگرام کے معاملات میں جو بعض احکام سلاطین کے آپ کے نام صادر ہوئے اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سلاطین غزنویہ کے عہد میں بڑے ذی رتبہ اور عمدہ روزگار تھے۔ سیتارام برہمن ملکینے چودہری قصبہ سرینگر کے گھر میں ایک صورتحال نکلا

اس میں لکھا ہے کہ (گنگارام زنار دار بعضے رسوم از مواضع بلگرام بسبب ورثۂ جد فاسد خود از قدیم داشت و ہرگاہ کہ رسومات مذکورہ را اختیار دین کہ مواضع مذکور متعلق باوست نمی داد درحضور نواحی النور رافع رسیدہ استغاثہ نمودم ۔ حکم والا سلطان بہرام شاہ صادر شد کہ شیخنا محمد شمس الدین حاکم آنجاست باو رجوع نماید وچوں راجع رجوع باو آوردم و اطاعت اسلام قبول کردم حکم شد کہ سوم حصہ واگزارند و باقی بدیگر زناداراں اگر حاضر شوند رسانند والاّ ضبط نمایند تحریر فی التاریخ سابع آذر ماہ الٰہی ۵۲۳ھ ثلاث عشرین وخمس مائۃ) ترجمہ (گنگارام برہمن کو بلگرام کے موضعوں سے بعض مقررہ رقمیں بسبب وراثت اپنے نانا کے قدیم سے ملا کرتی تھیں جب وہ رقمیں اختیار دین جس کے متعلق مذکور موضع ہیں نہیں دیتا تھا تو دادخواہ "میں" نے روشن پیشانی "معز الدولہ بہرام شاہ بن مسعود بن ابراہیم" کی حضور میں پہنچکر دادخواہی کی ۔ سلطان بہرام شاہ کا بزرگ حکم صادر ہوا کہ ہمارے شیخ محمد شمس الدین وہاں "بلگرام" کے حاکم ہیں اُن سے رجوع کرے ۔ جب رجوع کرنے والا "میں" اُن "قاضی شمس الدین مذکور" کی طرف رجوع ہوا اور اسلام کی اطاعت قبول کی تو حکم ہوا کہ تہائی حصہ چھوڑدیں اور باقی دوسرے برہمنوں کو اگر حاضر ہوں تو پہنچا دیں ورنہ ضبط کریں تحریر تاریخ ۷ آذر "مطابق پوس" ماہ الٰہی "ماہ شمسی" ۵۲۳ھ پانچسو تیئس ہجری) صورتحال مذکور پر سلطان بہرام شاہ کے حکم سے آپ کا حاکم بلگرام ہونا ثابت ہے کہ جسطرح آپکے پدر بزرگوار قاضی محمد یوسف کو سلطان محمود غزنوی نے اپنے فرمان میں حاکم سری نگر لکھا ہے اسی طرح سلطان بہرام شاہ نے آپکو حاکم بلگرام لکھا ہے کہ (شیخنا محمد شمس الدین حاکم آنجاست) اور اپنے باپ کی طرح آپ بھی دستخطوں میں اپنے آبا کے نام اور علانیہ اپنے آپکو حاکم بلگرام لکھتے تھے ۔ جیساکہ آگے نقل و دستخط طغرا سے معلوم ہوگا ۔

صاحب شرائف عثمانی نے لکھا ہے کہ ایک قطعہ سجل ساتویں تاریخ ماہ ربیع الاول ۵۱۴ھ پانچسو چودہ ہجری کا لکھا ہوا جس پر آپکے دستخط موجود تھے میں نے رجن ترکمان ساکن ملکنٹھ کے گھر میں دیکھا ۔ یہ سجل خواجہ عماد الدین کی درگاہ کے پاس کی زمین کے جھگڑے کے فیصلے کی بابت خط تعلیق میں لکھا ہوا ہے ۔

نقل دستخط طغرا کی یہ ہے۔

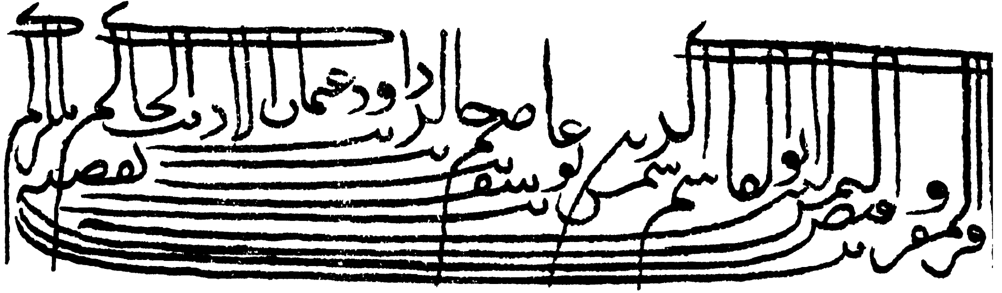
اقر المقر بما فیہ کتبہ ابوالقاسم شمس الدین بن یوسف بن عاصم بن خالد بن داؤد عثمان الادیب الحاکم بقصبہ بلگرام

عبارت طغری۔ اقرالمقر بما فیہ کتبہ ابوالقاسم شمس الدین بن یوسف بن عاصم بن خالد بن داؤد عثمان الحاکم لقصبۂ بلگرام۔ ترجمہ۔ جو کچھ قبالے میں لکھا ہے اُس کا اقرار کرنے والے نے اقرار کیا۔ لکھا اُسکو داؤد عثمان کے بیٹے خالد۔ خالد کے بیٹے عاصم۔ عاصم کے بیٹے یوسف۔ یوسف کے بیٹے ابوالقاسم شمس الدین ادیب قصبہ بلگرام کے حاکم نے اس کے علاوہ ایک نقل بیعنامہ ”جو قاضی احمد اللہ عثمانی نے اصل سے لی تھی اور اب اس نقل کی کل عبارت کاغذ بوسیدہ ہو کر تلف ہو گئی“ کے نیچے صرف دستخط کا طغرا باقی رہگیا ہے بلکہ کچھ بالائے حصہ طغرے کے حروف کا بھی جاتا رہا ہے اس کے شروع کی عبارت سے دریافت ہوتا ہے کہ یہ طغری سجل بیعنامہ کے نیچے تھا۔ وہ عبارت یہ ہے۔ اقرالمقر بالبیع وقبض الثمن

ترجمہ۔ اقرار کرنے والے نے بیچنے اور قیمت مٹھی میں لینے کا اقرار کیا۔ باقی طغرا لفظ کتبہ سے آخر تک نامکمل پھٹے ہوئے حروف میں وہی ہے جو سجل اول میں لکھا گیا۔

ایک بیعنامہ موضع لسینڈا معمولہ پرگنہ بلگرام کا گوبند ولد گوپال اور ہردیال ولد جین ابنائے سیمر قوم راجپوت جنوار کیطرف سے آپکے بیٹے قاضی محمد یوسف ثانی عثمانی کے حق میں دسویں تاریخ ماہ ذیقعدہ ۱۰۹۵ھ پانچسو پچانوے ہجری مطابق ۱۱۹۳ء ایکہزار ایکسو ترانوے عیسوی کا لکھا ہوا ہے اور اصحاب ذیل کی اس پر گواہیاں ہیں۔ مہانند ہندی۔ لچھمن ہندی۔ سیتارام ملکینیا چودھری قصبہ سرنگر۔ جلال۔ سلطان۔ حسین۔ سید معین الدین غزنوی۔ عبداللہ ترکمان۔ سید کامل۔ شہاب الدین غزنوی۔ غازی الدین ترمزی۔ حفیظ اللہ افغان۔ سید حبیب اللہ

غزنوی۔ اس کے نیچے آپ کے دستخط کا یہ طغری ہے۔



عبارت طغری اقر المقرین وقبض الثمن کتبہ' ابو القاسم شمس الدین بن یوسف بن عاصم بن خالد بن داؤد عثمان الادیب الحاکم بقصبۂ بلگرام۔ ترجمہ اقرار کرنے والوں نے اقرار کیا اور قیمت مٹھی میں لی لکھا اسکو داؤد عثمانی کے بیٹے خالد۔ خالد کے بیٹے عاصم۔ عاصم کے بیٹے یوسف۔ یوسف کے بیٹے ابو القاسم شمس الدین ادیب قصبۂ بلگرام کے حاکم نے۔

بعض کا خیال ہے کہ جب شہاب الدین محمد غوری نے پتھورا کو گرفتار کر کے قتل کیا اور اس کے سپہ سالار قطب الدین ایبک نے ۵۸۹ھ پانچ سو نواسی ہجری مطابق ۱۱۹۳ء ایک ہزار ایکسو ترانوے عیسوی میں راجہ جے چند پر حملہ کر کے قنوج فتح کیا اور قرب وجوار کے ہندو راجاؤں وغیرہ کی حکومت اور قوت تباہ و برباد ہوئی تو اسی وقت بلگرام میں بھی مسلمانوں کا قیام اور قبضہ مستقل ہوا۔ مگر یہ خیال بلگرام کے واقعات اور عہد سلطان محمود غزنوی سے اسوقت تک مسلمانوں کے مسلسل قیام اور قبضہ۔ حکومت اور سجلات قدیم پر نظر کرتے ہوئے صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ قاضی شمس الدین موصوف الصدر کی حکومت بلگرام میں موجود تھی جو فرماں سلطان بہرام شاہ مذکور سے ثابت ہے۔ اور بعد بہرام شاہ کے کسی وقت بلگرام کی حکومت مسلمانوں کے قبضے سے نکل جانا متحقق نہیں۔ کیونکہ ۵۱۴ھ پانچ سو چودہ ہجری مطابق ۱۱۲۰ء ایک ہزار ایکسو بیس عیسوی سے ۵۹۰ھ پانچسو نوے ہجری مطابق ۱۱۹۳ء ایکہزار ایک سو ترانوے عیسوی تک کے سجلات دستخطی قاضی شمس الدین کا ذکر ہو چکا جن میں آپ کے نام کے ساتھ مسلسل لفظ "حاکم بلگرام" موجود ہے۔ پس ثابت ہے کہ قطب الدین ایبک کے قنوج

پر حملے کے وقت بلکہ اس کے بعد بھی بلگرام پہ مسلمانوں کا مسلسل قیام قبضہ اور بیع و شراء وغیرہ کا رواج بقاعدۂ اسلام رہا اور کوئی تغیر یہاں کے اسلامی قیام اور قبضہ و حکومت میں نہیں ہوا البتہ یہ ہوا کہ ہندوستان میں جو اکثر مقامات میں ہندو راجاؤں کا غلبہ ہو گیا تھا *
بلگرام میں کسی ہندو راجہ کا غلبہ متحقق نہیں۔ سلاطین غزنی کا خاتمہ۔ سلطنت غوری کی ابتدا اور دہلی کا تخت گاہ اسلام ہونا یہ سب باتیں قاضی صاحب موصوف کے زمانے ہی میں ہوئیں اور آپ کی حکومت کا آخری حصہ سلطنت غوری کی ماتحتی میں گزرا۔

واقعات اور کاغذات قدیم سے آپکی پیدائش نصف پانچویں صدی ہجری اور گیارہویں صدی عیسوی کے بعد عہد سلطان ابراہیم بن سلطان مسعود غزنوی میں اور وفات چھٹی صدی ہجری اور بارہویں صدی عیسوی کے آخر عہد سلطان شہاب الدین محمد غوری اور عمر قریب ایکسو چالیس برس کے معلوم ہوتی ہے۔ صرف تاریخ وفات ماہ ربیع الآخر کی گیارہویں نظر سے گذری سکونت خاص قلعۂ راجہ سری " اوپر کوٹ " مزار آپ کا اس باغ میں ایک پختہ چبوترے پر ہی جو آپ کے پدر بزرگوار نے راجہ سری کے باغ میں اور زمین شامل کر کے ترتیب دیا تھا۔
اب محلہ سلہڑا وہاں آباد ہے اور مزار سلہڑے کی مسجد کلاں اور وہاں کے پیرزادوں کی خانقاہ کے احاطہ کے دروازہ کے سامنے پورب طرف اور سید احمد مرحوم کی کوٹھی کے گوشہ جنوب و غرب میں موجود ہے۔ اس کے قریب ایک پختہ اندارا ہی جو باغ مذکور میں انکی اولاد میں سے قاضی عبد الدائم عثمانی بن قاضی محمود اللہ داد بن قاضی عبد الکافی بن قاضی محمد یوسف ثانی میں آنجناب نے بنوایا تھا۔

* وہ جاتا رہا اور یہ اسلام صاف ہو کر دہلی تخت گاہ اسلام ہو گئی۔ اس سے قبل یا بعد

قاضی محمد یوسف ثانی

آپ ابو القاسم قاضی محمد شمس الدین مذکور کے بڑے بیٹے ہیں۔ دو لحاظ سے یوسف ثانی مشہور ہوئے۔ ایک تو یہ کہ اپنے دادا محمد یوسف کے ہمنام تھے لہذا ان کے یوسف ثانی کہلائے۔ اور دوسرے یہ کہ نہایت حسین و جمیل تھے اور حسن و جمال یوسف پیغمبر علیہ السلام

کا مشہور ہے لہذا بعد اُن کے یوسف ثانی آپ تھے۔ اپنے پدر بزرگوار کے بعد اپنے آبا کیطرح بلگرام کے حاکم رہے سکونت خاص قلعہ راجہ سری "اوپرکوٹ" پر تھی ہمیشہ کفار کی تباہی اور احکام شریعت جاری کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑتے تھے۔ آپ کے وقت میں بلگرام کی حکومت سلطنت دہلی کی ماتحت رہی۔

اپنے عہد حکومت میں اپنے چچیرے بھائی قاضی کمال الدین بن قاضی ظہیر الدین کو نیابتاً انصرام قضا پر مامور فرمایا۔ دستور یہ تھا کہ قاضی وقت سجلات کے نیچے اپنے آپکو حاکم اور اُس کے اور بھائی جو نیابتاً کام کرتے تھے وہ اپنے آپکو نائب لکھتے تھے۔

خواجہ عماد الدین قدس سرہٗ کی درگاہ آپ ہی نے اپنے وقت میں بنوائی اور دو غلام قلندر اور ابراہیم اپنی ملک سے درگاہ خواجہ صاحب کی مجاوری کے لیے آزاد کر کے اُن کو درگاہ کے متصل پانچسو چوراسی گز زمین سکونت کے لیے ہبہ کر دی اور جو باغ آپکے جد امجد نے لگایا تھا جس کا ذکر ان کے حال میں ہوا۔ اس میں سے نو بیگہ سولہ بسوہ پختہ زمین سلہڑے پر جلاہوں کو عنایت کی۔ قلعۂ راجہ سری "اوپرکوٹ" پر گوشۂ شمال و مشرق میں ایک عالی شان دارالعدالت حاکم نشین تعمیر کیا اُسی میں عدالت اور آپکی نشست ہوتی تھی۔

شرائف عثمانی میں لکھا ہے کہ جامع جمیع فضائل علمی و دینی تھے۔ لوگ اس وقت آپکو ادیب کہتے تھے۔ آپکے نام سلاطین کے اکثر احکام صادر ہوئے چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے سلطان قطب الدین ایبک کی خدمت میں ایک عرضداشت بھیجی مضمون اُس کا یہ تھا (درینولا بعضے اعزہ از راہ طمع باستصواب ہندوان سخن را بہ پہلوی دیگرمے نشانند و امتناع ہوا خواہ بسمع قبول در نمی آرند و در اکثر امور خود ہا را درمیان مے آرند و ہنگام تہدید مفسداں را در پناہ خود نگاہ مے دارند و ما علینا الا البلاغ) ترجمہ (آجکل بعض اعزہ طمع کی راہ سے ہندوؤں کی طرفداری کرتے اور بات کو کچھ کا کچھ کر دیتے ہیں۔ میری روک ٹوک نہیں مانتے اور اکثر امور میں اپنے آپ کو بیچ میں ڈالدیتے ہیں۔ اور ہدایت کرنے کے وقت مفسدوں کو اپنی پناہ میں لے لیتے ہیں۔ عرض کر دینا ہمارا کام ہے) عرضداشت کی پشت پر لکھا ہے (حکم حضور شرف نفاذ یافتہ کہ احکام نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جاری نماید وایہا را از میان بردارد و تاکید داند فی التاریخ الخامس

خرداد ماہ الٰہی سنہ خمس وستمائۃ) ترجمہ (حضور سلطان قطب الدین ایبک" کا حکم جاری ہوا کہ احکام نبوی "ان پر اور آنکی آل پر درود اور سلام ہو" جاری کرے اور ان لوگوں کو درمیان سے علیحدہ کردے تاکید جانئے ۔ تاریخ پانچویں خرداد "مطابق اساڑھ" ماہ الٰہی" ماہ شمسی ۶۰۵ھ چھ سو پانچ "ہجری" آپ کا دستخطی کوئی کاغذ دستیاب نہیں ہوا ۔

ایک نسب نامۂ قدیم میں لکھا ہے کہ آپ نے عالم رویا میں دیکھا کہ ایک بزرگ تشریف لائے اور فرمایا اے یوسف تیری عمر کا خاتمہ ہوا اور کافی کو عمر کافی ملی چنانچہ اس خواب کے بعد آپکو کسی نے زہر سے ہلاک کیا اور کافی "آپکے بیٹے قاضی عبد الکافی" کی عمر برابر "عمر طبعی کے ہوئی ۔

واقعات اور کاغذات قدیم سے پیدائش آپ کی چھٹی صدی ہجری مطابق بارھویں صدی عیسوی کے ربع اول عہد معز الدولہ بہرام شاہ بن علاء الدولہ مسعود بن سلطان ابراہیم غزنوی میں معلوم ہوتی ہے ۔ اور وفات ساتویں تاریخ ماہ ذیقعدہ کو بقولے ۶۲۳ھ چھ سو تیئیس ہجری مطابق ۱۲۲۶ء ایکہزار دوسو چھبیس عیسوی اور مادۂ تاریخ "شہید شد" ہے اور بقولے ۶۰۸ھ چھ سو آٹھ ہجری مطابق ۱۲۱۱ء ایکہزار دوسو گیارہ عیسوی عہد سلطان شمس الدین التمش ہیں ۔ مزار پر انوار میدان بیل کے گوشہ جنوب غرب میں اپنے دادا قاضی محمد یوسف گازرونی کی قبر کے پہلوی شرقی میں ہے ۔ آپ کی وفات کے بعد آپکے پسر قاضی عبد الکافی نے آپ اور آپکے جد بزرگوار دونوں کی قبروں پر جو پاس پاس ہیں گنبد تعمیر کروا کے اس پر سنگ کتابہ نصب کردیا جس پر غالباً تعمیر گنبد کے سن منقوش تھے ۔ زمانہ دراز کے بعد گنبد منہدم ہوگیا اور مزار کے اطراف میں منہدم بنیادوں کے نشانات باقی رہگئے ۱۱۱۲ھ ایکہزار ایکسو بارہ ہجری مطابق ۱۷۰۰ء ایکہزار سات سو عیسوی میں حافظ علی اکبر عثمانی نے ازسرنو چوکھنٹا چبوترہ گچ سے بنوایا ۔

واضح ہو کہ مسودہ شرائف عثمانی میں تو لکھا ہے کہ سنگ کتابہ مذکور پر بہت سے نقش خط قدیم میں کندہ ہیں جن میں سے اسقدر کلمات پڑھے جاتے ہیں (ہذا روضہ یوسف فی التاریخ السابع من شہر ذیقعدہ سنہ ثلث وعشرین وستمائۃ) ترجمہ (یہ یوسف کا روضہ ماہ ذیقعدہ کی ساتویں تاریخ ۶۲۳ھ چھ سو تیئیس میں بنا) ۔ اور انہی سنوں کے مطابق مولف شرائف عثمانی نے مسودے میں مادہ تاریخ وفات "شہید شد" لکھدیا ہے ۔ مگر رسالہ سجلات فی تاریخ القضات میں قاضی احمد اللہ

عثمانی نے آپکی وفات کے ۸۰۶ھ چھ سو آٹھ ہجری تحقیق کیے ہیں۔ لکھا ہے کہ میرے باپ قاضی محمد احسان اپنے باپ قاضی محمد ناصر سے نقل کرتے تھے کہ ایک دن قاضی محمد ناصر شیخ علی اکبر عثمانی کو جو قاضی محمود کے فرزندوں میں سے تھے اپنے ساتھ قاضی یوسف کی قبر پر لے گئے اور وصیت کی کہ قاضی یوسف جد کلاں کی یہ قبر ہے اس کی مرمت کرنا۔ شیخ علی اکبر نے قاضی محمد ناصر کی وصیت کے بموجب بڑے چبوترے کو مختصر کر کے قاضی یوسف کی قبر تعمیر کی اُس کے سنگ مزار سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت قاضی یوسف کلاں کے پوتے قاضی یوسف ثانی کی قبر ہے۔ کیونکہ پتھر پر خط قدیم میں جو بخوبی پڑھا نہیں جاتا منقوش ہے (ہذا روضہ یوسف التاریخ السابع من شہر ذیقعدہ سنہ ثمان وستمائہ) ترجمہ (یہ یوسف کا روضہ ہے۔ تاریخ ساتویں مہینا ذیقعدہ ۶۰۸ھ چھ سو آٹھ) بعد کو وفات کے ۶۰۸ھ چھ سو آٹھ ہجری متحقق اور مسلم ہونے پر مولف شرائف عثمانی نے بھی نسخہ ثانی میں ترمیم کر دی اور سنگ کتابہ کی نقل میں مولف رسالہ مسجلات کی تحریر کے مطابق ۶۰۸ھ ہی ہجری لکھدے اور یوسف کے آگے لفظ "ثانی" اپنی طرف سے بڑھا دیا۔ یہ تو ہوا مگر سنگ کتابہ کے سنون اور کتب مذکور کی تحریروں میں اختلاف اور شک پیدا ہو گیا۔ پس حقیقت حال یہ معلوم ہوتی ہے کہ وفات کے تو ۶۰۸ھ چھ سو آٹھ ہی ہجری صحیح ہیں لیکن سنگ کتابہ پر بموجب تحریر مسود۔ شرائف عثمانی ضرور ۶۲۳ھ چھ سو تئیس ہجری جو اُس کے مولف سے پڑھے گئے یا اور جو کچھ ہوں منقوش تھے اور وہ سن گنبد مذکور کی تعمیر کے تھے جنھیں سنہ وفات سمجھے ہیں مولف شرائف عثمانی کو پہلے غلط فہمی ہوئی۔ بوجہ مرور ایام سنگ کتابہ کے سن صاف کسی سے پڑھے نہیں گئے چنانچہ دونوں مولفین مذکور نے سنگ کتابہ کے نقوش کا صاف پڑھا جانا تحریر کیا ہے لہذا وہ مشکوک سن وفات کے سنون کے لحاظ سے لبطن خود ۶۰۸ھ چھ سو آٹھ ہجری رسالہ مسجلات اور شرائف عثمانی نسخہ ثانی مکمل میں غلط فہمی سے نقل کر دیے گئے۔

اصل میں قاضی محمد یوسف کلاں اور قاضی محمد یوسف ثانی دونوں ہمنام دادا پوتوں کی قبریں برابر پاس پاس تھیں اور قاضی محمد یوسف ثانی کی وفات کے بعد اُن کے بیٹے قاضی عبدالکافی نے اُن دونوں قبروں پر سن چھ سو چند ہجری میں جو صاف اور بخوبی پڑھے نہیں جا سکے گنبد تعمیر کروا کے سنگ کتابہ مذکور نصب کر دیا جس پر دونوں متوفی بزرگوں کے ہمنام ہونیکی

وجہ سے عبارت (ہذا روضہ یوسف الخ) منقوش تھی - بہرحال اگر سنگ کتابہ پر سنہ وفات ہی تھے تو وہ ۸۰۹ھ سو آٹھ ہجری تھے جو بخوبی پڑھے نہیں جا سکے۔ وفات کی تاریخ اور اور مہینہ دوازدہم صفر معلوم ہوا ہے - مولف حیات جلیل نے اپنی کتاب کے صفحہ ۵ کی سطر ۱۶ میں جو آثار قدیمہ بلگرام کی فہرست میں نمبر اول پر لکھا ہے (درگاہ قاضی یوسف - سالار فوج سلطان محمود غزنوی ۸۰۹ھ ۱۲۱۱ء) وہ یہی گنبد مذکور ہے اور دو ہمنام قاضی یوسف دادا پوتوں کی قبریں ایک ہی گنبد میں ہونے کی وجہ سے قاضی یوسف ثانی کی وفات کے ۸۰۹ھ ہجری مطابق ۱۲۱۱ء ایکہزار دو سو گیارہ عیسوی معروف ومشہور قاضی یوسف اول کی نسبت خیال کر کے صرف انہیں کی درگاہ سمجھے اور قاضی یوسف کے آگے "سالار فوج سلطان محمود غزنوی لکھدیا۔

اب میرے وقت میں وہ حافظ شیخ علی اکبر کا بنوایا ہوا چبوترہ مذکور بھی شکستہ اور منہدم ہوگیا اور سنگ کتابہ مذکور کا بھی پتا نہیں مگر دونوں تربتیں موجود ہیں۔ خدا انکی اولاد میں سے کسی کو توفیق دے کہ ان کی درستی اور مرمت کرے -چونکہ مجھپر بھی خاص حق ہے مگر افسوس کہ بدقسمتی سے بالکل بے استطاعت ہوں - البتہ دیگر اعزہ خاندان کو ترغیب دیکر انکی تعمیر کی کوشش کر رہا ہوں خدا کرے مشکور ہو۔

قاضی کمال الدین

ابوالقاسم قاضی محمد شمس الدین کے چھوٹے بھائی قاضی محمد ظہیر الدین کے بیٹے اور قاضی محمد یوسف ثانی مذکورہ کے چچیرے بھائی ہیں -آپ بھی اپنے وقت کے ادیب تھے ۔مقام سکونت خاص قلعہ راجہ سری مد اوپر کوٹ" قاضی محمد یوسف ثانی نے اپنے حکومت میں نیابتًا انصرام قضا پر مامور فرمایا- انکی وفات کے بعد بھی ان کے بیٹے قاضی عبدالکافی کے زمانہ میں بدستور نائب رہے -چنانچہ اس وقت کے قبالوں پر آپ کے دستخط ملتے ہیں -منجملہ ان کے ایک بیعنامہ ہے جو مسماۃ دانش بنت امام فخر بن عظام نے ایک لبوہ زمین موضع بوسرا اور ایک لبوہ زمین موضع تپوڑی جملہ دو لبوہ زمین کی بابت بعوض چودہ سکہ رائج کے جین اور عظام

کے حق میں لکھا ہے جسکی مالک وہ اپنی ساس بی بی فاطمہ بنت جلال منکوحہ اجمل بن عطام
کی طرف سے بسبب تملیک کے تھیں - یہ بیعنامہ ستائیسویں تاریخ ماہ شعبان سنہ ۶۳۴ چھ
سو چونتیس ہجری مطابق سنہ ۱۲۳۶ء ایکہزار دو سو چھتیس عیسوی کا لکھا ہوا ہے اور اصحاب ذیل
کی اس پر گواہیاں ہیں - جلال الدین امیر حسن شریف - سید سالار حسین - سید خطیر شہاب کاکر
ظفر کبیر کوتوال ماضی - برمک بن سالار حسین - ملک سلطان شہ حسین - جمال سعد - اس کے
نیچے آپکے دستخط کا یہ طغری ہے -



عبارت طغری سمعت الاقرار والاشہاد وکتبہ کمال بن ظہیر بن یوسف بن عاصم بن خالد
بن داؤد الادیب النائب - بقصبہ بلگرام - ترجمہ میں نے اقرار اور گواہیوں کو سنا لکھا
اسکو داؤد کے بیٹے خالد خالد کے بیٹے عاصم - عاصم کے بیٹے یوسف یوسف کے بیٹے ظہیر - ظہیر کے بیٹے کمال ادیب
قصبہ بلگرام کے نائب نے - یہ بیعنامہ محمد دائم شریف ساکن محلہ ملکنٹہ کے گھر سے نکلا - قاضی احمد اللہ
عثمانی نے پہلے اسکی نقل کرلی بعدہٗ اصل قبالہ ہی لگیا وہ دفتر قضا میں محفوظ رہا - میر نوازش
علی رضوی ساکن محلہ ملکنٹہ نے اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھکر تذکرۃ اکرام میں اس کی تصدیق
کی ہے جیسا کہ دوسرے باب کی پہلی فصل میں اوپر ذکر ہوا - شرائف عثمانی اور رسالہ مسجلات
میں اس کی نقل کامل موجود ہے - قاضی شریف احمد عثمانی نے بتاریخ ۱۴ ذالحجہ سنہ ۱۲۶۸ ایکہزار
دو سو اڑسٹھ ہجری مطابق سنہ ۱۸۵۱ ایکہزار آٹھ سو اکاون عیسوی میں اصل سجل سے نقل کی ہے
اور اس نقل سے میں نے لکھا ہے -

واضح ہو کہ یہ اصل سجل بخط کوفی زبان فارسی میں تھا اس کو قضات عثمانی نے اپنے بزرگوں

کی سرداری کے ثبوت کے لیے حاصل کرکے دفتر قضا میں محفوظ کرلیا اور مکرمی قاضی شریف احمد صاحب عثمانی کی وفات کے بعد تاریخ چوتھی ماہ جنوری ۱۸۸۱ء ایکہزار آٹھ سو اکہتر عیسوی تک اُن کے یہاں رہا بعدۂ تاریخ مسطور کو مسٹر ہارنگٹن صاحب بہادر مہتمم بندوبست بلگرام کی تاریخ لکھنے کی غرض سے عاریتاً اپنی دستخطی رسید دیکر لے گئے اور اُن سے تلف ہوگیا جس کا ذکر مفصل دوسرے باب کی پہلی فصل کے آخر میں صورتحال کی نقل کے بعد ہوچکا۔ صاحب موصوف کی رسید میں فہرست کاغذات کی پہلی مد میں تیسرالکتبہ کو فی ۶۴۴ھ ہجری کا بیعنامہ مذکور الصدر رہے۔

نسب نامہ قدیم میں لکھا ہے کہ قاضی محمد یوسف ثانی کے سگے بھائی حسن اور آپنے قاضی محمدؒ یوسف ثانی کی طرح خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ نے فرمایا کہ تمہارے فرزندوں کی اولاد پر تمہاری نسل کا خاتمہ اور خود انکی عمریں دراز ہوں گی۔ چنانچہ حسن کے بیٹے رکن الدین اور آپکے بیٹوں محمد رحم اللہ اور محمد معروف کی عمریں بہت ہوئیں اور محمد معروف کے بیٹے محمد ضیار پر نسل ختم ہوگئی۔

واقعات اور کاغذات قدیم سے آپکی پیدائش چھٹی صدی ہجری مطابق بارہویں صدی عیسوی کے ربع دوم عہد معزالدولہ بہرام شاہ بن علاءالدولہ مسعود بن سلطان ابراہیم غزنوی میں اور وفات ساتویں صدی ہجری مطابق تیرہویں صدی عیسوی کے ربع دوم میں اور عمر قریب سو برس کے معلوم ہوتی ہے۔ مزار شریف کا مقام صحیح دریافت نہیں ہوا۔ غالباً میدان بیل میں اپنے چچیرے بھائی قاضی محمد یوسف ثانی مذکور کے مزار کے حوالی میں ہوگا۔

علامہ قاضی عبدالکافی

قاضی محمد یوسف ثانی مذکور کے خلف الصدق بڑے مرتبے کے قاضی عالم متبحر اور شارع تھے آپ کی تصانیف اور تو الیف بالکل باقی نہیں رہیں۔ اپنے پدر بزرگوار کی وفات کے بعد بلگرام کے حاکم ہوئے اور آپ کے چچا قاضی کمال الدین مذکور جس طرح آپکے والد کے نائب تھے اُسی طرح آپکے بھی نائب رہے۔ مقام سکونت خاص قلعہ راجہ سری "ادبہ کوٹ"

اور دارالعدالت وہی قاضی محمد یوسف ثانی کا تعمیر کیا ہوا دارالعدالت حاکم نشین جسکا ذکر ان کے حال میں اوپر ہوا۔

آپ کا شروع زمانۂ حکومت بماتحتی و استعانت سلطان شمس الدین التمش تھا۔ اسی وجہ سے اس کو یہاں خود آنے یا اپنی فوج کے بھیجنے کی ضرورت نہیں ہوئی البتہ قنوج اور دیگر اطراف میں جہاں ہنود کا غلبہ تھا تسلط و تنظیم حکومت کے لیے فوجیں بھیجیں۔ چنانچہ ۶۱۴ھ چھ سو چودہ ہجری مطابق ایکہزار دو سو سترہ عیسوی میں سلطان کا قنوج آنا تاریخ موتعزکیں سے معلوم ہوتا ہے اس میں لکھا ہے (ترجمہ: بادشاہ التمش کو جب وہ قنوج سے براہ ہاترس متھرا کو جاتا تھا کسی راجہ کا ہاتھی نہایت خوبصورت اور قدآور بطور مال غنیمت ملا جس کا نام تاریخی بادشاہ نے خداداد رکھا) واضح ہو کہ یہی مادہ تاریخ شروع بارہویں صدی ہجری مطابق اٹھارہویں صدی عیسوی سے تا ویلاً فتح بلگرام کیطرف منسوب کیا جانے لگا ہے جسکی تنقیح اپنے مقام پر ہوگی انشاءاللہ۔ المختصر سلطان شمس الدین یا اس کے سردار کے یہاں آنے اور ہنود سے جنگ کر کے مسلمانوں کے فتح کر کے بلگرام کو مکرر فتح کرنے کا کوئی ثبوت نہیں۔ خیر جب سلطان موصوف رفتہ رفتہ ترقی کر کے دہلی پر متصرف ہوا اور اسکی زبردست فتوحات نے تمام ہندوستان میں الوالعزمی کا جھنڈا بلند کیا یہاں تک کہ ۶۲۴ھ چھ سو چوبیس ہجری مطابق ۱۲۲۶ء ایکہزار دو سو چھبیس عیسوی میں قلعہ مندو پر لشکر کشی کر کے اسکو مع جملہ سوالک اپنے قبضہ و دخل میں لایا تو ملک الشعرا حکیم روحانی سمرقندی نے فتوحات کی تہنیت میں قصیدہ کہا اس کے چند شعر یہ ہیں

نظم

خبر باہل سما برد جبرئیل امین	زفتحنامہ سلطان عہد شمس الدین
کہ اے ملائکہ قدس اسماں ہارا	بدیں بشارت بندید کلہ و آئیں
کہ از بلاد سوالک شہنشہ اسلام	کشاد بار دگر قلعہ سپھر آئیں

شہ مجاہد و غازی کہ دست و تیغش را
روان حیدر کرار میکند تحسین

ترجمہ۔ امانت دار جبرئیل فرشتہ بادشاہ وقت سلطان شمس الدین کے فتحنامے

کی خبر آسمان والوں کے پاس سے گیا کہ اے پاک فرشتو اس خوشخبری میں آسمانوں کی آرائش کرو۔ کیونکہ اسلام کے بادشاہ نے سوالک کے شہروں سے دوبارہ آسمان کی طرح کا قلعہ فتح کیا۔ ایسا جہاد کرنے والا اور غازی بادشاہ کہ حیدر کرار کی روح اُس کے ہاتھ اور تلوار کی تعریف کرتی ہے۔

انہیں شاندار فتوحات کا یہ نتیجہ اور اثر ہوا کہ اخیر ۶۲۶ھ ہجری مطابق ۱۲۲۸ء ایکہزار دوسو اٹھائیس عیسوی میں عرب سے خلعت خلافت سلطان شمس الدین کے واسطے آیا جیسا کہ تاریخ فرشتہ ذکر سلطان شمس الدین التمش میں لکھا ہے (و در سنہ ست وعشرین وستمائۃ رسولان عرب جامہ خلافت جہت شمس الدین آوردند۔ سلطان انچہ شرط اطاعت و اداب بود بجائے آوردہ جامۂ عباسیاں پوشیدہ بسے خوشحال گشتہ اکثر امرا را خلعت ہا داد در شہر قبہا بستند دکوس شادی بازدند) ترجمہ (۶۲۶ھ چھ سو چھبیس ہجری میں عرب کے سفیر سلطان شمس الدین کے واسطے خلعت خلافت لائے۔ سلطان نے جو شرط اطاعت و اداب کی تھی بجالا کر عباسیوں کی پوشاک "خلعت مذکورہ" کو پہنا اور نہایت خوش ہو کر اکثر امیروں کو خلعت دیئے اور شہر میں ارائش کے لیے قبے باندھے گئے اور خوشی کے نقارے بجائے گئے) اس کے بعد ۶۲۷ھ چھ سو ستائیس ہجری مطابق ۱۲۲۹ء ایکہزار دو اُنتیس عیسوی میں خلیفہ بغداد منصر باللہ بن طاہر باللہ کی طرف سے ہند کی سلطنت اسلامیہ علیحدہ ایک خود مختار بادشاہت قرار پاکر دہلی کی سلطنت جدید کا سکہ رائج ہوا۔

ملاحظہ ہو انگریزی مشہور و معتبر تاریخ مولفہ جناب آنریبل ڈاکٹر ڈبلو ہنٹر صاحب بہادر ذکر سلطان شمس الدین التمش ترجمہ مطبوعہ انڈین پریس الہ آباد ۱۹۰۶ء صفحہ ۲۲ (اسی عہد میں خلیفہ بغداد نے ہند کی سلطنت اسلامیہ کو ایک علیحدہ خود مختار بادشاہت قرار دیا اور دہلی کی سلطنت جدید کا سکہ ۱۲۲۹ء میں رائج کیا) المختصر ۶۲۷ھ چھ سو ستائیس ہجری مطابق ۱۲۲۹ء ایکہزار دوسو انتیس عیسوی کی زبردست خوشی اور جشن سلطانی مذکور کی تہنیت میں قریب قریب تمام ہندوستان کی اسلامی عملداریوں میں جشن منایا گیا چنانچہ بلگرام میں علامہ قاضی عبدالکافی حاکم بلگرام نے یہی خوشی کی اور جشن سلطان کی یادگار میں ایک سنگ کتابہ بنام سلطان شمس الدین التمش بقید سنہ جشن مذکور بخط طغریٰ نسخ جو اس وقت میں تھا منقوش کر کے اپنے دارالعدالت

حاکم نشین واقع قلعہ راجہ سری مذکور کے پھاٹک پر نصب کروا دیا۔ عبارت کتابہ دو سطروں میں یہ ہے (حامی البلاد راعی العباد ذی الامان لاھل الایمان وارث) ملک سلیمان صاحب الخاتم فی ملک العالم ظل اللہ فی الخافقین ابو المظفر التمش السلطان ناصر امیر المومنین

لا لرالسلا ولسمر طار لبحار الامر لیملوان الشرق فرخ السلطانی دامہ اللہ

(تکینہ فی الشہور سنہ سبع وعشرون وستانہ) جتنی عبارت بخوبی پڑھی نہیں گئی اس کی نقل بعینہ اصل کتابے سے کر دی گئی۔ اس میں افتخار الامرا اور الشرق فرخ السلطانی پڑھا جاتا ہے۔ چونکہ اتنا پڑھ لیے جانے سے کوئی سلسلہ معنی کا نہیں ملتا لہذا جتنی عبارت مسلسل پڑھی جاتی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے (شہروں کا نگہبان۔ خدا کے بندوں کا والی۔ ایمان والوں کو پناہ دینے والا سلیمان کے ملک کا وارث۔ دنیا کے مذہبوں میں مہر کا مالک۔ مشرق و مغرب میں خدا کا سایہ۔ بڑا فتحمند التمش "سردار فوج" مددگار بادشاہ۔ ایمان والوں کا سردار .. .. .. اللہ اس کے مرتبہ کو ہمیشہ رکھے۔ سنہ ۶۲۷ چھ سو ستائیس "ہجری" کے مہینوں میں)

جب زمانہ دراز کے بعد عمارت دارالعدالت حاکم نشیں مذکور کا پھاٹک وغیرہ جس پر یہ کتابہ نصب تھا منہدم ہو گیا تو سنگ کتابہ جو بہت وزنی ہے عمارت منہدمہ کی جگہ پر پڑا رہا بارھویں صدی ہجری کے ربع اول اور سترھویں صدی عیسوی کے آخر میں سید ابراہیم عرف سید میاں اولاد سید محمد صغری ساکن محلہ سیدواڑہ "جو بزرگ درویش تھے" نے گوشہ شمال و مشرق قلعہ مذکور کے نیچے جانب شمال تھوڑے فاصلے پر سیدواڑے میں ایک خانقاہ اور مسجد بنوائی اور بلحاظ یادگار قدیم و خوشنمائی و زیبائی دروازہ خانقاہ پر لگانے کے لیے قاضی محمد سلیم اور قاضی محمد حافظ عثمانی مالکان سنگ کتابہ مذکور "جن کا ذکر آ گے ہو گا" سے اس کے لینے کی استدعا کی۔ انھوں نے سید صاحب موصوف کی بزرگی اور درویشی پر نظر کر کے انکار کرنا مناسب نہ جانا اور اجازت دیدی۔ سید صاحب نے وہیں پاس کا پاس اٹھوا کر اپنی خانقاہ کے دروازے پر نصب کروا دیا۔ جب خانقاہ منہدم ہو گئی تو مسجد مذکور کی دیوار شمالی میں صحن مسجد کی طرف لگا دیا گیا جو اس وقت تک موجود ہے۔ اس کتابے کو آثار الکرام

میں میر آزاد صاحب نے جو گول عبارت میں سید محمد صغریٰ صاحب کا لگایا ہوا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اس کی تنقیح اپنے موقع پر ہو گی انشاء اللہ اسوقت صرف اس کتابے کی اصلیت اور اس کے نصب ہونے کے مفصل واقع کا اظہار ضروری سمجھا گیا۔

المختصر علامہ قاضی عبدالکافی صاحب کی دراز عمر میں بعد سلطان شمس الدین التمش کے بہت کچھ انقلابات سلطنت ہوئے مگر چونکہ سب انقلاب مسلمان ہی بادشاہوں میں ہوئے لہذا بدستور قدیم بلگرام کی حکومت برابر بہر اسلامی بادشاہت کی مطیع اور ماتحت رہی پھر جب ناصر الدین محمود شاہ نبیرہ فیروز شاہ کے عہد میں جونپور و بہار و ترہت پر سلطان الشرق خواجہ جہاں کا قبضہ ہوا اور جونپور ہندوستان کا دوسرا پایہ تخت قرار پایا تو بلگرام اودھ کے ساتھ سلطنت جونپور کے حدود مملکت میں داخل ہو کر اسی کی ماتحتی میں آگیا ابراہیم شاہ شرقی برادر مبارک شاہ شرقی پسر خواندہ سلطان الشرق خواجہ جہاں کے عہد سلطنت میں دارالحکومت جونپور کو بہت ترقی اور شہرت حاصل ہوئی اُس نے بلگرام کی تعریف اور جناب قاضی صاحب موصوف کی فضیلت اور تعجب خیز کہن سالی کا آوازہ سنکر بڑے شوق و اعتقاد کے ساتھ بلگرام آکر قاضی صاحب سے ملاقات کی اور تمام آثار قدیمہ بالخصوص قلعے پر قاضی محمد یوسف کی رزدونی فاتح بلگرام کی بنوائی ہوئی مسجد قدیم (جو کہنہ ہو گئی تھی) کو ملاحظہ کر کے اس کی تجدید کا خیال پیدا ہوا اور قاضی صاحب کو الطاف و مراحم خسروانہ کا امیدوار کر کے واپس ہوا۔ جونپور پہنچکر اپنے امرائے اعظم میں سے فتح خاں ہروی کو جامع مسجد مذکور کی تجدید کا حکم دیکر بلگرام بھیجا چنانچہ خان موصوف نے حسب الحکم بادشاہ باسترضائی قاضی صاحب آپکی آبائی جامع مسجد کہنہ کو جو دارالعدالت مذکور کے جانب غرب تھی ۸۴۲ھ آٹھ سو بیالیس ہجری مطابق ۱۴۳۸ء ایکہزار چارسو اڑتیس عیسوی میں پھر از سرنو بڑے اہتمام سے تعمیر کروایا شیخ عبدالمنتجب بن عالم فرشوری نے اُس کے اختتام عمارت کی تاریخ صوری نظم کی اور اسوقت کے خط طغری نسخ میں جیسا کہ سنگ کتابہ مذکور الصدر ہے پتھر پر منقوش کر کے جامع مسجد مذکور میں سنگ کتابہ نصب کیا گیا۔ وہ تاریخ یہ ہے

تاریخ عمارت مسجد جامع بلگرام

عہد شاہ ختم شاہان شاہ ابراہیم شاہ — از ولایت دیں بامر و از عنایت حق الہ

شد عمارت باز از سر مسجد جامع جہاں — از اشارت خان اعظم فتح خاں بن فتح خاں

بود ہشت صد چہل و دو تاریخ قمر انوریں — چار دہ مہ روز یکشنبہ ربیع الآخریں

در عمارت ایں بنائے نور افزائے جہاں — امر فرمائش ملک را نیک نامی فتح خاں

از دعائے بندہ ضعف منتخب عالم زجاں

عاقبت شاں را چہ جوئی جنت الماوی مکاں

اس نظم کی دہقانی زبان عجیب نشست الفاظ وغریب ترکیب جمل کی وجہ سے ترجمہ کرنا دشوار ہے لہٰذا اس کے مصنف نے جو اپنے نزدیک نظم کیا ہے اس کا مطلب لکھا جاتا ہے۔

مطلب۔ شاہ ابراہیم شاہ کے عہد میں امر دین اور خدا کی عنایت اور خان اعظم فتح خاں کے اشارے سے جامع مسجد پھر نئے سر سے تعمیر ہوئی یہ روشن بنیاد کی عمارت بادشاہ کی فرمائش سے ماہ ربیع الآخر کی چودھویں تاریخ اتوار کے دن ۸۴۲ھ آٹھ سو بیالیس ہجری میں نامی فتح خاں کی کوشش سے طیار ہوئی۔ ان لوگوں کا انجام کیا پوچھتے ہو۔ بندہ ضعیف منتخب بن عالم کی دعا سے انکی بہشت میں جگہ ہے۔

مسجد مذکور کے کہنہ ہونے پر اس کا سنگ کتابہ کسی صدمہ سے ٹوٹ گیا اور تین ٹکڑے ہوگئی اُن سے تاریخ نقل کرلی گئی۔ منجملہ اُن تین ٹکڑوں کے ایک میان کا ٹکڑا جامع مسجد موجودہ کی چھت بننے کے وقت دیوا کے بالائی گوشہ کھدنے پر ۱۳۴۳ھ ہجری ایکہزار تین سو تنتالیس مطابق ۱۹۲۵ء ایک ہزار نو سو پچیس عیسوی میں برآمد ہوا یہ ٹکڑا منجملہ ان پتھروں کے ہی جن کا ذکر قاضی محمد یوسف گازرونی کے حال میں اوپر ہو چکا اور اسوقت برخوردار قاضی محمد یوسف علی سلمہٗ کے گھر میں موجود ہے اس میں تاریخ کے کل مصاریع اوّل کے آخری نصف اور بعض نصف سے زیادہ مصرع اور ایک آدھ لفظ نیچے کے مصاریع دوم کے باقی ہیں۔ کچھ حرف اڑ بھی گئے ہیں مصاریع کے درمیان جو فاصلہ

ہے وہ اس موجودہ ٹکڑے میں شامل اور باقی رہگیا ہے ۔ اس پر عبارت (تاریخ عمارت
مسجد جامع بلگرام) بخط طغری نسخ منقوش ہے ۔ افسوس کہ تجدید عمارت مسجد جامع کے دو
ہی سال بعد ۸۴۴ھ آٹھ سو چوالیس ہجری مطابق ۱۴۴۰ء ایکہزار چارسو چالیس عیسوی میں ابراہیم شاہ
موصوف کی وفات واقع ہوئی ورنہ امید تھی کہ وہ بلگرام کی طرف اپنی توجہ بہت کچھ مبذول فرماتا
بعد اُس کے جب اُس کا بیٹا محمود شاہ شرقی تخت نشین ہوا تو اُس نے بھی فتح خاں ہروی
مذکور کو جو یہاں سے واقف ہو چکے تھے بلگرام میں بھیجا اور قلعے پر دارالعدالت قدیم کی تجدید
کا حکم دیا ۔ چنانچہ خان موصوف نے پھر آکر دارالعدالت کو خاص اپنے اہتمام سے ۸۴۵ھ
آٹھ سو پینتالیس ہجری مطابق ۱۴۴۱ء ایکہزار چارسو اکتالیس عیسوی میں عمدہ پیمانے پر تعمیر کروایا
اور اسپر بھی سنگ کتابہ نصب کیا گیا ۔ جسپر دو سطریں بخط طغری نسخ مثل کتابۂ اول الذکر
کے منقوش ہیں ۔ یہ پتھر مسلم اسوقت برخوردار قاضی محمد یوسف علی سلمہٗ کے گھر میں موجود ہے
چونکہ اس کی عبارت تمام وکمال صاف پڑھی نہیں جاسکی لہذا اس کی نقل بعینہٖ خاص کتابے
سے کیجاتی ہے ۔

[illegible]

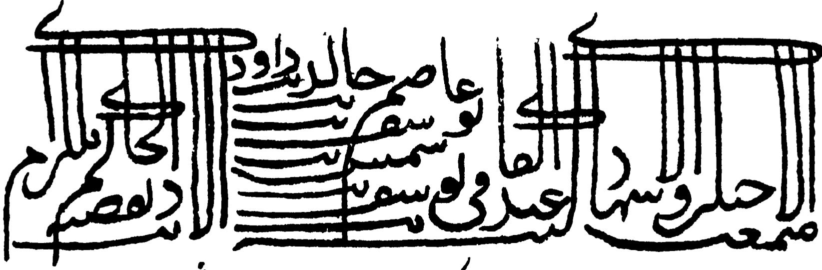
[illegible]

پوری عبارت پڑھی نہ جانے کی وجہ سے ترجمہ نہیں ہوا الفاظ پڑھے جاتے ہیں اُن
سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ عمارت محمود شاہ بن ابراہیم شاہ کے عہد میں خان اعظم فتح خاں
ہروی کی سعی سے ۸۴۵ھ ہجری میں بنی ۔

قاضی صاحب موصوف کے ابتدائی زمانے کا دستخطی کاغذ کوئی نہیں ملا ۔ اخیر زمانہ
کے سجل مفصلہ ذیل بہم پہنچے ۔

اوّل ۔ صورت حال قطعہ زمین زرعی جانب شمال گیارہ بگیہ کی بابت بہ ثبوت ملکیت

اختیار بن نظام بوسری وبیوۂ نظام مذکور تاریخ بیسویں جمادی الآخر ۸۱۴ھ آٹھ سو چودہ ہجری مطابق ۱۴۱۱ء ایکہزار چارسو گیارہ عیسوی کا لکھا ہوا ہے اور اصحاب ذیل کی اس پر گواہیاں ہیں۔ خا بن عمر نجیب۔ شمش بوسری۔ حسن بن شمس۔ اس صورتحال کے حاشیے پر امیر یوسف بن امیرا دہونے تعرض لکھا ہے کہ یہ گیارہ بگیہ قطعہ مبلغ ۱۹ انیس سکہ رائج کے عوض میں میں نے میاں بدر و مبارک کے ہاتھ بیچا۔ اس کے نیچے قاضی صاحب موصوف کے دستخط کا یہ طغرا ہے۔



عبارت طغری سمعت الاخبار والاشهاد کتبه عبدالکافی بن یوسف بن شمش بن یوسف بن عاصم بن خالد بن داؤد الادیب الحاکم لقصبه بلگرام۔ ترجمہ میں نے خبر اور گواہوں کو سنا لکھا اسکو داؤد کے بیٹے خالد۔ خالد کے بیٹے عاصم۔ عاصم کے بیٹے یوسف۔ یوسف کے بیٹے شمس۔ شمس کے بیٹے یوسف۔ یوسف کے بیٹے عبدالکافی ادیب قصبہ بلگرام کے حاکم نے

یہ اصل سجل پہلے غلام صفی بن محمد حیات ولد عبدالجلیل احفاد شیخ معانی پیرزادہ نواسہ مرزا محمد کافی اولاد اختیار دین بن مختار دین بوسری "جنھوں نے آپکو مرزا کے لقب سے مشہور کیا" کے گھر سے نکلا اور قاضی محمد احمد اللہ عثمانی نے اس کی نقل کی۔ پھر ابراہیم حسین ولد حمایت حسین سے قاضی مجدالدین محمد عثمانی نے اصل سجل بھی لے لیا۔

دوم شہادت نامہ قطعہ زمین سکنی بیرون حصار قصبہ بلگرام واقع محلہ شرلیفان کی بابت بہ ثبوت ملکیت مسماۃ خوزان بنت بہرام منکوحۂ حسام بن صلاح الدین "جو مسماۃ مذکور کو بعوض مہر بعد وفات اپنے شوہر کے ملا" بارہویں تاریخ ماہ صفر ۸۱۶ھ آٹھ سو سولہ ہجری مطابق ۱۴۱۳ء ایکہزار چارسو تیرہ عیسوی کا لکھا ہوا ہے اور اصحاب ذیل کی اس پر گواہیاں ہیں۔ شہاب بن داؤد درویش بہلول بن محمود درویش۔ اس کے نیچے آپ کے دستخط کا یہ طغری ہے۔



عبارت طغریٰ۔ کتبہ سے آخر تک وہی ہے جو اوپر لکھی گئی ہے اور ترجمہ بھی وہی ہے
یہ شہادت نامہ اصل سجل سے قاضی شریف احمد عثمانی نے نقل کیا جس کے مطابق اصل
ہونے کی بابت سید محمد عسکری ۔ محمد حسین ۔ ابراہیم حسین اور امداد علی رضوی کی تصدیقی مہریں
ہیں اُس سے میں نے لکھا۔

سوم۔ قطعہ زمین متذکرہ شہادت نامہ مذکور کا بیعنامہ مسماۃ خوزان مذکور کی طرف سے اخی
حسین بن اکبر بن اجمل بن عظام کے نام بعوض مبلغ چار سکہ رائج اور سینتس کوڑیوں کے تاریخ ۱۰ ار
دسویں ماہ ربیع الاول سنہ ۸۱۶ آٹھ سو سولہ ہجری مطابق سنہ ۱۴۱۳ ایکہزار چار سو تیرہ عیسوی کا لکھا ہوا
ہے اور اصحاب ذیل کی اس پر گواہیاں ہیں۔ سلطان حسین، شریف۔ شہاب بن جلال
محمد سراج شریف۔ سلطان شہ حسین۔ محمد شاکر بن عالم شریف، عمر بن شہ حسین، عین دین عمر
بن حمزہ حسینی، شیخ رمضان، مولانا قطب، اس کے نیچے آپ کے دستخط کا طغرا بعینہ وہی ہے جو سجل دوم
میں اوپر لکھا ہے یہ سجل کرم اللہ شریف کے گھر سے نکلا اور اُس کی نقل قاضی احمد اللہ عثمانی نے کی۔

چہارم۔ بیعنامہ قطعہ زمین سکنی بیرون حصار قصبہ بلگرام واقع محلہ اجمل بن عظام۔ منجانب
فخر الدین بن حسین بن لدمان بن کمال بحق اخی حسین بن اخی لطیف اجمل بن عظام شریف تعمر حسینی
بعوض مبلغ ساڑھے تین سکہ رائج تاریخ ۱۹ ار ماہ جمادی الاخر سنہ ۸۲۳ آٹھ سو تئیس ہجری مطابق سنہ ۱۴۲۰ ایکہزار
چار سو بیس عیسوی کا لکھا ہوا ہے اور اصحاب ذیل کی اس پر گواہیاں ہیں۔

امیر سعد اللہ بن فرید شریف۔ سید افضل بن حفیظ اللہ شریف، الیاس حسین داؤد، نصرالدین، بن سلطان
امیر محسن بن الحسین الکامل شریف ۔ سید شہاب نصیر مبارک ، افضل محمد حفیظ۔

بسم الله الرحمن الرحیم [illegible]

اقرار کرد مسمی محمد [illegible]

اینکه [illegible] در [illegible] صحت [illegible] عمل [illegible]

و [illegible] بفروخت [illegible]

[illegible] حکم [illegible]

[illegible] بیرون [illegible]

[illegible] مشروع [illegible]

چهار [illegible]

مشترک [illegible]

مشترک [illegible]

و [illegible]

[illegible]

شرعی [illegible]

[illegible]

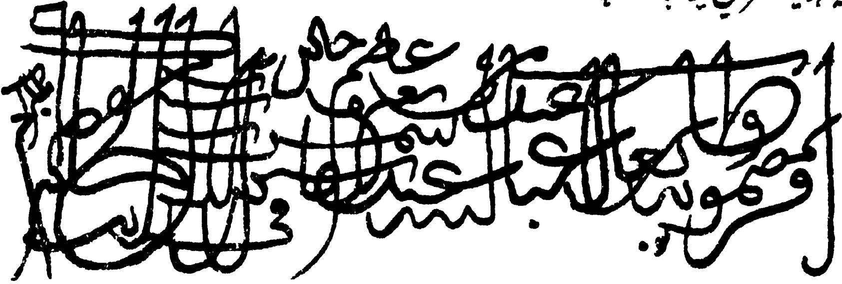
و [illegible]

[illegible]

صحت [illegible]

[illegible]

محمود ظفر افغان ۔ سید حامد بن جمال ۔ سعد جلال شیخن بن شمس بن علی ۔ سید عظیم احمد بن اسلم ۔ نظام شریف ۔ اس کے نیچے آپ کے دستخط کا یہ طغریٰ ہی جس کا یہ عکس خاص اصل سے بعینہ ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔



عبارت طغری ۔ اقر بمضمونہ طائعاً وراغباً عندی ترجمہ اپنی خوشی اور خواہش سے میرے اس مضمون کا اقرار کیا ۔ باقی لفظ کتبہ سے آخر تک وہی عبارت اور وہی ترجمہ جو سجل اول کے طغرے میں ہے ۔

یہ سجل دائم شریف ساکن محلہ ملکنٹھ کے گھر سے قاضی احمد اللہ عثمانی کے وقت میں نکلا اور برخوردار قاضی محمد یوسف علی سلمہٗ کے یہاں پرانے کاغذات تلاش کرنے سے مجھکو دستیاب ہوا اُس سے میں نے اُردو میں خلاصہ کیا یہ اصل سجل اسوقت تک برخوردار موصوف کے یہاں موجود ہے ۔

پنجم ۔ بیعنامہ قطعہ زمین زرعی سواد قصبہ بلگرام جانب شمال چالیس بگیہ مہدی بن علار بن امام حاجی بن عیسی کی طرف سے عین بن محمود سالار بن نظام کے نام بعوض مبلغ تیس سکہ رائج تاریخ دس ویں شعبان ۸۲۸ھ ہجری آٹھ سو اٹھائیس مطابق ۱۴۲۴ء ایکہزار چارسو چوبیس عیسوی کا لکھا ہوا ہے اور اصحاب ذیل کی اس پر گواہیاں ہیں ۔ مقر احمد ۔ علار بن احمد ۔ رحم اللہ بن کمال بن ظہیر الدین الادیب معروف بن کمال بن ظہیر الدین ۔ مولانا خضر محمد ۔ معین محمد ملحق ۔ حمد الحمید ۔ اس کے نیچے آپ کے دستخط کا طغرا لفظ کتبہ سے آخر تک وہی ہے جو سجل اول میں ہے اور ترجمہ وہی ہے صرف شروع میں اقر المقر زیادہ ہے ۔ جس کے معنی "اقرار کرنے والے نے اقرار کیا۔ اس سجل کے ملنے کی وہی صورت ہے جو سجل اول کی بابت اوپر ہوئی ۔

ششم ۔ بیعنامہ دو قطعہ زمین زرعی سواد قصبہ بلگرام جانب شرق منسوب لبرلائے و عمرہ پانچ بیگہ بیس بسوہ نوشتہ قطب الدین سید قاسم حسین ابوطالب حسینی بنام بھولن بن امیر عمر شہ حسین و جمال بن سعد جلال وادہو بن عین بعوض مبلغ ساڑھے چھبیس سکہ رائج تاریخ چوتھی ماہ صفر ۸۴۵ھ آٹھ سو پینتالیس ہجری مطابق ۱۴۴۱ء ایکہزار چارسو اکتالیس عیسوی کا لکھا ہوا ہے اور اصحاب ذیل کی اس پر گواہیاں ہیں ۔ سید کریم الدین بن سید راجا حسینی ۔ سید بڑے سالار حسین حسینی ۔ محمد بن[1] عبدالکافی بن یوسف ادیب ۔ محمود میراں بڑے ماہر و حسین حسینی ۔ نظام اختیار بن طاہر ۔ سید عزیز اللہ سالار حسین حسینی ۔ سالار بن حسین ۔ بدو بن سلطان بن حسین ۔ لطف اللہ ۔ شیخن بن شمس علی ۔ میراں بن مبارک رومی ۔ بڑے بن سلطان شہ حسین اس کے نیچے اپ کے دستخط کا طغرا لفظ کتبہ سے آخر تک وہی ہے جو سجل اول و دوم و چہارم میں ہے ۔ ترجمہ سجل اول میں ہو چکا اس کے شروع میں اقر بما فیہ زیادہ ہے جس کے معنی "جو کچھ اس میں ہے اس کا اقرار کیا" اس سجل کے ملنے کی بھی وہی صورت ہے جو سجل اول کی بابت اوپر تحریر ہوئی ۔

ہفتم ۔ بیعنامہ قطعہ زمین زرعی واقع قصبہ بلگرام دو بیگہ مولانا .... بن مولانا نظام کی طرف سے بنام .... عین الدین بن امیر اختیار بوسری بعوض مبلغ چھ سکہ رائج تاریخ اٹھارہویں ماہ رجب ۸۴۸ھ آٹھ سو اڑتالیس ہجری مطابق ۱۴۴۴ء ایکہزار چارسو چوالیس عیسوی کا لکھا ہوا ہے ۔ اس کے گواہان ملکیت شیخ افتخار بن شیخ حسین ۔ فخر بن شیخن شیخ زادہ اور گواہان حاشیہ حسین بن الف ۔ ملک سلطان بن حسین ۔ بھولن عزیز ہیں ۔ اس کے نیچے آپ کے دستخط کا یہ طغریٰ ہے ۔

[1] ۔ آپ قاضی صاحب موصوف کے فرزند سوم ہیں ۔

عبارت شروع طغرا۔ اقر بالبیع وقبض الثمن۔ ترجمہ بیچنے اور قیمت کو مٹھی میں لینے کا اقرار کیا۔ باقی عبارت اور ترجمہ وہی سجل اول میں تحریر ہے۔

یہ سجل منجملہ اُن سجلوں کے ہی جو بوسرلوں کے گھر سے ابراہیم حسین بن حمایت حسین تک بسبب ارث بنیگی کے پہنچے۔ اس سجل کو قاضی مجد الدین محمد عثمانی نے اپنے بزرگوں کی قدامت وحکومت ومنصب قضا رقصبہ بلگرام کے اثبات کے واسطے ابراہیم حسین مذکور سے لے لیا۔ مجھکو اس کی نقل بوسیدہ ملی جو قاضی شریف احمد بن قاضی مجد الدین محمد مذکور نے اصل سے کی تھی اس میں جہاں کا کاغذ باقی نہیں رہا وہاں کے نام کی جگہ سادی چھوڑ دی ہے۔

واضح ہو کہ منجملہ سجلات مذکور الصدر کے سجل اوّل وسوم وچہارم وپنجم وششم کی نقل کامل شرائف عثمانی میں ہے۔ اور اصل سجل چہارم کو میر نوازش علی رضوی ساکن محلہ ملکنٹھ نے اپنی آنکھوں سے دیکھکر تذکرۃ الکرام میں اس کی تصدیق کی ہے جیسا کہ دوسرے باب کی پہلی فصل میں اوپر ذکر ہوا

واقعات اور کاغذات قدیم سے پیدائش آپکی چھٹی ہجری مطابق بارھویں صدی عیسوی کے آخر عہد سلطان شہاب الدین محمدؒ غوری میں اور وفات نویں صدی ہجری مطابق پندرہویں صدی عیسوی کے ربع دوم کے آخر سلطان محمد شاہ بن فرید خاں اور محمود شاہ بن ابراہیم شاہ شرقی کے عہد میں اور عمر قریب ڈھائی سَو ۲۵۰ برس کے معلوم ہوتی ہے اور اُس رؤیائے صادقہ کی پوری تصدیق ہوتی ہے جو آپکے پدر بزرگوار قاضی محمد یوسف ثانی نے دیکھا تھا "جس کا ذکر ان کے حال میں اوپر ہوا" واللہ اعلم صرف وفات کی تاریخ اور مہینا نہم ربیع الآخر معلوم ہوا ہے۔ مزار آپکا میدان بیل میں حضرت قاضی محمد یوسف گازرونی در اپنے والد کے مرقد کے پاس ہے۔

قاضی محمد معروف

آپ قاضی کمال الدین مذکور کے چھوٹے بیٹے ہیں۔ بہت ذی علم اور شارع تھے۔ بعد

وفات اپنے پدر بزرگوار کے علامہ قاضی عبدالکافی مذکور کی زندگی تک اُن کے نائب رہے
اور بعد وفات علامہ صاحب اُن کے بیٹے قاضی محمود الہداد کے نائب ہوئے۔
مقام سکونت قلعہ راجہ سری "اوپرکوٹ" زمانہ نیابت میں اکثر سجل آپ کے دستخطوں
سے بھی مسجل ہوتے رہے۔ چنانچہ علامہ قاضی عبدالکافی کی نیابت کے زمانے کا ایک
سجل بنام اولاد اختیار دین بن مختار دین بوسری مدجن کا ذکر قاضی محمد یوسف گازرونی
کے حال میں اوپر ہوا" تاریخ پندرھویں ماہ صفر ۸۴۶ھ آٹھ سو چھیالیس ہجری مطابق
۱۴۴۲ء ایکہزار چارسو بیالیس عیسوی کالکھا ہوا ہے اس کے نیچے آپ کے دستخط کا
یہ طغرا ہے۔

عبارت طغرا اقر بمضمونہ طائعاً وراغباً کتبہ معروف بن کمال بن ظہیر بن یوسف بن
عاصم بن خالد بن داؤد الادیب النائب بقصبہ بلگرام۔ ترجمہ۔ اپنی خوشی اور خواہش
سے اس مضمون کا اقرار کیا۔ لکھا اس کو داؤد کے بیٹے خالد خالد کے بیٹے عاصم۔ عاصم کے
بیٹے یوسف۔ یوسف کے بیٹے ظہیر۔ ظہیر کے بیٹے کمال۔ کمال کے بیٹے معروف
ادیب قصبہ بلگرام کے نائب نے۔

یہ سجل غلام صفی بن محمد حیات بن عبدالجلیل احفاد شیخ معانی پیرزادہ نبیرہ مرزا محمد کافی
کے گھر سے نکلا جو اختیار دین مذکور کی اولاد میں تھے۔

دوسرا سجل اولاد سید نصیر الدین جد سادات "ڈھبہا" جن کا ذکر باب اول
کی فصل دوم میں ہوا" کے متعلق تاریخ انیسویں جمادی الاول ۸۶۳ھ اٹھ سو ترسٹھ ہجری
مطابق ۱۴۵۸ء ایکہزار چارسو اٹھاون عیسوی قاضی محمود الہداد بن علامہ قاضی عبدالکافی

کی نیابت کے زمانے کا لکھا ہوا ہے اس کے نیچے آپ کے دستخط کا یہ طغرا ہے۔



عبارت طغرا - سمعت الاقرار والاشہاد - ترجمہ - میں نے اقرار اور گواہیوں کو سنا -
باقی عبارت اور ترجمہ لفظ کتبہ سے آخر تک وہی ہے جو سجل اول میں ہے۔

یہ سجل سید محمد باقر ڈبھیے کے گھر سے نکلا جو سید نصیر الدین مذکور کی اولاد میں تھے

شرائف عثمانی میں دونوں سجلوں کا اور رسالہ مسجلات میں صرف دوسرے سجل کا ذکر ہے اور دوسرے سجل کی تصدیق میر نوازش علی رضوی ساکن محلہ ملکنھ نے بھی اپنی آنکھوں سے دیکھکر تذکرۃ الکرام میں کی ہے۔

منجملہ قاضی عبدالکافی مذکور کے دستخطی سات سجلوں کے "جو آن کے حال میں اوپر مذکور ہوئے" پانچویں سجل محررہ ۰ اشعبان ۸۲۸ھ آٹھ سو اٹھائیس ہجری پر آپکی اور آپ کے بھائی رحم اللہ دونوں کی گواہی کے دستخط ہیں۔

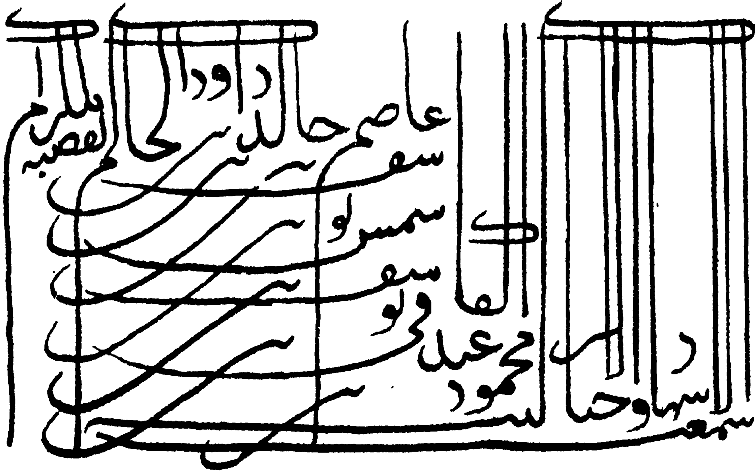
واقعات اور کاغذات قدیم سے پیدائش آپکی ساتویں صدی ہجری مطابق چودھویں صدی عیسوی کے آغاز عہد سلطان شہاب الدین محمد غوری میں اور وفات نویں صدی ہجری مطابق پندرھویں صدی عیسوی کے ربع سوم عہد سلطان بہلول لودھی میں اور عمر قریب دوسو ساٹھ برس کے معلوم ہوتی ہے - آپ کے بھائی محمد رحم اللہ اور آپ کے بیٹے محمد ضیا لاولد فوت ہوکر قاضی کمال الدین مذکور کی اولاد کا خاتمہ ہوگیا - اس سے اُس رویائے صادقہ کی تصدیق ہوتی ہے جو آپ کے پدر بزرگوار قاضی کمال الدین نے دیکھا "جس کا ذکر ان کے حال میں اوپر ہوا" واللہ اعلم

قاضی محمود الداد

آپ علامہ قاضی عبدالکافی مذکور کے چوتھے سب سے چھوٹے بیٹے ہیں۔
اللہ کی دین تھی کہ اپنے والد کے بالکل زمانہ پیری میں جبکہ انکو کوئی امید اور اولاد کی باقی نہ رہی تھی آپ متولد ہوئے لہذا الداد کے لقب سے مشہور ہو گئے اور چونکہ علم و فضل و قابلیت میں اپنے سب بڑے بھائیوں سے زیادہ تھے اس لیے والد نے آپ ہی کو اپنا ولی عہد کیا اور بعد اپنے پدر بزرگوار کے مسند حکومت و قضا پر متمکن ہوے۔ قاضی محمد معروف مذکور جس طرح آپکے والد ماجد کے نائب تھے اُسی طرح آپکے زمانے میں بھی نائب رہے۔ مقام سکونت خاص قلعۂ راجہ سری "اوپر کوٹ" اور دارالعدالت حاکم نشین وہی عمارت مجددہ فتح خاں ہروی جسکا ذکر آپ کے والد کے حال میں اوپر ہوا۔
حکومت آپکی سلطنت جونپور کی ماتحتی میں تھی۔ چالیس برس کی عمر تک آپ کے اولاد نہیں ہوئی۔ فرزند کی تمنا بہت تھی اور نہایت مغموم رہتے تھے۔ آخر حضرت مخدوم شاہ اخی جمشید راجگیری قدس سرہٗ العزیز کی دعا سے بندگی قاضی عبدالدائم تولد ہوئے۔ مفصل حال آگے اُن کے ذکر میں بیان ہوگا۔ آپ نے اپنے عین حیات ہی میں اپنے فرزند قاضی عبدالدایم مذکور کو اپنا جانشین کر کے کل اختیارات دیدیے۔ جب قاضی عبدالدائم حضرت اجمیر کی زیارت کو گئے تو انکی غیبت میں آپ کل امور کو آن کی طرف سے سرانجام دیتے رہے۔ قاضی عبدالدائم کی پیدائش کے ایک عرصہ کے بعد دو فرزند قاضی منجھاور اور قاضی اللہ دیے یکے بعد دیگرے اور بھی پیدا ہوئے مگر وہ دونوں جوان اور لاولد فوت ہوئے۔

آپ کے دستخطی منجملہ کل سجلوں کے مفصلہ ذیل سجل دستیاب ہوے اون میں سے چہارم میں قاضی منجھوا اور سجل پنجم میں قاضی اللہ دیے مذکورین کے دستخط موجود ہیں۔
اول بیعنامہ قطعۂ زمین زرعی سواد قصبہ بلگرام جانب غرب منسوب بہ کاچھا بارہ بیگہ منجانب مسماۃ عزت بنت اختیار منکوحہ شہباز علی بن امیر حسین بن منتجب "جو بعد وفات

شوہر مسماۃ مذکور کو مہر کے عوض میں ملا" بحق وجیہ بن حسام الدین بن خواجہ احمد غزنوی بعوض مبلغ چوبیس سکہ رائج تاریخ بائیسویں ماہ ذیقعدہ ۸۵۸ھ آٹھ سو اٹھاون ہجری مطابق ۱۴۵۳ء ایکہزار چارسو ترپن عیسوی کا لکھا ہوا ہے۔ اس کے گواہ ثبوت ملکیت بائعہ میران بڑے بن عنایت بن فرید بن منتخب مذکور۔ سعد اللہ فرید بن شیخن ۔ اور گواہان حاشیہ سراج وگھورن پسران بائعہ مذکورہ۔ عبدالحئی[1] بن حسن بن شمس الادیب ۔ محمد بن[2] رکن بن حسن بن شمس ادیب اس کے نیچے آپ کے دستخط کا یہ طغرا ہے۔



عبارت طغرا سمعت الاشہاد والاخبار کتبہ محمود بن عبدالکافی بن یوسف بن شمس بن یوسف بن عاصم بن خالد بن داؤد الحاکم بقصبہ بلگرام ۔ ترجمہ ۔ میں نے گواہیوں اور خبر کو سنا۔ لکھا اسکو داود کے بیٹے خالد ۔ خالد کے بیٹے عاصم عاصم کے بیٹے یوسف ۔ یوسف کے بیٹے شمس ۔ شمس کے بیٹے یوسف ۔ یوسف کے بیٹے عبدالکافی ۔ عبدالکافی کے بیٹے محمود قصبہ بلگرام کے حاکم نے یہ سجل سید محمد باقر ڈبھیے کے گھر سے نکلا۔

دوم ۔ بیعنامۂ قطعہ زمین زرعی جانب شمال قصبہ بلگرام تعدادی چار بیگہ بنام ظہیرالدین

نوٹ ۔ [1] آپ قاضی صاحب موصوف کے چچا ہیں شجرہ نمبرا ملاحظہ ہو۔

[2] قاضی موصوف کے یک جدی بھائی ہیں شجرہ نمبرا ملاحظہ ہو۔

بن اختیار دین بوسری بعوض مبلغ ؏۱۸ سکہ رائج - تاریخ تیسری ماہ صفر ۸۶۲ھ آٹھ سو باسٹھ ہجری مطابق ۱۴۵۷ء ایک ہزار چار سو ستاون عیسوی کا لکھا ہوا ہے - اس کے گواہان ثبوت ملکیت مولانا محمد بن نذر محمد - بابو بن قاضی عماد - اور گواہان حاشیہ میراں بن سلطان شہ حسام الدین بن محمود علار زیرک بن سالار حسین - کریم الدین بن شیخن بن شمس - اختیار بن نظام - بھولن بن عمر

اس بیعنامے کے آغاز کی عبارت نہیں ملی - مگر درمیانی عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ بائعہ عورت بنت ملا مدن ہے جسکو زمین مبیعہ اپنے باپ کے ارث میں ملی - اور بیعنامہ اس کی طرف سے وکالتاً اس کے عزیز نے تحریر کیا ہے اس کے نیچے آپ کے دستخط کا طغرا لفظ کتبہ سے آخر تک وہی ہے جو سجل اول میں ہے اور ترجمہ بھی وہی ہے - شروع میں یہ عبارت بخط طغرا ہے (اقرالوکیل بالبیع وقبض الثمن) ترجمہ - وکیل نے بیچنے اور قیمت کو مٹھی میں لینے کا اقرار کیا - یہ سجل ابراہیم حسین بن حمایت حسین نواسۂ بوسریاں سے قاضی مجد الدین محمد عثمانی نے لیا تھا قاضی شریف احمد عثمانی نے اصل سے اور میں نے نقل مصدقہ سے نقل کی

سوم - سجل باز دعوی بابت حصہ زمین زرعی وسکنی قصبہ وسواد قصبہ وسبو ہائے دیہ نوشتہ امیر شیخن بن امیر شمس بن علی خوطہ اصالتاً منجانب خود وکالتاً منجانب منکوحہ خود مسماۃ بی بی جیا بنت امیر عین بن اختیار بوسری بحق امیر ادھویں عین خسر لورۂ "سالا" خود - تاریخ پچیسویں ماہ رمضان ۸۷۳ھ آٹھ سو چوہتر ہجری مطابق ۱۴۶۹ء ایکہزار چار سو انہتر عیسوی کا لکھا ہوا ہے - گواہان متن کریم بن امیر شیخن بن شمس مذکور - شمس الدین بن داہنوں بن حسام افغان - العبد شیخن بن شمس بن علی - علامت دستخط جیا موکلہ مقر مذکور - گواہان حاشیہ - شہد علیٰ سجل الحاکم قطب فضل اللہ بن علار حسینی بخط - کریم الدین بن شیخن بن شمس بن علی - عین نبی جمال میراں بڑے بن سلطان شہ حسین - احمد بن نظام بن اختیار - جمال بن طاہر بن اختیار - زیرک بن سالار حسین - نذر محمد حسام الدین - بن محمود علار شریف - سعد جلال - سعد اللہ بن میراں دراں - احمد بن عزیز اختیار بن افضل بن محمد - سجل کے نیچے آپ کے دستخط کا طغرا لفظ کتبہ سے آخر تک وہی ہے -

---

۱ھ دیکھو سجل اول میں

جو سجل اول میں ہے اور ترجمہ بھی وہی - شروع میں بخط طغرا (اقر بما فیہ) جس کا ترجمہ ہے جو کچھ اس میں لکھا ہے اس کا اقرار کیا پھر اس طغرے کے نیچے میں یہ دستخط ہیں محمد بن رکن بن حسن بن شمس الادیب النائب العقبہ بلگرام - کتبہ خانؒ بن عبدالکافی بن یوسف بن شمس الادیب بخط -

واضح ہو کہ گواہان مذکورالصدر میں پہلے گواہ ملقب فضل اللہ بن علاء حسینی کے جملۂ شہد علی سجل الحاکم) سے ثابت ہو کہ قضات عثمانی کی حکومت قدیم سے مسلمہ چلی آتی ہے -

یہ سجل محمد حیات بن عبدالجلیل احفاد شیخ معانی پیرزادہ نواسہ خاندان بوسریان کے گھر سے نکلا

چہارم - سجل بادعوی بابت زمین مندرجہ سجل سوم مذکور نوشتہ بھیکن بن بھولن بن عمر شہ بوسری اصالتاً منجانب خود و وکالتاً منجانب والدۂ خود مسماۃ بی بی نور ملکہ بنت امیر عین بن اختیار بوسری بحق خال "ماموں" خود امیر ادہویں بن امیر عین تاریخ ذی الحجہ ۸۷۶ھ آٹھ سو چھتر ہجری مطابق ۱۴۷۰ء ایک ہزار چار سو اکہتر عیسوی کا لکھا ہوا ہے گواہان متن مولانا الہداد بن مولانا امیر احمد ملتانی ابھن بن امیر بھولن بن عمر شہ مذکور - دستخط بھیکن بن بھولن بخطہ - علامت دستخط بی بی نور ملکہ موکلۂ مقر مذکور گواہان حاشیہ بندہ ہیبۃ اللہ عبدالملک غزنوی - محمد باہر و حسینی - زیرک بن سالار حسین - محمود محمد سراج - خوجی بن سالار حسین - بدرالدین محمود شریف سید داران - سعد اللہ شریف - سالار عبدالرحمن عظیم شریف - شیخ سعد جلال - حسام الدین بن محمود علاء شریف محی محمد بدلے شریف - کمال رکن - اس کے نیچے آپ کے دستخط کا طغرا لفظ کتبہ سے آخر تک وہی ہے جو سجل اول میں ہے اور ترجمہ بھی وہی ہے شروع میں (اقر بما فیہ) بخط طغرا ہی جس کا ترجمہ یہ ہے (جو کچھ اس میں لکھا ہے اس کا اقرار کیا) پھر اس طغرے کے نیچے یہ دستخط بخط طغری ہیں - وکذالک کان فی دیوان القضا رکتبہ محمدبن[۱] رکن بن حسین بن شمس الادیب

---

[۱] - آپ قاضی صاحب موصوف کے سگے بڑے بھائی ہیں شجرہ نمبر ا ملاحظہ ہو [۲] دیکھو سجل اول

النائب بقصبہ بلگرام کتبہ علاء[۱] بن رکن بن حسن بن قاضی شمس الدین بخط۔ کتبہ براقرار وکیل موکل مذکور خان[۲] بن عبد الکافی بن یوسف بن شمس ادیب بخط۔ گواہ شد کتبہ قاضی محبوب[۳] بن قاضی محمود بن عبد الکافی باذنہ وحضورہ۔

یہ سجل بھی انہیں محمد حیات کے گھر سے نکلا جن کے یہاں سجل سوم مذکور تھا۔

پنجم بعنایۂ قطعہ زمین زرعی سواد قصبہ بلگرام جانب شرق مشہور بہ دان جوکا ندل تعدادی تین بیگہ سات بسوہ نوشتۂ حسن بن وجیہ الدین بن حسام الدین بنام ملک بازید من احفاد ملک ہادی ترمزی جنکا ذکر قاضی محمد یوسف گازرونی کے حال میں اوپر ہوا۔ لعوض مبلغ بیس سکہ رائج اور پانچ جیتل کے غرہ ماہ جمادی الاولی ۸۸۳ھ آٹھ سو تراسی ہجری مطابق ۱۴۷۸ء ایکہزار چار سو اٹھتر عیسوی کا لکھا ہوا ہے۔ گواہان متن بڈھن محمود بن خواجہ محمد۔ بدر بن جلال بن علاء بلکٹا۔ دستخط مقر مذکور حسن وجیہ بن حسام بخط۔ گواہان حاشیہ۔ جلال بن طاہر بن تاج بن حسینی۔ اللہ دے[۴] بن محمود بن عبد الکافی بخط۔ علاء محمد فضل حسام۔ سعد اللہ بن بڈھن جلال ابراہیم الحسینی۔ نصیر محمد علاء جمال ابراہیم الحسینی۔ اس کے نیچے آپ کے دستخط کا طغرا وہی ہے۔ جو سجل سوم میں مذکور ہوا۔

یہ سجل ملک عبد اللطیف کے گھر سے نکلا جو ملک بازید مشتری مذکور کی اولاد میں تھے اُن سے قاضی احمد اللہ عثمانی نے لیکر دفتر قضا میں محفوظ رکھا۔

واضح ہو کہ منجملہ سجلات مذکور الصدر کے سجل اول وچہارم وپنجم کا ذکر قاضی احمد اللہ عثمانی نے رسالہ سجلات میں کیا ہے۔ اور شیخ غلام حسن شہیں فرشوری نے سجل اول وسوم وچہارم وپنجم کی نقل شرائف عثمانی میں کی ہے۔ اور میر نوازش علی رضوی ساکن محلہ ملکنڈھ نے سجل چہارم اصل کو اپنی انکھوں سے دیکھکر تذکرۃ الکرام میں اس کی تصدیق کی ہے جیسا کہ باب دوم

---

[۱] قاضی صاحب موصوف کے چچیرے اور محمد مذکور کے سگے بھائی ہیں شجرہ ۱ ملاحظہ ہو۔

[۲] دیکھو سجل سوم میں

[۳] قاضی صاحب موصوف کے بیٹے ہیں شجرہ ۱ ملاحظہ ہو۔

[۴] قاضی صاحب موصوف کے چچیرے بھائی اور محمد مذکور کے سگے بھائی ہیں۔ شجرہ ۱ ملاحظہ ہو

پہلی فصل میں اوپر ذکر ہوا۔

واقعات اور کاغذات قدیم سے پیدائش آپکی آٹھویں صدی ہجری مطابق چودھویں صدی عیسوی کے ربع چہارم عہد سلطان فیروز بن سالار رجب میں اور وفات نویں صدی ہجری مطابق پندرھویں صدی عیسوی کے ربع چہارم عہد سلطان بہلول لودھی میں اور عمر قریب سو برس کے معلوم ہوتی ہے وفات کی تاریخ اور مہینا چودھویں ربیع الاول ہے مزار آپ کا حضرت قاضی محمد یوسف گارزونی اور اپنے والد کے مرقد کے پاس میدان بیل میں ہے۔

بندگی قاضی عبدالدایم عرف دادے ایم قدس سرہٗ۔

آپ کی کنیت ابوالعالم۔ قاضی محمود الہداد مذکور کے خلف الصدق عالم متبحر مجمع فضائل وحسنات ماہر علوم ظاہری اور کاشف رموز باطنی تھے۔ اکثر خوارق عادات وکرامات آپ سے ظاہر ہوتے تھے اپنے والد کی عمر چالیس سال سے متجاوز ہوجانیکے بعد حضرت مخدوم شاہ اخی جمشید راجگیری قدس سرہٗ کی دعا سے بعنایت ایزدی پیدا ہوئے جیساکہ اوپر اُن کے حال میں ذکر ہوا آپ شکم مادر میں تھے تو مخدوم صاحب نے آپکے والد سے فرمایا تھا کہ جب لڑکا پیدا ہو تو بارہ برس کی عمر تک تم اُس کو اپنی آنکھ سے ہرگز نہ دیکھنا مگر اس عرصہ میں اس کی پرورش کا انتظام اور خبرگیری بخوبی رکھنا اور جب بارہ برس کا ہو تو مجھے مطلع کرنا میں خود بلگرام میں آکے کچھ اعمال متبرکہ کروں گا۔ یہ لڑکا میں نے خدا سے مانگ کے تم کو بخشا ہے یگانہ روزگار ہوگا اور اُس کی پشت سے اولاد کثیر ظہور میں آئیگی۔ چنانچہ جب آپ تولد ہوئے تو پدر بزرگوار نے مع والدہ ودایہ اور چند خادموں کے اپنے آبائی موضع پسنیڈا خریدکردہ قاضی محمد یوسف ثانی "جس کے بیعنامے کا ذکر قاضی شمس الدین کے حال میں اوپر ہوا اور جو بلگرام سے جانب شمال ہردوئی کے رستے میں دوکوس کے فاصلے پر واقع ہے" میں بھجدیا اور جو حویلی موضع مذکور میں خود بنوائی تھی اُس میں سکونت پذیر کروادیا۔ اور اُس موضع کے زمیندار جنوار راجپوتوں کو مراعات وانعامات کا امیدوار

کر کے فرزند وغیرہ کی نگہبانی کی بہت تاکید کی ۔ موازی بیس بیگہ زمین اسی وقت زمینداروں
کو انعام فرما کے اُن سے کہا کہ جب یہ لڑکا بارہ برس کا ہو جائے گا اور اس کو بلگرام
میں اپنے گھر ہم لیجائینگے تو بہت کچھ سلوک تمہارے ساتھ کریں گے ۔ پس زمینداران موضع
مذکور علی الخصوص مسمی چیندا عرف چندی جان و دل سے خدمت گذاری میں مصروف ہوگئے
مشہور ہے کہ اس والا گوہر کے قدوم میمنت لزوم سے چندی زمیندار کی کھیتی اور مویشی
میں ایسی برکت ہوئی کہ چند ہی سال میں بہت مالدار ہو گیا ۔ جب آپکی عمر قریب پانچ برس کی
ہوئی تو رسم ختنہ ادا ہوئی اور ایک لائق و قابل معلم اُسی موضع میں آپکی تعلیم کے لیے
مقرر کیا گیا وہ قرآن حفظ کرواتا تھا اور حدیث وفقہ وغیرہ کی بھی تعلیم دیتا تھا علم
صرف و نحو بالترتیب اوّل سے آخر تک پڑھایا ۔ آپکی عمر قریب دس برس کے پہنچی تھی ایک روز موضع
مذکور کے لوگ بتوں کی پرستش کے لیے گئے تھے اسوجہ سے دو ایک دن چندی حاضر نہو سکا
جب آیا تو آپ نے پوچھا کہ تم کہاں رہے اس نے عرض کی کہ پوجا کے لیے گیا تھا ۔ آپ نے
فرمایا کہ میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں اگر قبول کرو گے تو بہتر ورنہ مجھے تم سے کوئی
مطلب غرض نہیں بلکہ ملاقات بھی نکروں گا ۔ یہ کہکر قسم کھائی کہ جبتک تم مسلمان نہو گے میں
کھانا نہ کھاؤں گا ۔ اُس نے تامل کیا اور آپنے دو روز مطلق کچھ نہ کھایا ۔ بالآخر کچھ سوچ سمجھکے
زمیندار مذکور نے مع اپنے اہل و عیال اور بھائیوں کے کلمہ شہادت پڑھ کے خوشی سے
اسلام قبول کیا ۔ آپنے اُنکو دین کی تلقین کرکے نماز وغیرہ کے احکام بتائے ۔ اسی وقت
سے موضع مذکور کے زمیندار مسلمان ہوئے ہیں آپ کے لیل و نہار اُس کم سنی میں تحصیل
علم اور نماز و عبادات میں گزرتے تھے ۔ جب بارہ برس کی عمر ہوئی تو آپ کے والد نے حضرت مخدوم
شاہ اخی جمشید مذکور کو مطلع کیا انہوں نے بلگرام میں تشریف لا کر آپکو موضع مذکور سے بلوایا پہ بزرگوں نے رسوم شادی کتخدائی کے طریقہ سے
تعصبہ میں جمع وعدے زمینداروں وغیرہ سے کئے تھے سب وفا کیے ۔ حضرت مخدوم صاحب نے اپنے دست مبارک
سے دستار قضا آپ کے سر پر باندھی اور دعا دی کہ جو تیرا یا تیرے فرزندوں کا دشمن
ہو جوان مرجائے یا خانہ خراب ہو ۔ یا کوڑھی ہو ۔ صاحب شرائف عثمانی لکھتے ہیں کہ الحق
میں نے اپنے وقت میں تین چار آدمیوں کو دیکھا کہ امر قضا کا ارادہ کیا اُن میں سے ایک جوان مرا

دوسرا اندھا اور خانہ خراب ہوا۔ ایک کوڑھی ہوا۔ اور ایک شخص رحم علی نامی موضع نیول کا باشندہ جو قصبہ بانگرمئو کے قریب ہی قاضی محمد احسان اللہ سلمہ اللہ تعالےٰ کے خلاف کسی فریب سے پروانہ تھا اپنے نام لکھوالایا تھا اور نواب ابوالمنصور خاں بہادر ناظم صوبہ اودھ نے اس کو منظور نکیا آخر اُس کا خاندان ایسا برباد ہوا کہ کوئی باقی نہ رہا۔

المختصر حضرت مخدوم کے فرمانے کے بموجب سیدالسادات سید محمود ذ ھبھے کی دختر مسماۃ بی بی شاہو کے ساتھ نسبت قرار پائی شادی کے روز چندا عرف چندنی زمیندار مذکور نے حاضر ہو کر عرض کی کہ بچپنے سے میں نے ان کی خدمت کی ہے۔ امیدوار ہوں کہ آج شادی کے دن میرا ایک جوڑا قبول کر کے نوشاہ کو پہنایا جائے۔ حضرت مخدوم نے فوراً فرمایا کہ مبارک ہے۔ اُس نے جوڑا سفید مع پگڑی کے حاضر کیا۔ حضرت مخدوم نے وہی پگڑی سر پر باندھ کے فرمایا مبارکباد۔ جب سے یہ رسم آپ کے فرزندوں میں اب تک جاری ہے کہ نکاح کے وقت سفید پگڑی گو منقشی ہو نوشاہ کے سر پر باندھی جاتی ہے اس کو مبارک اور میمون جانتے ہیں۔

آپ آغاز شباب ہی میں اپنے پدر بزرگوار کے حین حیات مسند حکومت وقضا پر متمکن ہوئے اور بڑی قابلیت سے اپنے امور متعلقہ کو انجام دیتے رہے اور تہذیباً و انکساراً سجلوں کے دستخطوں میں تو اپنے نام کے آگے مجبوراً "حاکم بلگرام" لکھدیتے تھے باقی تحریروں میں "الراجی الی رحمۃ العلام عبدالدائم بن الہداد قاضی بلگرام" ترجمہ خدا کی رحمت کا امیدوار عبدالدائم الہداد کا بیٹا بلگرام کا قاضی۔ تحریر فرماتے تھے۔ جب حضرت اجمیر کی زیارت کے سبب تشریف لے گئے تو امور قضا اپنے پدر بزرگوار کے متعلق کر گئے اُس وقت کے سجلات پر آپ کے والد کے دستخط ہوئے۔

بلگرام میں آپکی سکونت اور دارالعدالت قلعۂ راجہ سری "اوپر کوٹ" آپ کے غلام بہت سے تھے اُن میں سے بعض آپکی خدمت میں رہکر پڑھ لکھ گئے۔ ہر ایک کو قلعے کے نیچے زمین دیکر گھر بنوا دیے تھے۔ وہ زمین چیری پورہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ دو غلام خواجہ عماد الدین قدس سرہٗ کی درگاہ کی مجاوری کے واسطے آزاد کر کے درگاہ کے متصل اُن کے رہنے

کو زمین ہبہ کردی جس کا مفصل ذکر باب اول کی دوسری فصل خواجہ صاحب مذکور کے حال میں ہو چکا ہے۔

قاضی محمد یوسف ثانی نے محلہ سلہڑا میں نو بیگہ سولہ بسوہ زمین اپنے جدی باغ میں سی جلاہوں کو دیدی تھی جس کا ذکر اُن کے حال میں اوپر ہوا وہ آپ نے اُن جلاہوں کی اولاد سے خرید کے اُس پر باغ لگایا اور اپنے جد قاضی محمد شمس الدین کے چبوترۂ مزار کے پاس اُسی باغ میں پختہ اندارا بنوایا جس کا ذکر قاضی محمد شمس الدین کے حال میں اوپر ہوا۔

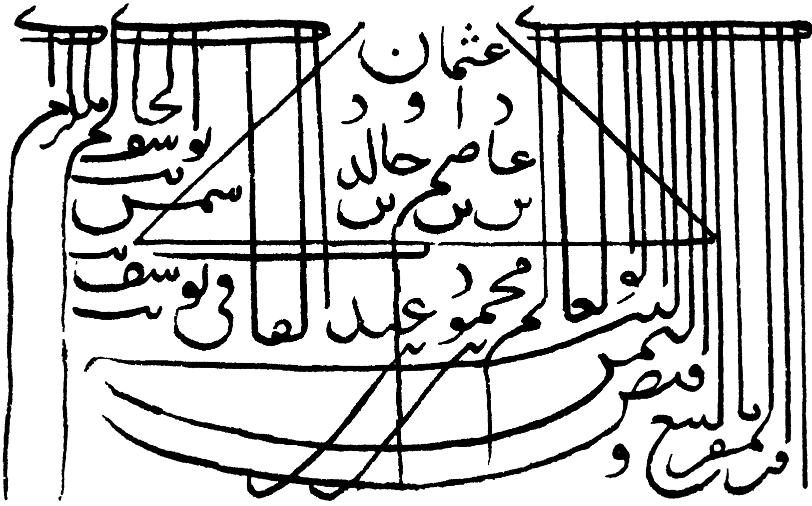
چند بیگہ زمین محلہ سلہڑے کے متصل گورغریباں کے لیے وقف کی اور تیس بیگہ چند بسوہ زمین سید عبدالاحد کلاں کو ہبہ کی جس پر سرائے اور کچھ پختہ حویلیاں میر موصوف نے بنوائیں۔

جب سید محمد دائم ترمزی ہجد سادات داعی پور کے ساتھ آپکی دختر کی نسبت کی گفتگو ہوئی تو آپنے فرمایا کہ اگر بلگرام کی سکونت سید موصوف اختیار کریں تو میں ایک قطعہ زمین اُنکو ہبہ کردونگا جس پر دو تین حویلیاں اور کچھ رعایا کے مکانات ہیں۔ یہ منظور ہو تو شادی ہوگی ورنہ نہیں سید مذکور نے منظور کیا۔ چنانچہ آپ نے بائیں قلعہ گوشۂ جنوب و غرب میں تھوڑے فاصلے پر زمین جو کسی قدر بلند اور ٹیکرا کے نام سے موسوم تھی سید مذکور کو ہبہ کردی۔ وہاں جو آبادی سادات ترمزی اولاد سید محمد دائم مذکور کی ہوئی وہ محلہ ٹیکرا مشہور ہوا جو اب کثرت استعمال عوام سے ٹکرا ہو گیا۔

آپ اپنے دستخط میں صرف اپنی کنیت "ابو العالم" لکھتے تھے۔ منجملہ آپ کے دستخطی سجلوں کے مفصلہ ذیل سجل بہم پہنچے۔

اول دو قطعہ زمین کا بیعنامہ۔ ایک قطعہ زمین زرعی سواد قصبہ بلگرام جانب شرق موسومہ جوکا ندل تعدادی سات بیگہ نو بسوہ پانچ بسوانسہ۔ اور دوسرا قطعہ خراجی متصل قطعۂ مذکور تعدادی سولہ بسوہ ایک بسوانسہ۔ دونوں قطعہ تعدادی آٹھ بیگہ دو بسوہ چھ بسوانسہ نوشتہ بھکیا بن بوجن بن فرید بنام ملک بازید بعوض مبلغ چون سکہ رائج اور ستائیس جیتل۔ تاریخ پانچویں ماہ ذیقعدہ ۸۸۰ھ آٹھ سو اسی ہجری مطابق ۱۴۷۶ء ایکہزار چار سو چھہتر عیسوی کا لکھا ہوا ہے۔ گواہان ملکیت منہان بن سلطان عمر اور خطیر بن تاج بن معین۔ اس کے نیچے آپ کے دستخط کا

یہ طغرا ہے



عبارت طغرا۔ اقرالمقر بالبیع وقبض الثمن کتبہ ابوالعالم بن محمود بن عبدالکافی بن یوسف بن شمس بن یوسف بن عاصم بن خالد بن داؤد عثمان الحاکم بلگرام - ترجمہ - اقرار کرنے والے نے بیچنے اور قیمت کو مٹھی میں لینے کا اقرار کیا - لکھا اسکو داؤد عثمان کے بیٹے خالد۔ خالد کے بیٹے عاصم - عاصم کے بیٹے یوسف - یوسف کے بیٹے شمس - شمس کے بیٹے یوسف یوسف کے بیٹے عبدالکافی - عبدالکافی کے بیٹے محمود۔ محمود کے بیٹے ابوالعالم "قاضی عبدالدائم" بلگرام کے حاکم نے۔

یہ سجل ملک عبداللطیف کے گھر سے نکلا جو ملک بازید مشتری مذکور کی اولاد میں تھے اُن سے قاضی احمد اللہ عثمانی نے نقل کیا بعدہٗ اصل سجل شیخ محمد حسین بن نور محمد بن شیخ محمد نواسہ ملک دانیال بن ملک فتح اللہ عرف ملک بیجے بن ملک علاء الدین ابنائے ملک بازید مشتری مذکور سے محکمہ قضا میں پہنچا۔

دوم - بعینامہ قطعہ زمین زرعی سواد قصبہ بلگرام جانب جنوب منسوب بجند بہ تعدادی سات بیگہ اٹھارہ بسوہ نوشتہ بلدبن محمد بن فرید بن شیخن شریف دکالتاً منجانب والدہ خود مسماۃ بی بی فخر بنت مین

بن اختیار بوسری بنام ملک بایزید بعوض مبلغ اکتالیس سکہ رائج اور پانچ جیتل کے جو مسماۃ مذکور کو اپنے شوہر متوفی کے ترکے سے مہر کے عوض میں ملا - یہ بیعنامہ تاریخ گیارہویں ماہ ربیع الاول صحیح آٹھ سو بیاسی ہجری مطابق ۱۴۷۷ء ایک ہزار چار سو ستتر عیسوی کا لکھا ہوا ہے - گواہاں وکالت وکیل مذکور فیروز بن محمد بن فرید بن شیخن شریف مذکور - اور گواہان ثبوت ملکیت ابوطالب بن سعد اللہ بن فرید بن شیخن شریف مذکور - سعد اللہ بن فرید مذکور - اس کے نیچے آپ کے دستخط کا وہی طغرا ہے جو سجل اوّل میں لکھا گیا - اور اُسکے ملنے کی بھی وہی صورت ہے جو سجل اول کی مذکور ہوئی -

سوم بیعنامہ زمین تعدادی بیس بسوہ موضع بھانی اعمال قصبہ بلگرام جواب بیہریا کے نام سے مشہور ہے نوشتہ ملک احسن وکالتاً منجانب مادر خود مسماۃ بی بی جہاں منکوحۂ ملک عبداللہ ترمزی " جو مسماۃ مذکور کو مہر میں ملا " بنام ملک پیارے بن ملک چندن بن ملک بایزید بعوض مبلغ دوسو روپیہ تاریخ دوسری ماہ صفر ۹۰۴ھ نو سو چار ہجری مطابق ۱۴۹۸ء ایکہزار چار سو اٹھانوے عیسوی کا لکھا ہوا ہے - گواہان وکالت وثبوت ملکیت ملک حسین بن ملک حاجی - افغان خوندی صحاب سالار سلطان - اس کے نیچے آپکے دستخط کا وہی طغرا ہے جو سجل اوّل میں لکھا گیا ہے -

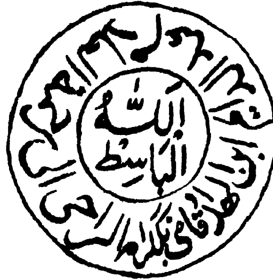
یہ سجل بھی محمد حسین بن نور محمد بن شیخ محمد نواسۂ خاندان ملک پیارے مشتری مذکور کے ذریعہ سے محکمہ قضا میں پہنچا -

واضح ہو کہ بیس بسوے معیۂ مذکور ملک حاجی پدر ملک حسین گواہ مذکور الصدر مورث شوہر بایعہ کے تھے جو مورث مذکور نے جلاہوں سے بذریعہ بیعنامہ محررہ تاریخ دہم ماہ جمادی الآخر ۸۷۶ھ آٹھ سو ستتر ہجری مطابق ۱۴۷۲ء ایکہزار چار سو بہتر عیسوی خرید کئے تھے اس بیعنامہ کا حوالہ بیعنامہ مذکور الصدر میں ہے اور وہ (مسجل بسجل قاضی محمد محمود حاکم مرحوم) لکھا ہے - اس سے بھی قضات عثمانی کی حکومت کا قدیم سے مسلمہ ہونا ثابت ہے -

منجملہ سجلات مذکور کے سجل اول و دوم کی پوری نقل صاحب شرائف عثمانی نے اپنی کتاب میں کی ہے اور تین سجلوں کے صرف سنہ تحریر لکھدیے ہیں ۱ سجل ۸۷۶ھ آٹھ سو ستتر ہجری ۲ سجل ۹۰۱ھ نو سو ایک ہجری ۳ سجل ۹۱۱ھ نو سو گیارہ ہجری - رسالہ سجلات فی تاریخ

القضات میں بھی انہیں تین سجلوں کے سنہ تحریر صرف لکھے ہیں۔

صاحب شرائف عثمانی نے لکھا ہے کہ آپ نے عہد آخر میں مہر بھی کندہ کروائی بعد اُس کے سجلوں کے نیچے دستخط کے ساتھ مہر بھی ثبت فرماتے تھے۔ شہر میں اکثر کاغذوں کے نیچے راقم الحروف نے مہر اور دستخط طغرا اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ اسوقت سے حضرت قاضی حاکم نوراللہ مرقدہٗ "قاضی محمد یوسف گارزونی" کی اولاد میں مہر بھی جاری ہوئی ورنہ قضات سالقین فقط طغرا لحفظ ولایت اپنے آبائی کرام کے ناموں سمیت سجلوں کے نیچے تحریر فرماتے تھے انھی مہر کی نقل یہ ہے۔



واضح ہو کہ آپکی حکومت مثل اپنے پدر بزرگوار کے آخر عہد حسین شاہ شرقی پسر خرد محمود شاہ شرقی تک سلطنت جونپور کی ماتحتی میں رہی۔ جب حسین شاہ موصوف نے سلطان بہلول لودھی سے شکست کھائی تو اودھ پھر حدود مملکت جونپور سے نکل کر سلطنت دہلی کے متعلق ہوگیا اور اسی ضمن میں بلگرام کی حکومت بھی دوبارہ سلطنت دہلی کی ماتحتی میں آگئی۔

۔بعد اُس کے دہلی کی سلطنت خاندان مغلیہ کے ہاتھ آئی ظہیرالدین محمد بابر نے اس کو فتح کیا اور اگلے انتظام سلطنت کو بدل کر اپنے قلمرو کی ماتحت حکومتیں بھی خاص اپنے ہی قبضے اور انتظام میں رکھیں۔ اُس وقت سے صرف عہدہ قضامع چند اختیارات حکومت آپ کے متعلق رہگیا۔ جبھی مہر کندہ کروائی اور اُس میں نام کے ساتھ صرف وہی الفاظ رکھے جو علاوہ دستخط سجلات کے اور تحریروں میں لکھا کرتے تھے۔

اور حاکم بلگرام کی جگہ صرف حاکم کا لفظ طغرے میں رہ گیا جس سے مراد حاکم شرع ہے۔

آخر آپ بابرشاہ کے حضور میں پہنچے موضع اودھ پور پرگنہ سانڈی اور موازی ڈھائی سو بیگہ زمین "جو قصبۂ مذکور کے سواد میں سابق سے آپکے متعلق تھی" کی بابت فرمان حاصل کیا نقل اُس کی یہ ہے۔

نقل فرمان بابرشاہ دیوانیان برادر اعزاکرم ارشد کامگار منظور نظر النظار افریدگار الممدوح بلسان العبد والہ محمد سلطان بہادر بوفور عواطف پادشاہی مشرف گشتہ بدانند کہ قاضی عبدالدائم ولد اللہ داد بدرگاہ عالم پناہ آمد و بعد از ادائے وظائف وثناگستری اظہار فضیلت خود نمودہ بہ ذروۂ عرض رسانید کہ موضع اودھ پور از پرگنہ حویلی اعمال قصبہ فتحپور ساندی کہ جمع آں زمین مبلغ ہشت صد تنکہ سیاہ است و دو صد و پنجاہ بیگہ در سواد قصبہ مذکور بموجب احکام حکام سابق متعلق با و بود دریں ولا التماس امضا نمودہ آنجا زا بالملتمسہ فرمان جہاں مطاع واجب الاتباع شرف نفاذ یافتہ کہ بدستور سابق تعلق بمشار الیہ داشتہ باشند تا حاصل آن را گرفتہ در وجہ مدد معاش خود صرف نماید مے باید کہ بدیں موجب مقرر دانستہ موضع مذکور و آں زمین باو مسلم دارد و بجہت یا بوجہات و اخراجات مزاحم و متعرض نگردد و دہونکہ و سالی یا پی ئی مطالبت نہ نماید و رعایت احوال او لازم داند کہ کسے او را نجش نرساند تحریراً فی التاریخ الثامن شہر ربیع الاول سنہ اربع و ثلاثین و تسعمائۃ۔ ترجمہ۔ بندے کی زبان سے تعریف کیے ہوئے اور برگزیدہ۔ خدا کے منظور نظر بڑے ہدایت پائے ہوئے مقصدور۔ بزرگ تر عزیز تر بھائی محمد سلطان بہادر کے اہل دارالعدالت بادشاہی مہربانیوں کی کثرت سے مشرف ہوکر جانیں کہ الہداد کے بیٹے قاضی عبدالدائم نے دنیا کو پناہ دینے والی درگاہ میں مقررہ تعریفوں کے بعد اپنی فضیلت کا اظہار کرکے عرض کی کہ قصبہ فتحپور سانڈی کے آس پاس کے پرگنوں میں سے موضع اودھ پور جسکی آمدنی مبلغ آٹھ سو سکہ رائج ظاہر ہے اور ڈھائی سو بیگہ قصبہ مذکور کے اطراف میں احکام سابق کے حکموں کے بموجب اُس کے متعلق تھے۔ اب اُس کے اجراء کا حکم دینے کے لیے التماس کی۔ عرض کے بموجب مطلب پورا کرنے کے طور پر فرمان "جس کی مطابعت واجب ہے اور دنیا اس کی تابع ہے" جاری ہوا کہ بدستور سابق مشارٌ الیہ۔

قاضی عبدالدائم کے متعلق رہے تاکہ اُس کے حاملات کو لیکر اپنے ذرائع لبہ اوقات کی مدد میں صرف کرے۔ چاہیئے کہ اس سبب سے مقررِ حکام کے موضع مذکور اور وہ زمین اُس کے سپرد ہو اور کسی قسم کے اخراجات اور آمدنی میں روک ٹوک نہ کیجائے۔ دہونکہ۔ سالی۔ پایبائی کا مطالبہ نہ کیاجائے اور اُس کے ساتھ رعایت لازم جانیں کہ کوئی اسکو تکلیف نہ پہنچائے۔ ماہ ربیع اللہ کی آٹھویں تاریخ سنہ ۹۳۴ء نوسو چونتیس ہجری" میں لکھا گیا۔

اس فرمان کی عبارت سے آپ کے بزرگوں کی ملکیت قصبہ سانڈی میں بھی قدیم سے معلوم ہوتی ہے جس کی روسے بابر شاہ نے بدستور سابق موضع و زمین منذکرہ بالا فرمان آپ کو مرحمت فرمائی اور صاحب شرالف عثمانی نے جو قاضی محمد یوسف گارزونی کی نسبت ان کی حکومت کالپی اور فتحپور سانڈی میں بھی متحقق ہونا تحریر کیا ہے منجملہ اُس کے سانڈی کی حکومت کا پتہ فرمان مذکور کے مضمون سے بھی لکھا ہے۔ قصبہ سانڈی میں اولاد گنج اُسی زمین پر واقع ہے جو فرمان میں درج ہے۔

آپ نے موضع شرف الدین پور کے بیس بسوے مع مزروعہ شیخن پور پرگنہ بلگرام بدفعات بی شکر بنت سالار تہار دین سالار حیا منکوحہ سالار سلیمان بن سالار یوسف بن سالار عجیب بہ شیر سے خرید کیے اور موضع اکبر پور عرف خانجہاں پور و بہاری پور عرف خیر اللہ پور کو بھی خرید کیا موضع شرف الدین پور کا بیعنامہ آپ کے نام پندرھویں تاریخ ماہ محرم سنہ ۹۳۸ ہجری مطابق سنہ ۱۵۳۱ء ایکہزار پانچسو اکتیس عیسوی کا لکھا ہوا ہے۔

صاحب شرالف عثمانی کی تحریر سے مفہوم ہوتا ہے کہ پائیں حصار اس خاندان کی عمارتوں سے لیکر طول و بسط میں تا لب جوئی کلیانی ڈیڑھ کوس تک املاک قاضی آبا و اجداد سے بدستور آپ کے قبضہ میں آئی۔ چنانچہ سوا د قصبہ میں چند قلیچے پختہ کہ وہاں رعایا آباد ہیں اور تقریباً چالیس پچاس باغ اور بیس اندارے پختہ اور گنبد اور روضے اور مسجدیں وغیرہ آپ نے اور آپکی اولاد نے محلہ قاضی پورہ کے قریب تعمیر کیے۔

آپ بڑے درویش کامل عالم و فاضل بزرگ تھے۔ خدمت قضا تو خاص آپ

کے متعلق تھی ہی علاوہ اس کے خلافت رشد و ارشاد بھی تھی اور طریقہ درس و تدریس بھی جاری رکھتے تھے آپ کے تین فرزند قاضی ابوالفتح عرف قاضی کمال ۔ قاضی بازید المشہور بہ بزرودی وان اور شیخ عبدالحیٔ دانشمند صاحب علم و عمل تھے ۔ اس لیے اپنی زندگی میں آپ نے خلافت قضا قاضی کمال کو اور خلافت درس و تدریس قاضی بازید کو اور خلافت مشیخت شیخ عبدالحیٔ کو مرحمت فرمائی ۔ اور اس لحاظ سے فرزند اول کو قاضی اور دوم کو ملا اور سوم کو شیخ کے خطاب سے سرفراز فرمایا ۔ اسوقت سے آپکی اولاد میں تین فرقے یعنی قاضی و ملا و شیخ ہو گئے ۔ چنانچہ اس امر کی تفصیل کو آپ کے فرزند اول قاضی کمال نے یوں نظم فرمایا ہے ۔

نظم

فاتح باب معانی شیخ عبدالدائم است — کاشف راز نہانی شیخ عبدالدائم است

آنکہ در اولاد ذی النورین با علم و عمل — رہبر اہل معانی شیخ عبدالدائم است

قاضی احکام شرع و سالک سلک ورع — از جناب جد ثانی شیخ عبدالدائم است

بندگی مشہور شد اور لقب مخدوم نیز — در حقیقت قطب ثانی شیخ عبدالدائم است

من تراود از لب او بسکہ چوں گوہر سخن — شاہ ملک نکتہ دانی شیخ عبدالدائم است

طالبانش ایں سخن را در سرود آوردہ اند — نور شمع مہربانی شیخ عبدالدائم است

آنکہ بر زخم دل ہر طالب حق مے کند — نکتہ اش مرہم فشانی شیخ عبدالدائم است

بندہ را کو پیر و ہم استاد و ہم والد بود — اے برادر گر بدانی شیخ عبدالدائم است

آنکہ از فیض لسانش در میاں ہجدہ سال — شد ز علم کامرانی شیخ عبدالدائم است

آنکہ از تلقین و ارشادش مرا حاصل شدہ — گوہر بحر معانی شیخ عبدالدائم است

آنکہ احکام شریعت بندہ را تفویض کرد — سرور ملک امانی شیخ عبدالدائم است

پور ثانی شیخ بازید عالم الدہرش بداں — ایں چنیں فیض عیانی شیخ عبدالدائم است

نسبت عالی کہ ہست ایں پور را در ہر علوم — جملہ از فیض زبانی شیخ عبدالدائم است

وانکہ عبدالحیٔ و دانشمند شد و ز لقب — ایں ہم از لطف نہانی شیخ عبدالدائم است

صاحب سجّادہ وہم محتوی علم و فقر را — آن در از کانِ معانی شیخ عبدالدایم است
ہر سہ مارا کرد حکمے تا کنیم اجرائے آں — موجب آں شادمانی شیخ عبدالدائم است
ظلّ او ممدود بادا بر سر ما ہر یکے — زانکہ شاہ دوجہانی شیخ عبدالدائم است

مے ندانی ای کمال از نظم خود حد ادب
ایں جناب کیست دانی شیخ عبدالدائم است

واضح ہو کہ مصنف نظم مسطور الصدر عالم و فاضل تھے نہ کہ شاعر۔ اسوجہ سے محض حسب موزونی طبع بطرز عالمانہ بلا لحاظ نکات شاعری حال واقعی نظم کیا ہے۔

ترجمہ

ع۱ مطلبوں مرادوں کے دروازے اور چھپے ہوئے بھیدوں کے کھولنے والے شیخ عبدالدائم ہیں۔ ع۲ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اولاد میں اہل باطن کے عالم و عامل ہادی شیخ عبدالدائم ہیں ع۳ دوسرے دادا "حضرت قاضی محمد یوسف گازرونی" کی طرف سے شریعت کے حکموں کے قاضی اور پرہیزگاری کی راہ چلنے والے شیخ عبدالدائم ہیں ع۴ ان کا لقب بندگی اور مخدوم مشہور ہوا۔ حقیقت میں شیخ عبدالدائم دوسرے قطب ہیں ع۵ اُن کے لب سے موتی کے مانند الفاظ نکلتے ہیں۔ عقلمندی کے ملک کے بادشاہ شیخ عبدالدائم ہیں ع۶ ان کے طلبگار اس بات کو نغمے کے ساتھ کہا کرتے ہیں کہ شیخ عبدالدائم مہربانی کی شمع کی روشنی ہیں ع۷ جنکی پاکیزہ پوشیدہ بات خدا کے ہر طالب کے دل کے زخم پر مرہم لگاتی ہے وہ شیخ عبدالدائم ہیں ع۸ ای بھائی اگر تو جاننا چاہتا ہو کہ میرے پیر استاد اور باپ کون ہیں تو جان لے شیخ عبدالدائم ہیں ع۹ جنکی زبان کے فیض سے اٹھارہ برس میں مجھکو کامرانی حاصل ہوئی وہ شیخ عبدالدائم ہیں ع۱۰ جنکی تعلیم اور ہدایت سے مجھکو مطالب کے دریا کے موتی حاصل ہوے۔ وہ شیخ عبدالدائم ہیں ع۱۱ جنھوں نے شریعت کے احکام میرے سپرد کیے وہ امیدوں کے ملک کے سردار شیخ عبدالدائم ہیں ع۱۲ شیخ عبدالدائم کا ظاہری فیض اسطرح کا ہی کہ اُن کے دوسرے بیٹے شیخ بایزید زمانے کے عالم ہیں۔ ع۱۳ یہ جوان بیٹے شیخ

بازید کو ہر علم سے برتر لگاؤ ہی یہ سب شیخ عبدالدائم کی زبان کے فیض ہی سے ہے ۱۳ اور عبدالحی کا جو دانشمند لقب ہوا یہ بھی شیخ عبدالدائم کی پوشیدہ مہربانی سے ہے ۱۴ وہ صاحب سجادہ اور علم و فقر میں گھرے ہوئے "شیخ عبدالحیٔ" شیخ عبدالدائم کی مطالب کی کہاں کا موتی ہیں۔
۱۵ ہم تینوں "قاضی کمال - قاضی بازید - شیخ عبدالحیٔ کو حکم کیا تاکہ اسکو جاری کریں اس خوشی کا باعث شیخ عبدالدائم ہیں ۱۶ ہم ہر ایک کے سر پر ان کا سایہ دراز رہے اس لیے کہ دو جہان کے بادشاہ شیخ عبدالدائم ہیں۔ ۱۸ ای کمال اپنی نظم کی ذہن میں تجھکو تعظیم کی حد کا خیال نہیں تو جانتا ہے کہ یہ کسکی درگاہ ہے؟ شیخ عبدالدائم کی ہے۔

صاحب شرائف عثمانی لکھتے ہیں کہ آپ حسب موزونی طبع کبھی نظم کی طرف بھی متوجہ ہوتے تھے یہ دو تین شعر قاضی محمدؐ یوسف ثالث کے سفینے میں لکھے ہوئے ملے۔

نظم

دریا د تو ایم ہر کجا ئیم لطفے رحمے کہ بے نوائیم
بیگانہ چرا شوے تو از ما ما و تو قدیم آشنائیم
چوں پادشہی گدائی آمد
ہم پادشہیم و ہم گدائیم

پیدائش آپ کی واقعات و کاغذات قدیم سے نویں صدی ہجری مطابق پندرہویں صدی عیسوی کے ربع دوم عہد سلطان معزالدین ابوالفتح مبارک شاہ میں معلوم ہوتی ہے۔ تاریخ وفات نیّر شوری مولف شرائف عثمانی نے اپنی تصنیف یہ لکھی ہے

قطعہ تاریخ

آں صدرنشیں مسند آرائے قضا کاید صفتش نہ در دلیل و برہاں
خورشید سپہر فضل عبدالدائم قدوائی زمانہ شیخ آل عثماں
در نہصد و سی و ہفت رحلت فرمود تاریخ بگو محرم حرم عرفاں ۹۳۷ھ

مجکو ان سنین وفات کی صحت میں تامل ہے اس لیے کہ جب قاضی موصوف نے موضع شرف الدین پور بذریعہ بیعنامہ محررۂ تاریخ پانزدہم ماہ محرم ۹۳۸ھ نوسو اڑتیس ہجری خرید کیا جسکی نقل خود مصنف صاحب تاریخ نے اپنی کتاب شرائف عثمانی میں درج کی ہے تو پھر اس سن سے ایک سال قبل وفات ہونا کیا معنی - پس جب ۹۳۸ھ نوسو اڑتیس ہجری میں قاضی صاحب موصوف کا بقید حیات ہونا ثابت ہے تو ظاہر ہے کہ ان سنوں کے بعد کے کسی سن میں وفات واقع ہوئی - چنانچہ بعض تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ہمایوں شاہ ابن بابر شاہ حادثات ملک گیری میں مبتلا تھے اور شیر شاہ سوری نے موقع پاکر ہندوستان پر اپنی سلطنت قائم کر لی - بلگرام میں بھی ہمایوں سے سخت معرکہ ہوکر ہمایوں کو شکست ہوئی اور بلگرام کی امارت سلیم خاں کو سپرد ہوئی تو آپ اسوقت بقید حیات اور بدستور اپنے عہدے پر تھے اور سلیم خاں آپکی تعظیم و توقیر اور بزرگی کا بہت لحاظ رکھتے تھے - یہ سب واقعات ۹۴۸ھ نوسو اڑتالیس ہجری کے بعد کے کتب تواریخ سے ثابت ہیں - لہذا اس حساب سے جو تاریخ وفات آپکی صاحب شرائف عثمانی نے لکھی ہے اُس کے بعد کم سے کم دس بارہ سال اور آپ کی حیات معلوم ہوتی ہے واللہ اعلم - صرف وفات کی تاریخ اور مہینا نہم محرم الحرام نظر سے گذرا ہے -

آپ نے میدان بیل اور مزار قاضی محمد یوسف گازرونی کے متصل جانب جنوب ایک باغ لگایا تھا جس کے جانب غرب وہ شارع عام ہی جو قنوج کو گئی ہے - چونکہ اس باغ میں نہایت بلند تاڑ کے درخت تھے اور کچھ اب بھی باقی ہیں - اس لیے تاڑوالا باغ مشہور ہے اسی میں آپ کا مزار شریف ہے - آپ نے جو دو غلام مسمی عبداللہ و عبدالرحیم درگاہ خواجہ عمادالدین قدس سرہٗ کی خدمت مجاوری کے لیے آزاد کیے تھے جن کا ذکر مفصل پہلے باب کی دوسری فصل تحت حالات خواجہ عمادالدین قدس سرہٗ میں ہو چکا ہے - انہیں کی اولاد سے جو قلندر کے لقب سے مشہور ہیں آپکی درگاہ کی مجاوری بھی متعلق رہی جو کچھ چڑھاوا چادر اور زرنقد وغیرہ لوگ آپ کے مزار شریف پر چڑھاتے تھے وہ سب یہی قلندر مذکور لیا کرتے تھے

پہلے ہر پنجشنبہ کو بوقت شب مجلس مولود اور چراغاں ہوکر شرینی پر فاتحہ ہوا کرتا تھا
قاضی محمد سلیم کے وقت تک یہ طریقہ جاری رہا۔جب اون کو مبلغ چودہ ہزار
روپیہ لبسبب ضامنی مالگذاری براداران سادات محلہ سید واڑہ تاوان دینا
پڑے (جس کا ذکر مفصل اُن کے حال میں ہوگا) تو اُس وقت سے موقوف ہوگیا
آپکو خلافت رشد وارشاد بزرگوں سے پہنچی تھی اس کا ذکر مفصل آپ کے
فرزند سوم شیخ عبدالحئی دانشمند (جو آپ کے صاحب سجادہ تھے) کے حال میں ہوگا۔



قاضی مبارک محتسب

آپ علامہ قاضی عبدالکافی مذکور کے دوسرے بیٹے اور قاضی محمود الہداد مذکور کے بھائی تھے۔ مقام سکونت قلعہ راجہ سری "اوپر کوٹ" آپ کا کچھ حال نہیں ملا۔ شرائف عثمانی سے اتنا پتا لگا کہ محتسب تھے اور یہ عہدہ انہیں کے وقت سے ان کے خاندان میں آیا۔ آپ مثل صاحبان مسطور الصدر کے حاکم بلگرام نہ تھے۔ مگر چونکہ آپ کے پوتے عبدالصمد محتسب کے ذکر کے سوا آپ کے خاندان کے اور مشاہیر کا حال نہیں معلوم ہوا جو علیحدہ فصل اُن کے حالات کی قائم کیجاتی لہٰذا شجرہ نمبرا میں شامل ہونے کی وجہ سے آپکا اور آپ کے پوتے عبدالصمد محتسب کا ذکر اسی فصل میں کردیا گیا۔

عبدالصمد محتسب

آپ ہانس بن قاضی مبارک محتسب مذکور کے بیٹے تھے۔ خدمت احتساب آپ کے متعلق تھی مگر اُس کے انجام دینے میں کم توجہی کرتے تھے اس لیے آپ کے چچیرے بھائی قاضی کمال اُس کام میں مداخلت کرتے رہے آخر آپ کے اور قاضی کمال کے درمیان مناقشہ ہوا اس کا ذکر تیسری فصل میں آگے قاضی کمال کے حالات میں ہوگا اسی وقت سے آپ محلہ قاضی سے نکل کے محلہ ملکنڈہ کے متصل بازارکلاں کے ملحق سکونت پذیر ہوئے۔

شرائف عثمانی میں لکھا ہے کہ آپ عالم متبحر تھے۔ اکبر شاہ کا مہری فرمان احتساب مجددٗا[1] آپ کے نام ہی نقل اس کی یہ ہے (تحریرًا فی التاریخ ۲ سنہ حاکم وقضات اسلام

[1] معلوم ہوتا ہے کہ شرائف عثمانی کے مولف سے تاریخ فرمان ہذا نقل میں سہواً چھوٹ گئی

پرگنہ بلگرام بدانند زبانی عبدالصمد محتسب چناں بموقف عرض رسید کہ در پرگنہ مذکور شراب خانہ وبوزہ خانہ بودہ وہندوان انجا بعلانیہ بت پرستی میکردند ودر محل بت پرستی بعضی ازمسلمانان جمعیت مے نمودند وبمنع اہل شرع شریف ممنوع نمی شدند چوں دردین رواج شریعت غرا اہتمام تمام است بنابراں حکم فرمودیم کہ شراب خانہ وبوزہ خانہ وامثال آنہا در ہرجا باشد برطرف ساختہ مرتکبان مسکرات راتعذیب بہ بیع نمایند وہندوان پرگنہ مذکور را از بت پرستی منع نمودہ چناں کنند کہ اثار بدعت وضلالت درآں پرگنہ نماند ودر دفع مناہی کوشیدہ غایت سعی بظہور رسانندم

ترجمہ تاریخ تحریر ۱۰۰۲ھ "ایکہزار دوہجری" پرگنہ بلگرام کے مسلمان حاکم اور قاضی جانیں۔ عبدالصمد محتسب کی زبانی ایسا ظاہر ہوا کہ پرگنہ مذکور میں شراب خانہ اور کلواری تھی اور وہاں کے ہندو کھلم کھلا بت پرستی کرتے تھے اور بت پرستی کے موقع پر بعض مسلمان جمع ہوتے تھے اور اہل شرع کے منع کرنے سے مانتے نہیں تھے چونکہ دین میں روشن شریعت کے رواج کا پورا اہتمام ہے اس بناپر ہم نے حکم دیا کہ جہاں کہیں شرابخانہ اور کلواری وغیرہ ہو اُسے موقوف کرکے ایسا کریں کہ اُس پرگنے میں بدعت اور گمراہی کے آثار نہ رہیں اور ناجائز باتوں کے دفع کرنے میں کوشش کرکے نہایت سعی ظاہر کریں)

تیسری فصل شیوخ عثمانی کا شجرہ نمبر (۲) اور قضات عثمانی مندرجۂ شجرۂ نمبر (۲) کا ذکر

شجرہ نمبر (۲) شاخ شجرۂ نمبر (۱)

قاضی کمال بن بندگی قاضی عبدالدایم

ابوالمکارم | قاضی بھکاری | قاضی محمود | ابوالعلا قاضی بڑے لاولد مرے | قاضی محمد حافظ | قاضی عبدالصمد | قاضی سدن

قاضی قطب الدین | قاضی محمد یوسف ثالث | قاضی عبدالحی | شاہ عبدالکافی معروف بہ ناناکافی

قاضی صدرالدین | شیخ بدرالدین | شیخ علیم الدین لاولد

قاضی امجد | قاضی بدیع الدین عرف قاضی بڑے | وسیع الدین عرف منڈا

غلام محمد | غلام محی الدین | دختر

قاضی محمد فضیل | قاضی محمد سلیم لاولد | محمد واسع لاولد

دختر | حاجی غلام اخی | شیخ قدرت اللہ لاولد شہید ہوئے

قاضی محمد حافظ لاولد | قاضی محمد ناصر

حیات النبی لاولد | عبدالنبی لاولد | شیخ محمد لاولد

قاضی محمد احسان | قاضی محمد روشن

غلام محمد شیخ عرف بڑے میاں | قاضی احمد اللہ | محمد صدیق سخنور | شیخ اسد علی

شیخ علیم الدین عرف بھو میاں لاولد | شیخ عظیم الدین عرف محمد حافظ لاولد

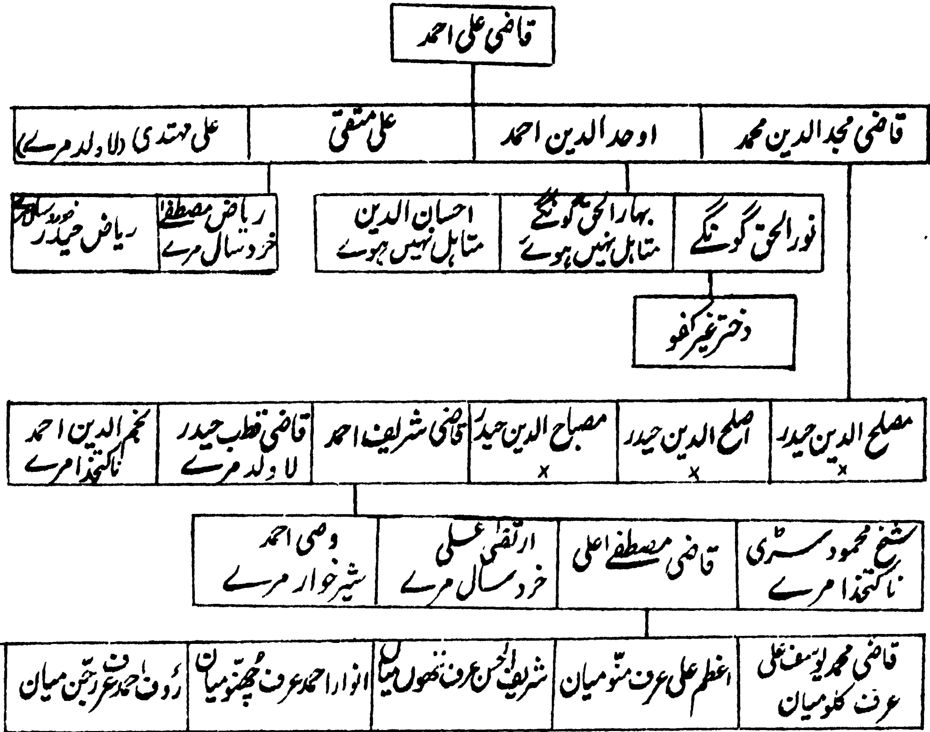
یار محمد | محمد فقیہ لاولد | دختر | حسن عسکری عرف محمد حسین | محمد واعظ

دختر | قاضی علی احمد | ابوالفتح | زین العابدین | محمد شمس الدین

ناصر علی

دختر

تکملہ


قاضی علی احمد
قاضی مجد الدین محمد
اوحد الدین احمد
علی متقی
علی مہتدی (لاولد مرے)
نور الحق گونگے
بہار الحق گونگے
متاہل نہیں ہوئے
احسان الدین
متاہل نہیں ہوئے
ریاض مصطفےٰ
خردسال مرے
ریاض حیدر
دختر غیر کفو
مصلح الدین حیدر
اصلح الدین حیدر
مصباح الدین حیدر
قاضی شریف احمد
قاضی قطب حیدر
لاولد مرے
نجم الدین احمد
ناکتخدا مرے
شیخ محمود سری
ناکتخدا مرے
قاضی مصطفےٰ علی
ارتضیٰ علی
خردسال مرے
وصی احمد
شیرخوار مرے
قاضی محمد یوسف علی
عرف کلو میاں
اعظم علی عرف منّو میاں
شریف الحسن عرف ننھوں میاں
انوار احمد عرف چھنّو میاں
رؤف احمد عرف ربّن میاں

بسبب مذکور [illegible] مذکور [illegible] مسطور [illegible]

[illegible]

[illegible] جمیع [illegible] حقوق [illegible]

[illegible] اصالة و وکالة [illegible]

در عهده [illegible] نوزده [illegible]

[illegible] مرقوم [illegible]

[illegible]

تمام و کمال [illegible] مذکور [illegible]

تمام مبلغ [illegible]

موجب الشرع [illegible] اصالة و وکالة [illegible]

[illegible] سنه [illegible]

[illegible]

قاضی کمال الدین عرف قاضی کمال

آپ کی کنیت ابوالفتح۔ بندگی قاضی عبدالدایم مذکور کے بڑے بیٹے ہیں۔ مقام سکونت قلعہ راجہ سری "اوپرکوٹ"۔ شرائف عثمانی میں آپ کی پیدائش ۹۱۷ھ نوسو سترہ ہجری میں لکھی ہے جس کے مطابق ۱۵۱۱ء ایک ہزار پانچ سو گیارہ ہوتے ہیں اور عہد سلطان سکندر لودی کا پایا جاتا ہے۔ بڑے دیندار اور عالم و فاضل جید تھے۔ آپ کی پیدائش بھی اپنے والد کی سن رسیدگی میں ہوئی اور اُنھوں نے اپنے حین حیات ہی میں عہدہ قضا آپ کے سپرد کر دیا۔ بہایت خوبی سے اس امر بزرگ کو آپ انجام دیتے رہے چونکہ خدمت احتساب قاضی مبارک محتسب "جو آپ کے دادا کے بھائی تھے"، کے وقت سے اونکے فرزندوں کے متعلق تھی اور وہ لوگ اُس کے انجام دینے میں کم توجہی کرتے تھے اس لئے آپ کام میں مداخلت کرتے رہے اور آپ کی اُس طرف کی مصروفیت کی وجہ سے امر قضا بھائیوں میں تقسیم رہا اُسی زمانہ میں ایک فرمان اکبر بادشاہ کا بلگرام کی بعض اراضی کے مالکوں کی درخواست پر آپ کے پاس صادر ہوا جو قضات اسلام و جاگیرداران و عمال پرگنہ بلگرام کے نام ہے یہ اصل فرمان میں نے دیکھا اور اسوقت برخوردار قاضی محمد یوسف علی سلمہ کے پاس موجود ہے۔ ماہ جمادی الاولی ۹۷۱ھ نوسو اکہتر ہجری مطابق ۱۵۶۳ء ایک ہزار پانچ سو ترسٹھ عیسوی کا لکھا ہوا ہے۔ اس کی پیشانی پر طغرائے نسخ کی ایک چوکھنٹی بڑی مہر جو بوجہ صاف نہ اُٹھنے کے پڑھی نہیں جاتی اور اس مہر کے اوپر یہ تحریر ہے۔
جس کا عکس بعینہ یہ ہے۔

فرمان جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی

دو مہریں گول فرمان کی پشت پر بھی ہیں۔ ایک تقریباً انچ بھر کی مدور یہ بھی بخط نسخ ہے اور دوسری اُس سے بڑی بالکل حاشیے پر ہے جو حاشیہ بوسیدہ ہو جانے کی وجہ سے جاتی رہی ذرا سا کنارہ مُہر کا باقی ہے۔

جب قاضی عبدالدایم نے امر قضا خاص آپ کے متعلق کر دیا تو قاضی مبارک محتسب مذکور کے پوتے قاضی عبدالصمد محتسب اعزۂ شہر بالخصوص اعزۂ شیوخ فرشوری سے اس امر کی ہمیشہ شکایت کرتے رہے شیخ الداد صدیقی فرشوری اُن کے مشیر کار رہے اور وہ اس باب میں زیادہ مبالغہ کرتے رہے اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ قاضی عبدالصمد نے اکبر شاہ کے حضور میں پہنچ کے قاضی کمال کو وہاں طلب کروایا۔ آخر یہ فیصلہ ثالثی قرار پا کر تحریر ہوا **نقل فیصلہ** مقصود ازیں نوشتہ آنکہ چوں قاضی عبدالصمد بن ہانس فرمان عظام برائے طلب قاضی کمال آوردہ بودند بعدہٗ قاضی کمال و قاضی عبدالصمد مذکورین بدار الخلافت اکبر آباد آمدند بعدہٗ میراں سید عبدالواحد و میراں سید محمد و میراں سید عثمان درمیان شدند و میان فریقین قرار دادند کہ ہرچہ عقدانہ خارج تشاریف باشد ثلث برائے قاضی عبدالصمد بدہند و دو ثلث قاضی کمال بستانند و خواندگی چنانچہ سابقاً مناصفہ قرار بود ہمچنان باشد و قاضی عبدالصمد مذکور ہمیشہ با اخلاص باشند و ہرگز شکوہ و شکایت و گلہ نکنند و چیزے دعوی ننمایند اگر بکنند دعوی الشان باطل و نامسموع باشد تحریراً فی التاریخ عشرین شہر صفر ختم اللہ بالخیر و الظفر سنہ ثمان و سبعین و تسعما من ہجرۃ صلعم۔ مہر و العبد قاضی کمال مہر اداہن محمد بن مفتی۔ مہر سید دُلارے عبدالبتی۔ مہر سید بدرالدین ابراہیم۔ گواہی مکرم عبدالکریم فرشوری۔ ترجمہ۔ اس تحریر سے مقصود یہ ہے کہ قاضی عبدالصمد ابن ہانس جو بزرگ فرمان قاضی کمال کے بلانے کے لئے لائے تھے اُس کے بعد قاضی کمال اور قاضی عبدالصمد مذکورین دو ذکر کئے گئے ،، دارالخلافت اکبر آباد میں آئے تو پھر سید عبدالواحد اور سید محمد اور سید عثمان نے درمیان میں پڑکر دونوں کے بیچ میں یہ بات قرار دی کہ جو کچھ نکاح خانے کی نذر سوا پوشاک کے ہو اُس میں سے ایک تہائی قاضی عبدالصمد کو دیں اور دو تہائی قاضی کمال لیں اور نکاح پڑھوائی جیسی کہ پہلے آدھو آدھ مقرر تھی اُسی طرح رہے اور قاضی عبدالصمد مذکور ہمیشہ سچے دوست بنے رہیں اور شکوہ شکایت اور گلہ ہرگز نہ کریں اور نہ کچھ دعوی کریں اگر کریں تو اُن کا دعویٰ بے اصل ہو اور سُنا نہ جائے۔ بیسویں تاریخ ماہ صفر کی ۹۷۸ھ نو سو اٹھتر ہجری (۱۵۷۰ء ایک ہزار پانچسو ستر عیسوی) میں لکھا گیا۔

جس وقت اس باہمی نزاع کا زور شور تھا شیخ الہداد صدیقی فرشوری جو اپنے

فرمان محمد جلال الدین اکبر پادشاه غازی

قضات اسلام جاگیرداران بهار

بدانند که ملا [illegible] ملا [illegible]

[illegible] بعرض رسید [illegible] که [illegible] ملکی [illegible]

[illegible] حکم فرمودیم [illegible] قضات اسلام [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]



[illegible]

[illegible] قاضی کمال قاضی [illegible]

[illegible]

[illegible]

نوٹ :- اصل فرمان ہذا لٹن لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبۂ مخطوطات واقع سلطان جہاں منزل میں موجود ہے جس کی نقل ۲۴ مارچ ۱۹۵۹ء کو باجازت پرو وائس چانسلر صاحب قاضی شریف الحسن بلگرامی ایڈیٹر مسلم یونیورسٹی گزٹ نے حاصل کی

[illegible] ۲۴ شعبان ۹۷۹

مطلب کے لئے اس قضیے کو طول دلوا رہے تھے موقع پاکر خود اکبر آباد پہنچے اور علامہ شیخ فیضی کی سالہا سال خدمت کر کے اُن کو ایسا شیشے میں اُتارا کہ اُنہوں نے شیخ الہداد کے علم و فضل کی بادشاہ سے خود تعریف کی اور خلاف نمائی سے قاضی کمال کی بُرائی اور اُن کے برادران اور بعض اعزہ شہر کی اُن کی جانب سے ناخوشی موقع موقع پر بیان کرتے رہے۔ یہاں تک کہ فرمان قضا شیخ الہداد مذکور کے نام حاصل کر کے اُنکے حوالے کر دیا اور قاضی کمال بیچارے عہدۂ قضا سے معزول ہو کر قصبۂ راجگیر میں اپنے خسر قاضی معروف کے یہاں عزلت گزیں ہو گئے آخر ایک مدت کے بعد اُن کے منجھلے بیٹے قاضی محمود اکبر آباد پہنچے اور اکبر شاہ کے حضور میں باریاب ہو کر بڑے ذی مرتبہ امیر ہوئے اُنہوں نے قاضی الہداد غاصب سے اُنیس برس کے بعد عہدۂ قضا نکلوا کر فرمان قضا پھر اپنے پدر قاضی کمال مذکور کے نام کرالیا۔ مفصل قصہ اس کا قاضی محمود کے حال میں بیان ہوگا۔ مگر نقل فرمان مذکور کی یہیں پیش کی جاتی ہے

نقل فرمان اکبر شاہ بنام قاضی کمال

تحریراً فی التاریخ روز رام بست ویکم ماہ تیر الٰہی ۳۱ سنہ موافق روز یکشنبہ دوم شہر شوال سنہ الف آنکہ چون سابقاً منصب قضائے پرگنہ بلگرام بموجب حکم جہان مطاع تعلق بفضیلت مآب کمالات اکتساب صلاح آثار تقوی شعار قاضی کمال داشتہ و معزول شدہ بود و موازی دوبست بیگہ زمین مزروع بے منصب قضا درو جہ مدد معاش او مقرر بود۔ چون بتاریخ روز فرور دی نوزدہم ماہ آذر الٰہی ۳۶ سنہ موافق بست و چہارم شہر صفر سنہ الف از نظر اشرف گزشت حکم جہان مطاع عز صدور یافت کہ عمدۃ الملک شاہم خان جلابر کہ جاگیر داران پرگنہ است اگر او را با امانت و دیانت دانم بدستور سابق قاضی آنجا بودہ یک صد و پنجاہ بیگہ زمین بمدد معاش او بدہند در ینولا درباب امانت و دیانت خود نوشتہ بمہر عمدۃ الملک مشار الیہ ظاہر ساخت حکم قضا جریان شرف نفاذ یافت کہ مشار الیہ بدستور سابق قاضی آنجا بودہ یکصد و پنجاہ بیگہ زمین بگز الٰہی از جملہ دوبست بیگہ مزروع کہ در قبض و تصرف داشت بموجب ضمن از ابتدائے خریف لوئیل درو جہ معاش او مع اولاد مقرر باشد و بمراسم قضا قیام و اقدام نماید باید کہ حکام کرام و جاگیر داران و کروریان حال و استقبال وایمہ متوطنانِ

پرگنہ مذکور مومی الیہ را قاضی الیہ را قاضی باستقلال آنجا دانستہ عقود وانکحہ و قطع فصل و ضبط اموال غیب و مجانین و کتابت صکوک و سجلات و تعدیل مکیال و اوزان و تفتیش اشعار و ذراع و زجر و منع مرتکبان مناہی و مایکون من ہذا القبیل ہمہ را مخصوص او شمرند و غیرے را با و شریک ندانند و قضایائے شرعیہ را با و رفع نمایند و اراضی مذکورہ را از محل قدیم بمودہ و چک بستہ بتصرف آن واگزارند و بعلت یا بوجھے و حقوق و لوازم و غیرہ چوں قنلغہ و پیش کش و ساوری صدو دہ و تکرار زراعت و ضبط ہر سالہ لبعد از تشخیص چک مزاحمت نرسانند و در استقرار واستمرار ایں حکم کوشیدہ ہر سال فرمان مجدد نہ طلبند تحریر صدر رسنہ الیہ) **ترجمہ**۔ (روز رام اکیسویں تاریخ ماہ تیر ۳۷ سینتیس جلوسی،، مطابق روز یکشنبہ ماہ شوال ۱۰۰۱ ایک ہزار ہجری میں لکھا گیا کہ پہلے جو پرگنہ بلگرام کا منصب قضا دینا کی اطاعت کئے گئے بادشاہی حکم کے بموجب فاضل۔ کامل نیک اور پرہیز گار قاضی کمال سے تعلق رکھتا تھا اور وہ معزول ہو گیا تھا اور دو سو بیگہ کی برابر بوئی ہوئی زمین بے منصب قضا کے اُس کی مدد معاش کے لئے مقرر تھی۔ جب بروز فروردین تاریخ اُنیسویں ماہ آذر ۳۶ جلوسی،، مطابق تاریخ چوبیسویں ماہ صفر ۱۰۰۱ ایک ہزار ہجری کو وہ نظر اشرف ”نظر بادشاہ،، سے گزرا تو جہان کی اطاعت کیا گیا ”بادشاہی،، حکم صادر ہوا کہ عمدۃ الملک شاہم خاں جلایر جو اس پرگنے ”بلگرام،، کا جاگیردار ہے اگر اُس ”قاضی کمال،، کو امانت و دیانت دار جانے تو بدستور سابق وہاں ”بلگرام،، کا قاضی ہو کر ڈیڑھ سو بیگہ زمین اُس ”قاضی کمال،، کی مدد معاش کے لئے دیدیں۔ اب مشارٌ الیہ ”قاضی کمال،، نے اپنی امانت و دیانت کے بارے میں عمدۃ الملک کی مہر کی ہوئی تحریر دکھائی تو دفعتاً جاری ہونے والا حکم جاری ہوا کہ مشارٌ الیہ ”قاضی کمال“ بدستور سابق وہاں ”بلگرام،، کا قاضی ہو کر ڈیڑھ سو بیگہ زمین اکبری گز سے منجملہ ۲۰۰ سو بیگہ مزروع ”بوئی ہوئی“ جو اُس کے قبضے اور تصرف میں تھی حسب قاعدہ شروع فصل سے اُس کی معاش کے لئے مع اُس کی اولاد کے مقرر ہوا اور وہ قضا کے قاعدوں پر دلیری سے قایم رہے اور موجودہ اور آیندہ کے جاگیردار اور کروری اور پرگنہ مذکورہ ”بلگرام کے سب رہنے والے اشارہ کئے گئے ”قاضی کمال“ کو وہاں ”بلگرام“ کا مستقل قاضی جان کر عقد نکاح۔ فصل کاٹنا۔ غیر موجود اور دیوالوں کے

مال کی نگہبانی۔ قبالوں اور سجلوں کا لکھنا۔ اناج ناپنے کے برتنوں اور وزنوں کا درست اور برابر کرنا۔ دل میں خوف ڈالنا اور ہاتھ کے گز کی جانچ گھڑکی جھڑکی اور غیر شرع ناجائز باتیں اختیار کرنے والوں کو روکنا اور اسی طرح کی اور باتیں سب اس "قاضی کمال" کے واسطے مخصوص سمجھیں۔ اور کسی دوسرے کو اُس کا شریک نہ جانیں اور شرعی جھگڑے اُسی سے رفع کریں اور زمین مذکورہ قدیم موقع سے ناپ کے اور حد باندھ کے اُس کے تصرف میں چھوڑ دیں اور کسی وجہ یا سبب سے اُس کے حقوق وغیرہ مثلاً قُلبہ۔ نذر۔ ساوری۔ صدود۔ بار بار کھیتی کرنا اور ہر سال کی آمدنی تشخیص حد کے بعد لینے میں تنگ نہ کریں اور اس حکم کے مضبوط اور ہمیشہ قایم رہنے میں کوشش کر کے ہر سال نیا فرمان نہ چاہیں۔ اوپر کے سنہ میں لکھا گیا)

المختصر جب شیخ الہداد مذکور اپنی چال سے ٹھوکر کھا کر اوندھے مُنہ گرے تو اپنے چند برادروں اور بعض اعزہ شہر "جو ان کے موافق تھے" کی مہروں سے ایک صورت حال اپنے مطلب کے موافق قاضی کمال کے خلاف تیار کیا مگر پھر کالے کے آگے چراغ نہ جلا۔ شیخ فیضی کو الگ سوجھی ہوئی کہ یہ کیا ہو گیا۔ بعدہٗ موقع پاکر وہ صورت حال علامہ فیضی کی معرفت حضور میں گزرانا۔ علامہ موصوف نے زبانی بھی کہا کہ الہداد کو تو اُس کا علم و دیانت حضور پر ظاہر ہو کر فرمان قضا مرحمت ہوا تھا اور اب پھر اُسی معزول کر کے قاضی کمال کے نام فرمان قضا نافذ ہوا ہے اور قاضی کمال ایسا ہی ہے۔ بادشاہ نے فرمایا کہ پہلے الہداد خلاف ہمارے سے فرمان قضا ہم سے لے گیا۔ قاضی کمال اسم بامسمیٰ ہے اور یہ امر قدیم الایام سے اُسکے اسلاف سے تعلق رکھتا ہے اب اس میں تغیر نہ ہوگا۔ شیخ فیضی بیچارے یہ ٹکا سا جواب پاکر اپنا سا مُنہ لے کے رہ گئے۔ اس شکست کھانے سے شیخ فیضی و قاضی محمود کے درمیان شکر رنجی بھی ہو گئی۔ مگر فرشوریوں کو پھر اُس وقت سے عہدۂ قضا نصیب نہیں ہوا۔

القصہ فرمان حاصل ہونے کے بعد قاضی کمال نے اکابر شہر بالخصوص میر سید عبدالواحد۔ میر سید محمد اور سید عثمان کو جمع کر کے قاضی عبدالصمد جن کا جھگڑا اوپر بیان ہوا کو بلایا اور کہا کہ خدمت قضا و احتساب دونوں ہمارے تمہارے باپ دادا سے تعلق رکھتی ہے اور اب دونوں عہدوں کی بابت فرمان بادشاہی ہمارے نام ہے مگر ہم اب اپنی طرف سے امر

احتساب تمہارے اور تمہارے فرزندوں کے لئے چھوڑے دیتے ہیں اور امر قضا جو بندگی قاضی عبدالدایم نے اپنی زندگی ہی سے ہمارے سپرد کر دیا ہے اس کی طمع نہ کرو اور نہ کچھ اُس کی بابت شکوہ و شکایت کرو ورنہ دونوں امر ہمیں کو پہنچتے ہیں۔ قاضی عبدالصمد نے اس بات پر راضی ہوکر بازنامہ لکھدیا۔

واضح ہوکہ معزولی سے قبل تین فرمان اکبرشاہ کے قاضی کمال کے حق میں اور پائے جاتے ہیں جن میں ایک ۹۷۱ھ نوسو اکہتر ہجری مطابق ۱۵۶۳ء ایک ہزار پانچسو ترسٹھ عیسوی اور دوسرا ۹۷۸ھ نوسو اٹھتر ہجری مطابق ۱۵۷۰ء ایک ہزار پانچسو ستر عیسوی اور تیسرا ۹۷۹ھ نوسو اناسی ہجری مطابق ۱۵۷۱ء ایک ہزار پانچسو اکہتر عیسوی کا لکھا ہوا ہے۔ یہ مکرمی قاضی شریف احمد صاحب عثمانی کی وفات کے بعد تاریخ چوتھی ماہ جنوری ۱۸۷۱ء ایک ہزار آٹھ سو اکہتر عیسوی تک اُن کے یہاں رہے بعدہٗ تاریخ مسطور کو مسٹر ہارنگٹن صاحب بہادر مہتمم بندوبست بلگرام کی تاریخ لکھنے کی غرض سے عاریتاً اپنی دستخطی رسید دے کر لے گئے اور اُن سے تلف ہوگئے جس کا ذکر فصل دوم کی پہلی فصل کے آخر میں صورت حال کی نقل کے بعد ہو چکا۔ صاحب موصوف کی رسید میں فہرست کاغذات کے درمیان میں ۹۷۸ھ، ۹۷۹ھ و ۹۷۱ھ کے اکبری کتبے یہی تینوں فرامین مذکور ہیں۔ مجکو اُن کی نقلیں دستیاب نہ ہوئیں صرف فرمان آخرالذکر کی بابت اتنا دریافت ہوا کہ یہ فرمان چوبیسویں تاریخ ماہ شعبان ۹۷۹ھ نوسو اُناسی ہجری کا لکھا ہوا قاضی کمال کے حق میں حبیب اللہ کمال افسر انچارج ڈویژن کے نام تراسی بگیہ زمین کی بابت جو سلطان تُردی بیگ اور افضل سلطان نے بحکم خواجہ محمد سلیمان ضبط کر لی تھی۔

شیخ سلیمان اور اُن کے بھانجے مولانا ضمیری" جن کا ذکر اپنے مقام پر ہوگا" پر قاضی کمال کی بہت نظرِ عنایت تھی چنانچہ اُن کی سکونت کے لئے بہت سی زمین عطا کی اور علاوہ سکونت کے اور قطعات اراضی بھی اُن کے قبرستان وغیرہ کے لئے مرحمت کئے جس کے شکریے میں مولانا ضمیری نے ایک قطعہ آپ کی مدح میں کہا وہ یہ ہے۔ قطعہ

معدن فضل و کرم قاضی ابوالفتح آنکہ ہست　　اعلم و اکمل کمال ابن الو العالم بدہر
ما زمینے خانہ دارے در جہاں میخو استیم　　او ز ملکِ خویشتن بخشید جا مار البشہر

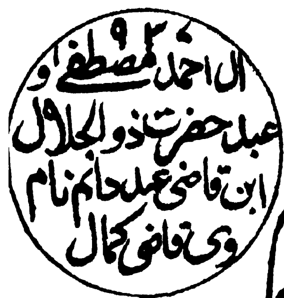
اقبل آمد مولد و منشاے او در بلگرام — راند کفار لعین را جدِ اعلایش بقهر
باطنش دریاے علم و ظاہرش احسان و خلق — یافتہ ہر گونہ از وے ہر یکے فیضے و بہر
بے نظیر اندر کرم بے مثل در علم و عمل — لایح است اندر جہاں اوصاف او بشر و جہر
ہاں ضمیری دست بردار و دعا کن دم بدم — تا بروز حشر باد او حاکم و قاضیِ شہر
دشمن او باد دایم در جہاں مردود و کور — دوستِ او روشن اختر ہمچو مہر و مہ بدہر

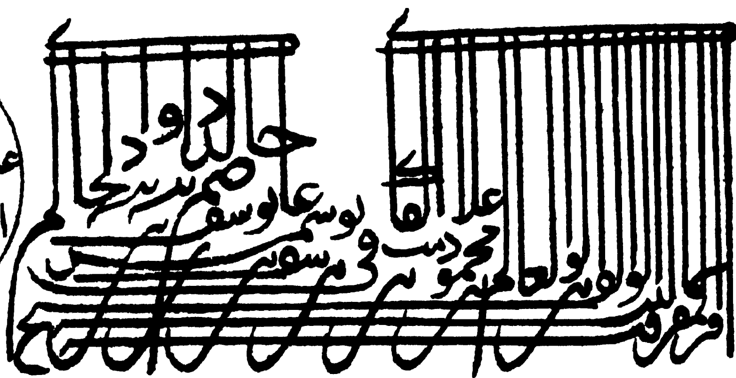
ترجمہ :- بزرگی اور سخاوت کی کھان قاضی ابو الفتح جو کہ زمانے میں بڑا عالم اور بہت کامل ہے وہ ابو العالم "قاضی عبد الدایم" کا بیٹا اور اُس کا عرف قاضی کمال ہے۔ ہم دنیا میں گھر بنانے کے قابل زمین چاہتے تھے اُس نے اپنے مُلک سے شہر میں ہم کو جگہ عطا کی۔ اُس کا وطن اور جائے پیدائش بلگرام میں بہت پہلے سے ہے۔ ملعون کافروں کو اُس کے جد اعلیٰ "قاضی محمد یوسف عثمانی" نے بزور و زبردستی نکال دیا۔ اُس کا باطن علم کا دریا اور اُس کا ظاہر احسان اور مروت ہی۔ ہر ایک نے اُس سے ہر طرح فیض اور حصہ پایا۔ سخاوت میں بے نظیر اور علم و عمل میں بے مثل۔ اُس کے چھپے ہوئے اور کھلے ہوئے سب اوصاف دُنیا میں روشن ہیں۔ ہاں ضمیری ہاتھ اُٹھا اور بار بار دُعا کر وہ قیامت تک شہر کا حاکم اور قاضی رہے۔ اُس کا دشمن دنیا میں ہمیشہ مردود اور راندہ رہے۔ اُس کا دوست زمانے میں سورج اور چاند کیطرح روشن نصیب رہے۔

آپ نے اپنے عہد میں موضع کندریا۔ موضع پروِلی اور موضع ہرری اُن کے مالکوں سے خرید کئے۔ شرائف عثمانی میں لکھا ہے کہ آپ کے دستخطی مہری بہت سے سجل گھروں میں ہیں۔ بطور مشتے نمونہ خروارے بعض کا ذکر کیا جاتا ہے۔

اول بیع نامہ ایک بسوہ منجملہ بیس بسوہ موضع ڈھولی اعمال قصبہ بلگرام کا نوشتہ مسمی یوسف متبنا امیر دھو بن عین بوسری بنام ہنوراج بن دھنوں بن ہرنس مقدم موضع رسولی بعوض مبلغ سو سکہ رائج جو بایع کو امیر ادھو ندکور سے بسبب نملیک کے ملا۔ یہ بیع نامہ تاریخ بائیس ماہ رمضان ۹۴۹ھ نو سو اُنچاس ہجری مطابق ۱۵۴۲ء ایک ہزار پانچ سو بیالیس کا

لکھا ہوا ہے۔ گواہان ثبوت ملکیت اوجھی بن عطن بن امیر علاء بوسری۔ بوسر بن راجن بن راجن بوسری اور گواہاں حاشیہ قاضی بن کمال۔ اوجھی بن عطن امیر علاء بوسری مذکور اُس کے نیچے آپ کے دستخط کا یہ طغرا اور مہر ہے۔





عبارت طغرا :- اقرالمقر بما فیہ کتبہ ابوالفتح بن ابوالعالم بن محمود بن علامت الکلافی بن یوسف بن شمس بن یوسف بن عاصم بن خالد بن داؤد الحاکم۔ ترجمہ۔ جو کچھ قبالے میں لکھا ہے اُس کا کرنے والے نے اقرار کیا لکھا اُس کو داؤد کے بیٹے خالد۔ خالد کے بیٹے عاصم۔ عاصم کے بیٹے یوسف یوسف کے بیٹے شمس۔ شمس کے بیٹے یوسف۔ یوسف کے بیٹے علامت الکافی۔ علامت الکافی کے بیٹے محمود محمود کے بیٹے ابوالعالم۔ ابوالعالم کے بیٹے ابوالفتح حاکم نے مہر پر یہ شعر ہے [۵]

آل احمد مصطفےٰ و عبد حضرت ذوالجلال　　ابن قاضی عبد دایم نام وی قاضی کمال

ترجمہ :- احمد مصطفےٰ کی آل اور خدا کا بندہ۔ قاضی عبدالدایم کا بیٹا اُس کا نام قاضی کمال

واضح ہو کہ بلگرام کی قدیم حکومت تو دورِ بابری میں آپ کے پدر بزرگوار قاضی عبدالدایم ہی کے زمانے میں جاتی رہی جیسا کہ دوسرے باب کی دوسری فصل کے آخر میں بضمن حالات

[۵] قاضی شریف احمد صاحب عثمانی نے اپنے رسالے تکملۂ شریف عثمانی میں بضمن تتمۂ احوال غلام حسن بشین مولف شرایف عثمانی بحوالۂ مرآۃ الجنان لکھا ہو کہ عبداللہ اکبر ملقب بہ حسام الدین بن امام الدین عمر بن عثمان کا عقد فاطمہ صغرا بنت حضرت امام حسین علیہ السلام سے ہوا تھا اور اُنکے بطن سے علیم الدین　　عبدالعزیز ہیں جن سے قضات عثمانی بلگرام کا سلسلہ نسب ملتا ہے بس اولاد فاطمہ صغرا ہونے کی وجہ سے ہمارے اسلاف نے اپنے آپ کو آل رسول بھی لکھا ہے۔

بندگی قاضی عبدالدایم ذکر ہوا۔ اب جو آپ کے طغرے میں صرف حاکم کا لفظ ہے اس سے حاکم شرع مراد ہے سجل مذکورۂ بالا کے حاشیہ پر وارثان ہنوراج مذکور کی طرف سے بسوۂ مندرجۂ سجل کی فروختگی میان بدور و جلال کے ہاتھ سولھوین تاریخ ماہ جمادی الاول ۹۸۸ھ نوسو اٹھاسی ہجری مطابق ۱۵۸۰ء ایک ہزار پانچسو اسی عیسوی کی لکھی ہوئی ہے اور اُس پر آپ کی صرف مہر ہے۔ یہ اصل کاغذ دیوان قضا میں مکرمی قاضی شریف احمد صاحب کے وقت تک محفوظ رہا۔ چونکہ موضع دہولی مذکور کے بسوے سادات صغروی کے یہاں بیع ہوئے لہذا چودھری سید محمد عسکری صغروی نے اصل کاغذ مذکور قاضی شریف احمد صاحب سے مانگ لیا اور اُس کی نقل قاضی صاحب موصوف کو دیدی اُس کے نیچے خاص اپنے قلم سے لکھدیا کہ (بسوہاے موضع دہولی خرید بزرگان بندہ است و کاغذ قدیم بنام مالکان موضع مذکور بخانۂ شرافت پناہ قاضی شریف احمد امانت بود کاغذ جدید خرید بزرگانم نزدم موجودہ کاغذ قدیم مذکور از شریعت پناہ موصوف گرفتہ شد لہذا بر نقلش مہر نمودہ شد) ترجمہ موضع دہولی کے بسوے بندے کے بزرگوں نے مول لئے ہیں اور موضع مذکور کے مالکوں کے نام پرانا کاغذ شریعت پناہ قاضی شریف احمد کے یہاں تھا اور میرے بزرگوں کے نام کا کاغذ میرے پاس موجود ہے۔ پرانا کاغذ مذکور شریعت پناہ موصوف سے لیا گیا اس لئے اُس کی نقل پر مُہر کردی گئی اُس کے نیچے چودھری سید محمد عسکری صاحب نے اپنے دستخط کر کے تین مُہریں اپنی مکرر کی ہیں اس نقل کی مطابق اصل ہونے کی تصدیقی مہریں محمد حسین اور امداد علی رضوی اور ابراہیم حسین کی بھی ہیں۔

دوم۔ بیع نامہ چار بسوہ منجملہ بیس بسوہ موضع لوچن پور اعمال قصبہ بلگرام کا نوشتۂ مسماۃ منی جہاں بنت سید ...... منکوحۂ حسن بن فتن بن لوچن بنام سید تاج الدین و سید عثمان ابنائے سید حسین دُلارے بعوض مبلغ بارہ سکہ نقرہ جو بایعہ کو اپنے شوہر متوفی سے مہر کے عوض میں ملے۔ تاریخ پندرہویں ماہ ذی قعدہ ۹۶۳ھ نوسو تریسٹھ ہجری مطابق ۱۵۵۵ء ایک ہزار پانچسو پچپن عیسوی کا لکھا ہوا ہے۔ گواہان ثبوت ملکیت سالار حامد بن سالار شمس تہارو۔ پیارے بن بھورن سالار عجائب۔ گواہان حاشیہ بدر الاسلام ابو الفتح عماد۔ عبد الرحیم عبد الصمد عماد المفر شوری۔ خواندم العلما اوہن منجھو۔ اس سجل کے نیچے آپ کے دستخط کا وہی طغرا اور مہر ہے جو سجل اول میں ہے۔

سوم - صلح نامہ مابین ہو بن ہر نبس اور بدور بن مبارک بن یوسف کے درمیان جو اصل ہیں بنفس خود اور وکیل ہیں اپنے شرکا مبارک چندن و دلارے و محمد پیارے بن یوسف مذکور - اور سدہن بن فتول - اور حسین بن پیارے - اور کمال بن ہانس - اور اوجھی بن عطن کی طرف سے بیس بسوہ موضع دہولی من اعمال قصبہ بلگرام کی بابت - تاریخ چوبیس ماہ ذیقعد ۹۶۴ھ نوسو چونسٹھ ہجری مطابق ۱۵۵۶ء ایک ہزار پانچ سو چھپن عیسوی کا لکھا ہے - یہ فیصلہ فریقین نے سید عبد النبی بن پیارے کو حکم قرار دے کر تحریر کیا اور قاضی کمال کے سامنے دیوان شرع میں پیش کیا - اسکے نیچے آپ کے دستخط کا طغرا لفظ کتبہ سے آخر تک وہی ہے جو سجل اول میں ہے - شروع میں (کان فی دیوان القضا) بخط طغرا شامل ہے -

جس کا ترجمہ ہے "قضا کی کچہری میں تھا" اور مُہر بھی وہی ہے جو سجل اول میں نقل کی گئی بعد اس کے اصحاب ذیل کے دستخط ہیں - سید عبد النبی سید پیارے حسینی - ان کی مہر بھی ہے جس پر عبد النبی پیارہ حسینی منقوش ہے - عبد الرحیم بن عبد الصمد بن عماد القرشوری - چاند بن شمس اغوان - حسن بن عبد القادر بن پیارہ حسینی - اوہن بن منجھو مبارک بن جلال القرشوری - محمد عطاء اللہ فاروقی - عبد القادر بن پیارے حسینی - سید کمال حسینی ان کی مہر بھی ہے جس پر سید کمال منقوش ہے - اشرف محمد حسینی مکرم بن عبد الرحیم بن عبد الصمد القرشوری - کمال - تاج الدین حسین حسینی - بدر الدین بن ابراہیم حسین - پناہ محمد بن پیارہ حسینی - سید عمر بن تاج حسینی - اوجھی بن فضل اللہ - بدور بن مبارک بن یوسف فریق - عبد الشکور بن شمس برخوردار حسینی - عبد الصمد بن ہانس - عبد الوہاب بن بھورن خطیب جمال الدین حسین - ماہراجہ چاند -

یہ اصل سجل سید ابراہیم حسین کے گھر سے نکلا اور دیوان قضا میں مکرمی قاضی شریف احمد صاحب کے وقت تک محفوظ رہا اور موضع دہولی مندرجہ سجل مذکور کے بسوے چودھری سید محمد عسکری صغروی کے بزرگوں کے یہاں بیع ہو جانے کی وجہ سے یہ سجل بھی چودھری موصوف نے قاضی شریف احمد صاحب سے مانگ لیا اور اُس کی نقل قاضی موصوف کو دیکر خاص اپنے دست و قلم سے وہی عبارت نیچے لکھکر اپنے دستخط کر کے تین مہریں اپنی مکرر کر دیں جس کی نقل مع ترجمہ سجل اوّل کے تحت میں اوپر کی گئی - اس نقل کے مطابق اصل ہونے کی بھی تصدیق

شمالـــ شارع عام

جنوبـــ ایضا جویدن اند سید عالم مذکور

غربـــ موسسه جدا زمین

شرقـــ ملک خوردن اند مرحوم سید عالم کمال الدین

[illegible] شارع از ما در جود سعادت [illegible]

زمین مذکوره [illegible] متعلق حق و ملک [illegible] مذکور است که [illegible] ثابت سید حق و ملک [illegible] مذکور از زمین

مذکوره سید [illegible] مذکور [illegible] [illegible] ثابت [illegible] [illegible]

ساحه مذکور [illegible] شرع [illegible] مذکور [illegible] باخبار [illegible] [illegible]

سید دولاره ولد سید خواجه [illegible]

سید عالم [illegible] ولد سید نظام [illegible]

اخباری [illegible] جار شرعی [illegible] حدود [illegible] [illegible] [illegible]

بدست [illegible] سید دون ولد [illegible] مبلغ [illegible] [illegible] [illegible]

موضع [illegible] [illegible] مطلق [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] [illegible] حاصل [illegible] مذکور [illegible] [illegible]

شرع [illegible] [illegible] [illegible] در مسجد [illegible] [illegible]

[illegible] [illegible] [illegible] الزام [illegible] [illegible]

[illegible] بحال [illegible] [illegible] شوال [illegible] [illegible]

[illegible]

مہریں اُنہیں اصحاب کی ہیں جن کی سجل اول کی تصدیق کی بابت ہیں۔

قاضی کمال دوبارہ عہدۂ قضا حاصل ہونے کے بعد جیسا کہ اوپر ذکر ہوا صرف ایک سال زندہ رہے۔ چوراسی سال کی عمر ہو کر ماہ ربیع الاوّل کی چودھویں تاریخ ۱۰۰۱ھ ایک ہزار ایک ہجری مطابق ۱۵۹۲ء ایک ہزار پانچ سو بانوے عیسوی عہد اکبر شاہ میں وفات پائی اور تاڑ والے باغ میں اپنے پدر بزرگوار بندگی قاضی عبدالدایم کے مزار کے پاس مدفون ہوئے۔ ملا فیروز عثمانی نے یہ تاریخ وفات کہی۔

قطعہ

اے دریغا کہ مشفق و مکرم	عارفِ وقت خضر بحر لوال
آن محقق مدقق دوران	واں منفتح در سرائے جلال
سال ہشتاد و چار در دنیا	کرد تلقین دین مبارک فال
چوں ندا در رسید از عالم غیب	گشت پنہاں بسانِ آبِ زلال
اسم و تاریخ از خرد جستم	گفت ہاتف بدانکہ شیخ کمال ۱۰۰۱ھ
باش آزاد از غمش فیروز	صبر بہتر ازیں ملال منال

ملا فیروز نے مادۂ تاریخ خوب نکالا کہ متوفی کا نام بھی اور تاریخ بھی مگر چونکہ قاضی کمال متوفی کے سگے بھائی قاضی بایزید کے پرپوتے تھے اس لحاظ سے قاضی کمال بھی اُن کے پردادا ہوئے۔ لہٰذا تاریخ کہتے وقت اپنے پردادا کا زیادہ غم و الم لاحق ہونے کی وجہ سے کچھ عیوب شعر کا خیال نہ رہا اور قطعہ تاریخ میں شعر اکو شبہات کا موقع باقی رہ گیا۔

قاضی بھکاری

آپ کا اصل نام نہیں معلوم ہوا۔ قاضی بھکاری عرف ہی اور کنیت ابوالمکارم قاضی کمال مذکور کے منجھلے بیٹے ہیں۔ مقام سکونت قلعہ راجہ سری "اوپر کوٹ"، عالم۔ فاضل۔ نیک اور مہذب شخص تھے۔ جس زمانے میں آپ کے پدر بزرگوار عہدۂ قضا سے معزول ہو کر گوشہ گزیں ہو گئے تھے آپ تیس چالیس آدمیوں کے ساتھ تلاش روزگار میں وطن سے نکل کر کھڑے ہوئے۔

پہلی منزل قنوج میں ہوئی وہاں جوئے کالی نی "کالندری" کے کنارے عمدۃ الملک شاہم خاں جلابر ناظم سرکار قنوج خیمہ زن تھے آپ مع ہمراہیوں کے سرا میں ٹھہرے۔ کسی طرح آپ کا حال ناظم موصوف نے سُنا فوراً کہلا بھیجا کہ میں آپ کی ملاقات کا مشتاق ہوں اگر قدم رنجہ فرمائیے تو مہربانی ہے۔ آپ تشریف لے گئے ناظم نے دریافت احوال کے بعد کہا کہ سرکار مالوہ میری جاگیر میں ہے مگر چونکہ بہت دور ہے لہذا میں ایک ایسا معتمد آدمی چاہتا ہوں جو وہاں کا انتظام امانت کے ساتھ کرے۔ اگر آپ منظور فرمائیں تو جو سامان مطلوب ہو مہیا کر دیا جائے۔ آپ نے قبول کیا۔ نواب نے چند گھوڑے اور خرچ عنایت کیا اور جو کچھ مطالب تھے لکھکر اپنے دستخط کر کے آپ کو مالوے روانہ کیا۔ آپ نے بہت ہی لیاقت سے وہاں کا بندوبست اور انتظام کیا اور بہت سے محاربوں کے بعد اُس ملک کو مفسد اور سرکشوں سے پاک کر کے روز افزوں ترقیاں حاصل کیں۔ چنانچہ ناظم مذکور مخدوم شاہ فتح اللہ راجگیری خواہرزادۂ مخدوم شاہ اخی جمشید سے آپ کی تعریف کیا کرتے تھے اور عنایات روز افزوں مبذول فرماتے تھے۔ اس اثناء میں فرمان قضا آپ کے والد قاضی کمال کے نام ہو گیا اور حصول فرمان کے ایک سال بعد اُن کا انتقال ہو گیا۔ آپ چونکہ مالوے میں تھے لہذا احکام قضا در امور فوجداری دونوں آپ کے بھائی ابو العلاء عرف قاضی بڑے "جو آپ سے چھوٹے تھے" کے متعلق رہے اُس وقت پرگنہ بلگرام وغیرہ آپ کے دوسرے چھوٹے بھائی قاضی محمود کی جاگیر میں تھے اور قاضی محمود بادشاہ کی حضور میں رہتے تھے۔ اس لئے قاضی بڑے موصوف نیابتاً جاگیر کا انتظام بھی کرتے تھے۔

قاضی کمال کی وفات کے بعد قاضی محمود نے قبل تکمیل فرمان قضا جو آپکے نام بعد کو حاصل کیا مالوے سے آپ کو بلایا۔ لیکن آپ نے کچھ خیال نہ کیا آخر دو تین طلبیوں کے بعد اپنے بیٹے قاضی محمد یوسف ثالث کو اپنی جگہ مالوے کی حکومت پر چھوڑ کر کے خود بلگرام چلے آئے یہاں آکر مالوے کی سند ناظم قنوج سے قاضی محمد یوسف ثالث مذکور کے نام حاصل کر کے مالوے میں بھیجدی اور امور قضا وغیرہ آپ کے اور آپ کے بھائی قاضی بڑے مذکور کے درمیان تقسیم رہے پھر وہ ڈھنگ نہ چلا اور قاضی بہکاری کے نام فرمان حاصل ہونے تک آپس میں مناقشہ رہنے لگا۔ جب یہ خبر قاضی محمود کو پہنچی تو اُنہوں نے

چھوٹے بھائی قاضی بڑے کو متواتر خطوط خاص اپنے دستخطی بھیجے کہ امر قضا قاضی بہکاری کے متعلق رہ کہ وہ بڑے بھائی ہیں اور تم جاگیرات کے کام میں مشغول ہو۔ غرض کہ یہ امر دونوں بھائیوں میں تقسیم رہا اور قاضی بڑے کی وفات کے بعد جب جہانگیر بادشاہ کا فرمان قاضی بہکاری کے نام صادر ہوا تو اُن کے نام مخصوص ہو گیا۔

آخر میں جہانگیر بادشاہ فرمان بنام قاضی بہکاری صادر ہوا اُس کی نسبت شرایف عثمانی اور رسالہ مسجلات فی تاریخ القضات میں لکھا ہے کہ جہانگیر بادشاہ بنام قاضی بہکاری حاشیہ پر مہر طلائی بادشاہ ہے۔

نقل فرمان جہانگیر بادشاہ بنام قاضی بہکاری

(چوں امر جلیل القدر قضائے پرگنۂ بلگرام از سرکار قنوج شریعت مآب قاضی مقرر بود، مشارٌ الیہ ودیعت حیات سپردہ فضیلت مآب کمالات اکتساب دیانت آثار صلاح آثار قاضی بہکاری ولد متوفی مذکور کہ بصلاح و فلاح وعلوم دینیہ منسوب است بنظر اشرف گزشتہ حکم فرمودیم کہ امر قضائے پرگنہ مذکور مضافات از قریات و نجات بمشارٌ الیہ مع اولاد مفوض باشد کہ چنانچہ دیانت او منصور است در احکام شرع شریعت از قطع خصومات و رفع تامشروعات وکتابت صکوک وسجلات وعقود وانکحہ مع الولی ولغیر ولی ومحافظت اموال الیتامیٰ والغائبین دبلا وارثین وصفحائے ایتام وصیت اوصیا واجتہاد بظہور رساند می باید کہ سادات عظام و ومشایخ کرام وحکام وشقداران وعاملان حال واستقبال خصوصاً چودھریان وقانوگویان ومقدمان ورعایا ومزارعان وسائر متوطنان پرگنہ مذکور حسب المسطور مقدور معین دانستہ تصدی او را در تقلدایں امر قوی مطلق دانند ودر جمیع امور شرعیۂ آنجا رجوع بمومی الیہ نمودہ غیرے را شریک مشارٌ الیہ ندانند وطریق اعزاز واحترام بجا آوردہ دقیقہ از دقایق نامرعی نگذارند ومشارٌ الیہ نیز دریں امر عالی قدر نوعے قیام نماید کہ عند الخالق والخلایق مستحسن شود ویوم تقویم الحساب از عہدۂ بیروں تواند آمد دریں باب قدغن لازم دانستہ از فرمودہ صدر نگذرد تحریراً فی التاریخ، رماہ آبان الٰہی ۱۰۲۰ھ ہجری)

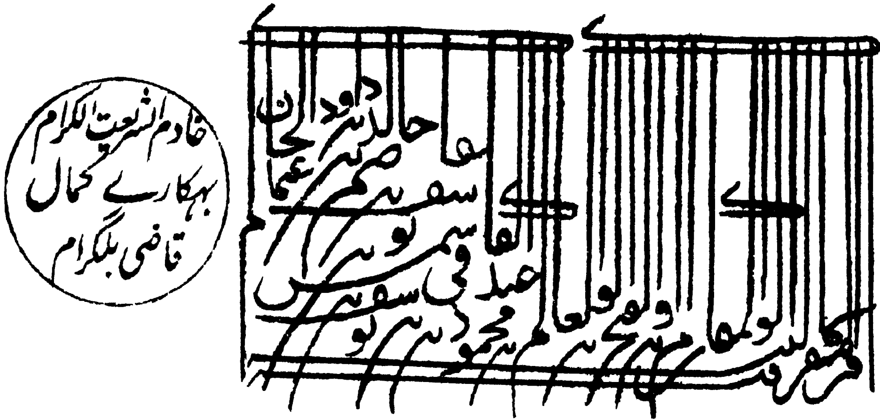
ترجمہ (قضائے پرگنہ بلگرام کا امر جلیل القدر جو سرکا رفوج سے شریعت مآب قاضی کے لئے مقرر تھا وہ فوت ہو گئے۔ فاضل ذی کمال دیندار اور نیکی کی نشانیاں رکھنے والے قاضی بہکاری ولد متوفی "قاضی کمال" مذکور جو نیکی. بھلائی اور دینی علوم سے منسوب ہیں ہماری نظر سے گذرے ہم نے حکم دیا کہ پرگنہ مذکور مع دیہات و متعلقات وغیرہ کا امر قضا مشار الیہ "قاضی بہکاری کی اولاد کے سپرد ہو کہ جیسی اُن کی دیانت خیال کی گئی ہے شرع شریف کے احکام جاری کرنے فساد مٹانے ناجائز باتوں کو موقوف کرنے۔ قبالے اور حکم نامے لکھنے مع ولی اور بغیر ولی کے عقد و نکاح باندھنے۔ یتیموں۔ غیر موجودوں اور لاوارثوں کے مال کی حفاظت کرنے۔ یتیموں کی رعایت کرنے وصیت کئے ہوؤں اُن کے حق پر قایم کرنے اور اجتہاد کا اظہار کریں۔ چاہئے موجودہ اور آیندہ بزرگ سادات اور شیوخ اور حکام اور حصہ دار اور عامل خصوصاً چودھری۔ قانون گو۔ مہتوں یہ مہیتا، رعایا۔ کسان اور تمام پرگنہ مذکور کے رہنے والے لکھے ہوئے کے مطابق مقرر اور مخصوص جان کر اس امر قوی "قضا" کی پیروی میں اُن کو در پیش ہونے میں آزاد جانیں اور وہاں بلگرام کے تمام امور شرعیہ میں اُن سے رجوع ہو کر کسی دوسرے کو اُن کا شریک نہ جانیں اور عزت و حرمت کا طریقہ بجالا کر اُس میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑیں اور مشار الیہ "بہکاری" بھی اس امر عالی قدر میں اس طرح قایم رہیں کہ خدا اور خدائی کے نزدیک پسندیدہ ہوں اور حساب درست ہونے "قیامت" کے دن اُس کی ذمہ داری سے باہر ہو سکیں۔ اس بارے میں تاکید لازم جانکر اوپر کی لکھی ہوئی باتوں سے نہ درگزریں۔ تاریخ تحریر ساتویں ماہ آبان "آٹھواں مہینہ شمسی مطابق اگہن" ۱۰۲۵ھ بجیبں) اس اصل فرمان کے دیکھنے والے مولفین شرائف عثمانی و رسالہ سجلات فی تاریخ القضات نے لکھا ہے کہ حاشیہ پر مہر طلائی اور بادشاہ کے دستخط خاص سے مزین ہے۔

صاحب رسالہ سجلات نے قاضی بہکاری کے حال میں لکھا ہے کہ قاضی بڑے کی وفات کے بعد رؤسا مردمان قصبہ نے آپ کے پسر کلاں قاضی محمد کے سر پر دستار قضا باندھ دی مگر چونکہ قاضی بہکاری کے پاس فرمان جہانگیر بادشاہ موجود تھا اس وجہ سے اُنھوں نے قاضی محمد سے باز نامہ لکھوا لیا نقل اُس کی یہ ہے۔ (باعث تحریر آنکہ چوں فرمان قضا بنام مخدومی ولی نعمتی

میاں قاضی بہکاری است بناءً علیہ منکہ قاضی محمد بن قاضی بڈہ ام تا آمدن حکومت پناہی قبلہ گاہی میاں قاضی محمود جیو در امر قضاء پرگنہ بلگرام دخل نکنم این چند کلمہ بر سبیل سند نوشتہ دادیم کہ ثانی الحال حجت باشد تحریراً ۶ ماہ جمادی الاول سنہ ۱۰۲۵) ترجمہ (تحریر کا سبب وہ کہ فرمان قضا چونکہ میرے مخدوم پرورش کرنے والے میاں قاضی بہکاری کے نام ہی اس بنا پر میں کہ قاضی محمد قاضی بڑے کا بیٹا ہوں حکومت پناہ قبلہ گاہ قاضی محمود جی کے آنے تک پرگنہ بلگرام کے امر قضا میں دخل نہ کروں گا یہ چند کلمے بطریق سند کے لکھدئے کہ دوسرے وقت دلیل ہو۔ تاریخ تحریر چھٹی ماہ جمادی الاول سنہ ۱۰۲۵ ایک ہزار پچیس)

صاحب شرائف عثمانی و رسالۂ مسجلات لکھتے ہیں کہ قاضی بہکاری کی مُہر اور طغرے کے اکثر قبالے اور سجل شہر میں موجود ہیں ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں منجملہ اُن کے ایک قطعہ باغ کا بیع نامہ جو قاضی محمود بن قاضی کمال نے خریدا انویں تاریخ ماہ جمادی الآخر سنہ ۱۰۱۱ ایک ہزار گیارہ ہجری کا لکھا ہوا۔ دوسرا قبالہ تیسری تاریخ ماہ صفر سنہ ۱۰۳۲ ایک ہزار بتیس ہجری کا لکھا ہوا ہے۔

آپ کے دستخط کے طغرے اور مہر کی یہ نقل ہے



عبارت طغرا اقر المقر بما فیہ کتبہ ابو المکارم بن ابو الفتح بن ابو العالم بن محمود بن عبد الکافی بن یوسف بن شمس بن یوسف بن عاصم بن خالد بن داؤد عثمان الحاکم - ترجمہ جو کچھ قبالے میں لکھا ہے اس کا اقرار کرنے والے نے اقرار کیا لکھا اس کو داؤد عثمان کے بیٹے خالد - خالد کے بیٹے عاصم - عاصم کے بیٹے یوسف یوسف کے بیٹے شمس - شمس کے بیٹے یوسف - یوسف کے بیٹے عبد الکافی - عبد الکافی

کے بیٹے محمود۔ محمود کے بیٹے ابوالعالم۔ ابوالعالم کے بیٹے ابوالفتح۔ ابوالفتح کے بیٹے ابوالمکارم حاکم نے ۔

واقعات اور کاغذات قدیم سے پیدائش آپ کی عہد اکبر شاہ میں اور وفات عہد جہانگیر بادشاہ میں بعد حصول فرمان قضا محررہ ۱۰۲۵ھ سنہ مسطور الصدر کے معلوم ہوتی ہے ۔ اور مولف شریف عثمانی لکھتے ہیں کہ آپ کے سنہ وفات قاضی محمد یوسف ثالث کے دستخط کے ساتھ ایک بیاض کے ورق کے کونے پر دیکھ کر بعینہ لکھے گئے ۔ مادۂ تاریخ ع گزشتہ بود زر مضان چو ہیزدہ ایام انتھی۔ مگر مولف موصوف نے یہ نہیں لکھا کہ اس مادہ سے کیا سن اور کس طرح نکلتے ہیں۔ بظاہر مصرع کے معنی سے تو تخرجے کی تاریخ معلوم ہوتی ہے کہ جب رمضان سے ہیزدہ ایام گزر گئے تھے یعنی (۱۰۹۱) سے (۸۳) نکال ڈالنے سے (۱۰۰۸) رہ گئے۔ یہ سن وفات قاضی بہکاری کے واقعات زندگی پر نظر کرتے ہوئے صحیح نہیں ہو سکتے ۔ رمضان کے اٹھارہ ایام گزر جانے سے ماہ رمضان کی انیسویں تاریخ صرف ظاہر ہوتی ہے لیکن سنہ وفات نہ تخرجے سے نکلتے ہیں نہ مصرع کے اعداد سے علاوہ سال وفات نہ نکلنے کے تاریخ میں بھی اختلاف ہے کیونکہ میں نے رسالہ قاضی شریف احمد صاحب عثمانی کے ورق پر گیارہویں جمادی الاخری لکھی دیکھی ہے واللہ اعلم۔ مصرع مسطور الصدر میں رمضان کے میم کا سکون اور بھی طرہ ہے قبر قصبے کے دکھن طرف ایک باغ میں ہے جو بندگی قاضی عبداللہ ایم کے تاڑ والے باغ سے ملحق ہے۔

قاضی قطب الدین

آپ ابوالمکارم قاضی بہکاری مذکور کے بڑے بیٹے فلک تمکین کے آفتاب اور دائرہ ملت و دین کے قطب تھے مقام سکونت قلعۂ راجہ سری "اوپر کوٹ"، شریف عثمانی اور رسالہ مسجلات فی تاریخ القضات میں لکھا ہے کہ فاضل کامل اور عالم متبحر اور حافظ کلام اللہ تھے ۔ پدر بزرگوار کے انتقال کے بعد بروز سوم تمام شہر کے رئیسوں نے جمع ہو کر خلعت قضا آپ کو پہنایا اور مردم شہر نے بالاجماع قاضی بنایا۔ آپ کے مُہری قبالے اور حکم نامے شہر میں موجود ہیں ۔ اُسی وقت میں قاضی بڑے کے بیٹے قاضی محمد (آپ کے چچیرے بھائی) بھی اپنی مہر کر دیتے تھے۔ آپ کی دو مہروں کی نقل جیسی دونوں کتب مذکور میں ہی نقل کی جاتی ہے ۔





ایک مہر میں غالباً کچھ الفاظ اُلٹ پلٹ نقل کئے گئے ہیں جن پر مولفین موصوف نے غور نہیں کیا اس مُہر کے الفاظ یہ شعر ہے ؎

بلطفِ جہانگیر صدر کرام — شدہ قطب دین قاضی بلگرام

جیسا کہ قاضی کمال مذکور کی مُہر پر یہ شعر ہے۔

آل احمد مصطفےٰ وعبد حضرت ذوالجلال — ابن قاضی عبد دایم نام وے قاضی کمال

صاحب شرائف عثمانی و رسالہ سجلات دونوں نے آپ کا زمانہ ابتداً عہد جہانگیر میں اور آخر عہد سلطان شاہجہاں بادشاہ غازی میں لکھا ہے۔ اور صرف شرائف عثمانی میں وفات آپ کی بائیسویں تاریخ ماہ رمضان میں ہے سن ندارد۔

واضح ہو کہ آپ کی اصل مہر کا کوئی قبالہ میری نظر سے نہیں گزرا۔ مولفین مذکور نے بھی کسی قبالے کی نقل اپنی کتابوں میں نہیں کی۔ صرف مہروں کی نقل جیسی اُن سے پڑھی گئیں کر دی ہے اُن پر بھی سن نہیں۔ آپ کی قبر کا بھی پتا نہیں۔ غالباً اپنے باپ کی قبر کے پاس دفن ہوئے ہوں گے جسکا پتہ اُن کے حال میں لکھا ہے۔

قاضی صدرالدین

آپ قاضی قطب الدین مذکور کے بڑے بیٹے ہیں مقام سکونت قلعۂ راجہ سری "اوپر کوٹ" حافظ کلام اللہ تھے۔ اُن کے پدر بزرگوار کی وفات کے بعد مردمان شہر نے ان کو قاضی مانا اور احکام قضا کے جاری کرنے میں مشغول ہوئے۔ قاضی بڑے کے دوسرے بیٹے قاضی محمد یحییٰ ان کی نیابت میں قضا کا کام کرتے رہے بعد اُس کے قضا کو ٹھیکے پر لے لیا اور قبالوں وغیرہ پر دونوں کی مُہریں ہوتی تھیں۔

شرائف عثمانی میں لکھا ہے کہ اُس وقت قاضی محمود (آپ کے دادا قاضی بہکاری کے بھائی) بادشاہ کے حضور میں اور قاضی محمد یوسف ثالث (آپ کے سگے چچا) مالوے میں تھے۔ جب یہ خبر ان دونوں کو پہنچی تو بہت ناخوش ہوئے چنانچہ قاضی محمود نے اپنے بھتیجے قاضی محمد یوسف خلف قاضی بہکاری مرحوم کو مکرر خطوط لکھے کہ امر قضا ہمارے آبائے کرام سے ہی اور تم فضیلت رکھتے ہو لازم ہے کہ خدمت فوجداری مالوہ ترک کرکے اپنے آپ کو حضور میں پہنچاؤ کہ تمہارے نام فرمان ہونے کے لئے میں حضرت اقدس (بادشاہ) سے عرض کرچکا ہوں (پس قاضی محمد یوسف مذکور حضور بادشاہ میں پہنچے اور فرمان بادشاہ اُن کے نام ہوگیا۔ اُس کا ذکر قاضی محمد یوسف مذکور کے حال میں ہوگا۔

قاضی احمد اللہ صاحب عثمانی رسالہ مسجلات میں لکھتے ہیں کہ قاضی صدرالدین کے مُہری قبالے وغیرہ اکثر شہر میں موجود ہیں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں اور شرائف عثمانی میں آپ کا زمانہ عہد سلطنت شاہجہاں میں اور مُہر کی نقل یہ ہے۔



وفات آپ کی ماہ رمضان کی تیسری تاریخ لکھی ہے سن ندارد مزار کا پتا نہیں غالباً آپ کے دادا قاضی بہکاری کے مزار کے پاس ہوگا جس کا پتا اُن کے حال میں اوپر لکھا ہے۔

حاجی غلام اخی

آپ غلام محی الدین بن قاضی امجد بن قاضی صدرالدین مذکور کے بڑے بیٹے ہیں۔ مقام سکونت قلعۂ راجہ سری "اوپر کوٹ" قاضی نہ تھے مگر چونکہ بڑے قابل ذی علم اور شجرہ ہذا میں شامل ہیں لہذا تبرکاً آپ کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔

شرائف عثمانی میں لکھا ہے کہ حاجی حرمین شریفین تھے۔ جامع علوم خاص کر فقہ اور حدیث کے زبردست عالم تھے تمام عمر گرامی فقہ اور حدیث کی تصنیف و تالیف میں صرف ہوئی۔ اس علم میں چند کتابیں تصنیف کیں اُن میں غنیت العلم فقہ و حدیث میں اور ترجمہ سراجیہ علم فرائض میں ہے۔

اقرار کرد و اعتراف صحیح شرعی نمود مسماه بهولا بنت اجی منکو ...

تمامی ... که یک ساحت زمین ملکی است بودن

حصار قصبه ... جانب شمال در محله ... پاره مزرعه ... محدود به شرق ... غرب ...

جنوب شمال بیت ... مفروز ... بیست و دو ... بمقدار ...

شرقی ... غربی ... جنوبی ... شمالی ...

حد ... حد ... که ... حد ... سید ...

... جامع ...

زمین مذکوره ... محدود ... ملک مقره مذکوره است که ... بود که زمین

... داشته یافته ... بیت ... ثابت ... ساحت

ساحت مذکوره ... مسطور ... مذکور باختیاری ...

تمام ... جامع ...

اختیاری ... صحیح ... شرعی ... حقوق ... مقره مذکوره زمین ساحت مذکوره

بدست سید حسین بن مرحوم مغفور سید ... بمبلغ ... روپیه ...

شرعی ثابت ... از ... و عاری از ...

... تمام و کمال حاصل شد ... مذکور ...

... مقره مذکوره ...

... جمله ... مذکوره ...

... اعتبار ... [illegible]

حق یہ ہے کہ احادیث کی تحقیقات خوب کی ہے انتہے۔

واضح ہو کہ ترجمہ سراجیہ فرائض سراجی تصنیف شیخ سراج الدین محمد بن عبدالرشید سجاوندی کا عربی سے فارسی میں ترجمہ ہے۔ یہ نسخہ خاص آپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا میں نے دیکھا ہے اس کے خاتمہ پر لکھا تھا (دوازدہم شہر رجب المرجب ۱۱۵۵ھ من ہجرۃ النبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بوقت نماز عصر در ہنگام بیکاری در بلگرام تحریر یافت) **ترجمہ** (ماہ رجب کی بارہویں تاریخ ۱۱۵۵ھ ایک ہزار ایک سو پچپن ہجری میں نماز عصر کے وقت بیکاری کے دنوں میں بلگرام میں لکھی گئی۔

آپ کا انتقال ۱۱۶۱ھ ایک ہزار ایک سو اکسٹھ ہجری مطابق ۱۷۴۷ء ایک ہزار سات سو سینتالیس عیسوی میں بمقام بلگرام ہوا اور میدان پیل میں حضرت قاضی محمد یوسف گازرونی کے مزار کے پاس علیحدہ اپنے قطعۂ زمین میں مدفون ہوئے۔

قاضی محمد یوسف ثالث

آپ کی کنیت ابوالعادل۔ ابوالمکارم قاضی بھکاری مذکور کے دوسرے بیٹے ہیں۔ ۱۱۱۲ھ ایک ہزار بارہ ہجری مطابق ۱۷۰۳ء ایک ہزار چھ سو تین عیسوی بمقام بلگرام قلعہ راجہ سری "اوپر کوٹ" پر پیدا ہوئے اپنے والد بزرگوار کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی۔ عالم متبحر اور فاضل ماہر تھے۔ حضرت شیخ محب اللہ الٰہ آبادی قدس سرہٗ آپ کے استاد اور مرشد تھے۔ خرقۂ خلافت بھی اُنہیں نے پہنایا اور طریقۂ قادریہ وغیرہ کی اجازت دی۔ فقہ اور علم سلوک و تصوف و ادب و اخلاق میں چند کتابیں بعض عربی اور بعض فارسی آپ کی تصانیف سے یادگار ہیں از انجملہ شرح خصوص الحکم۔ رسالۂ نتیجہ۔ شرح سورۂ یوسف شرح عین العلم اور ہدیۃ السلطانیہ[۱] معروف ہیں۔ آغاز شباب میں آپ کے والد نے اپنی جگہ پر صوبۂ مالوہ کی فوجداری پر آپ کو متعین کر دیا تھا۔

---

[۱] شاہزادہ محمد دارا شکوہ نے چند سوالات آپ کے اُستاد و مرشد شیخ محب اللہ الٰہ آبادی کے پاس بھیجکر جواب طلب کیا تھا اور شیخ موصوف نے اُن سوالات کا جواب لکھنے کے لئے آپ کو حکم فرمایا آپ نے دو رسالے ایک عربی میں اور دوسرا فارسی میں لکھے اُنہیں کا نام ہدیۃ السلطانیہ ہے۔ شرائف عثمانی میں رسالۂ فارسی کی نقل کر دی ہے۔

پھر والد بزرگوار اور بڑے بھائی قاضی قطب الدین مذکور کے انتقال کے بعد جب آپ کے بھتیجے قاضی صدرالدین مذکور کو وہاں قصبہ نے قاضی بنایا جیسا کہ اُن کے حال میں اوپر مذکور ہوا تو اپنے منصب قضائے موروثی پر نظر کرکے اپنے چچا قاضی محمود اور چھوٹے بھائیوں قاضی عبدالحی اور شاہ کافی (جو شاہزادہ محمد دارا شکوہ کے مقرب درگاہ تھے) کے اشارے اور ذریعے سے سلطان شاہ جہاں کے حضور میں پہنچکر ۱۰۴۱ھ ایک ہزار اکتالیس ہجری میں جبکہ وہ بعزم قندہار اکبر آباد سے پنجاب کو روانہ ہوئے منصبِ قضائی بلگرام کا فرمان حاصل کیا۔

شرائف عثمانی میں لکھا ہے کہ جب قاضی محمد یوسف مالوے سے حضور بادشاہ میں جانے لگے تب قاضی محمود بادشاہ کے حکم کے بموجب گوالیار گئے تھے اور وہاں سے نواب وزیر اور صدرالصدور کے نام خط لکھ کر قاضی محمد یوسف کے پاس بھیجدئے کہ پہنچکر اُن کو دیں۔ مضمون اُن خطوں کا یہ تھا کہ حامل خط قاضی محمد یوسف اس امر کا وارث ہے ملازمت کا امیدوار ہو کر خدمت میں پہنچتا ہے۔ جو کچھ توجہ اس کے حق میں کی جائے گی وہ میرے ساتھ ہے۔ جب قاضی محمد یوسف حضور میں پہنچے تو وزیرالممالک اور صدر الصدور سے ملاقات کرکے قاضی محمود کے خط دئے۔ دونوں نوابوں نے کہا کہ ہم سعی میں کمی نہ کریں گے لیکن جب تک حکم اقدس نہ ہوگا فرمان نہیں ہو سکتا۔ اور چونکہ ان امور کا تعلق ہم سے ہے اور ہم اس کام کے متصدی ہیں لہذا حضور اقدس سے اس بارے میں عرض نہیں کر سکتے کہ خدا جانے حضرت ظل سبحانی کیا خیال فرمائیں بہتر یہ ہے کہ شاہزادے کے وسیلے سے عرض کیجئے آپ نے دو تین ملاقاتوں کے بعد ایک موقع پر رسالہ ہدیۃ السلطانیہ کا ذکر کیا پھر تو ایک روز نواب مذکور نے شاہزادے سے عرض کیا کہ قاضی محمود کے بھتیجے اور شاہ عبدالکافی کے سگے بھائی قاضی محمد یوسف عالم متبحر اور عارف کامل ہیں اور امر قضائے بلگرام جو اُن کے باپ کے متعلق تھا اُس کا فرمان حاصل کرنے کے لئے چند مدت سے اُردوئے معلیٰ میں حاضر ہیں اور اپنا تصنیف کیا ہوا ایک رسالہ جو اپنے مرشد حضرت شیخ محب اللہ کے حکم سے جناب عالی کے سوالوں کے جواب میں لکھا اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ شاہزادہ محمد دارا شکوہ نے فرمایا کہ وہ بہت جلد حاضر ہوں۔ آپ شاہزادہ موصوف کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شاہزادہ نے بہت عنایت فرمائی اور بلا قید ملاقات کی اجازت دی یہاں تک کہ ایک روز حضرت ظل سبحانی

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

شاہجہاں بادشاہ کی خدمت میں پہنچادیا۔ بادشاہ نے فرمایا مجھے یاد ہے کہ مقرب الحضرت قاضی محمود نے ایک دن اُن کی نسبت فرمان قضا کے بارے میں کہا تھا۔ ضرور فرمان قضا اور موازی ایک سو بیگہ زمین اُن کے نام مقرر ہو۔ چنانچہ فرمان شاہجہان بادشاہ حاصل کر کے چلے آئے۔

نقل فرمان شاہجہاں بنام قاضی محمد یوسف ثالث

چوں بعرض اشرف اقدس و اعلیٰ رسید کہ بموجب فرامین مطاعہ پیش از جلوس حضرت . . . . منصب جلیل القدر قضائے پرگنہ بلگرام سرکار قنوج و موازی یک صد بیگہ زمین از پرگنہ مذکور بنام قاضی بھکاری مقرر بود مشارٌ الیہ ودیعت حیات سپردہ بنابراں حکم جہاں مطاع عالم مطیع شرف اصدار و عز ایراد یافت کہ منصب قضائے پرگنہ مذکور بشریعت مآب صلاح آثار قاضی یوسف ولد متوفی مذکور و موازی یک صد بیگہ زمین بدستور سابق از محل قدیم بشرط قبض و تصرف در وجہ معاش مشارٌ الیہ وغیرہ بموجب ضمن مقرر و مفوض باشد کہ حاصلات آنرا فصل بفصل و سال بسال صرف معیشت خود نمودہ بدعائے دوام دولت ابد پیوند اشتغال نماید و کما ینبغی بلوازم و مراسم آن امر خطیر قیام و اقدام نمودہ دقیقۂ از دقائق حزم و احتیاط در رفع و دفع مخاصمات و مناقشات و کتابت صکوک و سجلات و عقود انکحہ مع الولی و بلا ولی و قسمت ترکات و محارست اموال ایتام و غائبین و بلا وارثین و محافظت احوال مجازیب و مجانین و نصب اوصیا و اقامت جمعہ و جماعات و حدود و جنایات و سائر متعلقات و متفرعات آن امر نوت و فروگزاشت نکند و سویت عدالت را بین المخاصمین نوعے مرعی دارد کہ روز باز خواست از عہدۂ جواب آن بیروں آید۔ می باید کہ حکام و عمال و جاگیرداران و کروریان حال و استقبال استمرار و استقرار این حکم اقدس و اعلیٰ کوشیدہ مشارٌ الیہ را قاضی بالاستقلال پرگنہ مذکور دانستہ غیرے را سہیم و شریک او ندانند و دست تصدیع دما جرائے احکام شرعیہ قوی و مطلق دانستہ صکوک و سجلات را بمہر و دستخط او معتبر شناسند و موازی مذکورہ را بالشرح صدر بہ تصرف او بازگزاشتہ اصلاً و مطلقاً تغیر و تبدل بران راہ ندہند و بعلت بالوجہات و اخراجات مثل قلنغہہ

پیش کش و جرمانہ و محصلانہ و ہراتہ و داروغ گانہ و بیگار و شکار و دہ نیمے و مقدمے و صدودی و قانون گوئی و ضبط ہر سالہ و تکرار زراعت و کل تکالیف دیوانی و مطالبات سلطانی مزاحمت نرسانند و سبیل اہان و موالی و اقاصی و ادانی و جمہور سکنہ و عموم متوطنان آنجا آنکہ موما الیہ را بآن امر منسوب دانستہ در کمات و مرافعات با او رجوع آوردہ قول و فعل او را بشرط مطابقت و موافقت بما جاریہ الہٰی اعتماد و اعتبار نمایند و دریں باب تاکید دانستہ ہر سالہ فرمان و پروانجات مجدد نطلبند و اگر در محلے دیگر زمین داشتہ باشد آنرا اعتبار نکنند و از فرمودہ تخلف و انحراف نورزند تحریراً فی تاریخ ۱۳ اسفند یار ماہ الہٰی ۹ سنہ جلوس) **ترجمہ** (چونکہ یہ بات ظاہر ہوئی کہ اطاعت کئے گئے فرمانوں کے بموجب حضرت ''جہانگیر بادشاہ'' کے جلوس کے پہلے سے پرگنۂ بلگرام سرکار قنوج کا جلیل القدر عہدۂ قضا اور ایک سو بیگہ زمین پرگنۂ مذکور قاضی بھکاری کے نام مقرر تھی وہ فوت ہو گئے اس بنا پر جہان کا اطاعت اور خدمت کیا گیا ''ہمارا''، حکم صادر اور وارد ہوا کہ پرگنۂ مذکور کا عہدۂ قضا اور ایک سو بیگہ زمین شریعت مآب نیکی کی نشانیاں رکھنے والے قاضی یوسف ولد متوفی مذکور کے لئے بدستور سابق قدیم جگہ ''بلگرام'' سے بشرط قبضہ و دخل مشار'' الیہ '' قاضی محمد یوسف'' وغیرہ کے کھانے پینے کو قاعدے کے موجب مقرر اور سپرد ہو کہ اُس کے حاصلات کو فصل بفصل اور سال بسال اپنے سبب زندگی میں صرف کرکے قایم رہنے والی '' ہماری'' دولت کے ہمیشہ رہنے کی دعا میں مشغول رہے اور اس بزرگ امر ''عہدۂ قضا'' کی رسموں اور لازموں پر جیسا چاہئے دلیری کرکے احتیاط اور ہوشیاری کے دقیقوں میں سے دشمنیوں اور جھگڑوں کے رفع اور دفع کرنے اور قبالوں اور دستاویزوں کے لکھنے اور مع ولی اور بغیر ولی کے نکاح باندھنے اور مُردوں کا مال تقسیم کرنے اور یتیموں اور غیر موجودوں اور لاوارثوں کے مال کی حفاظت اور مجذوبوں اور اور مجنونوں کے احوال کی نگہبانی اور وصیت کئے ہوؤں کو اُن کے حق پر قائم کرنے اور جمع اور جماعتوں کے قیام اور تقصیروں کی حدوں اور اس امر ''عہدۂ قضا'' کے تمام متعلقات اور اُسکی شاخوں میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑے اور آپس میں دشمنی رکھنے والوں کے درمیان انصاف کے اعتدال کا اس طرح خیال رکھے کہ قیامت کے روز اُس کا جواب دے سکے۔ چاہئے کہ موجودہ اور آیندہ حکام۔

عامل۔ جاگیردار اور کروری اس پاک اور بلند حکم کو ہمیشہ برقرار رہنے کی کوشش کر کے مشارٌ الیہ و قاضی محمد یوسف کو پرگنہ مذکور کا مستقل قاضی جان کر کسی دوسرے کو اس کا حصہ دار اور شریک نجانیں اور احکام شرعی کے جاری کرنے میں اُس کی مداخلت کو مضبوط اور آزاد جانکر قبالوں اور دستاویزوں کو اُس کی مہر اور دستخط سے معتبر سمجھیں اور زمین مذکورہ کو شرح بالا کے بموجب اُس کے تصرف کے لیے چھوڑ کر ہرگز بالکل اس میں تغیر اور تبدل نہ کریں اور اخراجات مثل نذر بھینٹ۔ جرمانہ محصلانہ۔ مہرانہ۔ داروغ گانہ۔ جنگ۔ شکار۔ عشر۔ مقدمی۔ صدودی۔ قانونگوئی۔ سالانہ انتظام۔ یار بارکھیتی کرنا اور کل احکام دیوانی اور مطالبات سلطانی میں کسی وجہ سے تنگی نہ کریں اور صاحبان اور خداوندان دور و نزدیک کے لوگ اور تمام باشندے اور وہاں کے سب رہنے والے مومی الیہ "قاضی محمد یوسف" کو اس امر پر قائم جانکر جھگڑوں کا تصفیہ کروانی اور دادخواہی میں اُس کی طرف رجوع ہو کر اُس کے قول و فعل پر بشرط مطابقت و موافقت حکم نبوی اعتبار اور بھروسا کریں اور اس بارے میں تاکید جان کر ہر سال نیا فرمان اور پروانے طلب نہ کریں اور اگر کسی دوسرے مقام پر اُس کی زمین ہو تو اُس پر بھروسہ نہ کریں اور فرمائے ہوئے کیخلاف اور حکم عدولی نہ کریں۔ تاریخ تحریر اکتیس[۳۱] اسفندار ماہ فارسی سنہ ۹ نو جلوس) فرمان حاصل کرنے کے بعد چند سال بڑے استقلال سے امور شرع کو جاری کر کے احکام قضا اپنے بڑے بیٹے قاضی محمد فضیل کو سپرد کر دئے اور خود گوشۂ عزلت اختیار کر کے طاعت و عبادت میں مشغول ہو گئے۔ بعض حکام پرگنہ نے موضع مہورا آپ کو وجہ معاش میں دے دیا۔

شرایف عثمانی میں لکھا ہے کہ آپ نے اپنے آبا کی رسم کے مطابق دو بیگہ آٹھ بسوہ بارہ بسوانسہ پختہ زمین میر سید طیب بن سید عبدالواحد اکبر مرحوم کو بخشدے اور پانچ بیگہ پندرہ بسوانسہ پختہ میر سید عبدالواحد ثانی پسر کلاں سید طیب مذکور کو مع بھائیوں کے تملیک کر دی اُس پر پختہ سرائے بنی ہے جو سرائے میران جی کہلاتی ہے اور دونوں تملیک ناموں کی حدوں میں آراضی ملکیت قاضی لکھی ہے۔

پہلے قطع کا تملیک نامہ آپ نے اپنے اور دیگر شرکا قاضی عبدالحی و شاہ عبدالکافی ابناے قاضی بھکاری۔ اور قاضی صدرالدین وغیرہ فرزندان قاضی قطب الدین۔ اور قاضی محمد وغیرہ

وارثان قاضی بڑے۔ اور قاضی محمد منعم و قاضی احمد قلی ابنائے قاضی محمود۔ اور قاضی خوبہ و قاضی معین الدین و قاضی عبداللہ وغیرہ وارثان قاضی بازید۔ اور شیخ خدا قلی وغیرہ وارثان شیخ وجیہ الدین اور شیخ غلام محمد و شیخ اللہ دیئے وغیرہ وارثان شیخ احمد کے اقرار سے میر سید طیب مذکور کے نام پانچویں تاریخ ماہ شعبان ۱۰۵۰ ایک ہزار پچاس ہجری مطابق ۱۶۴۰ ایک ہزار چھ سو چالیس عیسوی کو لکھدیا۔

حدود اربعہ

شرقی	غربی	جنوبی	شمالی
حد زمین مالکان مذکور	حد زمین مالکان مذکور	متصل دیوار خانہ میر مذکور	زمین مالکان مذکور

اراضی مذکور کے گواہان ملکیت قاضی دولے اور قاضی اوہن ہیں۔ اور تملیک نامے پر قاضی محمد یوسف۔ قاضی عبدالحی۔ قاضی عبدالکافی۔ صدر الدین۔ علیم الدین۔ محمد منعم۔ احمد قلی۔ معین الدین۔ عبدالواحد۔ محمد اسحاق وغیرہ۔ اور محمد ہاشم شریف بہرائچی۔ سید صدر جہان۔ اور سید حبیب کی مہریں ہیں۔

دوسرا قطعہ دو حصوں پر منقسم ہے جو سلہڑا تالاب کے قریب واقع ہے۔ اس کا تملیک نامہ بھی آپ نے اپنے اور دیگر شرکا قاضی عبدالحی بن قاضی بہکاری۔ اور قاضی صدر الدین و بدر الدین و علیم الدین ابنائے قاضی قطب الدین بن قاضی بہکاری مذکور۔ قاضی محمد شافعی بن قاضی شاہ عبدالکافی بن قاضی بہکاری۔ اور قاضی محمد منعم و قاضی احمد قلی ابنائے قاضی محمود اور محمد سعید ولد قاضی محمد۔ اور قاضی عبدالغفور و قاضی محمد سبحان ابنائے قاضی عبدالرسول۔ اور قاضی بڑے ثانی بن عبدالغنی بن قاضی عبدالرسول مذکور۔ اور قاضی برخوردار بن قاضی بڑے اول۔ اور قاضی عبداللہ و سلام اللہ و ثناء اللہ و اسد اللہ ابنائے قاضی بدلے۔ اور مسماۃ بی بی پیاری منکوحۂ قاضی عبدالغنی۔ اور مسماۃ بی بی عائشہ منکوحۂ قاضی شافعی۔ اور مسماۃ بی بی رابعہ منکوحۂ قاضی کمال۔ اور مسماۃ سلیم خاتون منکوحۂ دوم قاضی میانجی۔ اور قاضی عبداللہ بن قاضی بہاء الدین۔ اور مسماۃ بی بی حلیمہ بنت قاضی بھیکن منکوحۂ قاضی محمد قایم وارث از جانب پدر و شوہر خود۔ اور محمد فاضل بن قاضی محمد۔ اور مسماۃ کریمہ بنت عبدالحکیم منکوحہ قاضی میکو بن قاضی محمد مذکور۔ اور محمد قلی بن خدا قلی بن اکبر قلی۔ اور مسماۃ بی بی بھیکن بنت عبدالرزاق منکوحہ شیخ میان بن مصطفےٰ قلی۔ اور

شیخ معین الدین و عبدالرسول ابنائے شیخ غلام محمد بن شیخ احمد اور مسماۃ بی بی احین بنت عبدالرزاق منکوحۂ شیخ اللہ دیے بن شیخ احمد مذکور (جو ہر ایک قاضی کمال و شیخ عبدالحی دانشمند و قاضی بازید ابنائے بندگی قاضی عبدالدایم کی اولاد سے ہیں) کے اقرار سے میر سید عبدالواحد ثانی بن میر سید طیب کے نام چودھویں تاریخ ماہ جمادی الاول ۱۰۷۹ھ ایک ہزار اناسی ہجری مطابق ۱۶۶۸ء ایک ہزار چھ سو اڑسٹھ عیسوی کو لکھدیا۔

پہلے حصے دو بیگہ تین بسوے کے حدود اربعہ

شرقی	غربی	جنوبی	شمالی
حد زمین حصہ دوم جسکا ذکر آتا ہے	حد زمین مقربین مذکورین	حد قطعہ زمین پیلبانان	حد زمین مقابر

(دوسرے حصے دو بیگہ سترہ بسوہ پندرہ بسوانسہ کے حدود اربعہ)

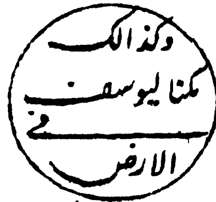
شرقی	غربی	جنوبی	شمالی
حد شارع عام	حد زمین حصۂ اول مذکور	حد شارع عام	حد زمین مقابر بلک نصرن و مقابر غسالان

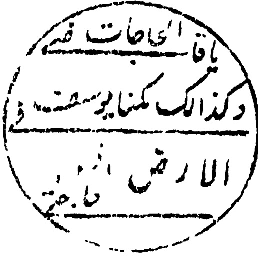
اراضی مذکور کے گواہان ملکیت سید پیارے بن سید قوام اور سید صادق بن سید تاج الدین ہیں اور گواہان حاشیہ رحیم اللہ ولد شیخ حبیب اللہ۔ بہاءالدین بن قاضی عثمان۔ محمد مراد ولد قاضی معین الدین عرف قاضی اوھن تاج معین الدین بن شیخ رکن الدین۔ سید غلام محمد۔ محمد ہاشم شریف۔ عبدالکریم۔ اسمٰعیل الحسینی محمد فیض بن محمد صادق الحسینی۔ حیدر علی۔ محمد صادق۔ پیارے ولد سید خواجہ ہیں اس تملیک نامے پر آپ کی یہ مہر ہے۔ اسی زمین پر سید عبدالواحد مذکور نے سرائے آباد کی۔ جو سرائے میران جی کہلاتی ہے۔ دونوں تملیک نامہائے مذکورالصدر کی نقلیں شرائف عثمانیہ میں درج ہیں۔

محمد یوسف
شریف اسست
خادم شرع

شرائف عثمانی میں یہی لکھا ہے کہ سرائے مذکور کے دکھن طرف جو قطعۂ زمین ہے وہ قاضی عبدالغفور ولد قاضی عبدالرسول بن قاضی بڑے نے سید عبدالواحد مذکور کو ہبہ کیا ہے چنانچہ تینوں قطعوں کے ہبہ نامے سید صاحب کی اولاد کے پاس موجود ہیں۔ اور سلہڑے کی چند بگیہ زمین حضرت قاضی یوسف کلاں حاکم کے فرزندوں نے غسالوں اور پیلبانوں کو بخش دی۔ آپ نے قلعۂ راجا سرے "اوپر کوٹ" پر کثرت خانہائے اولاد یک جدی کی وجہ سے قلعۂ مذکور کے نیچے دکھن طرف جدید حویلی تعمیر کرکے سکونت اختیار کی۔ اسی میں اب تک آپ کی اولاد کی سکونت ہے۔ اور آپ کے بڑے بھائی قاضی قطب الدین بن قاضی بھکاری کی اولاد کی سکونت اوپر کوٹ پر رہی۔

صاحب شرائف عثمانی اور مولف رسالۂ مسجلات دونوں نے لکھا ہے کہ صکوک و سجلات آپ کے دستخطوں کے بخط ثلث و نستعلیق مع طغرا و مہر اکثر شہر میں موجود ہیں ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ ایک نویں تاریخ ماہ ربیع الآخر ۱۰۵۴ھ ایک ہزار چوّن ہجری اور دوسرا چبیسویں تاریخ ماہ ذی الحجہ ۱۰۷۰ھ ایک ہزار چوستر ہجری کا لکھا ہوا۔ بوجہ اطالت کلام کے سجلات کی عبارت نہیں لکھی گئی۔ آپ کی تین مہریں تھیں ایک کی نقل اوپر ہو چکی اور دو یہ ہیں۔





رسالہ مسجلات میں دستخط کے طغرے کی نقل یہ ہے۔



عبارت طغرا:- اقرالمقر بما فیه کتبه ابوالعادل یوسف ابن المکارم بن ابوالفتح بن ابوالعالم بن محمود الہداد بن عبدالکافی بن یوسف بن شمس بن یوسف ـ ـ ـ ـ ـ بن عاصم بن خالد بن داؤد عثمان الحاکم۔

ترجمہ۔ جو کچھ قبالے میں لکھا ہے اُس کا اقرار کرنے والے نے اقرار کیا لکھا اُس کو داؤد عثمان کے بیٹے خالد۔ خالد کے بیٹے عاصم۔ عاصم کے بیٹے یوسف۔ یوسف کے بیٹے شمس۔ شمس کے بیٹے یوسف۔ یوسف کے بیٹے عبدالکافی عبدالکافی کے بیٹے محمود الہداد۔ محمود الہداد کے بیٹے ابوالعالم۔ ابوالعالم کے بیٹے ابوالفتح ابوالفتح کے بیٹے ابوالمکارم۔ ابوالمکارم کے بیٹے ابوالعادل یوسف حاکم نے۔

واضح ہو کہ دستخط طغرا کا رواج آپ ہی کے وقت تک رہا بعدۂ آپ کی اولاد میں قضات قبالوں پر صرف مُہر کیا کرتے تھے۔ آپ کی وفات بہتر سال کی عمر میں ماہ ذیقعدہ کی پانچویں تاریخ ۱۰۸۴ھ ایک ہزار چوراسی ہجری مطابق ۱۶۷۳ء ایک ہزار چھ سو تہتر عیسوی میں ہوئی صاحب شرائف عثمانی اور مولف رسالۂ مسجلات نے میر ضیاء اللہ بلگرامی کی یہ تاریخ لکھی ہے مثنوی

آہ قاضی یوسفم گو آہ آہ	بادشادان او برضواں آلہ
در سن ہشتاد و چارم با ہزار	خامس ذیقعدہ رفت آں یار غار
سال فوتِ آن شریعت دستگاہ	آہ قاضی یوسف آمد آہ آہ
نیز رضی اللہ بہ از غیب دان	رحمتِ رضواں بروحش جاوداں

پہلے مادے آہ قاضی یوسف آہ آہ میں ایک عدد زیادہ اور دوسرے مادے رضی اللہ بہ میں ایک عدد کم ہے مادہ اول کی نسبت دونوں کتب مذکورہ کے مولفین نے لکھا ہے کہ "با بیمارہ اسقاطی کلمہ آمد ساقط گشت اعتبار یک عدد دریاب"، یہ معمہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ کلمۂ آمد ساقط ہونے اور اُس سے ایک عدد اعتبار کرنے کا اشارہ۔ اشعار میں تو کہیں معلوم نہیں ہوتا۔ علاوہ اسکے آمد کے اعداد پینتالیس ہیں اُس کے ساقط ہونے سے ایک عدد کیوں اعتبار کیا جائے۔ نہیں معلوم یہ کس قسم کا تخرجہ ہے۔ دوسرے مادے کی نسبت مولف رسالہ مسجلات نے لکھا ہے کہ "بحساب مکتوبہ با لف ملفوظ کہ در لفظ اللہ خواندہ میشود نیز تاریخ وفات است"، خیر یہ تاریخ زبردستی لف ٹھونس کے ہو گئی حالانکہ خلاف ہے کیونکہ جملہ محققین محقق طوسی اسی قول کے پابند ہیں کہ ع

اللہ بود یک الف و بود و لام ۔ پھر اللہ میں دو الف کیونکر مانے جاسکتے ہیں ۔ بہر حال یہ مادہ ہائے تاریخ اور مضمون اشعار کی بندش اور صورت الفاظ عجیب و غریب ہے بہتر یہ ہے کہ تاریخ صوری کا اعتبار کیا جائے اور مادۂ اول میں ایک عدد کی زیادتی اور مادہ ثانی میں ایک عدد کی کمی ملا جلا کر دونوں مادے ۱۰۸۴ھ ایک ہزار چوراسی کے برابر سمجھ کے مصنف تاریخ کی روح خوش کر دی جائے ۔ مزار قاضی محمد یوسف مذکور کا بھلواری والے باغ میں ہے جو آپ نے خود اپنے محلے سے دو تین قطعوں کے فاصلے پر لگایا تھا اور اُس میں پختہ کنواں بھی تعمیر کرایا تھا ۔ آپ کے فرزند دوم قاضی محمد سلیم ہر سال آپ کا عرس کیا کرتے تھے ۔

قاضی محمد فضیل

آپ قاضی محمد یوسف ثالث مذکور کے بڑے بیٹے ہیں ۱۰۵۱ھ ایک ہزار اکاون ہجری مطابق ۱۶۴۱ء ایک ہزار چھ سو اکتالیس عیسوی میں پیدا ہوئے مقام سکونت قاضی پورہ زیر قلعۂ راجہ سری " اوپر کوٹ " جانب جنوب پہلے علوم ظاہری و باطنی اپنے والد ماجد کی خدمت میں بہ ترتیب حاصل کیے بعدہٗ ملا محمد حرم ساکن دیوہ کی خدمت میں کتب درسی کی تکمیل کر کے سترہ برس کی عمر میں فاتحۂ فراغ حاصل کیا ۔ جامع صفات حمیدہ و اخلاق پسندیدہ تھے ۔ اعزاے شہر نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آتے تھے ۔ صاحب رسالہ مسجلات لکھتے ہیں کہ نسخۂ کافیہ و شافیہ وغیرہ آپ کے دستخط خاص کے ساتھ موجود ہیں ۔ آپ کے والد ماجد نے فرمان قضا ہونے کے بعد چند مدت عہدۂ قضا کا کام کر کے جب آپ تحصیل علوم سے فارغ ہوئے تو کاروبار قضا آپ کے سپرد کر دئے اور خود عبادت خدا میں مشغول ہوئے ۔ آپ نے بڑی قابلیت سے امور قضا کو انجام دیا افسوس کہ اپنے والد ماجد کے سامنے اٹھارہ برس کی عمر میں فوت ہوئے ۔ آپ کی دو مہریں یہ تھیں ۔





وفات آپ کی یوں ہوئی کہ ایک روز اپنی زمینداری موضع مہو میں گئے تھے جیسے ہی وہاں پہنچے نہایت شدت سے دردِ سر ہوا۔ اسی دن پالکی پر سوار ہو کر گھر واپس آئے ایک دن دردِ سر شدت سے رہا دوسرے دن ماہ شعبان کی چوبیسویں تاریخ ۱۰۷۹ھ ایک ہزار اُناسی ہجری مطابق ۱۶۶۸ء ایک ہزار چھ سو اڑسٹھ عیسوی میں انتقال ہوا اور اپنے پدر بزرگوار کے پھلواری والے باغ میں دفن ہوئے۔

قاضی محمد سلیم عرف لال میاں

آپ قاضی محمد یوسف ثالث مذکور کے فرزند دوم اور قاضی محمد فضیل مذکور کے منجھلے بھائی ہیں مقام سکونت قاضی پورہ زیر قلعۂ راجہ سری "اوپر کوٹ" جانب جنوب۔ زیور علم و حلم سے آراستہ۔ خلیق۔ باتمکین اور ذی وفا بزرگ تھے اپنے بڑے بھائی قاضی محمد فضیل مذکور کی وفات کے بعد اپنے والد ماجد کے سامنے ہی احکام قضا میں مشغول ہوئے۔ آپ کے والد نے اپنی اخیر عمر میں مرزا ابرول سے درخواست کہ میرا لڑکا محمد سلیم زیور علم و حلم سے آراستہ اور منصب قضا کی لیاقت رکھتا ہے اور میری عمر بہتر سال کی ہوئی ہیں قضا کو ترک کر کے گوشۂ قناعت میں خدا کی عبادت میں مشغول رہتا ہوں۔ چنانچہ اُن کی خواہش پر مرزا ابرول کی تجویز کے بموجب امر قضا آپ کو سپرد ہوا۔ تجویز نامے کی نقل یہ ہے۔ (چوں امر جلیل القدر منصب قضا پرگنہ بلگرام سرکار لکھنؤ من مضاف صوبۂ اودھ بنام شریعت و فضیلت شعار دیانت و تقویٰ دثار قاضی محمد یوسف بموجب فرمان حضرت اعلیٰ مقرر است و از مدت سی و چند سال است کہ مشارٌ الیہ در اجرائے امور شرایع اشتغال داشتہ دریں ولا کہ سن سال موٗمیٰ الیہ بہفتاد و دو رسیدہ میخواہد کہ در حین حیات بجائے خود محمد سلیم پسر خود را بخدمت قضا منسوب کند و خود بگوشۂ عبادت الٰہی مشغول باشد قاضی معز الیہ اظہار این معنی بایں جانب کرد بسیار پسند خاطر آمدہ الحق کہ فضیلت ماب دیانت آیات محمد سلیم پسر قاضی مذکور لیاقت و صلاحیت ایں خدمت دارد و فضیلت و طالب علمی ہومی الیہ بوجہ احسن ہویدا است و اکابر و اصاغر این پرگنہ از راستی و نیک نہادی مشارٌ الیہ رضا مند اند و امید از درگاہ فلک اشتباہ دارد کہ سند جدید بنام فضیلت مآب مذکور باوجہ کفاف مرحمت شود

وایں مہر بر تجویز نامہ ثبت شد)

پردل از جان مرید شاہ عالمگیر

ترجمہ (پرگنہ بلگرام سرکار لکھنؤ متعلق صوبہ اودہ کا جلیل القدر منصب قضا جو شریعت فضیلت۔ دیانت اور تقوی کے رکھنے والے قاضی محمد یوسف کے نام حضرت اعلیٰ "شاہجہاں" کے فرمان کے بموجب مقرر ہے۔ تیس اور چند سال سے مشار الیہ "قاضی محمد یوسف" امور شرایع کے جاری کرنے میں مشغول رہا اب کہ مومی الیہ "قاضی محمد یوسف" کی عمر بہتر سال کی ہوئی وہ چاہتا ہے کہ اپنی زندگی میں بجائے خود اپنے بیٹے محمد سلیم کو خدمت قضا کے ساتھ منسوب کرے اور خود گوشے میں خدا کی عبادت کرے۔ قاضی معز الیہ "قاضی محمد یوسف" نے یہ بات مجھ سے ظاہر کی مجھکو بہت پسند آئی۔ بے شک فضیلت مآب دیانت نشان محمد سلیم پسر قاضی مذکور اس خدمت کی لیاقت اور صلاحیت رکھتا ہے اور اس کی فضیلت و علمیت بخوبی ظاہر ہے اور اس پرگنے "بلگرام" کے چھوٹے بڑے اُس کی سچائی اور نیک نہادی سے رضامند ہیں۔ فلک کا شبیہ ہیولی "بہت بلند" درگاہ سے امید وار ہوں کہ فضیلت مآب مذکور "محمد سلیم" کے نام جدید سند مع خرچ معاش مرحمت ہو اور یہ مہر تجویز نامے پر ثبت ہوئی)

اس تجویز نامے کی نقل میں تاریخ تحریر نہیں لکھی ہے مگر چونکہ قاضی محمد یوسف ثالث نے بہتر سال کی عمر میں ماہ ذیقعدہ کی پانچویں تاریخ سنہ ۱۰۸۴ ایک ہزار چوراسی ہجری میں انتقال کیا اور اپنی آخر عمر سنہ مذکور ہی میں مرزا پردل مذکور سے محمد سلیم کے قاضی ہونے کی درخواست کی اور اُسی وقت مرزا پردل نے تجویز نامہ تحریر کیا لہذا اس کی تاریخ تحریر سنہ ۱۰۸۴ ایک ہزار چوراسی ہجری میں ماہ ذیقعدہ سے قبل کے کسی مہینے کی ہے۔

الختصر قاضی محمد سلیم نے چند مدت امر قضا کو انجام دیا چونکہ طبیعت آپ کی فقر کی طرف مائل تھی اس لئے شیخ عبدالعزیز نیابتاً کام کرتے تھے۔ بالآخر آپ نے امر قضا کو ترک کرکے قاضی محمد فضیل مذکور کے بڑے بیٹے محمد حافظ اپنے سگے بھتیجے کو سپرد کر دیا اور خود عبادت خدا میں زندگی بسر کی۔ اپنے پدر بزرگوار کی طرح ہر پنجشنبہ کو بوقت شب مجلس مولود نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔ آپ سے اور میر لطف اللہ عرف شاہ لدہا بھتیجے سے بہت محبت تھی جب شاہ لدہا

مذکور اسباب معاش ظاہری اور دنیا کو ترک کرکے اپنے پیر و مرشد سے خرقۂ خلافت حاصل کرکے بلگرام میں تشریف لائے تو اپنے دروازے پر بیٹھا کرتے تھے اور اکثر یار و معتقد لوگ بھی وہاں بیٹھتے تھے۔ یہ بات اُن کے برادران عشیرہ کے مردوں اور عورتوں کی تکلیف کا باعث ہوئی اور میر شاہ لدہا اُن لوگوں کی آزردگی خاطر کے سبب سے اپنی نشست گاہ ترک کرکے اپنے باغیچے میں جو اُن کے بزرگوں کا قبرستان تھا جاکر بیٹھ رہے۔ جب قاضی محمد سلیم اپنی عادت کے موافق شاہ لدہا کے یہاں گئے اور یہ حال معلوم ہوا تو باغیچۂ مذکور میں جاکر با آرزوئے تمام اُنہیں اُن کے گھر لاکر دیوان خانے میں بٹھایا اور اُن کے برادران عشیرہ کو اُن کی مخالفت سے باز رکھا۔ اور مبلغ ساٹھ روپے شاہ لدہا صاحب کی وجہ کفاف کے لئے عامل وقت سے مقرر کرادئے۔ اس کے بعد نواب شیخ روح الامین خاں عثمانی نے مبلغ ایک سو روپے اور اضافہ کرا کے جملہ ایک سو ساٹھ روپے سرکار سے مقرر کروائے۔

شرائف عثمانی میں لکھا ہے کہ قاضی صاحب موصوف نے موضع بھلیدر پور نذر کر دیا ہر چند کہ حضرت شاہ لدہا حاصل موضع کو قبول نہیں کرتے تھے لیکن آپ نے اُن کے بیٹے میر عظمت اللہ بیخبر کے نام اس موضع کو مقرر کر دیا اس کا محصول اپنے عین حیات تک سال بسال پہنچا دیتے تھے۔

آپ بہت صاحب جاہ و دولت تھے۔ دو تین گھوڑے۔ پالکی۔ چار پانچ اونٹ۔ غلام اور لونڈیاں وغیرہ ہمیشہ رہتے تھے۔ آپ کے خسر عبد الغنی صفی پوری کی بارہ لڑکیاں تھیں وہ اتنے صاحب دولت تھے کہ ہر داماد کو علحدہ علحدہ گھر بنوادئے اور جملہ مصارف اُن کے گھوڑے اور خدمت گار وغیرہ اپنے متعلق کرلیے کہ وہ اپنے اپنے گھر چھوڑ کر انہیں کے سایۂ عاطفت میں رہنے لگے۔ اسی طرح قاضی محمد سلیم کے ساتھ بھی سلوک کرنا چاہا مگر آپ اپنی زندگی بھر میں دو مرتبہ اُن کے یہاں گئے ایک بار شادی کے دن اور دوسری بار چوتھی میں۔ خسر صاحب نے بہت چاہا مگر آپ پھر نہ گئے۔ اُنھوں نے کہا کہ خسر بجائے باپ کے ہوتا ہے مگر قاضی ہماری دولت کو خس کے برابر بھی نہیں سمجھتے۔ جب کبھی خسر صاحب خط لکھتے تو آپ کو حضرت قبلہ کے آداب سے یاد فرماتے تھے۔ آپ کی عدالت۔ فیاضی اور اخلاق وغیرہ کے تمام بزرگان شہر معترف تھے۔ میر عظمت اللہ صاحب بے خبر رحمت اللہ علیہ نے اپنے تصنیف نسخہ استغنائیہ میں آپ کی تعریف لکھی ہے۔ آپ کے اخلاق کی یہ حالت تھی کہ

ایک وقت برادران سادات مثل سید سالار۔ سید حیدر علی۔ سید فیض اللہ سید کا سو وغیرہ کے تعلقے مالگذاری کے ادا نہ ہونے سے شکست ہوئے جاتے تھے اور حاکم وقت نے سب کو قید کر دیا۔ جب بہت شدت ہوئی تو اُن سب نے آپ کو رقعہ لکھا۔ آپ نے قلعے میں پہنچکر اپنی ضمانت پر سب کو چھڑوا دیا۔ سادات نے ضمانت کا روپیہ ادا کیا مگر چودہ ہزار روپیہ باقی رہ گیا وہ حاکمِ وقت نے آپ سے طلب کیا۔ آپ نے فوراً اپنے پاس سے ادا کر دیا۔ منجملہ چودہ ہزار کے دس ہزار روپیہ مال گذاران مذکور نے آپ کو ادا کیا اور باقی چار ہزار روپیہ کی بابت تمسک آپ کو لکھدیا اُسمیں ایک کوڑی نہ وصول ہوئی جب آپ کی وفات کا وقت آیا تو جتنے تمسک گھر میں تھے سب کو چاک کر کے مال گزاروں کو قید قرض سے آزاد کر دیا۔ میر سید احمد کی پختہ سرا کے متصل آپ کی زمین ملکیت سلیم آباد کے نام سے موسوم تھی۔ انقلاب زمانہ سے زمین مذکور کے وارثوں نے سید محمد فاضل کے ہاتھ بیچ لی اور سید مذکور نے اپنے بیٹے کے نام سے اُس کا نام فیض آباد رکھا۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ آپ کی کرامات کی بہت سی حکایتیں ہیں بعض اُن میں سے انیس المحققین میں منقول ہیں۔

رسالہ مسجلات میں ہے کہ آپ کے جملہ خوارق عادات سے ایک سچا خواب ہے کہ آپ نماز صبح کے وقت اُٹھے اور اپنی بیوی سے کہا کہ آج شاہ لدہا کے گھر میں پوتا پیدا ہوا جو کچھ غلہ رکھا ہو بھجوا دو۔ اُسی وقت فرمانے کے بموجب آپ کی بیوی نے غلہ لونڈیوں کے سروں پر لدوا کر بھجوا دیا۔ اُسی رات کو میر نوازش علی عرف لالا میاں پیدا ہوئے تھے۔ رسالہ مذکور میں یہ بھی لکھا ہے کہ آپ کی مُہر کے اکثر قبالے شہر میں موجود ہیں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ منجملہ اُن کے سید ابراہیم عرف سید میاں کی خانقاہ کے متصل زمین کا تملیک نامہ ماہ صفر کی گیارہویں تاریخ سنہ ۱۰۸۵ ایک ہزار پچاسی ہجری کا لکھا ہوا ہے۔

آپ کی دو مہریں ہیں[۱] نقل اُن کی یہ ہے۔

[۱] اسی فصل میں اوپر قاضی کمال کی مہر کے شعر کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔





ماہ محرم کی اٹھائیسویں تاریخ سنہ ۱۱۴۲ ایک ہزار ایکسو چودہ ہجری مطابق سنہ ۱۷۲۰ ایک ہزار سات سو دو عیسوی میں لاولد فوت ہوئے۔

میر آزاد صاحب نے ماثر الکرام میں آپ کا مختصر حال لکھا ہے اُس میں آپ کو سید العارفین "شاہ لدھا" کا مرید بتایا ہے مگر صاحب شرائف عثمانی نے اس قول کو قاضی محمد حافظ کے ذکر میں غلط لکھا ہے۔ میر آزاد نے وفات کی تاریخ آیۂ کریمہ ویجزی الذین احسنوا بالحسنیٰ سے استخراج کر کے لکھی ہے مزار آپ کا پھلواری والے باغ میں اپنے پدر بزرگوار کے مزار کے جانب مشرق ہے نہایت خوبصورت پرتکلف گچ سے بنا ہوا تھا اب وہاں بجائے پھلواری کے کھیت اور بجائے پرتکلف مزار کے ٹوٹا ہوا چبوترہ باقی ہے۔

شیخ محمد واسع

آپ قاضی محمد یوسف ثالث مذکور کے فرزند سوم اور قاضی محمد سلیم مذکورین کے مختلف البطن بھائی ہیں۔ ۱۰۵۳ھ ایک ہزار ترپن ہجری مطابق ۱۶۴۳ء ایک ہزار چھ سو تینتالیس عیسوی میں پیدا ہوئے۔ مقام سکونت قاضی پورہ زیر قلعہ راجہ سری "اوپر کوٹ" جانب جنوب۔ فاضل مستعد تھے علم باطنی بھی رکھتے تھے ایک رات کو سید لطف اللہ عرف شاہ لدھا بہتے قدس سرہٗ کے یہاں سے اپنے گھر کو آرہے تھے اثنائے راہ میں ماہ ذیقعد کی آٹھویں تاریخ ۱۰۷۲ھ ایک ہزار بہتر ہجری مطابق ۱۶۶۱ء ایک ہزار چھ سو اکسٹھ عیسوی میں بروز یکشنبہ اُنیس برس کی عمر میں چوروں کے ہاتھ سے لاولد شہید ہو کر باغ پھلواری میں مدفون ہوئے۔ سید احمد حسینی بلگرامی نے یہ صوری تاریخ کہی **مثنوی**

درمہ ذیقعدہ رفت آں نیکنام　　　　از شہادت جانب دارالسلام
ہشتمی تاریخ بُد روزِ وصال　　　　روز یکشنبہ ازاں نیکو خصال
بود ہفتاد و دو از ہجرت ہزار　　　　احمدش تاریخ گفتہ ہوش وار

قاضی محمد حافظ

آپ قاضی محمد فضیل مذکور کے بڑے بیٹے اور قاضی محمد سلیم مذکور کے بھتیجے ہیں مقام سکونت قاضی پورہ زیر قلعہ راجہ سری "اوپر کوٹ" جانب جنوب۔ سید اُس آپ کی واقعات سے

گیارہویں صدی ہجری اور سترہویں صدی عیسوی کے ربع سوم میں معلوم ہوتی ہیں علوم منقولات ومعقولات کے عالم اور جامع کمالات صوری ومعنوی تھے۔ شوق تحصیل علوم میں پہلے وطن سے نکل کر قصبۂ مانک پور میں ملا محمود سے کتب مختصرات پڑھیں۔ جب مطولات کی نوبت آئی تو وہاں سے چالس پہنچکر سید غلام مصطفیٰ المعروف بملا باسو کی خدمت میں کتب مطولات کے سبق کی درخواست کی ملائے موصوف نے اپنے فرزند محمد باقر کے سبق کی سماعت کا حکم دیا۔ آپ نے اس حکم سے شکستہ خاطر ہوکر عرض کی کہ حضرت کے صاحبزادے اور مجھ میں جو زیادہ مستعد ثابت ہو اُس پر سبق کی قرأت مسلم فرمائی جائے۔ اس بات پر ملا صاحب نے دونوں کا مقابلہ کروایا اور آپ کو اپنے فرزند پر غالب پاکر آپ ہی کو پڑھنے کی اجازت دی۔ اُس روز سے آپ کے حال پر توجہ فرمانے لگے اور سب طلبا میں آپ کو برگزیدہ اور سردار سمجھنے لگے۔ مقدمات معقولات آپ کو اس قدر یاد تھے کہ جملہ طلبا میں سے کسی کو آپ کے سامنے زبان کھولنے کا حوصلہ نہوتا تھا آپ ایک مدّت تک ملا باسو کے مدرسے میں رہے چنانچہ ملا باسو کے مدرسے میں حجرہ قاضی مشہور رہے جس وقت نواب معزموسوی خاں فطرت صوبہ پٹن کی وقایع نگاری کی خدمت پر مامور ہوکر جارہے تھے قصبہ چالس میں ٹھہرنے کا اتفاق ہوا۔ چونکہ خود مرد فاضل تھے اور ملا باسو کی شہرت کا آوازہ تمام عالم میں گونج رہا تھا نواب مذکور نے ملا صاحب سے قدم رنجہ فرمانے کی درخواست کی۔ ملا متوکل آدمی تھے عذر کہوا بھیجا۔ آخر خان موصوف خود سوار ہوکر مدرسۂ ملا میں آئے اور ملاقات کی۔ تھوڑے عرصے کے بعد علمی ذکر چھڑا اور رفتہ رفتہ مقدمات معقولات کی بحث شروع ہو گئی۔ ملا چونکہ ہندوستانی تھے اور خان موصوف مرد ولایت زا اس لئے دونوں میں گفتگو بخوبی نہیں ہوسکتی تھی۔ نہ ملا کی تقریر خان اچھی طرح سمجھتے تھے اور نہ خان کی تقریر ملا۔ قاضی محمد حافظ مجلس میں حاضر تھے اُنھوں نے ملا صاحب سے عرض کی اگر حکم ہو تو میں آپ کے اور خاں صاحب کے درمیان ہوکر آپ کی تقریر کو فارسی میں بوجہ احسن عرض کرکے جواب شافی پہنچاؤں۔ ملاّ نے فرمایا بہتر ہے پس قاضی صاحب خان معزی الیہ کی طرف متوجہ ہوئے اور گفتگو شروع ہو گئی۔ تین روز کامل بحث رہی نواب کو اس گفتگو میں ایسا لطف آیا کہ تین دن برابر مدرسے میں مقیم رہے اور ما حضر پر اکتفا کی چوتھے دن اجازت چاہ کر کوچ کیا اور نہایت محظوظ ہوئے۔ جب الہ آباد پہونچے تو اُس وقت میرزا ناصر علی

سیف خاں کی ہمراہی میں الہ آباد میں تھے اُن سے ملاقات کے وقت اس صحبت کا ذکر کیا اور میر ناصر علی نے اپنے خلف الصدق میر علی عظیم سے بیان کیا جب ۱۱۶۰ھ ایک ہزار ایک سو ساٹھ ہجری میں قاضی محمد حافظ مذکور کے بھتیجے قاضی محمد احسان مع اپنے فرزند محمد صدیق سخنور کے شاہجہان آباد گئے تو وہاں محمد صدیق مرزا مظہر جان جاناں سراج الدین علی خاں آرزو اور میر علی عظیم خلف میر ناصر علی مذکور سے تعلیم حاصل کرنے کے لئے جایا کرتے تھے۔ ایک روز میر علی عظیم نے محمد صدیق سے پوچھا کہ بلگرام میں محمد حافظ کون شخص تھے جو ملا باسو جالیسی کے مدرسے میں رہتے تھے محمد صدیق نے کہا کہ میں اُنکا پوتا ہوں۔ وہ میرے والد کے حقیقی چچا اور ملّا باسو کے شاگرد تھے۔ یہ سن کر میر علی عظیم نے نواب موسوی خاں فطرت کا کل قصّہ ملا باسو سے مباحثے اور قاضی محمد حافظ کے مترجم ہونے کا جو اپنے والد میر ناصر علی سے سُنا تھا مفصل بیان کیا اور اکثر قاضی محمد حافظ صاحب کی استعداد کی تعریف کیا کرتے تھے۔ المختصر آپ کتب مطولات معقول اور منقول کی تحصیل کے بعد فاتحۂ فراغ پڑھ کر بلگرام تشریف لائے اور آپ کے عم بزرگوار قاضی محمد سلیم مذکور نے آپ کے والد قاضی محمد فضیل کی انتقال ہونے پر امر قضا آپ کے سپرد کر دیا آپ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم کے مطابق احکام شرعیہ کے جاری کرنے میں عمل فرماتے تھے اور جو لوگ آپ سے تعلیم کی خواہش کرتے تھے اُن کی تدریس میں مشغول رہتے تھے۔ ایک روز ایک معتبر شخص نے پوچھا کہ آپنے قرآن حفظ بھی کیا ہے کہ نام ہی حافظ ہے۔ اس بات سے آپ کو ایسی غیرت معلوم ہوئی کہ پانچ برس کی مدت میں قرآن شریف حفظ کر لیا۔ شعر خوانی کی طرف بہت رغبت تھی چونکہ خوش گلو تھے اور خدا نے آواز نہایت دلکش عطا فرمائی تھی لہذا آپ کی قرآن خوانی کے وقت اور شعر خوانی کے اعلیٰ و ادنیٰ بوڑھے اور جوان سب شیفتہ ہو جاتے تھے۔ خط نستعلیق بھی خوب تھا۔

جود و سخا میں حاتم ثانی تھے اکثر اوقات ایسا ہوتا کہ اگر کوئی سایل سوال کرتا اور اُس وقت نقد یا ماحضر نہ ہوتا تو بدن کے کپڑے اُتار کے حوالے کر دیتے اکثر سوائے لنگی کے بدن پر کچھ نہ رہتا کئی مرتبہ فقیر د لکھ دو شالے اُتار دئے۔ ایک روز سیاح فقرا کی ایک جماعت نے آکر سوال کیا آپ گھر میں گئے سوا طعام پختہ کے اور کچھ نہ تھا تمام کھانا لاکر اُن کے سامنے رکھدیا۔ گھر والوں نے کہا کہ آدھا دیدیجئے اور آدھا گھر والوں کے لئے چھوڑ دیجئے۔ فرمایا کہ تم کو خدا اور دیدے گا چنانچہ

اُسی وقت آپ کے گاؤں کے زمینداروں نے اتنی کھیر بھیجی کہ تمام گھر کے کھانے کو کافی ہوئی اور دوسری جگہ بھی بھیجی گئی۔ ایک مرتبہ ایک بڑھیا نے آکر عرض کی کہ میری ایک لڑکی ہے اُس کا نکاح ہے اور مجھکو اتنی مقدرت نہیں کہ سرکار کے نوکروں کو نکاحانہ دوں۔ آپ کو اُس کے حال پر رحم آیا۔ فرمایا کہ قاسم شاہ کو بلاؤ وہ حاضر ہوئے اُن سے کہا کہ ہمارے مواضع کی تحصیل سے مبلغ پچاس روپیہ اس بڑھیا کو دیدو۔

صاحب رسالہ مسجلات لکھتے ہیں کہ یہ نقل میں نے شاہ رحمت اللہ مرید حضرت میر شاہ نعمت اللہ جو "سلہڑے کی مسجد میں رہتے تھے" سے سنی۔ غرضکہ ایسی بہت سی حکایتیں آپ کی مشہور ہیں۔ میر نوازش علی فقیر نبیرۂ شاہ لدہا قدس سرہٗ نے انیس المحققین میں اور میر آزاد صاحب نے ماثر الکرام میں آپ کی تعریف لکھی ہے۔ میر آزاد نے آپ کو قاضی علیم اللہ کھنڈوی کا بھی شاگرد اور سید العارفین "شاہ لدہا" کا مرید بتایا ہے۔ مگر شرائف عثمانی میں لکھا ہے کہ یہ قول آخر غلط ہے۔ اور ایک نقل یہ لکھی ہے کہ آپ کے چچا قاضی محمد سلیم نے جب امر قضا آپ کو سپرد کیا تو ایک شخص کے مقدمے میں فرمایا کہ یہ بیچارہ ہے ایسا نہ ہو کہ اس کا حق تلف ہو۔ آپ نے اُسی وقت مہر قضا لاکر قاضی محمد سلیم کے سامنے رکھدی اور عرض کی کہ آپ نے یہ کام جو میرے سپرد کیا ہے مجھکو نہیں قبول ہے۔ آپ نے جو یہ بات کہی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میں حق اور ناحق نہیں پہچانتا ہوں قاضی محمد سلیم بہت خوش ہوئے اور کہا کہ الحمد للہ کہ تم دیانت کا بڑا خیال رکھتے ہو اور منت وسماجت کرکے مہر قضا آپ کے حوالہ کی چنانچہ اکتیس سال تک امر قضا کو انجام دیا آپ نے ایک موضع کو ندہی وجہ مدد معاش میں پیدا کیا اور حکام نے بعض چک آپ کو مرحمت فرمائے۔ اپنے دادا قاضی محمد یوسف ثالث کے باغ پھلواری کے پاس ایک باغ اور لگایا۔

شرائف عثمانی اور رسالہ مسجلات میں لکھا ہے کہ آپ کے بہت سے مہری سجل شرفاے بلگرام کے گھروں میں موجود ہیں جن کی نسبت صاحب رسالہ مسجلات نے لکھا ہے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں مُہر کی نقل یہ ہے۔



زمانہ آپ کا سُلطان اورنگ زیب عالمگیر اور سلطان محمد معظم شاہ عالم کے عہد میں تھا مقام موہان

میں بعارضہ دردِ سر لاولد وفات پائی۔ تاریخ وفات شرائف عثمانی اور رسالہ مسجلات میں ماہ محرم کی بائیسویں اور ماثر الکرام میں میر آزاد نے چوبیسویں لکھی ہے ۱۱۲۳ھ ایک ہزار ایک سو تیئیس ہجری مطابق ۱۷۱۱ء ایک ہزار سات سو گیارہ عیسوی تھے۔ لاش مو ہان سے لاکر ماہ مذکور کی ستائیسویں تاریخ پھلواری والے باغ میں قاضی محمد یوسف ثالث کے مرقد کے قریب علٰحدہ چبوترے پر قاضی محمد سلیم مذکور کے مزار کے پاس دفن کی گئی۔ شرائف عثمانی اور رسالہ مسجلات میں شیخ عزیز اللہ بن عبداللہ خطیب فرشوری کی تصنیف یہ تاریخ وفات لکھی ہے۔

قطعہ

دریغا کہ قاضیِ حافظ زمن ۔۔۔ جدا گشت و بگزید جنت وطن

چو پرسندت از مسکن علویش ۔۔۔ بگو سال نوتش برضوانِ وطن

یہ تاریخ بہتر نہیں اس لئے کہ شعر ثانی کے مصرع اول میں پرسندت کی "ت" جو ضمیر مخاطب غائب ہے۔ اور جب مخاطب کا پتا نہیں تو مصرع دوم میں "بگو" فعل امر کا مامور کون ہوگا۔ اگر مخاطب ہوتا تو وہی مامور ٹھہرتا۔ علاوہ اس کے دو شعر کا قطعہ اور دونوں میں قافیہ مکرر۔ بھر طرہ یہ کہ مادہ تاریخ میں ایک عدد زیادہ ہے اُس کے تخرجے کا بھی کہیں اشارہ نہیں۔ لہذا بہتر یہ تاریخ ہے۔ جو سید محمدی اور قاضی محمد حافظ مذکور دونوں کے ایک ہی سال میں انتقال ہونے کی علامہ میر عبدالجلیل نے کہی۔

رباعی

چوں میر محمدی و قاضی حافظ ۔۔۔ بر وند بیک سال سوخیت راہ

گشتند بر ضوان الٰہی و اصل ۔۔۔ ہاتف تاریخ گفت رضوان اللہ

۱۱۲۳

قاضی محمد ناصر

آپ قاضی محمد فضیل مذکور کے فرزند دوم اور قاضی حافظ مذکور کے چھوٹے بھائی ہیں۔ مقام سکونت قاضی پورہ زیر قلعہ راجہ سری "اوپر کوٹ" جانب جنوب۔ مرد سلیم الطبع۔ کم گو۔ متواضع۔ کم آزار۔ نیکو اطوار اور نہایت خلیق تھے کبھی کسی پر غصہ نہیں کیا۔ سب آپ سے محبت رکھتے تھے۔ شب و روز طاعت و عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ اکثر کتب درسی اپنے بڑے بھائی قاضی محمد حافظ مذکور سے پڑھیں

دوسرے اُستادوں کے بھی شاگرد ہوئے۔ علم فرائض حساب اور علم تکسیر میں مہارت کامل رکھتے تھے اپنے بھائی قاضی محمد حافظ مذکور کی وفات کے بعد قاضی ہوئے اور تقریباً پانچ سال نو ماہ تک اجرائے احکام شرعی میں مشغول رہے۔ صاحب رسالہ مسجلات نے لکھا ہے کہ آپ کے مہری قبالے اکثر میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں مہر کی نقل یہ ہے۔



آپ مدت اجرائے احکام قضا میں ایک سال سے زیادہ بیمار رہے آخر تنہ کہنہ ہوکر ماہ شوال کی انیسویں تاریخ ۱۱۲۸ھ ایک ہزار ایک سو اٹھائیس ہجری مطابق ۱۷۱۵ء ایک ہزار سات پندرہ عیسوی میں دنیا سے رحلت کی قبر پھلواری والی باغ میں قاضی محمد حافظ مذکور کی قبر کے پہلو میں ایک چبوترے پر ہے۔ شیخ غلام حسن ثمین فرشوری مولف شرائف عثمانی نے یہ تاریخ وفات کہی۔

مثنوی

قاضی ناصر شریعت دستگاہ	بود بر تخت شریعت پادشاہ
در ہزار و یک صد و با بست وہشت	داخل اندر روضۂ فردوس گشت
سال فوتش با ہزاراں درد و غم	یدخل الجنت ثمین کردہ رقم

۱۱۲۸

۷۸۶

قاضی محمد احسان اللہ عرف قاضی محمد احسان

آپ قاضی محمد ناصر مذکور کے بڑے بیٹے ہیں۔ مقام سکونت قاضی پورہ زیر قلعہ راجہ سری "اوپر کوٹ" جانب جنوب۔ ۱۱۱۰ھ ایکہزار ایکسو دس ہجری مطابق ۱۶۹۸ء ایکہزار چھ سو اٹھانوے عیسوی میں پیدا ہوئے۔ قاضی احسان اللہ ۱۱۱۰ ولادت کی تاریخ ہے۔ پندرہ برس کی عمر تھی کہ آپ کے پدر بزرگوار قاضی محمد ناصر مذکور نے اپنی بیماری کی حالت میں بیعنامہ تملیک نامہ اور رہن نامہ وغیرہ دستاویزوں کی عبارت زبانی یاد کروادی تھی۔ والد ماجد کی وفات کے وقت آپ کی عمر قریب اٹھارہ سال کے تھی شہر کے اکابر و امراء نے سوم کے دن آپ کے سر پر دستارِ قضا باندھی اور بسبب صغر سنی کے قاضی عنایت اللہ بن شیخ عبدالرحیم کو نائب مقرر کیا۔ چند مدت عنایت اللہ نیابتاً امر قضا انجام دیتے رہے۔ جب آپ ہوشیار۔ خبردار اور صاحب علم ہوئے تو خود بالاستقلال امر قضا میں مشغول ہوئے ۱۱۳۴ھ ایک ہزار ایک سو چونتیس ہجری مطابق ۱۷۲۱ء ایک ہزار سات سو اکیس عیسوی میں محمد شاہ کی حضور سے فرمان تفویض قضا آپ کو عطا ہوا۔ اس فرمان کے دو ایک پرزے ہیں نے قاضی مصطفےٰ علی صاحب کے یہاں دیکھے اُن سے معلوم ہوا کہ یہ فرمان کاغذ مُطلّا پر تھا اور سلطان محمد شاہ غازی کی اُس پر مُہر تھی۔ بسبب کہنگی کے یا اور کسی وجہ سے چاک ہو کر ضائع ہوگیا۔ چند الفاظ بقیہ پرزوں پر باقی تھے جن سے یہ پتہ لگا کہ محمد شاہ کی طرف سے قاضی محمد احسان کو عہدۂ قضا تفویض ہونے کا یہ فرمان محررہ پنجم شہر ربیع الاول ۳ سنہ جلوس کا ہے۔ مگر اس فرمان کی نقل نہ شرائف عثمانی میں ہے اور نہ رسالۂ مسجلات میں۔ معلوم ہوتا ہے کہ حاصل ہونے کے بعد اُسی زمانے میں کسی صدمۂ ناگہانی سے چاک ہو کر بیکار ہوگیا واللہ اعلم

آپ اس امر جلیل القدر کو ایسی دیانت اور مستعدی سے انجام دیتے تھے کہ تمام رؤسائے شہر آپ کو بہت مانتے تھے۔ امر حق میں کسی کی رعایت نہ کرتے کوئی فریق چاہے کیسا ہی امیر یا رئیس ہو سویت عدالت میں فرق نہ آنے دیتے۔ اپنے والد کی وفات کے بعد چھوٹے بڑے سو سے زیادہ عزیز و اقارب کی پرورش اور ہر قسم کے ان کے مصارف اپنے ذمے رکھے بڑی دھوم دھام سے شادیاں کیں۔ طبیعت کے بڑے مرد انہ اور بات کے دھنی تھے۔ جب اودھ کی صوبہ داری نواب روح الامین خاں بہادر عثمانی بلگرامی کی تغیر کے بعد اصالتاً نواب برہان الملک سعادت خاں نیشاپوری کے سپرد ہوئی اور نواب برہان الملک نے صوبہ کے راجاؤں اور رعایا وغیرہ پر سختی کی اور اُن کی املاک حتیٰ کہ باغات و قطعات مقابر تک ضبط کر لئے چنانچہ بلگرام کے عامل محمد اسلم بیگ مغل اور دیوان پرگنہ نند رام کے ہاتھوں نواب برہان الملک کو نواب روح الامین خاں بہادر سے عداوت ہونے کی وجہ سے بلگرام پر بہت آفت آئی۔ یہ لوگ روز نئے حکم ظاہر کر کے قاضی صاحب موصوف کو نواب روح الامین خاں بہادر کا بھتیجا ہونے کے سبب سے نہایت پریشان کرتے تھے آخر فساد بڑھا یہاں تک کہ تین چار مرتبہ جنگ کی نوبت آئی اور فوجدار کے دو ایک پیادے قاضی صاحب کے نوکروں کے ہاتھوں سے مارے گئے مگر حاکم وقت نے قاضی صاحب پر کبھی قابو نہ پایا اور ہر مرتبہ خجالت اُٹھائی۔ اسی طرح سات برس گزر گئے اُسی زمانے میں نواب غضنفر جنگ محمد خاں بنگش اور بندیل کھنڈ کے راجاؤں سے قلعہ جیت پور میں جنگ ہو رہی تھی اور نواب مذکور کے بڑے بیٹے نواب قائم جنگ اور نواب روح الامین خاں بہادر عثمانی بلگرامی مذکور دونوں چند رسالے

نے کر نواب محمد خاں کی کمک میں پہونچے۔ اسی اثناء میں جبکہ لشکر نواح قنوج میں مقیم تھے قاضی صاحب نواب روح الامین خاں
کی معرفت نواب محمد خاں کی خدمت میں پہنچے اور اپنی معاش وغیرہ کی ضبطی اور حاکم وقت کی شدتوں کا حال بیان کیا۔
نواب نے فرمایا کہ آپ ہمارے ساتھ چلئے انشاءاللہ پہلی ہی ملاقات میں ہم بادشاہ سے آپ کا حال عرض کریں گے قاضی صاحب
ان کے ساتھ دارالخلافت شاہجہاں آباد پہنچے۔ وہاں پہنچکر کچھ عدم حصول مطالب کی وجہ سے نواب نے بادشاہ سے ناراض
ہوکر فرخ آباد کا ارادہ کر دیا اور قاضی صاحب سے کہا کہ قضائے بلگرام میں کیا حاصل ہونا ہے۔ ہمارے ساتھ رہیئے ہم تین سو روپیہ
ماہوار آپ کی نذر کریں گے۔ قاضی صاحب نے کہا کہ قضائے بلگرام بزرگوں کی ریاست ہے وہاں کی ایک کوڑی سو خروار "بڑا بوجھ
اس قدر بوجھ جس کو گدھا اٹھا سکے" کی برابر ہے اور امیروں کی خدمت میں دست بستہ حاضری اور جھک جھک کر سلام کرنا
میں ننگ و عار سمجھتا ہوں۔ یہ کہہ کر اپنے چچا نواب روح الامین خاں بہادر کے پاس چلے گئے اور اُن سے کہا کہ میں خود بادشاہ
سے اپنا حال عرض کروں گا مگر چونکہ بادشاہ کی باریابی حاصل کرنے کا کوئی وسیلہ نہیں ہے اس لئے جس دن بادشاہ کی
سواری نکلے گی میں قریب پہنچکر چاہے کچھ بھی ہو برہان الملک کے تشدد اور ضبطی معاش کا حال بیان کر دوں گا۔ آپ مسودہ
عرائض وغیرہ میں کافی دخل رکھتے ہیں میرے مدعا کو خوب تحریر کریں گے۔ ایک عرضی اپنے دستخط سے لکھ دیجئے کہ میں
بادشاہ کو دیدوں۔ نواب موصوف نے ہر چند ڈرایا اور کہا کہ بادشاہ کی سواری کے قریب پرندہ پر نہیں مار سکتا تم ہرگز ایسا
نہ کرنا۔ قاضی صاحب نے ایک نہ مانی اور کہا کہ میں نے ایسا کوئی کام شروع نہیں کیا جس کو پورا نہ کیا ہو۔ جب تک پرگنہ
برہان الملک کے عمل سے نکال کر شاہزادے کی جاگیر میں داخل نہ کروالوں گا باز نہ رہوں گا۔ نواب موصوف آپ کی مستقل
مزاجی سے بخوبی واقف تھے بہت متفکر ہوئے دو روز تک سمجھاتے رہے تیسرے روز عرفہ تھا۔ قاضی صاحب نے نواب موصوف
سے اس مضمون کی عرضی لکھوائی کہ بلگرام کا پرگنہ قدیم شاہزادوں کی جاگیر میں تھا۔ اب برہان الملک کا عمل ہے۔ سات
برس سے تمام املاک اور روزینہ ضبط ہے اور ہم لوگ ظالم کے ظلم سے تنگ ہوکر وطن چھوڑ کے حضور تک پہنچے ہیں
امیدوار ہیں کہ پرگنہ بدستور سابق شاہزادے کی جاگیر میں کر دیا جائے یا ہم کو دوسری جگہ رہنے کو دی جائے کہ وہاں
آباد ہوں۔ نواب موصوف نے یہ عرضی اپنے دستخط سے لکھ کر قلمدان میں رکھ لی اور رات کو قاضی صاحب سے کہا کہ
تمہاری عرضی لکھ کر ہم نے قلمدان میں رکھ لی ہے کسی حضور کے مصاحب کو دیدیں گے وہ نظر مقدس میں گزران کر دستخط
کروا لائے گا تم خاطر جمع رکھو۔ یہ سنکر آپ خاموش رہے اور بعض اپنے میل کے لوگوں سے کہا کہ صبح بقرعید ہے بادشاہ سلامت
نماز کو جائیں گے میں حضور میں پہنچکر برہان الملک کی نالش ضرور کروں گا۔ انھوں نے کہا بادشاہ تک پہنچنا اور برہان الملک
کی نالش کرنا بہت مشکل ہے۔ وہ صاحب صوبہ ہے اس کی نالش کیجئے گا تو آپ کی حویلیاں کھدوا کر دریائے گنگ
میں بہا دے گا۔ قاضی صاحب نے کچھ سماعت نہ کی اور نواب روح الامین خاں بہادر کے بھتیجے شیخ ظہور محمد کی معرفت
قلمدان سے عرضی نکلوا کر تھوڑی رات رہے شیخ ظہور محمد مذکور، شیخ اہل اللہ اور غلام محمد عرف ٹرّی عثمانی وغیرہ کے
ساتھ شاہجہاں آباد کے مشہور پل ارجمند تک پہنچے۔ وہاں تماشائیوں کا ہجوم تھا معلوم ہوا کہ بادشاہ عیدگاہ میں پہنچ گئے
ہیں۔ قلعے سے عیدگاہ تک سواروں اور پیادوں کی فوجیں صف باندھے تھیں۔ قاضی صاحب وہاں سے اٹھ کر لاہوری
دروازے کے متصل کوچہ گھاسی کے قریب پہنچ کے ایک تمباکو فروش کی دکان کے کونے میں کھڑے ہو رہے۔ اس نے کہا
کہ آپ نے اپنے آپ کو اس بادشاہی لشکر کے ہنگامہ میں کیوں ڈالا ہے۔ قاضی صاحب نے اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ تمباکو فروش

سُن کر حیرت میں ہوا۔ مگر بہت مستعد دیکھ کر کہا کہ عرضی اپنی پگڑی میں اس طرح رکھئے کہ دکھائی دیتی رہے اور یہ سوار جو صف بستہ کھڑے ہیں لکھنؤ کی طرف کے اور میرے شناسا ہیں اگر کہئے تو میں ان سے کہدوں یہ آپ کو راستہ دیدیں۔ قاضی صاحب نے کہا اس سے کیا بہتر یہ تو میرا مقصد ہی ہے۔ صاحبِ دکان نے سواروں سے اپنا منشا ظاہر کیا۔ انھوں نے کہا کہ تمھارے پاسِ خاطر سے ہم تو راہ دیدیں گے مگر بادشاہ تک کیوں کر رسائی ہوگی کہ کثرت افواج سے وہاں ہوا کا گزر دشوار ہے، ہم نے کہد یا باقی وہ جانیں لو ہم راہ دے دیتے ہیں۔ اسی اثناء میں بادشاہ کی آمد ہوئی۔ تمباکو فروش نے کہا لیجئے یہی موقع ہے۔ قاضی صاحب اس کے کہنے سے جلدی میں ایسے جھپٹے کہ صاحبِ دکان کا کچھ اسباب بھی گر پڑا۔ قاضی منفعل ہوئے اور جلدی جلدی اپنے ہاتھوں سے اٹھا اٹھا کر رکھنے لگے۔ اس نے کہا کہ آپ اپنا کام کیجئے میں اپنی دُکان سنبھال لوں گا۔ المختصر سواروں نے رستہ دیدیا اور سواروں کے کہنے سے پیادوں نے اور پیادوں کے سفارشی دوسروں نے مدد کی۔ بادشاہ ہاتھی پر سوار جارہے تھے کہ قاضی صاحب نے نعرۂ الغیاث بلند کیا۔ بادشاہ نے یہ نعرہ سُن کر ہاتھی کی چال دھیمی کروا دی۔ قاضی صاحب نے اپنا ہاتھ ہاتھی کی طرف بڑھایا۔ ایک شخص نے آپ کے ہاتھ سے عرضی لی اور اس کے ہاتھ سے فیلبان نے ریشم کی ڈوری کے ذریعے سے جو لٹک رہی تھی کھینچ کر بادشاہ کے مقابل کر دی۔ بادشاہ دیر تک عرضی کو پڑھتے رہے یہاں تک کہ قلعہ بادشاہی کے قریب سواری پہونچ گئی۔ غرض بادشاہ نے ملاحظے کے بعد عرضی پر دستخط کئے کہ دفتر بھیجی جائے اور دو حبشی سواروں کو حکم دیا کہ ان "قاضی محمد احسان" کو شیخ سعد اللہ دیوان خالصہ کے پاس لے جائیں اور محفوظ جگہ میں رکھیں۔ ان دونوں سواروں نے قاضی صاحب کو شیخ سعد اللہ موصوف تک پہنچا دیا اور عرضی شیخ کے حوالے کر دی اور بادشاہ کا حکم سُنا دیا کہ جو کچھ قاضی کا مدعا عرضی میں ہے پورا کر دیا جائے۔ شیخ نے قاضی صاحب سے کہا کہ آج عید ہے اور شاہجہاں آباد میں تین دن تک عید رہتی ہے۔ تین دن کے بعد میرے پاس آیئے آپ کا مدعا حاصل ہو جائے گا۔ قاضی صاحب نے کہا کہ بادشاہ کی دستخطی عرضی آپ کے پاس ہے وہ مجھے عنایت کیجئے تاکہ کسی کے وسیلے سے میں اپنے کو جناب کی خدمت میں پہنچا سکوں گا۔ شیخ سعد اللہ نے وہ عرضی قاضی صاحب کو دیدی۔ آپ اُسے لے کر سید درویش بلگرامی کے گھر پر جو قریب ہی تھا پہنچے۔ سید درویش نے اُسی وقت نواب روح الامین خاں بہادر کو رقعہ لکھا کہ آپ کے بھتیجے قاضی محمد احسان کامیاب ہو کر بخیریت تمام میرے یہاں آگئے ہیں خاطر جمع رکھئے۔ جیسے ہی رقعہ پہنچا فوراً نواب موصوف کا غلام محمد اسلام گھوڑے پر سوار سید صاحب کے گھر پر قاضی صاحب کو لینے کے لئے آگیا اور کہا کہ نواب صاحب نے صبح سے اس وقت تک کہ تیسرا پہر ہو گیا آپ کے انتظار میں کھانا نہیں کھایا اور نہایت پریشان و بیقرار آپ کی زندگی سے ناامید ہو کر زار زار رو رہے ہیں کہ بلگرام میں والدہ اور متعلقین کو میں کیا جواب دوں گا۔ سید صاحب نے ہر چند اصرار کیا کہ گھوڑا لے جاؤ سلامتی کی خبر پہنچ ہی گئی ہے کل میں قاضی صاحب کو ساتھ لے کر حاضر ہوں گا۔ محمد اسلام نے قبول نہ کیا اور قاضی صاحب کو گھوڑے پر سوار کر کے دو گھڑی دن رہے نواب صاحب کے پاس پہنچا دیا۔ نواب صاحب اور اعزہ بہت خوش ہوئے اور گلے ملے۔ نواب صاحب کی مجلس میں راجائے ہرناراین وکیل نواب برہان الملک بھی نواب صاحب کے پہلو میں بیٹھا تھا اور یہی ذکر کر رہا تھا کہ میں بادشاہ کے حضور میں حاضر تھا میرے سامنے قاضی بلگرام نے نواب برہان الملک کی نالش کی اور ان کی عرضی دستخط خاص سے مزین ہو کر شیخ سعد اللہ دیوان خالصہ کے سپرد ہوئی ہے۔ نواب صاحب قاضی صاحب کی طرف مخاطب ہو کر بولے کہ کیا ٹھیک ہے۔ قاضی صاحب

سے کہا ہاں اور اپنی عرضی دکھائی۔ نواب صاحب عرضی دیکھ کر نہایت خوش ہوئے اور فرمایا ع

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

اس کے بعد رائے ہرنارائن نے نواب صاحب سے کہا کہ آج میں مخصوص اسی کام کے لئے خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ اقرار کرتا ہوں کہ بارہ دن کے عرصہ میں قاضی صاحب کے بھائی قاضی محمد روشن کا راضی نامہ بلگرام سے منگوا کر آپ کی خدمت میں پیش کردوں گا پرگنہ شاہزادے کی جاگیر میں کیوں کروائیے جو مقصود ہے اس کا میں ذمہ دار ہوں۔ بلگرام کے عامل کو لکھتا ہوں کہ قاضی صاحب کے موضعوں کی جو رعایا اُس کی قید میں ہیں فوراً اُن کو رہا کر دے اور مواضع مذکور کے محصول کی بابت جو دو ہزار دو سو روپے کا تمسک قاضی صاحب سے لکھوالیا ہے واپس کردے اور اس شدت سے جو قاضی صاحب کے متعلقین بلگرام سے نکل کر قصبہ ملانواں میں چلے گئے ہیں ان کے گھروں میں اُنھیں آباد کر دے اور قاضی صاحب کے دروازے پر جا کے جس طور سے ان کی دلجمعی ہو سکے کرے ورنہ میں نواب برہان الملک کو لکھوں گا کہ دیوان نند رام اور پرگنہ بلگرام کے عامل کا پیٹ چاک کروا ڈالے۔ قاضی صاحب نے رائے ہرنارائن کا یہ کہنا قبول نہیں کیا۔

نواب روح الامین خاں نے رائے موصوف سے کہا کہ اس سے قبل میں نے شجاعت خاں اور منگل خاں رسالہ دار نواب محمد خاں کی زبانی قاضی کی سفارش کہوا بھیجی تھی تم نے سماعت نہ کی ناچار ہو کے قاضی نے اپنی جان پر کھیل کے جو کچھ اس سے ہو سکا وہ کیا اب وہ تمھارا کہنا نہیں مانتے تو میں اس کے لئے کیا کروں۔ رائے نے کہا کہ جب تک وہ قبول نہ کریں گے میں آپ کے یہاں سے ہرگز نہ جاؤں گا۔ نواب برہان الملک نے جو مجھ کو اپنا وکیل کر کے آپ کے حضور میں بھیجا ہے اور علاوہ اس کے میرے باپ دیوان آتما رام جو آپ کی خدمت میں خلوص و عقیدت سابق سے ہے' باوجود ان باتوں کے جب پرگنہ بلگرام شاہزادے کی جاگیر میں ہو جائے گا تو نواب برہان الملک کے حضور میں میری کیا قدر و حرمت رہ جائے گی اور میں ان کو کیا جواب دوں گا۔ بالآخر بہت ردّ و بدل کے بعد قاضی صاحب نے قبول کیا اور بارہ دن کے بعد قاضی محمد روشن برادر قاضی صاحب کا مہری راضی نامہ شاہجہاں آباد میں پہنچا اور پرگنہ بلگرام کے فوجدار اور دیوان نے جس طرح رائے ہرنارائن نے ان کو لکھا تھا قاضی صاحب کی رعایا کو اپنی قید سے رہا کر دیا اور قاضی صاحب کے اہل بیت کو ملانواں سے بلوا کر بلگرام میں آباد کیا اور ان کی مدد معاش کے موضعوں کو واگذاشت کر دیا۔ قاضی صاحب چند دن اور دارالخلافت میں رہ کر میورا اور بلبھدر پور وغیرہ کے فرمان حاصل کر کے اپنے حسب دلخواہ داد پاکر بلگرام واپس آئے۔ غرض آپ بہت جیوٹ اور ہمت کے آدمی تھے کبھی کسی حاکم وغیرہ سے دب کے نہیں رہے۔ واقعہ مذکور کے ایک سال بعد پرگنہ بلگرام کا عامل معزول ہو کر اُس کی جگہ پر حاجی علی خان منصوب ہوئے۔ انھوں نے تمام صوبے کی معافیاں ضبط دیکھ کر قاضی صاحب کے مواضع بھی ضبط کر لئے اور قاضی صاحب سے نواب برہان الملک کا مہری پروانہ واگذاشت طلب کیا۔ آپ نواب مبارز الملک سر بلند خاں بہادر سے ملے۔ نواب موصوف رستم زماں خاں بہادر شیخ الہ یار عثمانی بلگرامی کے بڑے دوست اور ان کو ماننے والے تھے یہاں تک کہ ان کی وجہ سے بلگرام کو اپنا وطن اور شیخ الہ یار کے اعزہ کو اپنا عزیز خاص سمجھتے تھے اور نواب برہان الملک کے نوکر رہ چکے تھے۔ قاضی صاحب نے اپنا حال نواب مبارز الملک سے بیان کیا۔ جب برہان الملک ان کے حضور میں آئے تو نواب مبارز الملک نے اُن سے فرمایا کہ تم کو یہ معلوم ہے کہ میں بلگرام کو اپنا وطن جانتا ہوں اور یہ "قاضی محمد احسان" وہاں کے قاضی ہیں' ان کے مدد معاش کے موضع تمھاری سرکار میں ضبط ہیں ان کو معاف کر دو اور جو کچھ

رعایت ان کی کریں گے وہ کم ہے۔ نواب برہان الملک نے قاضی صاحب سے عرض کی کہ اسی وقت معافی کا حکم لکھ کر اپنے دستخط کر دئیے اور نواب مبارز الملک سے کہا کہ میں نے حضور کے پاس خاطر سے تمام صوبے کے ایسے "روزینے" واگذاشت کر دئے۔ اور نواب ابوالمنصور خاں نے قاضی صاحب سے کہا کہ میرے لشکر میں آئیے میں آج ہی سب معافی کے پروانے تیار کر کے بوقت صبح آپ کو وطن روانہ کردوں گا اور عامل پرگنہ کے نام حکم تعمیل بھیجدوں گا۔ نواب مبارز الملک بہادر نے خوش ہو کر سرکار بنارس و سرکار جونپور متعلق صوبہ الہ آباد نواب ابوالمنصور خاں بہادر کی جاگیر میں دے کر اپنی طرف سے سند عنایت کی اور نواب ابوالمنصور خاں صفدر جنگ نے اسی دن نواب برہان الملک کے حکم دستخطی کے مطابق معافی کے پروانے تیار کئے اور سزاول ہمراہ کر کے قاضی صاحب کو رخصت کر دیا۔ بلگرام اور تمام صوبے کے ایسے "روزینے" معاف ہو گئے۔ اسی طرح سنہ ۱۱۶۰ھ ایک ہزار ایک سو ساٹھ ہجری مطابق سنہ ۱۷۴۷ء ایک ہزار سات سو سینتالیس عیسوی میں سید باقر علی چودھری مہاراجہ نول رائے کے وقت میں پرگنہ بلگرام کے فوجدار ہو گئے تھے انھوں نے اپنے دوست سید غلام جیلانی کے طرفدار بن کے ایک فقیر قلندر مجاور درگاہ حضرت خواجہ عماد الدین پر جو سید غلام جیلانی کا ہمسایہ تھا زمین سکنی کا دعویٰ کروا دیا اور مدعی سید صاحب نے جس کاغذ کی بنا پر دعویٰ کیا وہ جعلی تھا اور قلندر کے پاس بندگی قاضی عبدالدائم کا مستند ہبہ نامہ جس کی نقل باب اول کی دوسری فصل میں بضمن ذکر خواجہ عماد الدین قدس سرہٗ کی جا چکی ہے موجود تھا مگر وہ بے چارہ اپنی تنہائی و بیچارگی اور فوجدار صاحب کے دباؤ اور خوف سے اپنے کاغذ کا اظہار نہیں کر سکتا تھا لیکن قاضی صاحب کو آگاہ کر چکا تھا۔ بدھ کے دن فوجدار صاحب عدالت پر بیٹھے اور میر غلام جیلانی کا دعویٰ پیش ہوا۔ فقیر بھی حاضر کیا گیا۔ اس نے کہا کہ ہم بندگی قاضی عبدالدائم کے زمانے سے جس کو کم و بیش تین سو برس ہوئے ہونگے وہاں رہتے ہیں اور خواجہ صاحب کی درگاہ کی مجاوری کرتے ہیں۔ فوجدار صاحب نے کہا کہ سید غلام جیلانی تو سند کی رو سے دعویٰ کرتے ہیں۔ اگر تیرے پاس بھی کوئی سند ہو تو لا ورنہ زمین غلام جیلانی کو دے۔ غرض اس دن دوپہر گزر جانے کی وجہ سے فیصلہ دوسری پیشی پر رہا۔ دوسرے چہارشنبہ کو پھر قلندر حاضر کیا گیا اور ارباب عدالت قاضی مفتی و میر عدل وغیرہ کے پہنچنے سے پہلے فوجدار صاحب نے قلندر کو خوب خوب ڈانٹا۔ پھٹکارا[1] وہ بیچارہ ترساں و ہراساں ایک کونے میں کھڑا رہا۔ جب قاضی و مفتی وغیرہ کچہری میں جمع ہو گئے تو مقدمہ پیش ہوا اور قلندر سے سند مانگی گئی اس نے ڈر کے مارے وہی جواب دیا جو پہلی پیشی پر دیا تھا۔ فوجدار صاحب ڈانٹ کے بولے سند تو دے ورنہ تجھے ایسی سزا دوں گا کہ پھر کبھی کسی دوسرے کی زمین پر قبضہ کرنے کی جرأت نہ کرے گا۔ یہ سنکر اس نے ناچار ڈرتے ڈرتے وہ سند جیب سے نکال کے حوالے کی۔ فوجدار صاحب بولے کہ یہ سند منسوخ ہے اس لئے کہ غلام جیلانی کی سند اس کے بعد کی ہے اور قاضی و مفتی سے کہا کہ غلام جیلانی کا حق ثابت ہو گیا اس فقیر سے کاغذ لا دعویٰ لکھوا لیا جائے۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ غلام جیلانی کے پاس جو کاغذ ہے یہ جعلی ہے۔ میں اس کاغذ کی رو سے ہرگز فقیر کو لا دعوے نہ کروں گا۔ فوجدار صاحب بولے کہا گر آپ ایسا نہیں کرتے ہیں تو میں اس مقدمہ کو مہاراجہ سے عرض کر کے سپاہی بلواؤں گا کہ اس غاصب فقیر کا گھر کھود کے غلام جیلانی کے حوالے کروں گا۔ قاضی صاحب نے جواب دیا کہ اگر آپ شہر کے فوجدار ہیں تو میں شہر کا قاضی ہوں

اور جب تک میں ہوں آپ کی یہ زبردستی نہ چلے گی اور فقیر کی جو سند فوجدار صاحب نے اپنے قبضہ میں کر لی تھی اسی وقت ان سے لے کر فقیر کو دیدی اور فوجدار صاحب کا حکم ہوا کہ جب تک مقدمے کا فیصلہ نہ ہو اس فقیر غاصب کو قید رکھیں

ہرگز چھوڑا نہ جائے۔ قاضی صاحب نے کہا کہ جب تک بخوبی تنقیح نہ ہو جائے اور حق و ناحق کا انکشاف اظہار نہ ہو جائے تب تک مدعی اور مدعا علیہ دونوں قید میں رکھے جائیں صرف مدعا علیہ کی کونسی خطا ثابت ہو گئی ہے کہ وہی قید کیا جائے۔ اب تو فوجدار صاحب بہت بگڑے فقیر کی قید موقوف رہی اور کچہری برخاست ہوئی۔ دوسرے دن فوجدار صاحب نے ایک سپاہی بھیجکے قلندر کو بکڑ بلوایا اور پھسلا پوٹ کے اس کی سند منگوا کے اس سے پھیر لی۔ وہ روتا پیٹتا قاضی صاحب کے پاس آیا اور حال بیان کیا۔ قاضی صاحب نے کہا کہ اگر وہ فوجدار ہیں تو ہم قاضی ہیں اور جانتے ہیں کہ تو حق پر ہے جا دیکھا جائے گا۔ غرض قلندر بیچارے تو فوجدار صاحب کی زبردستی سے مایوس ہو کر مہاراجہ کے لشکر میں نالش کرنے پہنچے اور ادھر میر غلام جیلانی کے حق کے اثبات میں ایک صورت حال اپنے بیٹے کے اعزہ اور چند چودھریوں کی مہروں سے تیار کر کے عدالت کے دن کچہری میں پیش ہوا اور ارباب شرع قاضی وغیرہ سے کہا گیا کہ قلندر غیر حاضر ہیں اور سند کی رو سے حق غلام جیلانی کا ثابت ہے۔ سب ارباب شرع موجود ہیں اپنی اپنی مہریں اور دستخط اس صورت حال پر کر دیں۔ یہ لوگ حیران رہ گئے کہ یہ کیسی عدالت ہے مفتی صاحب تو کچھ چھپی باتیں کرنے لگے مگر قاضی صاحب نے کہا میں صاف جواب دیتا ہوں کہ اس صورت حال پر ہرگز مہر نہ کروں گا اور اگر زمین غلام جیلانی کو پہنچ گئی تو میں اپنی طرف سے دوسرا کاغذ قلندروں کو لکھ دوں گا۔ میر باقر علی فوجدار بولے کہ آپ کی مہر کی احتیاج کیا ہے اور قلندروں کا کیا مقدور ہے۔ ہم زمین قلندروں کے قبضے سے نکال کر میر غلام جیلانی کے حوالے کئے دیتے ہیں۔ قاضی صاحب نے کہا کہ آپ فوجدار ہیں جو چاہے کیجئے لیکن میں ہرگز مہر نہ کروں گا۔ بالآخر میر غلام جیلانی مہاراجہ کے لشکر کو روانہ ہوئے اور میر محمد صلاح خاں رسالہ دار "جن کے مختار اور خانساماں میر غلام جیلانی تھے" سے سب قصہ بیان کیا اور صورت حال مذکور دکھایا۔ پھر کیا تھا سپاہی مقرر ہو گئے کہ لشکر میں جہاں کہیں قلندر رہوں فوراً نکال دئے جائیں۔ چنانچہ وہ بیچارے جو نالش کے لئے گئے تھے نکال باہر کئے گئے اور غلام جیلانی نے وہ صورتِ حال میر محمد صلاح خاں کو دیا کہ مہاراجہ کو دکھا کے سرکار سے پروانہ اور سزاول مقرر کروا دیجئے۔ رسالہ دار صاحب نے وہ صورت حال مہاراجہ کے سامنے پیش کر کے غلام جیلانی کی سفارش کی۔ مہاراجہ نے دیکھکے فرمایا کہ اس صورت حال پر سب مہریں بکرام کے اور لوگوں کی تو ہیں مگر قاضی کی مہر نہیں ہے جس کی خاص ضرورت ہے، کیا وہاں قاضی نہیں ہے۔ عرض کی کہ قاضی تو ہے لیکن وہ معاملے کو خوب سمجھتا نہیں فقیروں کی حمایت کرتا ہے۔ یہ سنکر مہاراجہ کا ماتھا ٹھنکا اور فرمایا کہ یہ مقدمہ قاضی ہی سے تعلق رکھتا ہے بے دستور کارروائی نہیں ہو گی۔ غلام جیلانی کے منہ پر ہوائیاں چھوٹنے لگیں۔ صورت حال فوجدار صاحب کو بھیجا اور واقعہ لکھا۔ فوجدار صاحب نے پھر قاضی صاحب کے پاس مہر کے لئے بھیجا اور جواب صاف ملا۔ بعد اس کے فوجدار اور رسالہ دار مذکور وغیرہ نے قاضی صاحب کو زک پہنچانے کی بہت بہت کوشش کی مگر بے سود۔ اسی اثناء میں قاضی صاحب میر محمد صلاح خاں رسالہ دار کی ملاقات کو گئے ان سے اور اور باتیں ہوئیں آخر میں رسالہ دار صاحب نے کہا کہ سید غلام جیلانی کے کاغذ پر مہر کر دیجئے ورنہ اچھا نہ ہوگا۔ قاضی صاحب نے صاف انکار کر دیا اور بہت جد و جہد کے بعد جس کا بیان طویل ہے میر باقر علی فوجدار کی تبدیلی کا پروانہ نواب صفدر جنگ بہادر کی حضور سے حاصل کر لیا جب رسالہ دار صاحب نے مہاراجہ نول رائے نائب نواب صفدر جنگ بہادر کے پاس جا کر قاضی صاحب کے خلاف بہت کچھ کہا تو جواب ملا کہ ہمارے آقا نے تو لکھا ہے کہ فوجدار قاضی کی استدعا کے بموجب عمل کرے اور قاضی صاحب باقر علی فوجدار

کی تغیری کا پروانہ بھی ۔۔ ہیں اگر وہ رجوع کریں گے تو ہم فوجدار کو تغیر کر دیں گے کہ وہ لوگوں کی حمایت کرتا ہے۔ اتنا بہت ہے کہ وہ تمہارے پاس خاطر سے ابھی تک بحال ہے۔ یہ سُن کر رسالہ دار صاحب کے ہاتھوں کے توتے اُڑ گئے اور قاضی صاحب کو اپنے ڈیرے میں بلا کر بہت کچھ چکنی چپڑی باتیں کیں مگر قاضی صاحب نے سب کا مختصر جواب یہ دیا کہ اگر غلام جیلانی بادشاہ کی سند لائیں گے تو بھی قلندروں کی زمین ان کو نہ پہنچے گی۔ اس کے بعد میر محمد مطلع نما رسالہ دار کے بہت اصرار اور زور دینے سے مہاراجہ جو کہ رسالہ دار صاحب کو بیشتر سے بہت مانتے اور ان کا اقتداً و حرمت کرتے تھے ہموار ہو گئے اور غلام جیلانی نے پروانہ مہاراجہ کا بنام قاضی و فوجدار مع سزاول بھیجا کہ قلندروں کے تصرف سے زمین نکال کے غلام جیلانی کے حوالے کریں اس لئے کہ ان کے پاس جوار لکھنؤ تک کی مہروں کا صورت حال ہے۔ قاضی صاحب نے جواب میں سزاول سے کہا کہ مہاراجہ سے کہدو کہ قضیۂ زمین بر سر زمین بجوار کی مہریں کیا کام آتی ہیں زمین قلندروں کا حق ہے مقصہ کوتاہ تین سال کوششیں ہوتی رہیں اور جھمیلا پڑا رہا لیکن قاضی صاحب نے بیچارے فقیروں کا حق تلف نہیں ہونے دیا۔

ایک مرتبہ رحم علی نامی قصبہ بانگر مئو کے قریب موضع نیول کا ایک باشندہ آپ کے خلاف کسی فریب سے پروانۂ قضا اپنے نام لکھوا لایا مگر آپ نے اس کو امر قضا کے قریب تک نہ پھٹکنے دیا اور نواب ابو المنصور خاں بہادر ناظم صوبہ اودھ نے بھی اس کو منظور نہ کیا۔ دیانت کی یہ حالت تھی کہ قضات اسلاف کی مہروں کے نگین جو آپ کے پاس رہ گئے تھے سب توڑ ڈالے۔ حضرت خواجہ عماد الدین قدس سرہٗ کا عرس عید الفطر کے روز آپ ہی نے مقرر کر کے میدان پل میں سے ایک کھیت عرس کے خرچ کے لئے وقف کر دیا جس کا ذکر پہلے باب کی دوسری فصل میں بضمن ذکر خواجہ صاحب موصوف ہوا۔ اور وہ آم کا بڑا باغ جس میں پیر محمد شہید قدس سرہٗ کا مزار ہے آپ ہی کا لگایا ہوا ہے اس کا بیان بھی باب و فصل مسطور میں بضمن ذکر شہید حضرت مذکور ہوا۔

آپ کے مہری سجل متعدد بلگرام میں خود میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے منجملہ ان کے ایک بیعنامہ دو سو بہتر گز شرعی زمین سکنی واقع جانب غرب محلہ قاضی پورہ قصبہ بلگرام کا نوشتہ مسماۃ نادابی بی بنت شیخ سلام اللہ منکوحہ شیخ بدھے ولد شیخ فخر الدین بنام قاضی احمد اللہ پسر دوم قاضی صاحب موصوف بعوض مبلغ تیس روپیہ تاریخ نویں ماہ شوال ۱۱۶۸ھ ایک ہزار ایک سو اڑسٹھ ہجری مطابق ۱۷۵۴ء ایک ہزار سات سو چوّن عیسوی کا لکھا ہوا ہے اور اصحاب ذیل کی اس پر گواہیاں ہیں۔ محمد منعم۔ شیخ علیم اللہ۔ غلام الدین۔ غلام مجتبیٰ۔ اس کے نیچے آپ کی مہر ہے جس کی نقل بعینہ یہ ہے۔



آپ کا زمانہ سلطان محمود فرخ سیر اور محمد شاہ و احمد شاہ وغیرہ کے عہد میں تھا۔ اپنے حین حیات ہی میں اپنے فرزند دوم قاضی احمد اللہ کے نام سند قضا محمد شاہ کی حضور سے حاصل کر کے خود عزلت گزیں ہو گئے اور چوراسی برس کی عمر پا

ماہ شعبان کی نویں تاریخ ۱۱۹۳ھ ایک ہزار ایک سو ترانوے ہجری مطابق ۱۷۷۹ء ایک ہزار سات سو اناسی عیسوی میں بروز جمعہ وفات پائی اور پھلواری والے باغ میں قاضی محمد سلیم کے مزار کے پچھم طرف مدفون ہوئے۔

قاضی محمد روشن

آپ قاضی محمد احسان مذکور کے چھوٹے سگے بھائی ہیں۔ شرائف عثمانی میں لکھا ہے کہ خط نستعلیق خفی و جلی کے خوشنویس تھے۔ علم رمل و نجوم اچھا جانتے تھے۔ تاریخ کہنے میں مشاق تھے۔ عمارتیں۔ مسجدوں اور کنوؤں وغیرہ کی اکثر تاریخیں کہیں منجملہ اُن کے ایک کنوئیں کی تاریخ یہ ہے۔

قطعہ تاریخ

چون حسینِ پارسی در بلگرام	چاہ پھلواری ز نو پیدا ختہ
جستہ تاریخش چو طبعِ روشنم	گفت ہاتف چاہ زمزم ساختہ
۱۱۶۹

آپ کے دو پسر لاولد فوت ہوکر آگے نسل کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ مقام سکونت قاضی پورہ زیر قلعہ راجہ سری "اوپر کوٹ" جانب جنوب۔ واقعات سے ولادت آپکی بارھویں صدی ہجری اور اٹھارھویں صدی عیسوی کے ربع اول میں اور وفات بارھویں صدی ہجری کے ربع چہارم اور اٹھارھویں صدی عیسوی کے ربع سوم آخر یا ربع چہارم کے شروع میں معلوم ہوتی ہے اور مزار پھلواری والے باغ میں جہاں آپ کے باپ دادا وغیرہ کے مزار ہیں۔

محمد فقیہہ

آپ غلام محمد یوسف عرف بڑے میاں بن قاضی محمد احسان اللہ مذکور کے چھوٹے بیٹے ہیں۔ مقام سکونت محلہ قاضی پورہ زیر قلعہ راجہ سری "اوپر کوٹ" جانب جنوب۔ نوکری کی تلاش میں بلگرام سے نکل کر احمد شاہ ابدالی کے ملازم ہوئے جب احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان پر فوج کشی کی اور شکست کھا کے واپس گیا اُسی معرکے میں محمد فقیہہ داد مردانگی دے کر لاولد مارے گئے اور نسل کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔

قاضی عثمان احمد عرف احمد اللہ

آپ قاضی محمد احسان اللہ مذکور کے فرزند دوم ہیں۔ مقام سکونت محلہ قاضی پورہ زیر قلعہ راجہ سری "اوپر کوٹ" جانب جنوب۔ آپ کے عرف کی نسبت میر نوازش علی رضوی نے تذکرۂ اکرام میں لکھا ہے کہ قاضی محمد احسان نے جب دھلی میں جاکر صدر الصدور کی سرکار سے اپنے بیٹے مسمی عثمان احمد "جو فضیلت کو پہنچ گئے تھے" کے نام سند قضا چاہی تو صدر الصدور چونکہ مرد شیعہ مذہب تھا اس نے عثمان کے نام پر سند نہیں لکھی آخر نام تبدیل کر کے احمد اللہ کے نام سے سند حاصل کی۔ تقریباً ۱۱۳۷ھ ایک ہزار ایک سو سینتیس ہجری مطابق ۱۷۲۴ء ایک ہزار سات سو چوبیس عیسوی میں پیدا ہوئے۔ بڑے عالم ذی وقار اور فاضل عالی مقدار ہوئے ہیں۔ آپ کی تعلیم کے لئے آپ کے پدر بزرگوار نے مولوی سید پیر محمد خلف مولوی سید محمد فاضل رسولدار قنوجی کو مع اُن کے طلباء کے قصبۂ سانڈی سے طلب کیا اور پندرہ روپیہ ماہوار اور کل مصارف پان تمباکو وغیرہ مع اخراجات جملہ طلباء اپنے ذمے مقرر کر کے بلگرام میں رکھا کتب مختصرات شرح شمسیہ و حاشیہ میر تک آپ نے

اختیاری ثبوتی صحیح جایز شرعی بجمیع حدود و حقوق و مرافق آن پس بفروختند

و بیعیات نمودند مقرین مذکورین زمین ساخته مذکور مع برون آمد بدست مسمی

سید محمد علی ولد سید امان الله ابن سید جان محمد بعوض مبلغ پنجاه و سه روپیه شش آنه که نصف آن می باشد

بیست و شش روپیه و یازده آنه بهای فی صد کرد دوازده روپیه سکه رایج الوقت بیعی صحیح جایز شرعی

ثابت باتت نافذ مطلق حقیقی خالی از شروط مفسده و عاری از معانی مبطله میان متعاقدین

تقابض بدلین بر سبیل تمام و کمال حاصل شد و ثمن مذکور الیوم بمثل و قیمت عدل است

و جدا شدند از مجلس عقد بیع بعد تمام بیع و لزوم آن جدای بابدان و اقوال و ضمان درک

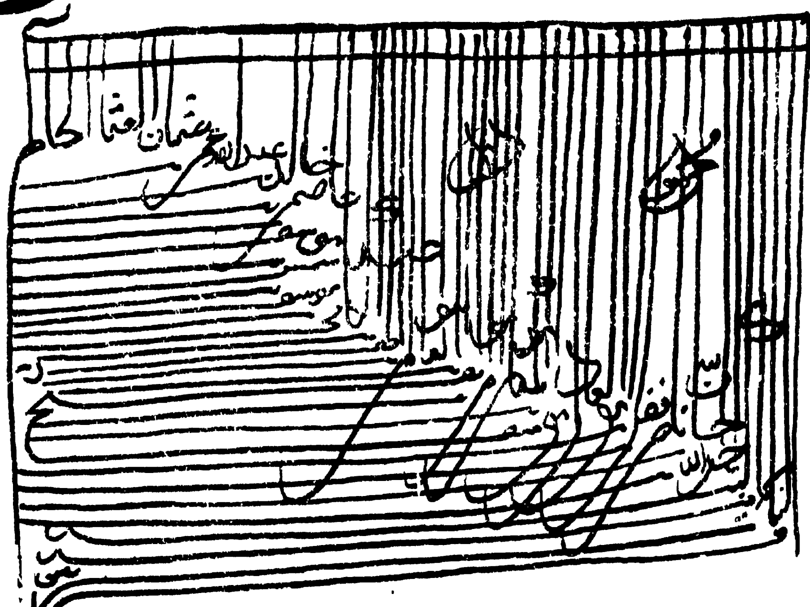
مبیع مذکور بر مقرین مذکورین است من حیث موجب الشرع و مقتضاه بهم بجمله مقرین

مذکورین معترف گشتند و بر خودها التزام نمودند و این خط بیعنامه بر سبیل سند شرعی نوشته

دادند که تا فی حال عند الحاجت حجت و موجب اعتماد گردد و تحریراً فی التاریخ

اثنا عشرین من شهر جمادی الثانی سنه اثنا و سبعین و مائه و الف





مولوی صاحب موصوف سے پڑھیں۔ چار سال کے بعد مولوی صاحب مرشد آباد تشریف لے گئے اور آپ بغرض تعلیم لکھنؤ چلے گئے۔ چندے وہاں رہکر قصبۂ سندیلہ پہنچے اور مولوی محمد قایم کی خانقاہ کے دروازے پر قیام کر کے مختصر معانی اور حاشیہ خطائی مولوی صاحب موصوف سے پڑھا۔ اور کتب منطق زاہدین، سُلّم اور شرح حکمت العین وغیرہ ملا سید عبداللہ صاحب خلف الصدق مولوی سید زین العابدین پیرزادے سے پڑھیں اور شرح عقائد ملا سعدالدین مع حاشیہ خیالی و عبدالحکیم۔ شرح وقایہ ہر چہار جلد۔ فرائض شریفی۔ دایر منار۔ شرح ہدایہ۔ حکمت میذی اور رسالہ علم المناظرہ وغیرہ کتب درسی مولوی شیخ دین محمد صاحب بن شیخ وجیہ الدین صاحب سے پڑھیں۔ اس کے بعد قصبۂ ملانواں میں پہنچکر حقائق و معارف آگاہ المجاہد فی سبیل اللہ حضرت محمد عظیم صاحب سے جمیع کتب مطولات درسی بترتیب پڑھیں اور کتب احادیث مشکوٰۃ اور صحیح بخاری پڑھکر حدیث کی سند اور اجازت لی اور بلگرام میں آکر افادہ علم میں مشغول ہوئے۔ بہت سے طلباء علم منطق و فقہ و حدیث میں آپ سے فیضیاب ہوتے رہے۔ آپ نے شرح وقایہ پر اکثر حاشیہ متفرق عربی و فارسی لکھے۔ کتاب درۃ الفاخرہ تصنیف ملا جامی جو علم سلوک میں ہے اُس کا ترجمہ کیا۔ رسالہ ایکثرات تشریق کتب فقہ و حدیث سے ایسا جمع کیا کہ کتب مطولات سے طلباء کو استغنا بخشے۔ رسالہ مینہ فی اشارۃ المسبحہ شرح سفر السعادت سے استخراج کر کے عام طلباء کے افادے کے لئے جمع کیا۔ اربعین امام محی الدین نووی کا ترجمہ کیا مگر ناتمام رہا۔ رسالہ اکثر مسائل المتفرقات فی تفسیر المتشابہات۔ رسالہ سجلات فی تاریخ القضات جس کا حوالہ میں نے جا بجا اپنی کتاب میں دیا ہے۔ میر آزاد صاحب ماثر الکرام مطبوعہ مفید عام آگرہ سنہ ۱۹۱۰ء مطابق ۱۳۲۸ھ کے صفحہ ۲۹۹ میں تحریر فرماتے ہیں۔

ترجمہ (شیخ عثمان احمد قاضی احسان اللہ عثمانی بلگرامی کے بہتر بیٹے ہیں۔ ان کے والد آجکل شہر بلگرام کی مسند شریعت پر قیام رکھتے ہیں اور شیخ عثمان کو سن شور میں توفیق کے خضر نے رہنمائی کی تو وہ علم حاصل کرنے کے ارادے سے نکل کھڑے ہوئے اور پورب کے طالب علموں کے طور پر سیر کر کے ملا عظیم الدین ساکن ملانواں اور دیگر فضلا کے شاگرد ہوئے اور فنون کی درسی کتابیں سب اول سے آخر تک ترتیب کے ساتھ پڑھیں اور اپنے آپ کو ٹھیک فضیلت کے اونچے مرتبہ پر پہنچا دیا۔ اب بلگرام میں علمی شغل میں مشغول ہیں اور دانائی کا چراغ بینائی کی کشادہ راہ میں روشن کرتے ہیں)

آپ نے بڑی کوشش و جانفشانی سے نجم و قدامت کے مدعی بن جانیوالے خاندانوں کے سامنے حقیقت کا آئینہ پیش کر دینے کے لئے تمام بلگرام کے قدیم خاندانوں کے یہاں سے تلاش کر کے بہت سے اصل پارینہ سجلات حکام و قضات عثمانی کے دستخطی حاصل کئے جن کی نقلیں حسب موقع میری کتاب میں درج ہیں۔

مسئلے اس قدر آپ کو ازبر تھے کہ مفتی وقت سمجھے جاتے تھے۔ کبھی کچھ موزوں بھی کر لیا کرتے تھے۔ یہ دو شعر ل گئے ہیں ہدیہ ناظرین ہیں۔

ابیات۔

شدم آئینہ ہمہ تن کہ نظر کنی نکردی	بر بہت کمیں نمودم کہ گزر کنی نکردی
ز تو داشتم امیدے کہ بنقش کشتہ	بہ بہانۂ نمازے تو گزر کنی نکردی

آپ کے والد نے اپنے عین حیات ہی میں آپ کو قاضی کر دیا اور خود دہلی جاکر آپ کے نام سند قضا محمد شاہ بادشاہ غازی کی حضور سے مع پروانہ نواب صفدر جنگ ابو المنصور خاں بہادر حاصل کر لائے۔

نقل سند قضا بنام قاضی احمد اللہ (گماشتہائے جاگیرداران و کروریان و جمہور سکنۂ پرگنہ بلگرام سرکار لکھنؤ مضافات صوبۂ اودھ را اعلام آنکہ حسب الحکم جہاں مطاع آفتاب شعاع گردوں ارتفاع منصب قضائے پرگنہ مسطور مع مواضع قصبہ و دیہات متعلقہ آں از تغیر رحم علی کہ او از تغیر احسان اللہ شدہ بود بشیخ احمد اللہ ولد احسان اللہ مقرر و متفوض گشتہ کہ کما ینبغی بلوازم منصب مزبور قیام نمودہ در فیصل قضایا و خصومات و اجرای حدود و تعزیرات و اقامت جمعہ و جماعات و ترغیب مردم .. .. وقسمت ترکات و حفظ اموال .. .. و ایتام و تعین اوصیا .. .. ..

.. .. موفورہ بتقدیم رساند باید کہ بر طبق حکم فیض شیم عمل نمودہ مشار الیہ را قاضی آنجا دانستہ .. ..

موصی الیہ در امور متعلقہ آں خدمت مستقل دانند و دیگرے را سہیم و شریک او ندانند و ہوک و سجلات را بمہر او ..

.. .. .. شمارند دریں باب قدغن دانستہ حسب المسطور بعمل آرند۔ بتاریخ ششم شہر محرم الحرام ۲۹ جلوس (الاقلمی ثبت شد)

ترجمہ (جاگیرداروں کے گماشتوں اور کروریوں اور پرگنہ بلگرام سرکار لکھنؤ متعلق صوبہ اودھ کے تمام رہنے والوں کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ دنیا کے مخدوم آفتاب کے مثل روشن آسمان کی طرح بلند "محمد شاہ" کے حکم کے مطابق پرگنہ مسطور "بلگرام" کا عہدہ قضا مع اطراف قصبہ اور اس کے متعلق دیہات کے بجائے رحم علی کے جو کہ احسان اللہ کی جگہ پر ہو گیا تھا احمد اللہ ولد احسان اللہ کے سپرد ہوا کہ جیسا چاہیئے لکھے ہوئے عہدے کی ضروریات پر قائم ہو کر جھگڑے فساد چکانے اور سیاست کی حدیں جاری کرنے اور جمع اور جماعتوں کے قیام اور لوگوں کو .. .. کی طرف رغبت دلانے اور مُردوں کا مال تقسیم کرنے اور یتیموں اور .. .. .. کے مال کی حفاظت اور وصیت کئے ہوؤں کو اُن کے حق پر مقرر کرنے میں .. .. پیش پہنچائے۔ چاہیے کہ فیض کی عادت رکھنے والے حکم کے موافق عمل کر کے اشارہ کئے ہوئے "قاضی احمد اللہ" کو وہاں "بلگرام" کا قاضی جان کر اُس کی .. .. .. کو اس "قضا" کے امور متعلقہ میں مضبوط جانیں اور کسی دوسرے کو اس کا حصہ دار اور شریک نہ جانیں اور قبالوں اور حکمناموں کو اس کی مہر سے .. .. .. سمجھیں۔ اس بارے میں تاکید جان کے لکھے ہوئے کے موافق عمل کریں۔ ماہ محرم کی چھٹی تاریخ سنہ ۲۹ جلوس میں لکھا گیا) اصل سند پر صدر الصدور کی مہر ہے اور طغرائے سلطانی سے مزین ہے۔ مجھ کو اس کی نقل دستیاب ہوئی وہ بھی ایسی کہ بعض جگہ کے کچھ الفاظ پڑھے نہیں گئے وہاں جگہ چھوڑ کے اس میں نقطے رکھ دئے۔

نقل پروانہ نواب صفدر جنگ بہادر پروانۂ بمہر امارت و ایالت مرتبت صفدر جنگ ابو المنصور خاں بہادر آنکہ شہامت و دیانت و عوالی نشان عزیز القدر راجہ نول رائے محفوظ باشد منصب قضائے پرگنہ بلگرام موجب سند بمہر صدر الصدور بنام شریعت مآب احمد اللہ ولد احسان اللہ موروثی مقرر شدہ ظاہر می نماید کہ سید باقر علی وغیرہ مردم آنجا از راہ فساد میخواہند کہ احکام شرعی را معطل نمایند لہذا نگارش رود کہ بعامل آنجا تاکید بکار برند کہ موافق سند حضور قاضی را مستقل ساختہ در اجرائے امور شرعی ممد و معاون باشد۔ مرقوم ۶ رجمادی الثانی سنہ ۳۰ جلوس مطابق سنہ ۱۱۶۰ھ)

ترجمہ (امیری اور سرداری کا رتبہ رکھنے والے صفدر جنگ ابو المنصور خاں بہادر کا حکم ہے کہ بزرگی اور سچائی اور بلندیوں کا نشان رکھنے والا عزیز القدر راجہ نول رائے محفوظ رہے۔ پرگنہ بلگرام کا موروثی عہدہ قضا شریعت مآب احمد اللہ ولد احسان اللہ کے نام صدر الصدور کی مہری سند کے بموجب مقرر ہوا۔ وہ ظاہر کرتا ہے کہ سید باقر علی وغیرہ وہاں "بلگرام" کے لوگ فساد کی راہ سے چاہتے ہیں کہ احکام شرعی کو معطل کر دیں۔ لہذا لکھا جاتا ہے کہ وہاں کے عامل کو تاکید

کر دی جائے کہ حضور کی سند کے موافق قاضی کو مستقل کر کے امور شرعی کے جاری کرنے میں اس کی پوری مدد کرے۔ لکھا ہوا چھٹی تاریخ ماہ جمادی الآخر ۱۳؁ھ "جلوسی" مطابق ۱۱۶۰؁ھ ایک ہزار ایک سو ساٹھ ہجری کا)

آپ کی مہر کے متعدد سجل میں نے دیکھے۔ منجملہ اُن کے ایک رہن نامے کا ذکر کیا جاتا ہے جو ایک قطعہ باغ مع پچیس درخت آم اور چھ درخت جامن اور چھ درخت مہجن وغیرہ واقع موضع محمود نگر قصبہ بلگرام کی بابت نوشتہ مسمی محمد اظہر ولد شیخ الہ یار بنام میر امام علی ولد میر جیلانی بعوض مبلغ پینتیس روپیہ تاریخ پندرھویں ماہ شعبان ۱۲۲۰؁ھ ایک ہزار دو سو بیس ہجری مطابق ۱۸۰۵؁ء ایک ہزار آٹھ سو پانچ عیسوی کا لکھا ہوا ہے اور اصحاب ذیل کی اس پر گواہیاں ہیں۔ سید فرحت علی۔ حسن عسکری۔ مان میاں۔ کاظم علی۔ سید صادق علی۔ اس کے نیچے آپ کی مہر ہے جس کی یہ نقش ہے۔ آپ اپنے دستخط خط طغریٰ میں بھی کرتے تھے جس کا عکس معہ عبارت بیعنامہ بحق سید محمد علی میں بجنسہ پیش کیا جاتا ہے۔



ماہ شعبان کی چوتھی تاریخ جمعہ کے دن ۱۲۲۷؁ھ ایک ہزار دو سو ستائیس ہجری مطابق ۱۸۱۲؁ء ایک ہزار آٹھ سو بارہ عیسوی میں قریب نوے سال کی عمر ہو کر دنیا سے رحلت فرمائی اور اس باغ میں جو اپنے بیٹے قاضی علی احمد کے نام سے قصبہ بلگرام کے دکن طرف لگایا تھا اور اب وہ قبروں کی وجہ سے قبربلا کہلاتا ہے اپنی وصیت کے بموجب مدفون ہوئے۔ آپ کی وفات کی کئی تاریخیں مختلف شعراء کی کہی ہوئی میری نظر سے گزریں۔ منجملہ اُن کے امین بلگرامی کی تاریخ جو صاف اور درست بھی لکھی جاتی ہے۔

قطعہ تاریخ

رئیس مسلمین و قاضی وقت — برفت از دار فانی آہ صد آہ
پے تاریخ سالش گفت ہاتف — بعدن آسود قاضی احمد اللہ
۱۲۲۷ھ

حکیم محمد صدیق سخنور

آپ قاضی محمد احسان اللہ مذکور کے فرزند سوم اور قاضی احمد اللہ مذکور کے سگے بھائی ہیں۔ مقام سکونت زیر قلعہ راجہ سری "اوپر کوٹ" جانب جنوب تقریباً ۱۱۴۰؁ھ ایک ہزار ایک سو چالیس ہجری مطابق ۱۷۲۷؁ء ایک ہزار سات سو ستائیس عیسوی میں پیدا ہوئے۔ صغر سن میں کلام اللہ حفظ کیا۔ حافظ عبداللطیف ساکن ملانواں کو بلوا کر پانچ روپیہ ماہوار پر مع کل مصارف پوشاک و خوراک وغیرہ کے مدت چھ سال تک نوکر رکھا۔ بعد حفظ قرآن شریف ابتدا میں مولوی

پیر محمد اور سید محمد شاعر خلف علامہ میر عبدالجلیل اور اپنے زمانے کے اساتذہ سے کتب درسی پڑھیں۔ فارسی و عربی دونوں زبانوں میں شعر کہنا شروع کیا۔ اس شوق کے جذبے میں جب آپ کے والد زمانہ محمد شاہ میں اپنے پسر قاضی عثمان احمد عرف قاضی احمد اللہ مذکور کے نام عہدۂ قضا کی سند حاصل کرنے کے لئے دہلی جانے لگے تو آپ بھی اُن کے ہمراہ ہوئے اور شاہجہاں آباد کے اساتذۂ نامی کی خدمت میں رہ کر بہت کچھ ترقی فن شعر میں حاصل کی۔ پہلے آپ کے والد نے آپ کو حضرت میرزا جان جاناں مظہر قدس سرہٗ کے سپرد کیا کہ اُن سے مستفید ہوں۔ چندے میرزا صاحب موصوف کی خدمت میں رہے مگر چونکہ کثرت ریاضت کی وجہ سے انھوں نے بابِ تدریس بند کر دیا تھا اس لئے فن شعر کی طرف آپ کی رغبت زیادہ دیکھ کر سلطان الشعراء سراج الدین علی خان آرزو اکبرآبادی کے نام اپنے ہاتھ سے ایک رقعہ لکھ کر مرحمت فرمایا اور خان آرزو کی خدمت میں آپ کو بھیجا۔ میں نے وہ رقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ علاوہ اس کے دو خطوط جو مرزا صاحب نے بلگرام میں آپ کو لکھے وہ مجھ کو حکیم یعقوب علی صاحب نے دکھائے جواب تک حکیم محمد آفاق صاحب کے پاس محفوظ و موجود ہیں۔

پہلا رقعہ جو خان آرزو کے نام آپ کی سفارش میں لکھا نقل اس کی یہ ہے۔

نقل رقعہ میرزا جانجاناں مظہر بنام سراج الدین علیخاں آرزو

(بعد حمد و صلوٰۃ و سلام　　　　از فقیر جانجاناں

خان صاحب قدر شناس درویشاں مطالعہ نمایند کہ شیخ محمد صدیق نام بزرگ زادہ از مردم بلگرام بارزوئے تحصیل فن شعر دریں شہر وارد شدہ ملاقات بفقیر نمودند چوں ایں ہیچکارہ ازیں کار رفتہ است خود را معذور داشت و بر حسب منشائے ایشاں رقعہ در باب سفارش بعالیخدمت نوشت امید کہ باہمہ کم فرصتی و بیدماغی سرکار کہ معلوم فقیر است دریں مورد بے التفاتی را کار نفرمودہ دریغ از افادات ننمایند و مرا از خجالت کم خدمتی شان برآرند کہ از روئے ایشان سخت منفعلم یعنی ایں مرد بزرگ بخیال استفادہ ایں فن چشم طمع بر فقیر دوختہ از وطن برآمدہ است و مرا دل مردہ دنیا ازیں عمر بسیار خاطرش افسردہ است و وجہ انفعال ایں است دیگر از مراتب اشتیاق چہ عرض دہد زیادہ ترقیات دوجہانی بملازمان ارزانی باد والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ)

ترجمہ (خدا کی تعریف اور رسول پر درود اور سلام کے بعد فقیر جانجاناں کی طرف سے فقیروں کی قدر پہچاننے والے خاں صاحب مطالعہ فرمائیں کہ بلگرام کے لوگوں میں سے شیخ محمد صدیق بزرگزادے نے فن شعر کی تحصیل



مسماۃ حیات بی بی منکوحہ شیخ علی اصغر عرف بھکھا میاں اولاد قاضی محمود کی جانب سے ماہ جمادی الآخر کی چھبیسویں تاریخ ۱۱۹۳ھ ایک ہزار ایک سو ترانوے ہجری مطابق ۱۷۷۹ء ایک ہزار سات سو اناسی عیسوی کا لکھا ہوا ہے اس پر قاضی احمد اللہ کی مہر کے ساتھ آپ کی مہر مذکور ہے جس پر سن ایک ہزار ایک سو اٹھ ہجری کندہ ہیں نقل اس کی یہ ہے۔

کی آرزو میں اس شہر میں آکر فقیر "مجھ" سے ملاقات کی۔ چونکہ میں اب اس کام کا نہیں رہا، اپنے آپ کو معذور رکھا اور اُن "محمد صدیق" کے منشا کے موافق بطور سفارش آپ کی خدمت میں رقعہ لکھا۔ باوجود آپ کی کم فرصتی اور بے دماغی کے جو میں جانتا ہوں امید کہ آپ اس موقع پر کم توجہی کو دخل نہ دے کر فائدے پہنچانے سے دریغ نہ کریں گے اور مجھ کو اُن کی خدمت نہ کر سکنے کی خجالت سے نکال لیں گے۔ کیونکہ میں اُن کے سامنے بہت شرمندہ ہوں یعنی یہ مرد بزرگ اس فن "شاعری" میں میرا شاگرد ہونے اور مجھ سے استفادہ حاصل کرنے کی امید اور شوق میں وطن "بلگرام" سے نکلا ہے اور میرا دل شاعری کی طرف سے مردہ دیکھا اس لئے بہت افسردہ خاطر ہے۔ یہی میری شرمندگی کا باعث ہے اور اشتیاق کے مرتبے کیا عرض کروں زیادہ دونوں جہان کی ترقیاں روز افزوں آپ کو نصیب ہوں اور جس نے سچائی کی پیروی کی اُس پر سلام)

خان آرزو نے یہ رقعہ دیکھ کر بہت تعظیم سے آپ کو لیا۔ اُس وقت اُن کے اکثر شاگرد وہاں موجود تھے۔ شعر و سخن اور دیگر علوم کا ذکر ہو رہا تھا۔ وہ اس خیال سے آپ کی طرف مخاطب نہ ہوئے کہ مبادا کوئی بات ایسی آپ کی زباں سے نکل جائے جو میرے لائق شاگردوں کی خندہ زنی کا باعث ہو۔ جب درس اور اصلاح سخن سے فراغت پائی اور سب شاگرد چلے گئے تو آپ سے مخاطب ہوئے۔ آپ نے اپنی تحصیل علم سے آگاہ کر کے چند شعر اپنے کہے ہوئے سُنائے۔ خان آرزو بہت خوش اور بدل وجان آپ کی تعلیم میں مصروف ہوئے۔ آپ نے اپنی جودت طبع سے بہت جلد استعداد کامل حاصل کر کے مشق سخن میں خوب خوب مہارت پیدا کی اور بہت سے قاعدے از بر کر لئے یہانتک کہ استاد کے منظور نظر ہوئے۔ خان آرزو کا کوئی فرزند نہ تھا اس لئے آپ کی لیاقت دیکھ کر چاہا کہ اپنی فرزندی میں لیں اور اپنی جائداد آپ کو دیدیں۔ اس عرصہ میں قاضی محمد احسان صاحب کوشش بلیغ سے عہدہ قضا کی سند حاصل کر کے خان صاحب کی ملاقات کو آئے اور سخنور کو اپنے ساتھ لے جانے کے لئے کہا۔ خان صاحب نے اپنا منشا ظاہر کیا۔ قاضی محمد احسان نے کہا کہ مجھ کو کسی طرح انکار نہیں۔ میں نے اپنے دل سے یہ فرزند خدمت گزاری کے لئے دیا ہے لیکن جس وقت میں گھر سے اس طرف چلا تھا تو اس کی ماں نے یہ امانت میرے سپرد کی تھی۔ جب اکیلا اُس کے سامنے جاؤں گا تو سمجھ لیجئے کہ کس قدر شور و غوغا مچائے گی اُس وقت اس کی تسکین کرنا دشوار ہوگا۔ یہی عذر ہے ورنہ میں ہر صورت سے خوش اور فرمان پذیر ہوں۔ غرض اسی طرح کی باتیں کہہ کر سخنور کو اپنے ساتھ لے کے میرزا جانجاناں مظہر کے پاس گئے وہ بہت خوش ہوئے۔ اُسی وقت سخنور میرزا صاحب کے مرید ہوئے۔ انھوں نے ہمیشہ طبابت کی اجازت فرمائی اور ترقی و دست شفا کی دعا دی۔ بعدہ پدر بزرگوار کے ساتھ بلگرام آئے اور ایسی مشق سخن کی کہ بڑے نامی شاعر ہوئے۔ جو شاعر فارس سے ہند میں آیا اس کو آپ کا کلام مقبول و مطبوع ہوا۔ مرد میدان مشاعرہ۔ قادر الکلام اور فصاحت و بلاغت میں یگانۂ روزگار تھے۔ میں نے تین خط خاص خان آرزو کے دست و قلم کے لکھے ہوئے آپ کے نام دیکھے۔ ان میں سے جو خط آپ کی ترقی سخن کی سند پر مشتمل ہے اس کی نقل یہ ہے۔

خط خان آرزو بنام سخنور (مشفق و شرافت مآب عزیز القدری میاں محمد صدیق سخنور مصئون و محفوظ باشند۔ خط شما با چند ورق اشعار شما بمطالعہ در آمد بفضل ایسجانہ ترقی نمایاں کردہ اند اگر ہمچنیں مشق میکنند انشاءاللہ تعالے بجائے میرسند فقیر بسبب جدائی دوستاں عزیز دوریافتن ایام پیری کا بسیار ضعیف انسکر شدہ

لہذا دریں روز ہا مشق شعر کم میشود آنچہ برای رسالہ تنبیہ الغافلین و تذکرۃ الشعرائے تالیف فقیر نوشتہ اند چوں نسخہا متعدد نیست معذور است بہ براور خود بنولسند کہ نقل رسالۂ مذکور گرفتہ پیش شما بفرستند لازم کہ ہمیں طور از خیریت احوال خود اطلاع میدادہ باشند و نوشتن اشعار جدیدہ شادکام میگردانیدہ باشند کہ ترقی ہای شما دل میخواہد زیادہ عمر باد)

ترجمہ: (بزرگ اور شریف میرے عزیز محمد صدیق سخنور حفاظت اور نگہبانی میں رہو۔ تمہارا خط تمہارے اشعار کے چند ورقوں سمیت پہنچا۔ میں نے دیکھا۔ خدا کے فضل سے تم نے نمایاں ترقی کی ہے۔ اگر یوں ہی مشق کرو گے تو انشاء اللہ تعالےٰ بڑے پائے کے شاعر ہو جاؤ گے۔ میں عزیز دوستوں کی جدائی اور بڑھاپے کا زمانہ آجانے کی وجہ سے بہت ضعیف ہو کر ہو گیا ہوں۔ آجکل مشق شعر کم ہوتی ہے۔ تم نے جو میرے تالیف رسالہ تنبیہ الغافلین اور تذکرۃ الشعراء کے لئے لکھا ہے چونکہ متعدد نسخے نہیں ہیں اس لئے معذور ہوں۔ اپنے بھائی کو لکھو کہ رسالہ مذکور کی نقل لے کر تمہارے پاس بھیجدے۔ لازم کہ اسی طرح اپنے حال کی خیریت سے اطلاع دیتے رہا کرو اور نئے اشعار لکھ کر خوش کرتے رہا کرو کہ تمہاری ترقیوں کو دل چاہتا ہے۔ زیادہ عمر ہو۔ اس خط میں خان آرزو نے اپنی دو غزلیں بھی لکھی ہیں۔ بخیال طول ان کے مطلع لکھے دیتا ہوں۔ پہلی غزل چھ شعر کی ہے اس کا مطلع یہ ہے۔

مطلع

بباد رفتہ غبارم زمانہ می طلبد — بجا بود گر ازاں آستانہ می طلبد

دوسری پانچ بیتوں کی اس کا مطلع یہ ہے۔

مطلع

ازخون دلم فیض بہارست دریں دشت — ہر آبلہ پا گلِ خارست دریں دشت

آپ کے وقت میں شیخ محمد علی حزیں اصفہانی کی استادی اور کلام کا بہت شہرہ تھا اور بنارس میں انھوں نے اپنا مسکن دائمی اختیار کر لی تھی۔ اُن کی ملاقات کے اشتیاق میں آپ بنارس پہنچے۔ حزیں کی عالی دماغی کے سبب سے بدشواری تمام اُن تک رسائی ہوئی۔ دیکھا تو تصنیف میں مصروف پایا۔ تھوڑی دیر کھڑے رہے حزیں نے سر نہ اٹھایا۔ آپ پاسِ ادب سے خاموش رہے۔ آخر انھوں نے سر اٹھایا اور پوچھا کیستی "تو کون ہے" سخنور نے آداب بجالا کر اپنا حال اور شوقِ ملازمت بیان کیا اور ہنگام گفتگو میں سلمان ساوجی کی رباعی پڑھی جو سلمان نے قلعہ قہقہہ کی اسیری کی حالت میں کہی تھی۔

رباعی

از گردش چرخ واژگوں میگریم — وز جور زمانہ بین کہ چوں میگریم
با قد خمیدہ چوں صراحی شب و روز — در قہقہہ ام ولیک خوں میگریم

اس کے بعد اپنی یہ رباعی سنائی۔

از شومی بخت واژگوں میگریم — وز طالع خود نگر کہ چوں میگریم
بر حال تباہ خویش ہمچوں انجم — خنداں باشم ولیک خوں میگریم

شیخ محمد علی حزیں یہ رباعی سن کر اٹھکے سخنور سے لپٹ گئے اور کہا کہ من مرد ہندی را چنیں ندانستہ بودم بیشک دریں رباعی تو گوئی از سلمان ساوجی بردۂ او مجازاً گفت و تو حقیقتاً گفتی۔

ترجمہ (میں ہندی آدمی کو ایسا نہیں جانتا تھا اس رباعی میں تو بیشک سلمان ساوجی پر سبقت لے گیا اس نے مجازاً کہا اور تو نے حقیقتاً کہا)

الغرض جب سخنور رخصت ہونے لگے تو شیخ علی حزیں نے چند شعر اپنے دست وقلم سے لکھ کر سخنور کو اپنی یادگار کے طور پر عنایت کئے۔ میں نے وہ سب دیکھے۔ خط ولایت میں نہایت خوشخط لکھے ہوئے ہیں۔

میر آزاد صاحب نے اپنی کتاب سرو آزاد میں سخنور کا ذکر کیا ہے اور چند اشعار بھی آپ کے درج کئے ہیں۔ میر آزاد سے اور آپ سے کچھ چھیڑ چھاڑ بھی ہوگئی تھی جس کی ابتدا میر صاحب موصوف کی طرف سے ہوئی۔ پہلے میر آزاد صاحب نے آپ کے کچھ اشعار پر اعتراض کئے پھر آپ نے اُن کے جوابات دئے اور میر آزاد کے دیوان سے اُن کے قابل اعتراض اشعار چن کر ایک رسالہ موسوم بہ تحقیق السداد فی رد کلام الآزاد ترتیب دیا۔ وہ رسالہ مجھ کو دستیاب نہ ہوا جو اس کی نسبت کچھ اپنی رائے قائم کر سکتا۔ مگر یہ معلوم ہوا کہ میر آزاد صاحب نے اُس کا جواب تو کچھ نہ دیا بلکہ آپ کے والد قاضی محمد احسان کو آپ کی شکایت میں خط لکھا۔ انھوں نے مناسب جواب لکھ کر میر صاحب کی اشک شوئی کر دی۔

سرو آزاد میں بھی اکثر شعراء کے حالات ناتحقیق دیکھ کر میر آزاد کو سخنور نے خط لکھا تھا اس کے جواب میں میر آزاد نے لکھا کہ (فقیر از مدت مدید از وطن برآمدہ ام اطلاع از احوال صاحب طبعان آنجا بواقعی ندارم معذور باید داشت و آنچہ میر محمد یوسف نوشتند مطابق آں نوشتم واکنوں ہم چہ رفتہ ہمہ صاحبان تراجم احوال خود نوشتہ بفرستند بہ نسخۂ مذکور درج کردہ شود)

ترجمہ (میں مدت دراز سے وطن "بلگرام" سے چلا آیا ہوں وہاں کے شاعروں کے حال سے ٹھیک ٹھیک واقف نہیں ہوں معذور رکھئے میر محمد یوسف نے جو کچھ لکھا اُس کے مطابق میں نے لکھ دیا اور اب بھی کیا گیا ہے سب شعراء اپنے حالات لکھ کے بھیجدیں نسخۂ مذکور "سرو آزاد" میں درج کر دئے جائیں)

جائے افسوس ہے کہ جناب میر آزاد صاحب نے دکن میں بیٹھے بیٹھے جو کتابیں بلگرام کے حالات میں لکھیں وہ یونہیں جو کچھ اُن کے میل کے لوگوں نے الٹا سیدھا اور اپنی مرضی کے موافق بلگرام سے لکھ مارا انھوں نے آنکھیں بند کر کے درج کتاب کر دیا بلکہ اس میں کچھ اور اپنا تصرف کر کے کچھ کا کچھ کر دیا اور جب اعتراضات ہوئے تو اپنی ناواقفیت کا عذر کر کے ٹال گئے۔ یہی حال سرو آزاد کا ہوا اور یہی ماثر الکرام کا جیسا کہ میں نے اپنی کتاب کے دیباچے میں اوپر ذکر کیا

جناب سخنور صاحب چونکہ خاندانی قاضی تھے علم فارسی و عربی کے منتہی تھے اس لئے آپ کے اور آپ کے بھائی قاضی احمد اللہ مذکور سے عہدۂ قضا کی بابت جھگڑا رہا کرتا تھا جو دونوں بھائیوں کی اولاد میں بھی عرصہ دراز تک مقدمات کی صورت میں قائم رہا اور عہدۂ قضا ایک مدت تک آپ کے اور قاضی احمد اللہ کے درمیان منقسم رہا مگر یہ کارروائی بیچ کی تھی کسی حاکم وقت کے حکم سے ایسا نہیں ہوا اور عہدۂ قضا بدستور قاضی احمد اللہ کی اولاد میں نسلاً بعد نسلاً منتقل ہوتا رہا

۱۲۲۲ھ ایک ہزار دو سو بائیس ہجری مطابق ۱۸۰۷ء ایک ہزار آٹھ سو سات عیسوی میں قریب بیاسی سال کی عمر ہو کر انتقال کیا اور قصبے کی دکھنی طرف پٹواڑے کے قریب اپنے باغ میں مدفون ہوئے۔ ان کے پسر مولوی عبد الغنی بلگرامی نے یہ تاریخ وفات کہی۔

قطعہ تاریخ

روز یکہ ہوئے رحلت صدیق در جہاں | شورے فگند و شد ہمہ عالم اسیر غم
من خواستم کہ مادۂ صوری و معنوی | در مصرعہ سنین وفاتش بہم کنم
بودم دریں خیال کہ ناگاہ از غنی | دل یک ہزار و دو صد و بیست و دو زد رقم

مصرع تاریخ سے توظاہر ہوتا ہے کہ (ایک ہزار و دو صد و بست و دو) کا معنوی تاریخ ہے مگر جناب مولوی صاحب نے (دل زد رقم) بھی شامل کرکے پورے مصرعہ کے اعداد سے معنوی تاریخ نکالی ہے۔

نسب نامے میں لکھا ہے کہ (از قاضی محمد صدیق دوازدہ پسر و پنج جبہ تولد شدند بجا بجز دو ساگی و شیرخوری قضا کردند یک دختر بقید حیات رسیدہ با حسن عسکری عرف محمد حسین پسر شیخ اسد علی ابن قاضی محمد احسان اللہ کتخدا شد)

ترجمہ: (قاضی محمد صدیق کے بارہ لڑکے اور پانچ لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ سب چھوٹے اور دودھ پیتے مر گئے ایک لڑکی زندہ رہی وہ حسن عسکری عرف محمد حسین ولد شیخ اسد علی ابن قاضی محمد احسان اللہ کو بیاہی گئی) مگر حکیم ابو المعالی اور حکیم عبد المعانی وغیرہ اور ایک دختر آپ کے اولاد زوجہ ثانیہ سے ہیں جن کا ذکر آتا ہے۔ آپ کا دیوان فارسی مع چند قصائد وغیرہ موجود ہے۔ اس میں ہزار شعر انتخاب کے ہیں۔ میں نے خاص آپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیوان دیکھا ہے۔ آپ کی اولاد میں اس وقت حکیم ابو الجلال محمد عبد الغفور صاحب اور حکیم محمد آفاق صاحب ابنا حکیم محمد عبد الرزاق صاحب بن حکیم یعقوب علی صاحب بفضلہ بقید حیات ہیں اور پیشہ طبابت میں دونوں مشہور ہیں۔ حکیم محمد عبد الغفور صاحب متاہل نہیں ہوئے۔ عرصہ تیس سال سے قصبہ کو چھوڑ کر اپنے غصب کردہ باغ موسومہ بہا میں رہتے ہیں وہیں مطب کرتے ہیں اور قصبہ میں خاصی عزت رکھتے ہیں۔ آپ کے چھوٹے سگے بھائی حکیم محمد آفاق صاحب ہیں جو بلگرام کے موجودہ شعراء میں کافی شہرت رکھتے ہیں اور اپنی طبعی قابلیت و ہر دلعزیزی کے لئے مشہور ہیں۔ آپ کے دو لڑکے ہیں ابو المعالی عرف بڑے میاں نے علوم عربی و فارسی دیوبند اور بھوپال میں حاصل کئے۔ نہایت ذہین ہیں۔ آجکل حصول علم کے سلسلہ میں لاپتہ ہیں۔

عبد المعانی عرف چھوٹن میاں نے پہلے اردو مڈل پاس کیا پھر انٹرنس و الف۔ اے بلگرام کالجیٹ اسکول سے کرکے اپنے ماموں محمد ایوب صاحب اوور سیر بھوپال کے پاس چلے گئے وہیں ملازم ہیں اور ماشاءاللہ ایم۔اے پرائیویٹ پاس کر چکے ہیں نہایت مطیع اور سمجھدار ہیں اور والدین کی خدمت کو اپنا اولین فرض سمجھتے ہیں۔

شیخ اسد علی

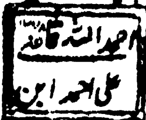
آپ قاضی محمد احسان اللہ مذکور کے چوتھے بیٹے اور قاضی احمد اللہ و حکیم محمد صدیق سخنور مذکورین کے چھوٹے سگے بھائی ہیں۔ مقام سکونت زیر قلعہ راجہ سری "اوپر کوٹ" جانب جنوب۔ جوان صالح تحصیل علم شرح ملا تک تھی۔ فن تیراندازی میں بہت مشاق تھے۔ نواب صفدر جنگ کے نواب احمد خاں بنگش فرخ آبادی سے شکست کھانے اور مہاراجہ نول رائے نائب صوبہ اودھ کے مارے جانے کے بعد جب تمام بنگر وغیرہ کے گنواروں نے سید باقر علی فوجدار کی خصوصیت کی وجہ سے دو مرتبہ بلگرام کا محاصرہ کیا اور جنگ ہوئی تو شیخ اسد علی اپنے پدر قاضی محمد احسان اللہ مذکور کے ہمراہ اُن گنواروں کے سر پر پہنچ گئے اور راسپی دادِ مردانگی دی کہ گنوار موضع بردری علاقہ پرگنہ بلگرام کی گڑھی میں پناہ گزیں ہوئے۔ گنواروں کا سردار مارا گیا اور زمرۂ اسلام کی فتح ہوئی۔ بعد اس کے آپ عبادت خدا میں معروف رہے تاریخ ولادت و وفات نہیں معلوم ہوئی۔ آپ کے خاندان کا سلسلہ آپ کے پڑپوتے داروغہ ناصر علی تک پہنچکر منقطع ہو گیا۔

ان کا ذکر آئندہ کیا جائے گا۔ شیخ اسد علی کی قبر پھلواری والے باغ میں ہے۔

قاضی علی احمدؒ

آپ قاضی احمد اللہ مذکور کے بڑے بیٹے ہیں۔ مقام سکونت محلہ قاضی پورہ زیر قلعہ راجہ سرئیؒ اور کوٹلہ جانب جنوب علم فارسی و عربی میں ذی استعداد۔ آپ کی پھوپھی مسماۃ رحمت بی بی بنت قاضی محمد احسان اللہ مذکور منکوحہ غلام محی الدین دامنی بن قطب الدین احمد عرف گمانی میاں نے اپنا تمام متروکہ شوہری اپنے شوہر کی اجازت سے آپ کو بذریعہ تملیک نامہ محررہ تاریخ ہفتم ماہ ربیع الاول سنہ ۱۲۰۰ ایکہزار دوسو ہجری مطابق ۱۷۸۶ء ایکہزار سات سو چھیاسی عیسوی ہبہ کردیا۔ قاضی شریف احمد صاحب نے تملیک نامہ مذکور الصدر کی نقل میں تو قریب چار صفحوں کے سیاہ کئے مگر ضروری واقعات تاریخی کچھ نہ لکھے صرف یہ لکھدیا کہ (احکامات سلاطین بنام قاضی محمد احسان و قاضی احمد اللہ و قاضی علی احمد و قاضی مجد الدین محمد مرحومین و مغفورین حاکی زمانطق اند بوجہ طوالت کلام دریں مختصر لقلم نہ آوردہ بیش راقم موجود) جمع کئے گئے پیچشیلہ گئے قاضی محمد احسان اور قاضی احمد اللہ اور قاضی علی احمد اور قاضی مجد الدین محمد کے نام بادشاہوں کے احکام "ان کی شخصیت" کو ظاہر کرتے اور بتاتے ہیں کلام کی طوالت کی وجہ سے اس تھوڑی سی جگہ میں ان کو نہیں لکھا میرے پاس موجود ہیں۔

میں نے قاضی علی احمد کے والد قاضی احمد اللہ مذکور کی ایک عرضداشت دیکھی اس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے پچاسی سال کی عمر میں یہ عرضداشت نواب اودھ کے حضور میں لکھی اس کے نیچے اُن کی مُہر ہے اس عرضداشت میں اپنے بھائی محمد صدیق سخنور کے جھگڑے اور فساد کا حال لکھکر داد خواہی کی ہے اور آخر میں حضور لامع النور "رونق چمکنے والا" سے اپنے پسر علی احمد کے نام پروانہ بلا شرکت غیرے حاصل کرنے اور اپنے سامنے امور قضا میں ان کو دخیل کر کے اپنا ولی عہد بنانے کی بھی استدعا کی ہے مگر یہ عرضداشت جس کے حضور میں پیش کرنے کے لئے لکھی اس کا نام کہیں نہیں نہ تاریخ ہے صرف موذا کی مُہر ہے۔ غالباً نواب سعادت علی خاں بہادر کے نام ہے اس لئے کہ انھیں کا عہد تھا اس پر کوئی حکم وغیرہ بھی نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی وجہ سے حضور سرکار اودھ میں نہیں پہونچی اور نہ اُن کی زندگی میں قاضی علی احمد عہدۂ قضا پر مامور ہوئے بعد وفات پدر بزرگوار بدستور قدیم تائد و دستار قصبہ نے مجتمع ہو کر دستار قضا آپ کے سر پر باندھی اور قاضی بنایا اس کے بعد ۱۲۲۸ ایک ہزار دوسو اٹھائیس ہجری میں آپ نے اپنے نام کی مہر کندہ کروائی میں نے بعض قبالوں پر اپنی آنکھوں سے دیکھی چنانچہ میرے دادا منشی محمد مسعود اور سید علی احمد بن سید غلام حیدر کے درمیان کچھ زمین کی بابت فیصلہ نامہ باہمی محررہ ۱۲ ماہ صفر سنہ ۱۲۳۲ ہجری پر آپ کی مہر ہے نقل اسکی یہ ہے



قاضی علی احمد نے اپنے باپ کی وفات کے بعد چند سال تک احکام شرعیہ جاری کر کے بعدہٗ اپنے بڑے بیٹے قاضی مجد الدین محمد کو اپنی جگہ مسند قضا پر متمکن کیا اور خود یاد الہی میں متوجہ ہوئے۔

آپ کی ولادت اور وفات کے سنہ نہیں معلوم ہوئے واقعات پر نظر کرنے سے ولادت کچھ کم

وبقول سنہ ۱۱۷۰ ایکہزار ایکسو ستر ہجری مطابق سنہ ۱۷۵۶ء ایک ہزار سات سو چھپن عیسوی میں اور وفات کچھ کم و بیش سنہ ۱۲۴۰ھ ایکہزار دوسو چالیس ہجری مطابق سنہ ۱۸۲۴ء ایک ہزار آٹھ سو چوبیس عیسوی میں اور عمر تقریباً ستر سال کی معلوم ہوتی ہے۔ مزار اپنے باپ قاضی احمد اللہ مذکور کے مزار کے پاس ہے۔

قاضی مجد الدین محمد

آپ قاضی علی احمد مذکور کے بڑے بیٹے ہیں۔ مقام سکونت زیر قلعہ راجھری "اوپر کوٹ" جانب جنوب پروردگار کے ظل عاطفت میں پرورش پائی۔ بڑے لائق و فائق ہوئے۔ والد ماجد نے اپنی زندگی ہی میں آپ کو مسند قضا پر متمکن کر دیا اور خود یاد خدا میں مشغول ہو گئے آپ اس عہدۂ بزرگ کا کام بڑی لیاقت سے انجام دیتے رہے۔ آخر میں بسبب ضعف پیری اپنے چھوٹے بیٹے قاضی قطب حیدر کو جو اپنے بھائیوں میں سب سے زیادہ صاحب علم و ذی فہم تھے بسرکار اودھ سے عہدۂ قضا پر مقرر کروا کے احکام شریعت اُن کو سپرد کر دیئے اور لکھنؤ جا کر اُن کے نام کی مہر قضا کندہ کروا لائے اور اپنے سامنے ہی تمام برادران و عمائد قصبہ کو مجتمع کر کے مسند قضا پر متمکن کر دیا۔ مگر چونکہ قاضی قطب حیدر کا سن شباب تھا اور تحصیل علوم کے شوق میں وہ اپنے چچا مولانا ابو محمد الدین احمد کے پاس لکھنؤ میں رہا کرتے تھے اس لئے قاضی مجد الدین محمد بطور نیابت کے عہدہ قضا کا کام خود ہی کرتے رہے۔ آپ کی دو مہریں اکثر قبالوں پر میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھی ہیں۔ ایک مستطیل جو قاضی ہونے کے قبل سنہ ۱۲۲۳ ہجری کی کندہ ہے اور دوسری مدور جو قاضی ہونے پر سنہ ۱۲۳۲ ہجری میں سرکار اودھ نواب غازی الدین حیدر سے مرحمت ہوئی۔ قبالوں پر دونوں مہروں میں سے جو بھی چاہتے تھے کر دیا کرتے تھے چنانچہ میرے والد منشی ظہیر الدین اور سیّد صادق علی ولد سید باقر علی بن سید ضیاء الحق کے درمیان زمین مقبوضہ منشی ظہیر الدین و زمین سرائے سید ضیاء الحق متصل پرمیر الکان مقبوضہ حال نمبری [illegible] سمرہ سنہ [illegible] ہجری واقع ہے کے مبادلہ نامہ محررہ ۲۴ ماہ شوال سنہ ۱۲۲۵ ہجری پر آپکی یہ مہر ہے۔ نقل مہر



میرے والد منشی ظہیر الدین اور اُن کے چچیرے بھائی خورشید احمد اور برادر زادوں محمد اکبر و محمد احمد ابنائے عبد العلی کے درمیان تقسیم نامہ زمین سرائے قاضی عبد الحی محررہ ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۲۳۹ ہجری پر آپکی یہ مہر ہے



آپ کا سنہ ولادت ظاہر معلوم ہوا۔ واقعات پر غور کرنے سے بعید از قیاس تقریباً سنہ ۱۱۹۰ ایکہزار ایکسو نوے ہجری مطابق سنہ ۱۷۷۶ ایکہزار سات سو چھہتر عیسوی معلوم ہوتی ہے۔ قریب اسی سال کی عمر میں ماہ محرم کی ستائیسویں تاریخ سنیچر کے دن سنہ ۱۲۷۰ ایک ہزار دو سو ستر ہجری مطابق سنہ ۱۸۵۱ء ایک ہزار آٹھ سو اکاون ہجری میں انتقال فرمایا اور اپنے باپ دادا قاضی علی احمد و قاضی احمد اللہ کے پائینتی مدفون ہوئے۔

مولانا اوحد الدین احمد

آپ قاضی علی احمد مذکور کے دوسرے بیٹے اور قاضی محب الدین محمد مذکور کے منجھلے سگے بھائی تھے ۱۱۹۳ھ ایک ہزار ایک سو ترانوے ہجری مطابق ۱۷۷۹ء ایک ہزار سات سو اناسی عیسوی میں بمقام بلگرام محلہ قاضی پورہ میں پیدا ہوئے اور یہیں اپنے پدر کے ظل عاطفت میں پرورش پائی سترہ برس کی عمر میں اپنے ماموں شیخ محمد اسلم متخلص باسلم صدیقی فرشوری بلگرامی کے ساتھ کلکتہ گئے دس پندرہ برس وہیں ان کے ساتھ رہے اور انہیں سے علم فارسی حاصل کیا۔ بعد اس کے شیخ احمد عرب کے علم و فضل کا شہرہ سن کر اور خصوصیت طبیعت مائل ہوئی اور عرب میں جاکر شیخ موصوف کی شاگردی اختیار کی وہاں اتنی مدت تک قیام کیا کہ علم عربی سے فراغت حاصل کر کے اعلیٰ درجہ کے ادیب ہوگئے شیخ احمد عرب آپ کا رشد و کمال دیکھ کر ایسے خوش ہوئے کہ اپنی دختر نیک اختر کا عقد آپ کے ساتھ کر دیا۔

وہاں سے مع اپنی بیوی کے معاودت کی مگر افسوس کہ راستے میں جہاز ہی پر اس حسینہ جمیلہ نے رحلت کی ؎

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد ٭ روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد۔ آپ ایک مطبع کا سامان بھی اپنے ساتھ لائے اور سیدھے لکھنؤ پہونچے وہاں مولوی محبوب علی صاحب سوداگر نے جو مشہور مردم شناس اور علم دوست آدمی تھے انھوں نے وہ چھاپے خانہ کا سامان آپ سے لیکر بہت ترقی کے ساتھ کام جاری کر دیا اور آپ کو اس کا مہتمم و افسر کر کے مبلغ ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار تنخواہ کر دی۔ جب یہ سلسلہ مستقل قرار پایا تو آپ نے وہیں مولوی محبوب علی کے مکان کے قریب بازار جھاؤ لال میں پل کے متصل خود بھی اپنا ذاتی مکان بنوالیا اور چھاپہ خانہ بھی قریب رہا لکھنؤ میں پہلا چھاپہ خانہ وہی ہوا۔ پھر تھوڑی مدت کے بعد بلگرام تشریف لائے اور مولوی محمد اسلم صاحب موصوف الصدر کی دختر سے عقد ثانی ہوا۔ اس وقت تک آپ نے اپنے عقد اول کا کسی سے ذکر نہیں کیا تھا۔ محمد رکشن ملازم جو آپ کے ہمراہ عرب گیا تھا اس نے ظاہر کیا۔ پھر جب آپ سے پوچھا گیا تو مفصل کیفیت بیان کر دی اور اپنی پہلی منکوحہ کے کپڑے اور زیور وغیرہ نکال کر دکھائے۔ بعد عقد ثانی مع اپنی بیوی کے لکھنؤ چلے گئے اور وہیں کی سکونت دائمی اختیار کی۔ آخر وقت تک مطبع مذکور میں ملازم رہے اور آپ کے بھتیجے قاضی شریف احمد صاحب نے لکھا ہے کہ مدت العمر شاہ اودھ کی نوکری کی اور وہیں درس و تدریس جاری کی الغرض بہت بڑے فاضل اور جید ادیب تھے آپ کے علم و فضل کا شہرہ تمام ہند اور دیگر ممالک میں تھا تصانیف میں نفائس اللغات اور علم ادب میں رسالے وغیرہ بہت مشہور و معروف کتابیں ہیں۔ آخر عمر میں نسب نامہ خاندانی بھی شرح و بسط کے ساتھ لکھا۔

ماہ رمضان المبارک کی چوتھی تاریخ دوشنبہ کے دن ۱۲۶۲ھ ایک ہزار دو سو باسٹھ ہجری مطابق ۱۸۴۵ء ایک ہزار آٹھ سو پینتالیس عیسوی میں بمقام لکھنؤ محلہ بازار جھاؤ لال انتقال کیا اور وہیں گنج شاہ کے تکیے میں شیخ محمد مذکور رحمۃ حافظ محرم علی صاحب کے مزار کے پہلو میں مدفون ہوئے آپ کے داماد اور بھانجے مولوی محمد اعظم صاحب متخلص باعظم ابن مولوی محمد اسلم صاحب موصوف الصدر نے یہ تاریخ وفات کہی۔ تاریخ: آہ افتاد آسمان بزمین ٭ منتشر گشت انجم پروین

مہر اوج کمال شد منکسف ٭ ماہ چرخ علوم خسف گزین ٭ شد ہ تحریر وقت زین عالم

بود در فضل آنچناں ممتاز ٭ کز رکابش گزند فخر الدین ٭ در احادیث ابن عربی زہر ٭ در ادب اوستاد شمس الدین ٭ چوں بہرفن وحید دوراں بود ٭ زاں ملقب شدہ باصد دین ٭ بود چارم ز عشر ماہ صیام ٭ کان مسلم فرس کشید بزیں ٭ روز نقل بنی زو مرفنا ٭ رفت بر داشت سوے ملک یقیں ٭ ہست اقلم چو جائی خوارش ٭ مدعشق بس ملول گشت وحزیں ٭ سال تاریخ نقل آں مہرور ٭ از مفیض فنا لجلیس ٭ گفت الف بمن ز روی ادب ٭ رفت قطب علوم زیر زمیں ٭ یہ قطعہ کی تاریخ ہے ۔ لفظ ادب کے الف کا ایک عدد شامل کرکے سنہ وفات پورے ہوتے ہیں ۔

آپ کے تین پسر تھے نور الحق، بہاء الحق گونگے اور حسام الدین ۔ اول الذکر کی ایک دختر ظہیر کھو اور دوم وسوم متاہل نہیں ہوئے ۔ انہیں پر آپ کی نسل کا خاتمہ ہوگیا ۔ نور الحق ہمیشہ لکھنؤ میں دارو غہ میر واجد علی کے یہاں قلیل تنخواہ پر بسر کرتے رہے اور وہیں انتقال کیا ۔ میرے یہاں اکثر آیا کرتے تھے اور مجھکو گود میں کھلایا ہے ۔ نہایت محبت رکھتے تھے ۔ بہاء الحق باہر رہتے تھے جب کبھی لکھنؤ آتے تھے وہ بھی میرے یہاں ضرور آتے تھے یہ دونوں گونگے بہرے قدرتی علم اتنا رکھتے تھے کہ جب کوئی ان کی بات اشارے سے نہیں سمجھتا تو اپنی چھڑی سے زمین پر لکھ دیتے تھے ۔

قاضی قطب حیدر

آپ قاضی مجد الدین محمد مذکور کے فرزند نجیم ہیں ۔ مقام سکونت محلہ قاضی پورہ راجہ سری" اوپر کوٹ" جانب جنوب ۔ ولادت آپ کی ۱۲۴۰ھ ایک ہزار دوسو چالیس ہجری مطابق ۱۸۲۴ء ایکہزار آٹھ سو چوبیس عیسوی میں ہوئی اور میاں جی کالے مرحوم نے یہ تاریخ تولد کہی قطعہ تاریخ

بمجد الدین احمد داد یزداں ٭ ولید ہمچو حیدر پاک و اطہر
بگفتا بے سر در خواست ہاتف ٭ سن تاریخ قاضی قطب حیدر

تخرجے کی تاریخ ہے ۔ سر درخواست یعنی دال کے چار عدد کم کرکے ۱۲۴۰ھ ہوئے ۔

آپ اپنے سب بھائیوں میں زیادہ ذی علم اور لائق وفائق تھے ۔ پہلے اپنے والد صاحب سے پڑھتے رہے پھر لکھنؤ میں اپنے نامور فاضل چچا مولانا اوحد الدین احمد کے پاس رہ کر انھیں سے علم حاصل کیا اسی حصول علم کی بدولت آپ کے والد بزرگوار نے بلا لحاظ حوز دی و بزرگی سن کے آپ کو اپنی زندگی ہی میں اپنا جانشین کردیا جیسا کہ اون کے حال میں اوپر مذکور ہوا اور اسی وجہ سے بلحاظ ترتیب عہدۂ قضا میں بھی آپکا ذکر آپ کے بڑے بھائی قاضی شریف احمد کے ذکر سے مقدم کرتا ہوں ۔

۱۲۶۰ھ ایکہزار دوسو ساٹھ ہجری مطابق ۱۸۴۴ء ایک ہزار آٹھ سو چوالیس عیسوی میں آپکے والد نے حضرت امجد علی شاہ بادشاہ اودھ کے حضور سے آپکے نام حکمنامہ عہدۂ قضا بلگرام حاصل کیا اس وقت آپ کا سن بیس سال کا تھا ۔ نقل حکمنامہ بنام قاضی قطب حیدر

منصدیان مہمات حال و استقبال عملہ پرگنہ بلگرام را اعلام آنکہ چوں منصب جلیل القدر قضائی پرگنہ مسطور از قدیم الایام بخاندان شریعت مآب قاضی مجد الدین محمد تعلق دارد و درینولا بسبب کبر سن و انحطاط قویٰ از شریعت مآب مذکور انصرام آن خدمت نتوانند شد عرضداشت برائے تقرری قطب حیدر پسر خود بحضور عالی گزرانیدہ و مہر قضا کہ در سنہ ۱۲۳۳ ہجری بنام شریعت مآب از سرکار مرحمت شدہ بود داخل نمودہ بنا علی ہذا الحکم بحکم بماموری قطب حیدر بجائے شریعت بناہ عز نشیمت یافتہ لہذا نگارش می رود کہ قطب حیدر را قاضی مستقل دانستہ کاغذ فیصلہ و تصفیہ قضایا و نقول و احکام و اسناد و نکاح بمہر و دستخط قاضی مسطور معتبر دانند و کاغذے کہ براں مہر و دستخط قاضی موصوف نباشد آں را معتبر نشمارند و رجوع احکام شرعیہ ہموارہ بہ شریعت مآب نمودہ باشند دریں باب قدغن دانستہ حسب المسطور عمل آرند مرقوم یازدہم ربیع الاول سنہ ۱۲۶۵ھ۔ ترجمہ۔ عملہ پرگنہ بلگرام کے موجودہ و آئندہ امور متعلقہ کے پیشکاروں کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ پرگنہ مسطور کا جلیل القدر عہدہ قضا قدیم زمانہ سے شریعت مآب قاضی مجد الدین محمد کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ ان دنوں شریعت مآب مذکور قاضی مجد الدین محمد کے بڑھاپے اور کمزوری کے سبب سے وہ خدمت "قضا" انجام کو نہیں پہونچ سکتی تو انھوں نے اپنے بیٹے قطب حیدر کی تقرری کے لئے حضور عالی میں عرضداشت گزرانی اور جو مہر قضا کہ ۱۲۳۳ ہجری میں شریعت مآب قاضی مجد الدین محمد کو مرحمت ہوئی تھی وہ داخل کردی اس بنا پر شریعت پناہ" قاضی مجد الدین محمد" کی جگہ قطب حیدر کی ماموری کا مضبوط حکم جاری ہوا۔ لہذا لکھا جاتا ہے کہ قطب حیدر کو مستقل قاضی جان کر جھگڑوں کے تصفیے اور فیصلے سندوں حکموں، نکاح اور نقلوں کے کاغذ قاضی مسطور" قطب حیدر کی مہر اور دستخط سے معتبر جانیں اور جس کاغذ پر قاضی موصوف" قطب حیدر کی مہر اور دستخط نہ ہوں اس کو معتبر نہ سمجھ کر احکام شرعیہ میں ہمیشہ شریعت مآب" قاضی قطب حیدر کی طرف رجوع کرتے رہیں اس باب میں تاکید جان کے لکھے ہوئے کے موافق عمل کریں۔ لکھا ہوا گیارھویں تاریخ ماہ ربیع الاول سنہ ۱۲۶۵ ہجری کا۔

باوجود اس کے آپ تحصیل علوم میں قاصر نہ ہوئے اور لکھنؤ میں اپنے چچا مولانا اوحد الدین احمد صاحب کے پاس تحصیل علم میں مصروف رہے جب تک علم سے فراغ حاصل نہیں کیا آپ کے والد بطور نیابت اجرائی کام میں مشغول رہے جب بعد فراغ علم لکھنؤ سے آئے تو عہدۂ قضا کا کام انجام دینے لگے آپ کی دو مہریں بالکل ایک شکل اور ایک سن کی میں نے چند کاغذوں پر دیکھیں دونوں میں صرف فرق اتنا ہے کہ ایک میں خادم شرع شریف اور دوسری میں بجائے شریف کے لفظ "اہل" کندہ ہے۔ نقل ایک مہر کی بعینہٖ یہ ہے



افسوس کہ ان ہونہار اہل فضیلت کی عمر نے وفا نہ کی اور اپنے والد کی وفات کے ایک ہی مہینہ کے بعد ستائیس سال کی عمر میں جمادی الاول کی پہلی تاریخ سنیچر کے دن سنہ ۱۲۶۸ ایکہزار دوسو اڑسٹھ ہجری مطابق سنہ ۱۸۵۱ ایکہزار آٹھ سو اکاون عیسوی میں لاولد فوت ہوگئے اور قاضی احمد اللہ و قاضی علی احمد کے مزاروں کی پائنتی اپنے پدر بزرگوار کی قبر کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ آپ کا نسب کا سلسلہ آگے نہیں چلا۔ آپ نے دیگر جائداد کے علاوہ شیخ محمد صلاح سے اراضی امرائی واقع موضع محمد نگر خرید کی کہا جاتا ہے کہ آپ کے پاس کافی روپیہ تھا جکا کسی کو پتہ نہیں چلا اور مکان مسکونہ

میں کہیں دفن ہے۔

قاضی شریف احمد

آپ قاضی قطب حیدر مذکور کے سگے بھائی اور قاضی عمادالدین محمد کے فرزند چہارم ہیں مقام سکونت محلہ قاضی پورہ زیر قلعہ راجہ سری "ادیرکوٹ" جانب جنوب ۱۲۳۸ھ ایک ہزار دو سو اڑتیس ہجری مطابق ۱۸۲۲ء ایکہزار آٹھ سو بائیس عیسوی میں پیدا ہوئے۔ قاضی کبیرالدین تاریخی نام ہے اپنے پدر بزرگوار کے سایۂ عاطفت میں تعلیم و تربیت پائی۔ فارسی و عربی میں اچھی قابلیت رکھتے تھے ۱۲۶۸ھ ایکہزار دو اڑسٹھ ہجری مطابق [illegible] عہد واجد علیشاہ بادشاہ اودھ میں اپنے پدر بزرگوار اور برادر قاضی قطب حیدر مذکور کی وفات کے بعد برادر مذکور کے سوئم کے روز ان کی جگہ پر متمکن ہوئے اور سنہ مذکور ہیں آپ کے نام کی مہر قضا کندہ ہوکر وثائق پر ہوتی رہی چنانچہ ایک ہبنامہ بابت زمین کچی حویلی نوشتہ شیخ محمد اسمٰعیل ولد شیخ محمد صلاح و مسماۃ سلامت فاطمہ منکوحہ شیخ محمد صلاح موصوف بنام فتح خاں ولد منے خاں بعوض مبلغ پچیس روپیہ چہرہ دار تاریخ ۱۰ ماہ رمضان ۱۲۷۲ھ ایکہزار دو سو بہتر ہجری مطابق یکم مئی ۱۸۵۶ء ایکہزار آٹھ سو چھپن عیسوی کا لکھا ہوا میری نظر سے گذرا جو ایام غدر ۱۸۵۷ء ایک ہزار آٹھ سو ستاون مطابق ۱۲۷۳ھ ایکہزار دو سو تہتر ہجری سے ایک سال قبل ملک اودھ سرکار انگریزی کے قبضے میں آجانے کی وجہ سے کاغذ اسٹامپ انگریزی قیمتی چار آنہ پر تحریر ہے اور اس کی پشت پر تصدیق عبارت قاضی شریف احمد کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے اس سے واضح ہے کہ یہ کاغذ محکمہ قضا میں پیش ہوا اور اس وقت تک محکمہ رجسٹری انگریزی قائم نہیں ہوا تھا اس کے نیچے قاضی شریف احمد کی مہر مذکورالصدر ہے نقل اس کی بعینہٖ یہ ہے



اس کے علاوہ ایک بیعنامہ قدیم متعلقہ مواضعات کھندریہ وغیرہ مرقوم ۱۵ جمادی الاول ۱۰۷۹ھ ہجری ہے جس پر دوبارہ بیعنامہ جائداد مذکور کا مرقومہ ۱۵ جمادی الثانی ۱۱۶۰ھ ہجری بحق قاضی محمد سعید عرف قاضی بھکھاری اسی بیعنامہ کے حاشیہ پر تحریر ہے اسی بیعنامہ مذکور کے دوسرے حاشیہ پر مسمی قاضی شریف احمد ابن قاضی عمادالدین محمد مرحوم نے موضع کھندریہ کا بیعنامہ بحق رام غلام ولد ہیرلال تشکل ساکن موضع چوسار بتاریخ ۱۴ شہر شعبان ۱۲۷۲ھ ایکہزار دو سو بہتر ہجری میں لکھا ہے جس کے نیچے آپکی مہر ۱۲۷۲ھ ثبت ہے جس میں آپنے آل احمد قاضی شریف احمد کندہ کرایا ہے

بعد ایام غدر جب ملک اودھ میں سرکار انگریز کی پوری عملداری اور انتظام کافی ہوگیا تو قدیم طریقہ دارالقضا میں قبالوں کے مصدق ہونے کا موقوف ہوکر رجسٹری کا محکمہ قائم ہوا اور آپ سرکار انگریزی کی طرف سے عہدہ رجسٹری پر مامور ہوئے۔

نقل پروانہ صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر ہردوئی

شرافت پناہ و نجابت دستگاہ شریف احمد بعافیت باشند

آنکہ مسل مقدمہ اجرای کار رجسٹری پیش ہوکر کاغذات مسل مقدمہ مرسلہ تحصیلداران و تعلقداران ملاحظہ سے گذرے چونکہ بہ نظر مناسب مقرر ہونا رجسٹرار کا ضروری ہے اسواسطے حسب الحکم روبکار امروزہ تم اوپر عہدہ رجسٹری علاقہ بلگرام

کے مقرر کیے گئے چاہیے کہ کار رجسٹری متعلقہ اپنے کو بوجہ احسن انجام دو اور دیانت اور امانت کو اپنا شعار رکھو اور ترویج کار اپنے میں کوشش بلیغ کرو۔ فقط المرقوم ۲۲ اکتوبر ۱۸۵۹ء اس کے دو سال اور چند ماہ کے بعد دوسرا پروانہ ملا

نقل پروانہ دیگر صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر ہردوئی

شرافت و صداقت دستگاہ قاضی شریف احمد رجسٹرار پرگنہ بلگرام بعافیت باشند

بتعمیل حکم دفعہ ۹ سرکلر ۱۲ صاحب جوڈیشل کمشنر بہادر کے حسب الحکم روبکار امروزہ تم واسطے رجسٹری جملہ دستاویزات بیع و رہن متعلقہ زمین مابین حدود علاقہ کل تحصیل بلگرام کے مقرر کیے گئے۔ سوائے تمہارے اس قسم کے وثائق کی اور کوئی رجسٹرار علاقہ اس تحصیل کا مجاز رجسٹری کرنے کا نہ ہوگا۔ مگر واضح رہے کہ پانصد سے زیادہ کی دستاویز کی رجسٹری کرنے کے تم مجاز نہ ہوگے اور یہ رجسٹری اُن دستاویزات متعلقہ رہن و بیع آراضی کی مقام صدر تحصیل میں ہوا کرے گی چاہیے کہ مطلع ہو کر آئندہ تعمیل کرتے رہو اور یہ پروانہ بطور سند اپنے پاس رکھو۔ المرقوم ۲۵ مارچ ۱۸۶۲ء

ان دونوں پروانہائے صدر الصدر کی پیشانی پر سرکاری گول مہر اور مہر کے نیچے انگریزی دستخط ہیں اور اصل پروانے اس وقت تک قاضی شریف احمد کے پوتے برخوردار قاضی شریف الحسن سلمہ کے پاس موجود ہیں ان پروانوں کے بعد قدیم محکمہ دار القضا محکمہ رجسٹری کے نام سے تبدیل ہو گیا۔ چنانچہ ایک رہن نامہ بابت نصف باغ پھلواری قاضی محمد یوسف ثالث نوشتہ سماۃ ندرت فاطمہ منکوحہ قاضی شریف احمد بنام کفایت علی ولد شیخ عباد اللہ بعوض مبلغ پچاس روپیہ سترھویں تاریخ ماہ مئی ۱۸۶۰ء ایک ہزار آٹھ سو ساٹھ عیسوی مطابق ۱۲۷۶ھ ایک ہزار دو سو چھہتر ہجری کا کاغذ اشٹامپ انگریزی قیمتی چار آنہ لکھا ہوا میں نے دیکھا اس کی پشت پر تصدیقی عبارت قاضی شریف احمد کی لکھی ہوئی ہے اس سے واضح ہے کہ محکمہ رجسٹری کا میں تصدیق ہوئی عبارت رجسٹری کی پیشانی پر مُہر اور تحت عبارت بجائے مہر صرف دستخط ہیں۔ نقل دستخط کی یہ ہے

رجسٹرار پرگنہ بلگرام
ضلع ہردوئی۔

بعدہ دستخط اور محکمہ رجسٹری کی سرکاری مہر ہونے لگی

علاوہ مُہر مذکور صدر الصدر کے ایک اور مہر ۱۲۷۱ھ ایک ہزار دو سو اکہتر ہجری مطابق ۱۸۵۴ء ایک ہزار آٹھ سو چون عیسوی کی کندہ کرائی تھی جس میں نے بعض کاغذوں پر دیکھی نقل اُس کی یہ ہے۔

۱۲۷۱ المستعظم آل احمد شریف

المختصر جس طرح بادشاہ ایک بندگی قاضی عبد الدائم کے قبضے سے موروثی حکومت بلگرام نکل کر عہدہ قضا باقی رہ گیا تھا اسی طرح عملداری انگریزی میں خاندانی عہدہ قضا قاضی شریف احمد کے ہاتھ سے نکل کر صرف تصدیق وثائق "رجسٹری" ہاتھ رہ گئی اور مہر قضا کا بھی انھیں پر خاتمہ ہو گیا۔

آپ نے ۱۸۵۶ء ایک ہزار آٹھ سو چھپن عیسوی مطابق ۱۲۷۲ھ ایک ہزار دو سو بہتر ہجری میں غدر سے بیشتر ایک صداقت نامہ تحریر کیا تھا جس کی پوری نقل باب ہذا کی پہلی فصل میں اوپر درج ہو چکی اور آخر عمر میں شرافت علی کے تکلے کے طور پر ایک رسالہ فارسی لکھا اس میں علاوہ تکملہ مذکور کے چند فقرے لکھے ہیں جن میں چند خاندانوں کے متعلق اپنی

معلومات سے بڑے پتے کی باتیں تحریر کی ہیں۔ زمانۂ حال کے بعض بڑے ظاہری سربرآوردہ نامی خاندانوں کی قلعی
ثبوت کے ساتھ کھولی ہے مگر تکملہ میں اتنی کمی ضرور کی کہ صرف اپنی شاخ کے عقبیات ہی کا حال وہ بھی بہت مختصر
تحریر کیا ہے کاش مولف خزائن عثمانی نے جن مشاہیر عثمانی کا ذکر کیا ہے ان سب مشاہیر اعقاب کا حال آج
وقت تک آپ بھی تحریر فرما دیتے۔ بہرحال جو کچھ لکھا ہے خوب لکھا ہے۔

آپ کا انتقال ۱۱ نومبر سنہ ۱۲۸۴ھ ایکہزار دوسو چوراسی ہجری مطابق سنہ ۱۸۶۸ء ایکہزار آٹھ سو اڑسٹھ عیسوی میں ۵۴
سال کی عمر میں ہوا اور قبرستان باغ میں اپنے والد اور بھائی کے پاس مدفون ہوئے۔

آپ نے لب سڑک مع ثانی کرسی دیگر مردانی نشست کے لئے ایک عالیشان دیوانخانہ محلہ قاضی پورہ میں
تعمیر کرایا اسی دیوانخانے کے جنوبی لب سڑک کمرے میں آپ عہدۂ رجسٹراری کے فرائض انجام دیتے رہے اور
اسی کمرے میں آپ نے بعارضہ طاعون انتقال فرمایا۔ آپ بہت فیاض تھے اور اپنے اعزہ و احباب کی بیدریغ
مدد کیا کرتے تھے جس کی وجہ سے آپ اکثر مقروض رہتے تھے اس سلسلہ میں آپ کو ایک وسیع باغ موسومہ منی والا باغ واقع
موضع جلالپور نیز دیگر آراضیات واقع بلگرام متصل دیبی بار فروخت کرنا پڑیں آپکی ایک صاحبزادی بالو نامی تھیں جکا عین
شباب میں شادی سے قبل انتقال ہوگیا۔ بعد انتقال مولوی عبدالوالی صاحب نے مرحومہ کے زیورات فروخت کرکے
جامع مسجد پیرزادگان محلہ سلہرہ میں ایک چاہ پختہ تعمیر کرادیا جس میں مرحومہ کے نام کا ایک پتھر لگا ہوا ہے۔

قاضی عبدالوالی صاحب

مولوی عبدالوالی صاحب صدیقی فرشوری مولوی محمد اعظم صاحب کے صاحبزادے اور شیخ محمد اسلم صاحب
فرشوری —— ۹ —— کے پوتے تھے سکونت محلہ قاضی پورہ زیر بالا کوٹ۔ آپ کی
حقیقی بہن مسماۃ ندرت فاطمہ کی شادی قاضی شریف احمد صاحب کے ساتھ ہوئی تھی۔ موصوف نے اپنی زندگی ہی
میں بذریعہ وصیت نامہ مرقومہ ۹ دسمبر سنہ ۱۹۰۶ء اپنی کل جائداد بحق اہلیہ مذکورہ ہبہ کر دی تھی۔ بعد انتقال شوہر مسماۃ ندرت فاطمہ
نے بمشورہ منشی حبیب الرحمن پسر شیخ محمد امیر صاحب ساکن محلہ قاضی پورہ جو قاضی مصطفیٰ علی پسر نابالغ کے استاد اور
بیحد ہمدرد اور بہی خواہ تھے۔ ۲۰ مئی سنہ ۱۹۲۲ء کو ایک وصیت نامہ بخیال دوراندیشی و بوجہ ذاتی تجربات سابقہ
بحق پسر نابالغ مذکور تحریر کرکے اپنی تمام جائداد کا بلا شرکت غیرے مالک قرار دیا اور اپنے حقیقی بھائی مولوی عبدالوالی
صاحب کو اپنی جائداد کا منتظم بنایا۔ چنانچہ آپ بحیثیت قائم مقام قاضی مصطفیٰ علی پسر نابالغ قصبہ بلگرام کے قاضی
اور حسب منظوری انسپکٹر جنرل آف رجسٹریشن یو۔ پی۔ پرگنہ بلگرام کے رجسٹرار مقرر ہوئے۔

قاضی عبدالوالی صاحب کی ذاتی جائداد تو زیادہ نہ تھی لیکن حسن تعلق کی وجہ سے آپ سنی المذہب رؤسائے
بلگرام میں سب سے بڑی جائداد کے کارپرداز ہوئے۔ نیز عہدۂ رجسٹراری کا سرکاری معاوضہ بھی معقول ملنے لگا جو
سارا آپ متعلقہ جائداد و عہد خاندانی وقار کو برقرار رکھنے میں صرف کرتے رہے آپ کے قبضے میں قاضی مصطفیٰ علی کی
ملکیت کے سات وسیع باغات اینہ یعنی بھڈیا۔ قمریا۔ منشی والا۔ بڑا باغ۔ امرائی کلاں۔ امرائی خورد اور گنبد والا
باغ تھے۔ ان کے علاوہ چار باغات اینہ خود آپ کے تھے۔ آپ کسی باغ کی فصل فروخت نہ کرتے تھے ان تمام باغات

کے روزانہ گاڑیوں پر آم آیا کرتے تھے جو تمام دن احباب اعزہ وکلا اہل محلہ اور آپ کی رعایا کے کھانے چکنے تھے بڑے باغ میں وسیع مکان بنا ہوا تھا جہاں آموں کی فصل میں مستورات کا قیام رہتا - دن رات احباب کا مجمع لگا رہتا ہردوئی سے شیخ رعایت حسین وغیرہ وکلا ہر سنیچر کو آم کھانے آتے رہتے تھے اس موسم میں اعزہ و احباب کی کثرت کی وجہ سے باغ میں مسلسل ہفتوں شور گرم رہتا اور ہر وقت ایک مجمع لگا رہتا تھا - قصبہ میں آپ کا بڑا وقار رکھا اور محلہ میں آپکی بڑی عزت تھی - لالہ بھیروں پرشاد و بابو کالکا پرشاد و میر امجد علی صاحبان وکلا سے آپ کے گہرے تعلقات تھے - مقدمہ بازی سے آپ کو دلچسپی تھی - لوگ کہا کرتے تھے کہ آسمان اللہ میاں کا اور زمین قاضی عبدالوالی کی سید وصی حیدر تعلقدار نے جو عرصہ دراز سے اوپر کوٹ پر بنگلہ بنانا چاہتے تھے ایک بار انگریز ڈپٹی کمشنر ہردوئی کے توسل سے خریداری اوپر کوٹ کی خواہش ظاہر کی - آپ نے جواب دیا کہ اگر ملکہ وکٹوریہ چاہیں تو مجبوری ہے ورنہ ایسی اہم اور تاریخی جگہ میں کسی قیمت پر جدا نہیں کر سکتا -

آپ کا عرصہ دراز تک دیوانخانہ قاضی شریف احمد میں قیام رہا وہیں رجسٹراری کے بھی فرائض انجام دیتے تھے مولانا فضل رحمن شاہ صاحب کے آپ مرید تھے بڑے باشرع متقی اور پرہیزگار تھے آپ نے اپنی مملوکہ آراضی موسومہ قبر ہا نمبری ۲۰۴ ۵ رقبہ چار بیگہ سولہ بسوہ پختہ واقع موضع محمود نگر کو ۱۸۷۲ء میں بذریعہ رجسٹری اصراف مسجد شیخ الدیار واقع محلہ قاضی پورہ کے لئے وقف اللہ کر دی اس کے بعد ۱۸۸۱ء میں دوسری آراضی موسومہ باغ ولی اللہ والا واقع موضع محمود نگر بھی مسجد مذکور کے اصراف کے لئے مزید وقف فرمائی اور ان اوقاف کا متولی اپنی زندگی ہی میں اپنے پسر خورد قاضی عزیز الدین احمد بلگرامی کو بنایا جنہوں نے مسجد مذکور کے صحن میں چوبی سائبان ڈلوایا آجکل مولوی عبدالقیوم صاحب وکیل متولی وقف ہیں آپکی کوششوں سے وقف کی جائداد بموجب فیصلہ کسٹوڈین لکھنؤ ۱۹ دسمبر ۱۹۵۱ء بچ گئی جس کیلئے آپ مستحق مبارکباد ہیں - قاضی عبدالوالی صاحب نے ۲۷ دسمبر ۱۸۸۴ء کو قاضی مصطفےٰ علی کی شادی اپنی دختر مسماۃ منظور فاطمہ کے ساتھ بڑی دھوم سے کی ۱۸۹۰ء میں موضع درگا گنج کے بیعنامہ کی رجسٹری کے سلسلہ میں معاملات نے طول کھینچا اور ۱۸۹۱ء میں عہدہ رجسٹراری سے آپ دستبردار ہو گئے اور قاضی مصطفےٰ علی صاحب کو اُن کی جائداد و عہدہ قضا بھی بتاریخ ۱۴ اگست ۱۸۹۲ء کو عمائدین شہر کی موجودگی میں سپرد کر دیا -

آخر وقت میں آپ سید وصی حیدر تعلقدار بھوگینا پور کی ریاست کے منیجر بھی رہے - لیکن خرابی صحت و انتقال وصی حیدر صاحب کی وجہ سے خود ہی دست بردار ہو گئے - آپ سرخ و سفید بلند قامت بارعب اور تیز رفتار بزرگ تھے - آپ کئی ہفتہ علیل رہے - ۵ اپریل ۱۹۰۳ء کو ۱۰ بجے دن انتقال کیا اور اپنے والد مولوی محمد اعظم صاحب کے برابر پیش دروازہ مسجد شیخ الدیار دفن کئے گئے -

آپ کے زمانہ میں میر دوست علی صاحب رضوی ساکن محلہ ملکانہ مسماۃ حضرت فاطمہ بیوہ قاضی شریف احمد کے عرصہ دراز تک مختار عام رہے جو بڑی ہمدردی سے کام متعلقہ انجام دیتے رہے - آپ کے فرزند خان بہادر میر امجد علی صاحب وکیل جو اپنے پیشہ وکالت میں بہت مشہور رہے بربنائے تعلقات قدیم وارثان اہلیہ مذکور کی ہمیشہ عزت کرتے اور مثل عزیزوں کے سمجھتے رہے -

قاضی عبدالوالی صاحب کے خاص ملازمین میں چاند خاں بدھو خاں ظہور خاں اور شیخ ولی اللہ تھے ظہور خاں نے ساری عمر قاضی صاحب کے

انکے واحد لڑکے احمد خاں صاحب عمر بھر سید محمد جواد صاحب تعلقدار کے پاس ملازم رہے۔ محرم کی دس تاریخ کو گڑھا کے امام باڑے سے بوقت دوپہر جب سفینہ تعزیہ اٹھتا تو آپ اپنے مکان مسکونہ کے دروازہ پر مقررہ مرثیہ (جب سبط مصطفےٰ نے وطن سے سفر کیا) خوب پڑھا کرتے تھے۔ اُن کے انتقال کے بعد اب قاضی شریف الحسن اور سید خورشید حسین پسر سید مقبول حسین عینک بلگرامی پڑھتے ہیں)۔ احمد خاں صاحب کے واحد لڑکے مولوی عبد الرحیم عرف بھتا ورفا ں ہیں جو اردو مڈل اسکول واقع ادہر کوٹا میں مدرس ہیں نہایت نیک باوضع اور پابند صوم وصلوٰۃ نوجوان ہیں آج کل مسجد شیخ الدیار میں جمعہ کی نماز آپ ہی پڑھاتے ہیں۔

شیخ ولی اللہ بفضلہ تعالیٰ تاتحریر ہذا بقید حیات ہیں۔ بہت نیک اور بڑی خوبیوں کے حامل ہیں آپ کے دو لڑکے شیخ عزیز الحسن عرف مٹھو اور شیخ وزیر الحسن عرف مسو ہیں۔ آج کل صنعت سازی کا اچھے پیمانہ پر بلگرام میں کام کرتے ہیں۔ آخر الذکر ممبر میونسپل بورڈ بلگرام ہیں اور لطف کے ساتھ وطن میں ایام گذاری کر رہے ہیں۔

مولانا شیخ غلام حسن صدیقی فرشوری بلگرامی المتخلص بہ ثمین نے اپنی مشہور تالیف شرائف عثمانی میں خاندان عثمانی سے اپنی قدیم اور مسلسل قرابتوں کا جو ذکر کیا ہے۔ اس کا سلسلہ نسلاً بعد نسل قاضی عبد الوالی صاحب کے زمانہ تک بدستور قائم رہا اور آپ کی سب سے بڑی لڑکی مسماۃ منظور فاطمہ کی شادی قاضی مصطفیٰ علی صاحب سے ہوئی۔ قاضی عبد الوالی صاحب نے تین لڑکے اور دو لڑکیاں چھوڑیں۔

مولوی رفیع الدین

آپ کے بڑے لڑکے مولوی رفیع الدین صاحب کی شادی ان کے ننھیال قصبہ گوپامئو میں ۱۸۹۵ء میں ہوئی جن سے جمیل الدین اور دو لڑکیاں خدیجہ بیگم وکبری بیگم ہوئیں۔ رفیع الدین صاحب عرصہ دراز تک حیدرآباد میں اوورسیر کی جگہ پر ملازم رہے وہاں آپنے ایک نومسلم برہمنی سے عقد ثانی کیا جس کے بطن سے سراج الدین پیدا ہوئے جو پہلی جنگ عظیم میں شرکت کرنے کے بعد ملازمت سے سبکدوش ہو کر پٹنہ میں مقیم ہوئے وہیں کسی نامعلوم خاندان میں شادی کی جن سے ایک لڑکا تاج الدین ہے جو اس وقت پاکستان میں زیر تعلیم ہے۔ سراج الدین نے پٹنہ میں ۱۹۴۳ء میں انتقال کیا۔

رفیع الدین صاحب نے تیسری شادی ۸ ستمبر ۱۹۱۲ء کو چودھری باراتی صاحب ساکن سندیلہ کی دختر مسماۃ کنیز فاطمہ سے کی شادی کے بعد ہی آپ بعارضہ جذام مبتلا ہوئے بعد تقریباً بارہ سال علیل رہ کر ۹ اپریل ۱۹۲۵ء کو بمقام سندیلہ بمکان چودھری باراتی صاحب بعد مغرب انتقال کیا۔ حاضر الوقت قاضی شریف الحسن بلگرامی منشی لیاقت حسین گوپامئوی داماد قاضی مصطفیٰ علی نے بہ امداد جمیل پسر متوفی غسل دیا آپ سندیلہ میں دفن ہوئے۔

جمیل الدین کی شادی شیخ بشیر الدین صاحب پسر متبنیٰ مولوی ظہیر الدین ساکن محلہ قاضی پورہ کی سب سے چھوٹی لڑکی طیبہ خاتون سے ۱۹۲۶ء میں ہوئی جن سے ایک لڑکا قمر الدین سلمہ ہے جو انٹرنس پاس کر کے محکمہ حفظان صحت یو۔پی۔ میں ملازم ہے اور اپنی ماں کی بڑی قدر ومنزلت کرتا ہے۔

جمیل الدین بچپن ہی سے مرض جذام میں مبتلا تھے اس لئے مرحوم کوئی دنیاوی ترقی نہ کر سکے عمر بھر لکھنؤ میں رہے تمباکو خوردنی کی تجارت میں مشغول رہے وہیں آپ نے ۱۹۵۱ء میں انتقال کیا۔

مولوی عبدالقدیر

آپ کے دوسرے بیٹے مولوی عبدالقدیر صاحب تھے جو ہمیشہ بلگرام ہی میں رہے اور اپنی آبائی جائداد پر گذران کرتے رہے۔ شکار کے بڑے شوقین تھے۔ ۱۴ اپریل ۱۹۰۴ء کو آپ کی شادی شیخ محمد عالم صاحب ساکن محلہ بہار کپور قنوج کی بڑی صاحبزادی طیبہ بیگم سے ہوئی۔ شیخ محمد عالم صاحب بلگرام کے قدیم باشندے تھے جنکا آبائی مکان متصل مزار شاہ سرفراز میاں محلہ نگرا میں آج بھی موجود ہے۔ اور آپ کا جدی باغ موسومہ السیا واقع موضع محمود نگر جس میں آپ کے بزرگوں کی مقابر ہیں آپ کے وارثان کے قبضے میں چلا آتا ہے۔ شیخ محمد عالم صاحب کی قدیم قرابت کا قصبہ بلگرام کے موجودہ مستند خاندانوں سے باوجود دریافت کوئی پتہ نہیں چلا۔

قاضی عبدالقدیر صاحب کی اہلیہ مذکورہ امراض نسوانی میں مبتلا ہو کر بغرض علاج بدقت لکھنؤ کنگ میڈیکل کالج میں آپ کا آپریشن ہوا اور تین دن کے اندر ہی ۲۰ جون ۱۹۲۱ء کو انتقال کیا۔ قاضی شریف الحسن عرف ننھوں جو بہ سلسلہ تیمار داری ہمراہ گئے تھے۔ مرحومہ کی لاش بذریعہ ریل بلگرام لائے اور آپ کو قاضی مصطفیٰ علی مرحوم کے پہلو میں جانب پورب پیش دروازہ مسجد شیخ الہ یار دفن کیا گیا۔

مولوی عبدالقدیر صاحب شروع دسمبر ۱۹۲۹ء میں بعارضہ ورم گردہ بمقام علی گڑھ مبتلا ہوئے پیشاب میں سخت تکلیف کے ساتھ خون کثرت سے آتا تھا۔ آپ کے چھوٹے بھائی قاضی عزیز الدین احمد بلگرامی نے جو اس وقت علی گڑھ میں ڈپٹی کلکٹر تھے آپ کو بغرض علاج بھرت پور بھیجا۔ ڈیڑھ ماہ قیام کے بعد شفا خانہ میں آپ کا آپریشن ہوا اور آپ نے آپریشن ٹیبل ہی پر ۸ مارچ ۱۹۳۰ء انتقال کیا۔ قاضی شریف الحسن بلگرامی جو اس زمانہ میں گورنمنٹ ڈسٹرکٹ گزٹ علی گڑھ کے ایڈیٹر تھے اور آپ کے ساتھ بہ سلسلہ تیمارداری ہمراہ گئے تھے آپ کی لاش بذریعہ موٹر لیکر بلگرام آئے جو ۹ مارچ ۱۹۳۰ء کو بعد عصر پیش دروازہ مسجد شیخ الہ یار دفن کی گئی۔

مولوی عبدالقدیر صاحب نے دو بیٹے بڑے مولوی عبدالقیوم صاحب اور عبدالرؤف عرف فاروق میاں اول الذکر بلگرام میں وکالت کرتے ہیں۔ آپ نے اپنی آبائی جائداد کو کافی ترقی دی اور کانگریس میں خاصی عزت پیدا کی ہے۔ شہر بلگرام میں اس وقت اپنی کفایت شعاری کی وجہ سے ماشاءاللہ روپئے والے مشہور ہیں۔

عبدالرؤف عرف فاروق میاں پاکستان میں اورسیر ہیں۔

قاضی عزیز الدین احمد

قاضی عزیز الدین احمد بلگرامی عرف جو میاں قاضی عبدالوالی صاحب مرحوم کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے جو بچپن ہی سے نہایت ذہین اور اپنے ہمعصر احباب میں بڑے تیز تھے۔ ابتدائی تعلیم بلگرام میں حاصل کی پھر حکیم ابوالقاسم صاحب بلگرامی ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول کے ساتھ کئی سال مقیم رہکر ہردوئی سے انٹرنس پاس کیا ۱۹۰۱ء میں علی گڑھ گئے اور کالج بارگ میں مقیم رہ کر ۱۹۰۹ء میں ایم اے او کالج علی گڈھ سے امتیاز کے ساتھ الہ آباد یونیورسٹی سے بی۔ اے پاس کر کے یونیورسٹی سے طلائی تمغہ حاصل کیا۔

اگست ۱۹۱۰ء میں یو۔ پی گورنمنٹ نے آپ کو عہدہ ڈپٹی کلکٹری عطا کیا اور سب سے پہلے آپ بحیثیت ڈپٹی کلکٹر ضلع سہارنپور میں تعینات ہوئے۔

۱۹۱۱ء میں چودھری لطف حسن صاحب ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر و رئیس سندیلہ کی صاحبزادی مبارک فاطمہ سے آپکی شادی ہوئی۔ چودھری لطف حسن صاحب نہایت خلیق با وضع اور مہمان نواز بزرگ تھے۔ ابتدا سے ملازمت میں آپ عرصہ تک تحصیل بلگرام میں تعینات رہے۔ اس لئے شرفاء بلگرام سے آپ کے پرانے تعلقات تھے پنشن پا کر آپ سندیلہ میں آنریری مجسٹریٹ ہوئے اور وہیں ۱۹۲۹ء میں انتقال فرمایا۔ آپ کے واحد صاحبزادے چودھری اختر حسین صاحب عرصہ دراز سے کلکتہ میں مقیم ہیں اور وہیں کسی بڑی فرم میں منیجر ہیں۔

قاضی عزیز الدین صاحب مرحوم نے ۱۲ سال کی ملازمت کے بعد رخصت لے کر علی گڑھ سے ایل ایل بی کا امتحان درجہ اول میں پاس کر لیا تھا۔ آپ اضلاع مظفر نگر۔ بلند شہر۔ متھرا۔ اٹاوہ۔ علی گڑھ اور آگرہ میں تعینات رہے۔ عرصہ تک کانپور میں اسسٹنٹ ڈائرکٹر آف انڈسٹریز کے فرائض انجام دیئے اور کئی سال پیرا ونشل ٹریننگ کالج مراد آباد میں ٹریننگ افسر رہے ریاست بھرت پور میں دو سال تک جوڈیشل ممبر رہے اس کے بعد کانگریسی حکومت نے آپکو بکار خاص متعین کیا اور آپ نے تکفنورہ کرٹیننسی ایکٹ یو۔پی بنایا یہ قانون اس درجہ مستند مانا گیا کہ قاضی صاحب قانون مال کے مسلم الثبوت ماہر تسلیم کر لئے گئے اور ٹیننسی پر ان کی کتاب حرف آخر سمجھی گئی اس کے بعد آپ میرٹھ اور الہ آباد کی کمشنریوں میں ایڈیشنل کمشنر رہے اور ۱۹۴۲ء میں الہ آباد سے ریٹائر ہوئے۔ آخر میں آپ نے اجمیر میں تعینات رہ کر وہاں کا مالیاتی قانون بنایا۔ اور دہلی میں قیام کر کے اس کو سنٹرل لیجسلیٹو اسمبلی سے پاس کرایا۔

دوران ملازمت ۱۹۲۵ء میں آپ نے کچھ آراضی نزول گورنمنٹ سے سول لائن علی گڑھ میں حاصل کی اور ایک قطعہ آراضی حاجی محمد صالح خاں صاحب رئیس بھیکم پور سے متصل آراضی نزول مذکور لب سڑک ۱۹۲۶ء میں خرید کر کے ایک عالیشان کوٹھی سول لائن علی گڑھ میں تعمیر کرائی جو اپنی وسعت اور شان عمارت کی وجہ سے خاص شہرت رکھتی ہے اور اللہ والی کوٹھی کے نام سے مشہور رہے۔ قاضی صاحب نے اپنی کوٹھی کا نام اپنے محترم و مخلص دوست خان بہادر مولوی محمد حبیب اللہ خاں صاحب شاہجہانپوری ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر کے نام نامی کی مناسبت سے بیت الحبیب رکھا اور منشی محمد محمود احمد عثمانی بلگرامی نے مندرجہ ذیل تاریخ لکھی جو کوٹھی مذکور کے اندرونی حصہ میں لگی ہے۔

بفضل ایزدی قاضی عزیز الدین احمد را — شدہ تعمیر کاخے کاسم او بیت الحبیب آمد
مجلش مولوی حاجی حبیب اللہ خاں صاحب — خطاب خاں بہادر کز برائے آں لبیب آمد
شرافت بر رخش رخشاں نجابت بر جبیں جنباں — بگیتی دودمان او شریف آمد نجیب آمد
بسعی و اہتمام آں حبیب مشفق و مکرم — چناں ایواں بنا شد [illegible] آمد
نہاد اے محمد معمار قلم بنیاد تاریخش — گزیدہ ہمسر قصر جناں بیت الحبیب آمد

۱۳۵۵ ہجری

قاضی صاحب مرحوم سب سے پہلے سنہ ۱۹۲۴ء میں تبدیل ہو کر بحیثیت ڈپٹی کلکٹر علی گڑھ پہونچے پھر آپ کو یونیورسٹی کے کاموں سے کچھ ایسی دلچسپی پیدا ہوئی کہ ہمیشہ کے لئے وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ چوتھائی صدی میں مسلم یونیورسٹی کی فلاح و بہبود اور ترقی کی کوئی اہم تحریک ایسی پیش نہیں کی جا سکتی جس میں قاضی صاحب مرحوم اپنے فرائض ملازمت کے باوجود ہمیشہ پیش پیش نہ رہے ہوں۔

سنہ ۱۹۴۸ء میں مسلم یونیورسٹی بڑے نازک اور حوصلہ فرسا دور سے گذر رہی تھی اور اس وقت ایک ایسے ٹریژرر کی ضرورت تھی جس کی قابلیت، دیانت اور امانت مسلم ہو۔ اسوقت ملک میں جو اس قابل ہستیاں موجود تھیں، وہ وقت کی نزاکت کے تحت یا تو کہیں اور نگاہیں لگائے بیٹھی تھیں یا پھر ایسے کٹھن کام پر ہاتھ ڈالنا نہیں چاہتی تھیں لیکن مرحوم نے ہر طرف سے منھ موڑ کر اس عہدہ کو منظور کر لیا۔

اس وقت ہندوستان کی تقسیم ریاستوں کے انضمام اور طلبہ کی خاصی کمی سے یونیورسٹی کی آمدنی تشویشناک حد تک گر چکی تھی لیکن اخراجات بدستور قائم تھے گرتے ہوئے اقتصادی حالات نے آپ کو یہاں تک مجبور کر دیا تھا کہ آپ کے زمانہ میں یونیورسٹی کے دفاتر سے جب کوئی اونچی تنخواہ پانے والا پاکستان چلا جاتا یا وقت سے ریٹائر ہوتا تو آپ اس کی جگہ پر کسی دوسرے کا تقرر نہ فرماتے بلکہ اُس کی ذمہ داریوں کو اپنے فرائض میں شامل کر کے خود اپنے کام کے اوقات میں اضافہ فرما لیتے۔ اس سمبیسٹ کا نتیجہ اسوقت ملا جب آپ کے سنہ انتقال ہی میں علاوہ تقرر یونیورسٹی ٹریژرر تقریباً ۳۵-۴۰ ہزار روپیہ سالانہ کے تنخواہ دار ملازمین یونیورسٹی کو مزید رکھنا پڑے

کام کی اس درجہ زیادتی نے آپ کی رات کی نیند اور دن کا آرام ختم کر دیا تھا رفتہ رفتہ صحت خراب ہوتی گئی اور آہستہ آہستہ تندرستی گرتی گئی یہانتک کہ ۳۰ جولائی سنہ ۱۹۵۲ء بروز پنجشنبہ شام کے ۸ بجے آپ کو یکایک قلبی دورہ پڑا دوسرے دن قدرے سکون رہا شب کے ڈھائی بجے دوسرا شدید دورہ پڑا اور ۱۰ بجے شب کو آپ نے کوٹھی بیت الحبیب کے بالاخانے پر ۷۰ سال کی عمر میں انتقال کیا انا للہ وانا الیہ راجعون

یکم اگست سنہ ۱۹۵۲ء کو صبح ۷½ بجے حافظ الوقت شریف الحسن بلگرامی، منظور علی صاحب فاروقی اور مولوی محمد حسین صاحب متھراوی نے آپ کو غسل دیا ٹھیک دس بجے دن میت کوٹھی سے روانہ ہوئی۔ پونے گیارہ بجے یونیورسٹی کے قبرستان میں ناظم دینیات نے نماز جنازہ پڑھائی اور ٹھیک ۱۱ بجے شریف الحسن بلگرامی لقمان احمد بلگرامی اور سید نائب حسین کاظمی نے آپ کو قبر میں اُتارا اور تمام افسران یونیورسٹی آپکے احباب و حکام ضلع نے آپ کو سپرد خاک کیا۔

وثوق سے معلوم ہوا ہے کہ مرحوم کے بعض مخلص احباب اور خاص عزیزان آپ کی سوانح حیات کی ترتیب و تکمیل کا انتظام فرما رہے ہیں امید ہے آپ کی زندگی کے تفصیلی حالات "حیات عزیز" کی صورت میں ان شاء اللہ تعالیٰ جلد شائع ہونگے۔ کاتب الحروف نے اپنی معلومات کے تحت بہت سے کچھ حالات اپنی یادداشت میں قلمبند کر لئے ہیں جو ان شاء اللہ وقت آنے پر حیات عزیز میں شامل کر دیئے جائیں گے۔ مرحوم کے کچھ حالات مسلم یونیورسٹی گزٹ علی گڑھ مطبوعہ ۸ اگست و ۱۴ اگست سنہ ۱۹۵۲ء میں بھی شائع کئے ہیں۔ نیز مرحوم کے قدیمی دوست

سید اصغر علی شاہ صاحب ڈبائیوی ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر نے بھی آپ کے کچھ حالات اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے نامی اخبار "علی گڑھ" مطبوعہ ۶ اپریل و یکم مئی ۱۹۵۶ء میں تحریر فرمائے ہیں۔

مرحوم کے پیارے دوست بچپن کے ساتھی ظہیر الدین عثمانی بلگرامی خلف الرشید جناب منشی محمد محمود صاحب بلگرامی نے مندرجہ ذیل تاریخ وفات لکھی ہے جس کے چند اشعار مزار پر لگا دیئے گئے ہیں

تاریخ وفات قاضی عزیز الدین احمد بلگرامی سابق ٹرسٹر مسلم یونیورسٹی

ازجناب منشی محمد ظہیر الدین صاحب ظہیر بلگرامی خلف الرشید جناب منشی محمد محمود صاحب

محمد عثمانی بلگرامی ساکن محلہ قاضی پورہ

شکوہ دارم بگوشت چوں رسانم اے عزیز — الوداع از جنبیاں لبیک بارو حانیاں

از طفولیت چو جسم و جاں من و تو ماندہ ایم — صبر چوں آید کنوں من بر زمیں تو بآسماں

زیست من بے تو چوں ہیچ ست در عین حیات — یافتی تو از پس مردن حیات جاوداں

اشک خونیں می چکاند چشمہائے ما ز غم — قرۃ العین ترا بادا مبارک در جناں

کاش کہ من مردمے و تو قرامی زیستی — آمدے ایں ہیچکارہ جاں لکا بر وستاں

حا دعاء الخیر منی رحمۃ اللہ علیک — نیز من جملہ احباء اقرباء و والبستگاں

مادر گیتی نشاید زاد اکنوں فرہما — ہمچو تو پورے بدنیا ہم بہ عقبیٰ کامراں

متقی، زاہد، ورع، ہمدرد و خیر اندیش قوم — قرۃ العین وطن چشم و چراغ دودماں

سال فوتش چوں بہ نظم آرم کہ دل بشکستہ ام — خامہ ہم دارد جگر شق و زمر ریش نوحہ خواں

لیک از اصرار عزیزی و اخی قاضی شریف — بر سر کارے شدم دارم نہ استعداد آں

صوری و ہم معنوی تاریخ آوردہ ظہیر — از برائے کندہ لوح مزارش ارمغاں

از سر ابجد شمر اعداد سال رحلتش

یک ہزار و سہ صد و ہفتاد و دو ہجری بداں

قاضی عزیز الدین احمد صاحب بلگرامی کے سب سے بڑے بیٹے قاضی مصباح الدین احمد عرف شہزادے میاں نے جوان العمری میں اپنے والد صاحب کی حیات ہی میں انتقال کیا اور یونیورسٹی کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ مرحوم نے اپنی یادگار میں ایک بچی صفیہ خاتون چھوڑی جو الیف۔ اے میں زیر تعلیم ہے۔

قاضی صاحب مرحوم کے اس وقت بفضلہٖ تعالیٰ چھ لڑکے اور ۲ لڑکیاں موجود ہیں۔ سب سے بڑے قاضی منہاج الدین عرف نواب میاں طبیہ کالج علی گڑھ میں ملازم ہیں اور ماشاء اللہ دو بچوں کے باپ ہیں۔ آپ سے چھوٹے قاضی مظہر الدین احمد بلگرامی ہیں جو مظاہر العلوم سے فارغ التحصیل ہو کر بعد یونیورسٹیز سے مختلف اعلیٰ ڈگریاں حاصل کر چکے ہیں۔ ۱۹۴۹ء سے مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات میں لکچرار ہیں۔ ۱۹۵۱ء میں رخصت لیکر آپ مصر تشریف لے گئے۔ وہاں جامع ازہر میں کئی سال علم القرآن و حدیث پر ریسرچ ورک کیا اور فروری ۱۹۵۴ء میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کر کے اپنی سابق جگہ پر علی گڑھ واپس تشریف لے آئے ہیں۔ آپ

اپنے والد کے صحیح جانشین ہیں اور مرحوم کی ذمہ داریوں کو بڑی خوبیوں سے انجام دے رہے ہیں۔ اس وقت تک آپ صرف ایک لڑکی اور ایک لڑکے کے باپ بن سکے ہیں۔

آپ کے دو چھوٹے بھائی قاضی سراج الدین اور قاضی جمیع الدین بلگرامی پاکستان میں معزز عہدوں پر ملازم ہیں اور اُن سے دو چھوٹے بھائی قاضی محمد اسلم اور قاضی عبدالرحمن عرف محمد میاں ابھی علی گڑھ میں ہنوز زیر تعلیم ہیں۔

قاضی صاحب مرحوم کو دنیاوی معاملات، گھریلو حالات اور خاندانی مناسکات سے کبھی دلچسپی نہیں رہی یہ سارے فرائض آپکی اہلیہ محترمہ نے ہمیشہ بڑی خوبی سے انجام دیئے اور آج بھی جس انہاک سے انجام دے رہی ہیں اس کی مستورات میں فی زمانہ مثال ملنی دشوار ہے۔

داروغہ ناصر علی

داروغہ ناصر علی شیخ اسد علی کے بیٹے قاضی محمد احسان اللہ کے پوتے تھے۔ سکونت زیر بالائے قلعہ محلہ قاضی پورہ جانب جنوب۔ آپ کا لقب داروغہ تھا۔ دبلے پتلے رنگ گورا داڑھی بگر ی کمر خمیدہ اسّی سالہ بزرگ تھے۔ آپ کی قدیمی سکونت محلہ قاضی پورہ میں اس مکان کے پوربی حصے میں تھی جو آج کل قاضی محمد یوسف علی صاحب وکیل کی رہائش گاہ ہے پہلے آپ کافی جائداد اور متعدد مکانات کے وراثتاً مالک تھے جو رفتہ رفتہ زیادہ تر مقدمہ بازی میں بمقابلہ قاضی عبدالوالی صاحب فروخت ہوتے رہے۔ حکیم محمد آفاق صاحب کے زنانخانہ کے مقابل جانب شمال جو کھنڈر آج کل ملوکہ وارثان سید محمد احسان مرحوم پڑا ہوا ہے وہ بھی آپ نے بدست حکیم محمد احسان صاحب مذکور بیع کیا تھا بالآخر آپ محلہ قاضی پورہ چھوڑ کر محلہ میدان پورہ میں آرہ کو انتقد داروں کی اس حویلی میں منتقل ہوگئے تھے جو دیوان خانہ موسومہ حمیتہ معبوسنہ منشی امیر اللہ عرف مشن ولد شیخ کریم اللہ مرحوم کے مقابل جانب شرق واقع تھی۔ اس حویلی میں آخری وقت تک آپ مقیم رہے آپ کو عمارتی کام میں بڑا دخل تھا۔ محلہ سید واڑہ میں حضرت عباسؑ کی مشہور درگاہ اور محلہ میدانپورہ کی خوبصورت مسجد آپ ہی کی نگرانی میں تعمیر ہوئی تھی آپ نے بعارضہ بخار۔ مرحوم علیل رہ کر ۱۹۳۶ء میں انتقال فرمایا اور جامع مسجد اودیر کوٹ میں دفن ہوئے آپ کی علالت کے زمانہ میں مولوی عبدالوالی صاحب روزانہ عیادت کو آیا کرتے تھے۔ داروغہ صاحب بوجہ طویل مقدمہ بازی آپ سے ناراض تھے۔ مولوی صاحب سے کہا کرتے تھے "عبدالوالی زمین تمہاری گردن میں قیامت کے دن پڑی ہوگی اور میں خدا کے سامنے فیصلہ کے لئے کھڑا ہوں گا" مولوی صاحب مغلوب الغضب ہونے کے باوجود اُن کی بزرگی کا خیال رکھتے اور ہمیشہ خاموش رہتے تھے اور کبھی اپنے معمولات میں فرق نہ آنے دیتے تھے۔ آپ کی موت کے وقت گھر میں آپ کی واحد صاحبزادی صاحبہ اکبر آبادی بیگم عرف بڑی بی بی ان کے شوہر مولوی ظہیر الدین اور آپ کے پسر متبنٰی بشیر الدین کے علاوہ گجراتن لونڈی مع اپنے شوہر کرامت کے موجود تھی۔ داروغہ صاحب کی ایک لونڈی صدبرگ جس کی شادی بانگر مئو میں ہوئی تھی۔ علالت سن کر بلگرام پہونچی اور اولاد سے زیادہ آپ کی خدمت کی۔

اکبر آبادی بیگم داروغہ ناصر علی مرحوم کی تنہا صاحبزادی تھیں۔ جن کا نام اکبر آبادی عرف بڑی بی بی تھا

کی شادی مولوی ظہیر الدین سے ہوئی تھی۔ مولوی ظہیر الدین کے والد مولوی انشاء اللہ خاں قصبہ بانگرمئو کے باشندے تھے جو ترک سکونت کرکے اپنی سسرال موضع حضرت پور متصل بلگرام میں آباد ہو گئے تھے آپ کے تین بیٹے حکیم الدین و ظہیر الدین اور وحید الدین ہوئے ظہیر الدین شادی کے بعد اپنے خسر داروغہ ناصر علی کے ساتھ بلگرام میں رہنے لگے۔ آپ عمر بھر قنوج میں بچوں کو پڑھاتے رہے وہیں سے بیمار ہو کر بلگرام آئے اور دو ہفتہ کی علالت کے بعد عین شبرات کے دن سنہ ۱۹۱۲ء میں انتقال کیا اور اوپر کوٹ کی جامع مسجد میں دفن ہوئے۔ داروغہ صاحب کے انتقال کے بعد اکبر آبادی بیگم کی ملکیت میں صرف ایک آراضی ۱۹۳ واقع محلہ قاضی پورہ زیر کوٹ متصل دیوان خانہ قاضی شریف احمد صاحب باقی رہ گئی تھی اس میں سے بھی موصوفہ نے شرقاً غرباً ۲۲ گز اور شمالاً جنوباً ۵ گز المعروف ایک سو دس گز زمین بدست قاضی مصطفیٰ علی صاحب بالعوض مبلغ دس روپیہ بذریعہ بیعنامہ مورخہ ۱۹ مارچ سنہ ۱۹۰۹ء منتقل کردی جو اب شامل دیوان خانہ مذکور ہے بقیہ آراضی پر بوجہ اصرار و قدرے امداد قاضی مصطفیٰ علی صاحب اکبر آبادی بیگم نے اپنا مکان بنایا اور اُسی مکان میں محلہ میدانپورہ سے منتقل ہو کر اپنے شوہر مولوی ظہیر الدین کے ساتھ رہنے لگیں۔ بتہ بی بی بہت ہی نیک، شفیق ضعیفہ اور بچوں سے بڑی ہی محبت کرنیوالی بی بی تھیں اُن کے کوئی اولاد بجز پسر متبنیٰ بشیر الدین کے نہ تھی وہ محلے کے تمام بچوں کو مثل اپنی اولاد کے چاہتی تھیں اس لئے محلہ بھر کے تمام بچوں کے جملہ شوق کبوتر بازی، بٹیر بازی، تعزیہ سازی کے والدین سے چھپ کر اسی گھر میں پورے ہوا کرتے تھے۔ گرمیوں کی دوپہر میں شکار یہیں پکتا اور مسلّم چڑکوؤں کا پلاؤ دم کیا جاتا تھا۔ نیز بچوں کی تمام شرارتوں کے پلان بھی یہیں بنا کرتے تھے۔ اُن ہم عمر بچوں کے سرغنہ اچو میاں تھے جو بعد میں خان بہادر قاضی عزیز الدین احمد صاحب بلگرامی کے نام سے مشہور ہوئے بتہ بی بی نے سنہ ۱۹۱۰ء میں انتقال کیا اور اوپر کوٹ کی جامع مسجد میں دفن ہوئیں۔

بشیر الدین پسر متبنیٰ مولوی ظہیر الدین مولوی ظہیر الدین کے کوئی اولاد نہ تھی اس لئے اپنے حقیقی بھائی مولوی حکیم الدین ساکن حضرت پور کے بیٹے بشیر الدین کو متبنیٰ کر لیا جن کی پرورش آپ کی بی بی نے مثل اپنی اولاد کے کی اس طرح بشیر الدین صاحب بلگرام میں رہنے لگے اور اکبر آبادی بیگم کی جائداد کے مالک ہوئے۔ بشیر الدین صاحب کی شادی تبارک حسین صاحب ساکن ملانواں بن مولوی عبدالرحمن صاحب بن مولانا فضل رحمن شاہ صاحب کی بڑی صاحبزادی عزیز فاطمہ سے ہوئی جو بہت جہیز لے کر آئی تھیں۔ بشیر الدین صاحب ۳۵ سال ضلع بہردوئی میں دکھینی میٹر رہے۔ آپ کی بی بی نے بعارضہ درد قولنج ۲۴ گھنٹے علیل رہ کر سنہ ۱۹۳۶ء میں بلگرام میں انتقال کیا اور پھلو ریہ والے کھیت میں دفن ہوئیں۔ بشیر الدین صاحب پنشن یاب ہو کر بلگرام میں رہے۔ نہایت نیک شریف اور اولی مولی بزرگ تھے۔ دنیا سے بے خبر رہتے تھے۔ بڑوں کی خدمت کرنا اور بچوں سے محبت کرنا اُن کا کام تھا۔ آپ کے بازو پر نارنگی کے برابر عرصہ بیس سال سے ایک پھوڑی تھی جو پک کر پھوڑا بن گئی اور اسی سلسلہ میں آپ نے سنہ ۱۹۵۵ء بمقام بانگرمئو اپنی منجھلی لڑکی بلقیس جہاں بیگم کے گھر میں بعمر اسّی سال انتقال کیا اور اپنے آبائی کھیت واقع بانگرمئو میں دفن ہوئے۔ آپ کی تینوں لڑکیوں نے بانگرمئو پہونچ کر آپ کی بے حد خدمت کی۔ انتقال کے وقت آپ کے بیٹے خلیل احمد وہیں موجود تھے آپ روزہ نماز کے بے حد پابند تھے اور باوجود ضعیفی گرمیوں کے زمانے میں بھی روزہ رکھکر ۱۰ میل کا سفر دن بھر میں پیدل کر لیا کرتے تھے۔

۲۸۶

داروغہ خلیل احمد

داروغہ بشیر الدین صاحب کے دو بیٹے خلیل احمد اور علی احمد عرف جگنو میاں، اور تین لڑکیاں کنیز فاطمہ، بلقیس فاطمہ اور طیبہ خاتون ہیں۔ سب سے بڑی صاحبزادی کنیز فاطمہ کا عقد قاضی محمد اعظم علی عرف منو میاں بن قاضی محمد مصطفٰے علی صاحب کے ساتھ ۱۹۰۹ء میں بکو میاں مرحوم کی کوٹھی میں پیرزادہ محمد زاہد صاحب نے پڑھا۔ جن کے بطن سے قاضی شمس الدین عرف چھوٹن سلمہٗ ہیں جنہوں نے ۱۹۳۰ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے انٹرنس پاس کرکے اپنے والد کے پاس بھوپال میں قیام کیا اور وہیں ملازم ہوگئے۔ آج کل بھوپال خاص کی تحصیل میں بحیثیت رجسٹرار قانون گو کام کر رہے ہیں۔

قاضی محمد اعظم علی صاحب سے علیحدگی کے بعد کنیز فاطمہ کا عقد مولوی نیاز حیدر صاحب ساکن محلہ قاضی پورہ (جن کی دیانت و عبادت قصبہ بلگرام میں اس وقت ضرب المثل تھی۔) کے ساتھ ہوا۔ جن سے افتخار حیدر سلمہٗ اور دو لڑکیاں ہیں۔ افتخار حیدر کانپور میں ملازم ہیں اور دونوں لڑکیاں اناؤ میں ڈاکٹر محمد محمود صاحب مشہور شکاری کے خاندان میں شادی کے بعد آرام سے زندگی بسر کر رہی ہیں۔

بلقیس جہاں کی شادی سید ملک نظر یزدان بن سید ملک لطف یزدان ساکن و رئیس قصبہ بانگر مئو کے ساتھ ہوئی تیسری لڑکی طیبہ خاتون عرف بن سلمہا کا عقد مولوی جمیل الدین بن مولوی رفیع الدین بن قاضی عبد الوالی صاحب کے ساتھ ۱۹۲۵ء میں ہوا۔ جن سے ایک لڑکا قاضی قمر الدین احمد بلگرامی ہے جو انٹرنس پاس کرکے محکمہ حفظان صحت میں ملازم ہے۔ اور آج کل ضلع بارہ بنکی میں تعینات ہے۔ تینوں لڑکیاں اپنے بچوں کے پاس بہ آرام زندگی بسر کر رہی ہیں۔ وطن کو نہیں بھولی ہیں۔ ہر سال محرم میں بلگرام آجایا کرتی ہیں۔ خلیل میاں کی والدہ عزیز فاطمہ صاحبہ مولوی تبارک حسین ابن مولوی عبد الرحمٰن بن مولانا فضل الرحمٰن شاہ صاحب علیہ رحمت کی صاحبزادی تھیں۔ ملاوان میں پیدا ہوئیں وہیں سے بیاہ کر بلگرام آئیں۔ مولوی تبارک حسین صاحب بھوپال میں تحصیلدار تھے آپ نے خوب ہی پیدا کیا اور خوب ہی خرچ کیا۔ اس لئے ان کی اولاد نے بڑے ہی عیش و آرام میں پرورش پائی تھی۔ پھر بھی عزیز فاطمہ صاحبہ نے اپنی زندگی بلگرام کی محدود آمدنی میں بڑے اطمینان سے بسر کی۔ ۱۹۳۶ء میں بعارضہ درد قولنج ۲۴ گھنٹہ مبتلا رہ کر انتقال کیا۔ اور پھلواریہ میں دفن ہوئیں۔ خلیل میاں کے تین بچے اقبال احمد، ارشاد احمد اور ناصر علی عرف لڈن میاں ہیں جو ابھی کم سن ہیں اور بلگرام میں مدرسہ ابتدائی میں زیر تعلیم ہیں

قاضی مصطفٰے علی صاحب نے بربنائے قرابت قدیم بسلسلہ داروغہ ناصر علی مرحوم اکبرآبادی بیگم بنت ناصر علی صاحب کو ایک کھیت موسومہ گڑھیا واقع محلہ میدان پورہ قصبہ بلگرام معہ چند سکنی قطعات خانہائے رعایا واقعہ محلہ قاضی پورہ برائے مدد معاش و رہائش ہبہ کر دئے تھے وہی کھیت خلیل میاں کا فی الحال ذریعہ معاش ہے۔ جس میں اپنے قدیم رفیق و مددگار کلن خاں ساکن محلہ قاضی پورہ کی زیر نگرانی خود کاشت کرتے ہیں۔

خلیل میاں نہایت زندہ دل، صوم و صلوٰۃ کے بیحد پابند، خوش مزاج نیک اور بہت ایماندار نوجوان ہیں۔ کاتب الحروف سے بیحد محبت کرتے ہیں۔ میری ماں منظور فاطمہ عرف بٹو مرحومہ کی طویل علالت کے دور میں انکے پانچوں بیٹوں کی عدم موجودگی میں خلیل میاں نے بیٹوں سے کہیں زیادہ برسوں مرحومہ کی خدمت کی۔ ساتھ ہی خدا معاف کرے مرحومہ کے بٹوے سے سیروں چھالیا بھی چرا کر کھائی۔

خلیل میاں جہاں بیٹھ جاتے ہیں ایک نیا لطف پیدا کردیتے ہیں۔ محلہ قاضی پورہ میں قاضی مصطفےٰ علی صاحب کی قدیم رعایا گلشن مخنث کی ذریات اب تک کافی تعداد میں آباد ہے۔ وہ جب کبھی ل جل کر گاتے اٹھلاتے سڑک پر سے گذرتے ہیں تو کبھی کبھی ان کا مقابلہ خلیل میاں سے بھی پڑجایا کرتا ہے۔ خلیل میاں بیچارے جب اکیلے ہاتھ مٹکاتے۔ تالیاں بجا بجا کر حملہ آور ہوتے اور مخصوص بولیاں بولنے میں راہ گیروں کے سامنے ہجڑوں کے مقابلہ میں ہارتے نظر آتے تو پھر مجبوراً بے ستر ہوکر ان کے پیچھے بے تحاشہ دوڑتے تب سارے ہجڑے شکست خوردہ فوج کی طرح اپنی اپنی جان لیکر بدحواس ادھر ادھر بھاگتے اور امان امان۔ اوری امان۔ اری امان چھتے چلاتے جہاں سینگ سماتے چھپ کر اپنی جان بچاتے اور تماشائیوں کو مارے ہنسی کے لٹا دیا کرتے ہیں۔ شیخ عبدالرحمٰن ولد دین محمد ٹھیکہ دار آپ کے جگری دوست ہیں۔

حکیم محمد عبدالرشید عرف بکو میاں

آپ حکیم یعقوب علی صاحب کے بیٹے اور حکیم عبدالرزاق صاحب کے سگے چھوٹے بھائی۔ ابتدائی تعلیم مولوی معصوم علی صاحب ساکن محلہ ملکنٹھ اور مولوی ارشد صاحب بلگرامی مشہور تاریخ گو شاعر سے وطن ہی میں حاصل کی۔ آپ ۱۹۰۰ء میں طب پڑھنے لکھنؤ تشریف لے گئے۔ اور وہیں جھوائی ٹولہ کے مشہور حکما وقت سے تکملہ طب کیا۔

آپ کے والد حکیم یعقوب علی صاحب پیشہ طبابت میں دور دور مشہور تھے اور اکثر قنوج میں قیام کرتے تھے حکیم عبدالرزاق صاحب اور آپ دونوں وطن میں عرصہ دراز تک پر لطف زندگی بسر کرتے رہے بچپن ہی سے آپ بہت خلیق ملنسار اور خوش مزاج تھے۔ ہر امیر و غریب سے ملنا بڑوں کی عزت اور چھوٹوں سے محبت کرنا آپ کا شعار تھا۔ فن موسیقی کے آپ بیحد قدردان تھے باغ موسومہ گھنی بنیا واقع موضع محمود نگر میں آپ نے بنگلہ بنوایا تھا۔ دن رات وہیں آپ کے دوستوں کا جمگھٹا رہتا ستار بجتا اور طبلہ ٹھنکتا رہتا تھا۔ ۱۹۰۵ء میں آپ نے زیر بالائے کوٹ جانب دکھن کچھ اپنی اور کچھ قاضی مصطفےٰ علی صاحب کی اراضی پر ایک پختہ کوٹھی تعمیر کرائی۔ جو نہایت بلندی پر واقع ہونے کی وجہ سے گرمیوں میں شملہ کا مزہ دیتی ہے۔

آپ خوب موٹے تازے بھاری بھرکم تھے۔ رنگ سانولہ لیکن بدن نہایت سڈول اور چہرہ بہت شاندار تھا جس کی وجہ سے ہر جلسہ میں آپ پر لوگوں کی نگاہیں پڑا کرتی تھیں۔ اپنے خاندانی فن طب میں بہت مشہور تھے۔ اکثر رؤسا و رلبگان اضلاع غیر کے علاج کے واسطے لمبی فیسوں پر باہر جایا کرتے تھے۔ قنوج میں بھی بہ سلسلہ طبابت آپ کا قیام اپنے ذاتی مکان واقع پل پختہ میں اکثر رہا کرتا۔ وہاں کے معززین آپ کی بڑی عزت کرتے اور عوام میں آپ بیحد مقبول و مشہور تھے۔

قنوجی احباب میں عبدالحکیم خاں۔ عبدالعلیم خاں۔ محمد علی خاں۔ عبدالباقی خاں۔ مصطفےٰ خاں اور عزیز الدین خاں صاحب ساکن محلہ بالائے پیر عزیزوں سے بڑھ کر آپ کو عزیز تھے۔ جن کی پر لطف صحبتیں آج بھی قابل یادگار ہیں۔ آپ عاشق رسول اور شیدائے اہلبیت تھے۔ عشرہ محرم الحرام کا سال بھر انتظار کرتے۔ تمام اعزہ کو پہلے سے خطوط لکھ کر دوران محرم بلگرام آنے پر اصرار فرماتے ہر سال محرم کی دس تاریخ گذرنے پر شام کو بعد نماز مغرب آپ بڑے اہتمام سے پورا کھانا پکوا کر حضرت امام حسین علیہ السلام کی نیاز کرتے قصبہ کے تمام محتاجوں کو گھروں پر بھیجتے۔ اور مخصوص اہلیان محلہ قاضی پورہ۔ میدانپورہ و خورد پورہ کو بلا کر کھانا کھلاتے تھے۔ میدان پورہ

کی عزاداری آپ کے دم سے بڑی پُر رونق تھی۔ ہر زیارت میں نہ صرف خود جاتے بلکہ محلہ بھر کو اپنے گھر پر اکٹھا کر کے ہمراہ لیجاتے دسویں محرم کی صبح کو تمام اہلیان محلہ میدانپورہ و قاضی پورہ آپ کی کوٹھی میں جمع ہوتے اور سب ملکر جن کی تعداد کبھی ۱۲۰ یا ۱۳۰ ہوا کرتی تھی گشت کو نکلتے اور قصبہ بھر کی زیارتوں کو دیکھنے جاتے۔

محلہ میدانپورہ کی اعزاداری کے تمام مقررہ مرثیہ آپ ہی پڑھا کرتے تھے اور سچ تو یہ ہے کہ خوب ہی پڑھتے تھے۔ دور دراز سے لوگ آپ کا مرثیہ سننے کے اشتیاق میں آیا کرتے تھے۔ اور آپ کا مرثیہ سنکر بیحد محظوظ ہوا کرتے تھے۔ آپ مرثیہ عجیب شان سے پڑھتے تھے۔ ایک ایک لفظ صاف۔ باوقار پُر شکوہ اور شیر جیسی گرج کے ساتھ ادا کرتے تھے۔ آپ کی آواز ایسی پاٹ دار تھی کہ بلا مبالغہ رات کے وقت ایک میل کے فاصلہ سے لوگ سنکر سمجھ جاتے تھے کہ بکو میاں مرثیہ پڑھ رہے ہیں۔ آپ کا مرثیہ سنکر مجمع پر بڑی رقت طاری ہوا کرتی تھی بعض اوقات پڑھتے پڑھتے خود بھی بے اختیار رونے لگتے تھے۔ آپ کے بازو۔ ممّی میاں۔ قربان خاں۔ احمد خاں حبیب اللہ۔ امان اللہ۔ بتو نبیرہ نبید پیرزادہ سجاد حسین ہوا کرتے تھے۔ جو مشہور مرثیہ خواں ہونے کے باوجود بڑی مشکل سے آپکے ساتھ ٹیپ کہہ پاتے تھے۔ کاتب الحروف کو بھی آپ کے ساتھ مرثیہ پڑھنے کا فخر حاصل ہے۔ آپ دائرہ کی مسجد میں عرصہ دراز تک جمعہ کی نماز پڑھاتے رہے۔ صوم و صلوٰۃ کے بیحد پابند تھے۔ دلائل الخیرات کا ورد کبھی اور کسی حال میں ناغہ نہ کرتے تھے۔ آپ حاجی وارث علی شاہ کے مرید تھے۔ اور بلگرام کی ہر سیاسی تحریک میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ آپ خلافت کمیٹی بلگرام کے صدر بھی تھے گھر میں ہمیشہ گیروا تہمد باندھتے۔ ہر وقت عینک لگائے رہتے۔ کھانے اور کھلانے کے بے حد شوقین تھے۔ آخری عمر میں تہجد گذار ہو گئے تھے۔ اور بعد نماز ظہر تلاوت کلام پاک کے پابند تھے۔

آپ کے بزرگوں میں مفتی وارث علی ان کے پسر مفتی امراؤ علی۔ پیرزادہ تصدق حسین، سید خورشید حسین اور سید عبدالرحیم صاحب تھے۔ شیخ کریم اللہ، شیخ ریاض الحسن، شیخ کلن، شیخ قربان علی، شیخ نظیر احمد اور شیخ احمد حسن بھائی، شیخ حبیب اللہ، شیخ امان اللہ، شیخ نبی بخش چپراسی، شیخ عبدالنور باف، سید محمد اسمٰعیل، شیخ کلو۔ دری ساز ساکن زیر کوٹ، کالے خاں اور ہر وقت کے ساتھی داروغہ بشیر الدین آپ کے خاص احباب تھے جو اخلاص و محبت سے مل جل کر بڑے لطف سے زندگی بسر کرتے تھے

سہر جولائی ۱۹۱۱ء کو آپ نے کاتب الحروف کی والدہ محترمہ سے عقد ثانی کیا جن کے بطن سے صرف رابعہ بیگم سلمہا ہیں۔ ان کی شادی مرزا فاروق حسن صاحب ساکن بانس بریلی سے ہوئی جو شہر بھوپال میں شاہی محلات کے مشہور ٹھیکدار ہیں اور عزت و آرام سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ آپ کے دو کمسن بچے ہیں جو ابتدائی درجوں میں زیر تعلیم ہیں۔

بکو میاں صاحب مرحوم نے ۲۹ر اگست ۱۹۳۰ء کو اپنی کل جائداد بحق رابعہ بیگم وقف علی الاولاد کر دی۔ عید گذار کرات کو اور عید کے دوسرے دن بڑے اہتمام سے آپ خواجہ عماد الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر عرس کا اپنے صرفہ سے انتظام کیا کرتے تھے جس کے لئے بارہ روپیہ سال آپ نے وقف نامہ میں لکھ بھی دئے ہیں۔ اس عرس میں باہر سے قوال آیا کرتے تھے۔

آپ کو عرصہ سے ذیابیطس کی شکایت تھی ساتھ ہی پرہیز سے چڑ بھی تھی۔ میٹھی چیزیں بڑے شوق سے کھاتے اور طبیب حاذق ہونے کے باوجود انھیں چیزوں کو گویا اپنا علاج سمجھتے تھے۔ رفتہ رفتہ مرض بڑھ کر دق میں تبدیل ہو گیا اور اسی مرض میں تقریباً ۴ ماہ صاحب فراش رہ کر ۲۹ر جولائی ۱۹۳۶ء کو بوقت گیارہ بجے دن بروز پنجشنبہ اپنی تعمیر کردہ کوٹھی کے درمیانی ہال میں انتقال کیا عین انتقال کے وقت شہادت کی انگلی کو تین بار جنبش دے کر بڑے ہی اطمینان کے ساتھ باآواز بلند لا الہ الا اللہ کہکر اور ہر بار حاضر الوقت کاتب الحروف سے جواباً محمد رسول اللہ سنکر آپ ابدی نیند سو گئے۔ کاتب الحروف نے آپ کو غسل دیا

اور پیرزادہ سید آل محمد عرف ستھرے میاں صاحب نے حسب وصیت نماز جنازہ پڑھائی۔ تقریباً ۴ بجے شام حسب اجازت مولوی عبدالقیوم صاحب وکیل پیش دروازہ مسجد شیخ المدیار میں اہلیہ مولوی عبدالقدیر صاحب کی قبر کے جانب پورب آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔

آپ کی بیاض میں بہت سے خاندانی آزمودہ طبی نسخے چیدہ اشعار اور اساتذہ کا نعتیہ کلام درج ہے جو افسوس ہے بوجہ کمی گنجائش شامل کتاب ہذا نہ کیا جا سکا۔

آپ کے نانا حکیم عبدالغنی صاحب کے قریبی عزیز سید احسان علی جو قصبہ داعی پور تحصیل قنوج کے قدیم باشندے تھے۔ اور سادات داعی پور میں بہت با عزت تھے۔ اپنے بہنوئی حکیم یعقوب علی صاحب کے ساتھ بلگرام میں رہنے لگے۔ آپ کا پختہ مکان حکیم یعقوب علی صاحب کے زنانہ مکان کے صدر دروازہ کے مقابل جانب شمال تھا جس کا تفصیلی ذکر فیصلہ ثالثی حکم عبدالرشید بنام حکیم عبدالغفور رجسٹری شدہ مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۲۷ء میں موجود ہے۔ مولوی احسان علی صاحب کے پانچ بیٹے سید اعظم علی عرف جمعی میاں، سید محمد تقی، سید محمد نقی، سید محمد شفیع عرف لبسو میاں اور سید محمد زکی تھے۔ جو اپنے والد کے جلد انتقال کی وجہ سے کوئی خاص تعلیم حاصل نہ کر سکے۔ جمعی میاں ضلع بارہ بنکی محلہ گلیریہ گارڈہ میں عمر بھر مقیم رہے۔ آپ وہاں کلکٹری میں پیشکار تھے اور وہیں ۱۹۳۲ء میں انتقال کیا۔ آپ کے کئی بیٹے تھے۔ جن میں سید اطہر علی بلگرامی بارہ بنکی کے مشہور وکیل ہوئے انہوں نے بعارضہ ذیابیطس ۱۹۵۰ء میں انتقال کیا۔ ان کے دو بیٹے محمد وسیم اور نسیم اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے برسر روزگار ہیں۔ سید محمد تقی عالم ہوئے اور کانپور میں لاولد فوت ہوئے۔ سید محمد نقی عمر بھر پولیس میں ملازم رہے۔ پنشن یاب ہو کر مذہب امامیہ اختیار کیا اور بسلسلہ تجارت قصبہ دلاور نگر تحصیل ملیح آباد میں قیام کیا وہیں ۱۹۳۵ء میں انتقال کیا۔ آپ کے کئی لڑکے ہیں جو لکھنؤ میں اپنا اپنا کام کرتے ہیں۔ آپ کے ایک بیٹے سید محمد رفیع بلگرامی جو نہایت متین و سعید ہیں۔ ریلوے ورک شاپ لکھنؤ میں ملازم ہیں۔

سید محمد نقی مرحوم نے اپنے جدی باغ امرود نمبری ۵۳۷ رقبہ تین بیگہ ۱۳ بسوہ پختہ واقع موضع محمود نگر موسومہ احسان والے کا بہتا چوتھائی حصہ باغ بذریعہ وقف نامہ رجسٹری شدہ مورخہ ۱۹ جنوری ۱۹۴۳ء و مصدقہ مورخہ ۲۱ جنوری ۱۹۴۳ء بحق حضرت امام حسین علیہ السلام وقف کر کے امام باڑہ محلہ میدانپورہ کے اصراف محرم کے لئے نذر کر دیا ہے۔ اور اس کا متولی راقم الحروف کو مقرر کیا ہے۔ آپ کے حصہ کی آمدنی تخمیناً ۵۰ سالانہ مہتمم امام باڑہ مذکور کو دیدی جاتی ہے۔

سید محمد شفیع وکٹوریہ پارک چوک لکھنؤ کے انسپکٹر رہے۔ ۱۹۳۹ء میں آپ نے انتقال کیا۔ آپ کے بیٹے سید محمد ولی سینما میں آپریٹر کی جگہ پر لکھنؤ میں ملازم ہیں سید محمد زکی کی شادی حکیم الدین صاحب مرحوم ساکن محلہ جھنڈا ٹولہ قصبہ ملیح آباد کی صاحبزادی توقیر فاطمہ سے ہوئی۔ آپ کے دو فرزند محمد وصی اور محمد فصیح ہیں اول الذکر پاکستان ایر سروس میں ملازم ہیں۔ اور آخر الذکر بھوپال میں پبلک سروس میں نوکر ہیں۔

سید محمد زکی کی بڑی صاحبزادی قیصر بیگم کی راقم الحروف سے شادی ہوئی اور بقیہ دو بہنوں اشرف جہاں و خورشید جہاں بیگم کی شادیاں یکے بعد دیگرے میرے چھوٹے بھائی قاضی انوار احمد عرف چھنو میاں کے ساتھ ہوئیں۔

سید محمد زکی صاحب نے دسمبر ۱۹۲۷ء بعارضہ دق ملیح آباد میں انتقال کیا اور اپنے سسرالی قبرستان واقع محلہ جھنڈا ٹولہ میں دفن ہوئے۔ اور آپ کی اہلیہ توقیر فاطمہ نے ۱۹۴۷ء میں بمقام محلہ قندھاری بازار لکھنؤ میں انتقال کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قاضی محمد مصطفےٰ علی صاحب

آپ قاضی شریف احمد صاحب کے بڑے بیٹے تھے۔ مقام ولادت و سکونت محلہ قاضی پورہ زیر قلعہ راجہ سری اوپر کوٹ جانب جنوب۔ آپ ماہ شعبان کی اونتیسویں تاریخ ۱۲۷۹ھ ہجری مطابق ۱۸۶۲ء عیسوی پنجشنبہ کے دن قبل طلوع آفتاب اپنے جدی مکان میں پیدا ہوئے۔

۶ برس کی عمر میں آپ کے سر سے پدر بزرگوار کا سایہ اٹھ گیا۔ آپ کے دو بھائی ارتضیٰ علی اور وصی احمد تھے جنہوں نے بچپن ہی میں انتقال کیا۔ لڑکوں میں صرف آپ نے اپنی مادر مہربان کی ظل عاطفت میں پرورش پائی۔ آپ کی ایک ناکتخدا بہن بانو بیگم بھی تھیں جنہوں نے بعارضۂ ضعف معدہ طویل علالت کے بعد جوان العمری میں انتقال کیا اور اپنے والد بزرگوار کے قریب قبر والے باغ میں دفن کی گئیں۔ مولوی عبدالوالی صاحب نے مرحومہ کے زیورات فروخت کرکے پیرزادہ محمد زاہد صاحب مرحوم کی مسجد واقع محلہ سلہڑہ میں ایک چاہ پختہ تعمیر کرایا۔ جس میں مرحومہ کے نام کا سنگ مرمری پر مندرجہ ذیل کتبہ لگا ہوا ہے۔

تاریخ بنائے چاہ پختہ جامع مسجد سلہڑہ ۱۳۰۲ھ ہجری

دختر قاضی شریف احمد دریغ	از قضا ناکتخدا کردہ وفات
وارثان تعمیر بنمودند چاہ	از بہائے زیور آن خوش صفات
یافتم سال نشان بے نشاں	ماندہ اکنوں باقیات الصالحات

آپ کی والدہ محترمہ مساۃ ندرت فاطمہ مولوی محمد اعلم صاحب صدیقی فرشوری کی بیٹی تھیں۔ انہوں نے بیوہ ہونے کے بعد اپنے حقیقی بھائی مولوی عبدالوالی صاحب کو جو اس وقت قصبہ سکیٹ ضلع ایٹہ میں اپنے والد بزرگوار ملازم ریاست کے پاس مقیم تھے وطن بلا کر اپنے بچہ مصطفےٰ علی کا سرپرست مقرر کیا۔ اور اپنی کل جائداد موہوبہ کا آپ کو مختار بنا کر خاندان قضاۃ کا قدیم عہدۂ قضا و عہدۂ رجسٹراری قصبہ بلگرام نیابتاً آپ کے سپرد کرا دیا۔

چند سال کے بعد آپ کی والدہ مساۃ ندرت فاطمہ نے حسب تجویز منشی حبیب الرحمٰن صاحب عرف میاں صاحب پسر منشی محمد امیر صاحب ساکن محلہ قاضی پورہ ایک وصیت نامہ بگواہی شرفائے محلہ قاضی پورہ ۲۸ مئی ۱۸۸۲ء عیسوی مطابق دہم شہر رجب المرجب ۱۲۹۹ھ ہجری روز یکشنبہ خاموشی سے تحریر کیا جس کے ذریعہ سے اپنی کل جائداد کا بلا شرکت غیرے اپنے پسر مصطفےٰ علی کو بحیال حفظ ماتقدم واحد مالک قرار دیا۔ مصطفےٰ علی صاحب کی باقاعدہ تعلیم کا انتظام نہ ہو سکا۔ منشی حبیب الرحمٰن صاحب مذکور نے پوشیدہ طور پر آپ کو فارسی پڑھائی جو ابتدائی کتابوں تک محدود رہی پھر بھی آپ نے رفتہ رفتہ از خود فارسی میں اچھی قابلیت حاصل کر لی تھی۔ منشی جی کے اس احسان کو آپ عمر بھر بھول نہ سکے۔ ۱۹۰۳ء کے موسم گرما کی ایک دوپہر میں منشی حبیب الرحمٰن کے گھر میں جو مسجد صادق علی صاحب مرحوم محلہ قاضی پورہ کے متصل جانب غرب واقع تھا آگ لگی اسی میں جل کر آپ فوت ہو گئے۔ آپ کے ساتھ مصطفےٰ علی صاحب کے بہت سے ضروری کاغذات اور بعض اہم دستاویزات بھی

نذرِ آتش ہوگئیں جس کی وجہ سے آپ کو بڑا نقصان اُٹھانا پڑا۔ لیکن مصطفےٰ علی صاحب کو سب سے زیادہ صدمہ منشی حبیب الرحمٰن صاحب جیسے مخلص و مہربان کی دائمی جدائی کا ہوا جو تا بہ زندگی آپ کے دل سے دور نہ ہوسکا۔

مصطفےٰ علی صاحب کے سن بلوغ تک مولوی عبدالوالی صاحب آپ کے مربی و ولی رہے اور آپ کی تمام جائداد و املاک کا مستعدی و دیانت داری سے انتظام کرکے خود بھی بڑی شان و وقار کے ساتھ وطن میں زندگی بسر کرتے رہے۔

۲۷؍ دسمبر ۱۸۸۴ء کو مولوی عبدالوالی صاحب نے اپنی بڑی لڑکی مسماۃ منظور فاطمہ عرف بٹّہ بی بی کی مصطفےٰ علی صاحب مذکور کے ساتھ بڑی دھوم سے شادی کی جیسی محلہ قاضی پورہ میں دوسری تقریب اب تک نہ ہوسکی۔ نکاح کے بعد آپ نے تمام حاضرین کو بدھنیوں میں شربت تقسیم کیا اور عقد سے پہلے لڑکے کی طرف سے میلاد شریف میں ڈیڑھ پاؤ کے چار جلیبے بنواکر فی حصہ بانٹے۔ ایک ہفتہ مسلسل تنور گرم رہا۔ مصطفےٰ علی صاحب کی تمام رعایا کو جوڑے پہنائے۔ کہاروں کو ڈولا اٹھائی اور کنجڑوں کو ڈالی لگائی کے انعام میں موضع محمود نگر میں اراضیات دے کر باغ لگوا دئے۔ جو آج تک کہاروں والا اور کنجڑوں والا باغات کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ تمام حقداروں کو بڑی کشادہ دلی سے انعام و اکرام تقسیم کئے۔

۱۴؍ اگست ۱۸۹۲ عیسوی کو مولوی عبدالوالی صاحب نے عمائدین کی موجودگی میں مصطفےٰ علی صاحب کو ان کی کل جائداد و عہدۂ قضا حوالہ کر دیا۔

۲۵؍ ستمبر ۱۸۹۳ عیسوی مطابق ۱۴؍ ربیع الاول ۱۳۱۱ ہجری کو مصطفےٰ علی صاحب نے ایک رجسٹری شدہ وصیت نامہ مصدقہ ۱۸؍ دسمبر ۱۸۹۴ء خود اپنے قلم سے تحریر کیا جس میں اپنی مشکلات و مصائب کا تفصیلی ذکر کرکے اپنی کل جائداد کا صرف اپنے پسران موجود و آئندہ کو اپنا وارث قرار دیا۔

۱۸۹۶ عیسوی میں آپ نے کل جائداد اپنی بی بی مسماۃ منظور فاطمہ کو بالعوض دینِ مہر بذریعہ دستاویز رجسٹری شدہ مصدقہ مئی ۱۸۹۶ عیسوی منتقل کر دی۔ ۱۷؍ ستمبر ۱۹۰۳ عیسوی کو لفٹیننٹ گورنر یو-پی کی جانب سے آپ کے نام پروانہ عہدۂ قضا قصبہ بلگرام موصول ہوا۔ جس کے مطابق حسب دستور قدیم تمام رؤسا و شرفاء بلگرام کی موجودگی میں آپ کے سر پر باقاعدہ دستار قضا باندھی گئی۔ خوشیاں منائی گئیں اور عمائدین شہر نے آپ کو نذریں پیش کیں۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ نے اپنے قدیمی عہدۂ رجسٹراری جس سے ۱۸۹۱ عیسوی میں مولوی عبدالوالی صاحب بوجوہ از خود دستبردار ہوگئے تھے، لفٹیننٹ گورنر یو-پی کو واپسی کے لئے لکھا۔ درخواست منظور کی گئی اور آپ کو حکومت کی طرف سے بجائے قصبہ بلگرام کے شہر اناؤ کی رجسٹراری کا پروانہ موصول ہوا۔ چونکہ آپ تنہا تھے وطن کی ذمہ داریوں سے دور نہ رہ سکتے تھے اس لئے آپ نے اناؤ جانے سے انکار کر دیا اور بلگرام کا عہدۂ رجسٹراری جو نسلاً بعد نسلاً از ابتدائے حکومت انگریزی عہدۂ قضا قصبہ بلگرام کے ساتھ وابستہ چلا آرہا تھا ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا۔

بلگرام کی رجسٹراری کے نکل جانے سے عہدۂ قضا کا حقیقی وقار بھی دراصل ختم ہوگیا اور اب عیدگاہ میں عیدین کی اور جامع مسجد اور پرکوٹ پر جمعہ کی نماز پڑھانا اور شرفاء کی شادی بیاہ کے موقع پر نکاح پڑھ دینا کبھی دستار اور کا ہے ۲۵ ، ۳۰ روپیہ بطور نکاح خوانی مع ایک سینی شکر ملجانا عہدۂ قضا کا مفہوم رہ گیا تھا۔ عوام کی نکاح خوانی کے فرائض حسب دستور قدیم قاضیٔ وقت کے متعدد نائبین قصبہ بلگرام اور اطراف کے مواضعات میں انجام دیا کرتے تھے۔ نکاح خوانی کی فیس ایک روپیہ چار آنہ مقرر تھی چار آنہ نائب صاحب کے اور ایک روپیہ قاضی صاحب کا حق ہوا کرتا تھا۔

آپ کے تابعین میں مولوی سید محمد ہادی صاحب ساکن سلہرہ۔ مولوی علی حسین صاحب المعروف قہر ساکن میدانپورہ۔ مولوی غیرت علی اور شجاعت علی پتنگ باز تھے۔

شادی بیاہ عموماً جیٹھ بیساکھ میں کثرت سے ہوا کرتے ہیں وہی زمانہ خربوزوں کا ہوتا ہے اس لئے اس زمانہ کی نکاح خوانی کی اچھی خاصی آمدنی خربوزوں کی خریداری کے لئے وقف رہا کرتی تھی۔ اس دست غیب کی وجہ سے قاضی صاحب کے اعزہ و احباب خربوزے بھی اسی افراط اور بہتات سے روزانہ صبح و شام جمع ہو کر نوش جان فرمایا کرتے تھے جس طرح آموں کی فصل میں سات باغوں کے آم۔

۱۹۰۱ء میں آپ نے موضع محمود نگر میں متصل گوندھیا تالاب آموں کا ایک باغ دس بیگہ پختہ میں لگایا جو نئے باغ کے نام سے مشہور ہے۔ اور جس کا تخمی آم اس وقت بلگرام میں بے نظیر ہے۔

مصطفےٰ علی صاحب نے ۱۹۰۲ء عیسوی میں اپنا مملوکہ ایک مکان موسومہ ہادی والا واقع محلہ قاضی پورہ بدست تحصیلدار محمد اسمٰعیل صاحب (جو اب بلاس جارسا کن موضع علی گڑھ نے خرید لیا ہے) فروخت کر کے اپنی بڑی لڑکی انوار فاطمہ کا منشی لیاقت علی صاحب پسر مولوی محمد بخش صاحب ساکن و رئیس قصبہ گوپامئو کے ساتھ بھری برسات میں بیاہ رچایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ برستے میں بارات آئی اور برستے ہی میں رخصت ہوئی۔ ہردوئی میں لڑکی کے ماموں مولوی عبدالقدیر صاحب نے بارش کا طوفانی رنگ دیکھکر بارات کو ایک دن کے لئے موسلادھار بارش میں وہیں روک لیا۔ نتیجہ میں پانی اور تیز ہو گیا۔ دوسرے دن بارات پھر روانہ ہوئی اور ڈوبتی اچھلتی بہ امن و امان گوپامئو پہونچ گئی۔

مصطفےٰ علی صاحب نے ۱۹۰۷ء میں راقم الحروف کی منت کے طوق بڑھائے اور ۱۹۰۸ء عیسوی میں اہتمام کے ساتھ مکتب کیا۔ پیرزادہ محمد زاہد صاحب نے بسم اللہ پڑھائی۔

۱۹۰۹ء عیسوی میں آپ نے اپنے دو بڑے لڑکوں (محمد یوسف علی و محمد اعظم علی) کا مولوی رفیع الدین پسر مولوی عبدالوالی کی بڑی لڑکی خدیجہ خاتون اور مولوی بشیر الدین پسر متمنیٰ داروغہ ظہیر الدین کی صاحبزادی کنیز فاطمہ کے ساتھ بعد نماز عصر بالترتیب عقد کئے جو پیرزادہ محمد زاہد صاحب نے پڑھائے۔ لیکن آپ کی وفات کے بعد یہ دونوں رشتے قائم نہ رہ سکے اور منقطع ہو گئے۔

مصطفےٰ علی صاحب کا بعد نماز فجر اپنے تمام باغات کی روزانہ سیر کو جانا اور اپنے نصب کردہ نئے باغ کی دیکھ بھال میں کافی وقت صرف کرنا معمول تھا۔ آپ پہلے جامع مسجد اوپر کوٹ میں نماز جمعہ پڑھایا کرتے تھے۔ جامع مسجد اوپر کوٹ کے شکست ہو جانے پر جب جمعہ کی نماز وہاں بند ہو گئی تو پھر آپ شیخ الہ یار کی مسجد میں تاحیات نماز جمعہ پڑھاتے رہے۔ روزانہ آپ عصر کی نماز شیخ الہ یار کی مسجد میں پڑھنے جاتے بعد نماز وہیں وظیفہ میں مشغول رہتے اور نماز مغرب پڑھ کر سیدھے گھر آکر کھانا کھاتے اور پھر مجمع احباب میں باہر جا کر بیٹھ جاتے۔ کھانے پر چٹنی ضرور ہوتی۔ پان نہ کھاتے تھے حقہ خوب پیتے تھے اور مازو کا خضاب لگایا کرتے تھے۔ فجر سے پہلے اور عشاء کے بعد کی جلیس خود بھرتے نوکر کو نہ اٹھاتے تھے۔ زمین کا نشانہ بندوق سے اچھا لگاتے تھے۔ اور بہت اونچے پر لگے ہوئے پکے آم کو اینٹ پھینک کر انے میں بڑے مشاق تھے۔ راستہ میں ایسی گردن جھکا کر چلتے تھے کہ سڑکوں پر آپ کے کھیلنے والے بچے ذرا ایک طرف ہو جایا کرتے تھے۔ تو آپ پھر ان کو دیکھ نہ پاتے تھے۔ ۹ محرم کو ۱۱ بجے دن کافی اہتمام کے ساتھ ایک بڑی مجلس کرتے جس میں خانہ ساز خرمے تقسیم ہوا کرتے۔ اسی مجلس سے محمد اعظم علی صاحب پسر موصوف نے بہمراہی حکیم محمد عبدالغفور صاحب استاد مفتی وارث علی صاحب کی شاگردی میں مرثیہ پڑھنے کی ابتدا کی محرم کی ساتویں تاریخ آپ سواری

اور دسویں کی رات کو سفید تعزیہ میں (بانو کے سر پہ آج مصیبت کی ہے یہ رات) سُن کر خاموش کھڑے زار و قطار رویا کرتے تھے۔
پوشاک میں چوڑی دار پائجامہ۔ انگرکھا۔ پمپ جوتا اور دوپلی تنزیب کی ٹوپی دیا کرتے تھے۔

سید وصی حیدر صاحب تعلقدار جو اوپر کوٹ کی پوری بالائی اراضی جائز طور پر حاصل کرکے اس پر ایک خوبصورت تفریح گاہ بنانے کے عرصہ دراز سے خواہش مند تھے اور باوجود کوشش بسیار مولوی عبدالوالی صاحب کے زمانہ نیابت میں کسی طرح حاصل نہ کر سکے تھے۔ مصطفےٰ علی صاحب کے با اختیار ہونے پر تعلقدار صاحب کو حصول مقصد کا اچھا موقع ہاتھ آگیا۔ موصوف ایک دن قاضی صاحب کے گھر تشریف لائے اور فرمایا کہ مصطفےٰ میاں ایک چیز مانگنے آیا ہوں، وعدہ کرو تو مانگوں۔ مصطفےٰ میاں نے بخوشی وعدہ کیا تو آپ نے کہا اوپر کوٹ ہم کو دیدو۔ قاضی صاحب نے قبول کیا اور دوسرے ہی دن اوپر کوٹ کی صرف بالائی اراضی کا بہ استثناء جامع مسجد و خانہائے رعایا و لوٹ دار امینات چہار طرف بیعنامہ مورخہ ۲۵ر اکتوبر ۱۹۰۵ء و مصدقہ ۲۶ر اکتوبر ۱۹۰۵ عیسوی آراضی نمبر ۸۶، رقبی چھ بیگہ ۱۹ بسوہ پختہ بالعوض مبلغ پانچسو روپیہ لکھ کر سید وصی حیدر صاحب کے گھر جاکر دے آئے۔ اور اس طرح ایک بہت قدیم تاریخی قلعہ کا بالائی حصہ نو سو برس کے مسلسل اور مکمل قبضہ و دخل کے بعد خاندان قضاۃ سے ہمیشہ کے لئے نکل گیا۔

چند دن کے بعد سید وصی حیدر صاحب تعلقدار اپنے ایک مشہور کھیت موسومہ کھیرہا واقع موضع نولکھ پور متصل محلہ میل جانب جنوب کا بیعنامہ بحق قاضی مصطفےٰ علی صاحب بالعوض اراضی بالائے کوٹ لکھ کر دے گئے۔

اسی کھیت کو قاضی صاحب نے بدست للا ساہ ولد جواہر قوم کلوار ساکن قصبہ بلگرام محلہ ملکنٹھ بالعوض مبلغ تین ہزار روپیہ مورخہ ۳ر اگست ۱۹۰۷ عیسوی کو مجبوراً فروخت کرکے وہ قرضہ ادا کیا جو مولوی عبدالوالی صاحب مرحوم نے ۱۸۸۵ عیسوی میں بموقع شادی اپنے پسر اکبر مولوی رفیع الدین صاحب اوجاگر ساہ ساکن موضع درگاگنج سے بذریعہ قاضی مصطفےٰ علی صاحب انہیں کی جائداد پر بعقد پندرہ سو روپیہ قرض لیا تھا جو عرصہ دراز تک کون ادا کرے کے چکر میں ادا نہ ہونے کی وجہ سے مع سود کچھ اوپر ۵ ہزار روپیہ تک پہنچ گیا تھا۔

سید وصی حیدر صاحب نے اراضی بالائے کوٹ کو ہموار کرنے اور اس پر نہایت خوبصورت چمن لگانے میں کم و بیش پندرہ ہزار روپیہ صرف کیا۔ تقریباً پانچ سو مزدوروں نے لگ کر کافی عرصہ میں اس کو ہموار کیا۔ پھر چہار طرف موقع بہ موقع آمد و رفت کے لئے پختہ سیڑھیاں بنائی گئیں۔ درمیان میں ایک چاہ پختہ مع وسیع حوض تعمیر کرایا گیا پھر بہت سے ہوشیار مالیوں اور تجربہ کار باغبانوں نے دور جدید کے مطابق روشیں اور کیاریاں بناکر بہترین پھولوں سے اسے آراستہ کیا۔ آپ نے جنوبی حصہ میں ایک نہایت خوبصورت خس پوش بنگلہ بھی بنوایا تھا۔ جس میں طرح طرح کے خوبصورت پرند دور دور سے منگوا کر رکھے گئے تھے۔ اسی میں اکثر شام کو آپ کی اور آپ کے احباب کی نشست بھی رہا کرتی تھی۔ شرفاء بلگرام ہندو مسلمان سب ہی جمع ہوا کرتے تھے۔ اور بڑا مجمع لگا رہتا تھا۔ صبح و شام بلگرام کی تمام مخلوق چمن کی سیر کو آیا کرتی اور رات گئے قصبہ کی بہت سی معزز خواتین تفریحاً جمع ہوا کرتی تھیں۔

مصطفےٰ علی صاحب کے زمانہ میں کسی سیاسی تحریک کا قصبہ میں نام و نشان تک نہ تھا البتہ میلاد و مجالس کا بہت زور تھا جو آئے دن ہوا کرتی تھیں کبھی کبھی ذرا اہتمام سے سُنی علما کو باہر سے بلاکر واعظ ہوجایا کرتے تھے اسی زمانہ میں سنی المذہب حضرات نے ۱۹۰۸ء میں انجمن اسلامیہ کی بنیاد ڈالی جس کے سب سے پہلے صدر شیخ ظہور احمد صاحب ساکن و رئیس محلہ کٹرہ

منتخب کئے گئے۔ اس کے بعد شیعہ صاحبان نے انجمن حیدریہ قائم کی جس کے پہلے صدر میر امجد علی صاحب وکیل بنائے گئے۔ اس دور میں پبلک انگریزی حکومت کو منفعت طور پر لازوال سمجھتی تھی اور انگریز بہادر کے نام سے بہت ڈرتی تھی۔ جب کبھی کوئی انگریز کسی راستہ سے گذرجاتا تھا تو پبلک گھبرا جاتی تھی۔ پولیس کا بڑا دبدبہ تھا سپاہی کے نام سے گھروں میں بچے ڈرائے جاتے تھے اور تھانیدار صاحب کی طلبی پر اچھے اچھے کانپ جایا کرتے تھے۔ ذی وقار رؤسا کا شیوہ انگریز پرستی تھا اور اعلیٰ حکام میں غدر کے قومی غداروں کی بڑی عزت تھی اس لئے ہر ذی ہوش رئیس وفاداری کے گیت گاتا اور ہر زمانہ شناس انگریزوں پر جان دینا موجب فلاح سمجھتا تھا۔ اس زمانہ میں حکومت کی طرف سے سب سے بڑا اعزاز بھرنے والی بندوق کا لیسنس تھا جو بڑے ہی معزز اور معتبر شخص کو پوری تحقیق و تصدیق کے بعد عطا کیا جاتا تھا۔ چنانچہ قصبہ بلگرام کے تمام سنی المذہب رؤسا میں اس وقت صرف ایک قاضی مصطفےٰ علی صاحب تھے جنھیں ابتدائے حکومت سے عہدۂ قضا کی بنا پر یہ اعزاز حاصل تھا۔ یعنی آپ ایک بھرنیوالی دونالی بندوق کے قدیم لیسنسدار تھے جو زیادہ تر مولوی عبدالقدیر صاحب شوقین شکاری کے پاس رہا کرتی تھی۔ اور وطن کے سارے عام شکاریوں کا شوق قدیر میاں کے توسل سے ہی بیچاری پورے کیا کرتی تھی۔ اس وقت کے شکار اور شکاریوں کے بہت سے دلچسپ قصے ہیں جو افسوس ہے بوجہ کمی گنجائش ضبط تحریر میں نہیں لائے جاسکتے۔ سردست چند خاص بندوق کے ادھوتی شکاریوں کے نام لکھے جاتے ہیں۔

منشی عاشق علی دیوان حاتم علی والے۔ شیخ مدد۔ شیخ عظیم اللہ جلدساز۔ شیخ عبدالکریم جفت ساز۔ امیر خاں محلہ قاضی پورہ۔ مولوی نیاز حیدر۔ سید محمد جواد تعلقدار۔ سید خورشید حسین ساکن تکیہ۔ شیر علی خاں قاضی پورہ۔ مولوی عبدالقدیر منشی ظہیرالدین۔ اور بدھو۔

غلیل بازشکاریوں میں سب سے زیادہ مشہور اس وقت شکاری سید باقر علی صاحب مرثیہ خوان ساکن محلہ میدانپورہ تھے جنہوں نے اپنے شاگردوں سے ایک لاکھ غلے بنوا کر نوح میاں کے پھاٹک میں جڑے ہوئے ایک آہنی کیلے پر غلہ بازی کی مشق کی تھی۔ آپ کی قادر اندازی کا یہ عالم تھا کہ آپ کی غلیل اسی پرند پر اٹھتی جس کی موت پہلے آجایا کرتی تھی۔ آپ کا معمول تھا کہ جب کسی ایسے پرند کو جو گھر پر یا گھر کے اندر کسی درخت پر بیٹھا ہوتا مارنا چاہتے تو پہلے کسی لڑکے کو جا تو دیکھ گھر میں دوڑادیا کرتے جب وہ موقع پر پہونچتا تو پرند کو زیر درخت تڑپتا ہوا پایا کرتا تھا۔

۷۸۶

آموں کے باغات

قاضی مصطفےٰ علی صاحب کو آموں اور بھٹوں کا بڑا شوق تھا۔ بھٹوں کا شوق محلہ کے زراعت پیشہ خانصاحبان بڑی اہل دلی سے پورا کیا کرتے تھے۔ یہ لوگ فصل میں کئی کئی بار بڑے اصرار اور پورے اہتمام سے رؤسا محلہ کو اپنے کھیتوں پر لیجاتے فرش۔ اچار چٹنی دہی اور حقوں وغیرہ کا باقاعدہ انتظام کرتے اور الاؤ میں ڈھیروں بھٹے بھون کر پورے مجمع کو افراط سے کھلایا کرتے تھے۔ بھٹوں کے ساتھ پھوٹیں بھی راب کے ساتھ خوب ہی کھلائی جاتی تھیں۔ ان موقعوں پر بھٹے کھانے کی احباب میں اکثر ہوڑ بھی لگا کرتی اور بعض بعض ڈنگی کھانے والے اپنا ریکارڈ قائم کر دیا کرتے تھے۔

ان میں شیخ مظہر حسین ولد شیخ ابوالحسن صاحب ساکن محلہ قاضی پورہ چیمپین مانے جاتے تھے جو ایام جوانی میں ساٹھ (۶۰) بھٹے چھٹے ہوئے ایک جگہ پر بیٹھ کر نوش جان فرمالیا کرتے تھے۔ ایک سال انھیں مظہر میاں صاحب نے عالم پیری میں راقم الحروف کے سامنے چالیس بھٹے گنبد والے کھیت پر کھا کر دکھلا دئے تھے۔

قاضی صاحب کو خود آم کھانے سے زیادہ کھلانے۔ بانٹنے اور لگانے کا شوق تھا۔ آپ کے اعزہ و احباب نے بارہا مشورہ دیا کہ وہ چند باغات کی لکڑی فروخت کرکے اپنا سارا قرضہ چکا دیں لیکن آپ نے اس مشورہ کو کبھی پسند نہ کیا۔

آموں کے زمانہ میں رؤسائے قصبہ اہلیان محلہ کو ساتھ لیکر اپنے باغوں میں آم کھلانے برابر لیجایا کرتے تھے۔ چونکہ فصل انبہ کا فروخت کرنا بالعموم معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے ان کے گھروں میں آموں کے صبح وشام ڈھیر لگ جایا کرتے تھے۔ عوام کی مستورات اور بچے گھروں پر غول کے غول آتے اور خوب بھر بھر کر لیجایا کرتے تھے۔ قصبہ بلگرام میں اس وقت سب سے زیادہ باغات سید وصی حیدر صاحب عرف بچئے میاں تعلقدار کے تھے۔ جنہوں نے اپنے سارے علاقہ کو آموں کے باغات اور جامنوں کی قطاروں سے بھر دیا تھا۔ آپ کے بعد باغات میں قاضی مصطفےٰ علی صاحب کا نمبر تھا۔ آپ کے علاوہ محلہ قاضی پورہ ومیدان پورہ میں مولوی عبدالوالی حکیم یعقوب علی۔ سید خورشید حسین۔ مولوی سید محمد ابراہیم شیخ قربان احمد وکیل اور شیخ میرون شیخ انگنے اور شیخ عبدا سبزی فروشان کے کافی باغات تھے۔ جو قصبہ کے جانب جنوب وغرب مواضعات علی گڑھ۔ محمود نگر۔ جلالپور اور کگرا کھیرا کی آبادی تک مسلسل پھیلے ہوئے تھے۔ یہی حال قصبہ کے دوسرے اطراف میں دیگر ہندو مسلم رؤسا و شرفا کے باغات کا تھا۔ اس وقت بلگرام میں صرف دو باغات جانب شرق قلمی آم کے لالہ سرجو پرشاد اور بابو کالکا پرشاد وکیل کے تھے۔ باقی تمام باغات تخمی آم کے تھے۔ جن کی لذت وخوبصورتی دور دور مشہور تھی۔

اس زمانہ کی یہ خصوصیت تھی کہ لوگ آم کھانے سے زیادہ کھلانے کے شوقین ہوا کرتے تھے۔ اس لئے جو صاحب جس آم کی جتنی زیادہ تعریف مالک باغ سے کرتے اتنے ہی زیادہ وہ گھر بیٹھے آم کھاتے۔ شوقین حضرات ایک سے ایک بڑھ کر آم تلاش کرکے اور دور دور سے مشہور آموں کی گٹھلیاں جمع کرکے بڑی احتیاط سے پودھ لگاتے اور اپنے خون سے سینچکر باغات تیار کیا کرتے تھے۔

سید محمد اسمٰعیل بن سید محمد ابراہیم صاحب ساکن محلہ میدان پورہ خود سات روپیہ ماہوار پنشن پاتے تھے۔ اور دس روپیہ ماہوار ہیرا مالی کو تنخواہ دیتے پھر بھی اپنے قبرستان والے باغ کے نئے نصب کردہ آم کے پودوں میں گرمیوں کی ساری دوپہریں

بھنگے سے خود پانی ڈال کر گذارہ کیا کرتے تھے۔ مرحوم ہر درخت کی ایک نئی تاریخ اور ہر آم کی ایک نئی تعریف بڑے ہی پر لطف انداز میں بیان کرتے جو آموں سے کہیں زیادہ شیریں اور فرحت بخش ہوا کرتی تھی۔ کسی کے نئے باغ میں پہلی بار چاشنی آتی تو آموں کی عام دعوتیں ہوا کرتیں جن میں چھوٹے چھوٹے نوزائیدہ آموں کے استرے جیسے تیز چاقو سے مالک باغ بڑی ہی مسرتوں اور تمناؤں سے ورق اتار کر حاضرین میں پہلے مبصرین کو پھر پینٹ مداحوں کو فخر سے پیش کرتا اور واہ واہ کی صدائیں سنکر خوشی سے پھولے نہ سماتا۔ ان شوقین حضرات میں ایک قاضی مصطفےٰ علی صاحب بھی تھے۔ جو اپنے خود نصب کردہ نئے باغ کے نئے آموں کا پچاسوں آدمیوں کو ساتھ لیجاکر باغ میں بڑی دلچسپی سے آپریشن فرمایا کرتے تھے۔

اُس وقت ان باغات کے بعض آم بہت ہی مشہور تھے اور خاص ناموں سے معنون تھے جو بڑے اہتمام سے پکائے اور تقسیم کئے جاتے تھے جن کو نہ پہنچ پاتے۔ وہ سال بھر شکایت کرتے اور کبھی کبھی تو لڑنے پر آمادہ ہوجایا کرتے تھے۔ اپنے وقت کے قدردان اور مبصرین انہیں میں مولوی سید محمد ابراہیم سید محمد اسمٰعیل مفتی وارث علی سید حمید الحسن سید وصی حیدر۔ قاضی مصطفےٰ علی شیخ انگنے۔ شیخ مظہر حسین اور شیخ کلو دری ساز تھے۔ کھانیوالوں میں اپنی نوعیت کے وہی شیخ مظہر حسین صاحب تھے جو دستاویزات لکھ کر ہر سال اہل باغات سے زیادہ اچھے اور افراط سے خرید کر آم کھایا کرتے تھے۔

اُس زمانہ میں قصبہ بلگرام کے صرف جانب جنوب مندرجہ ذیل آم کے باغات تھے جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے میلوں میں پھیلے ہوئے تھے۔

قاضی شریف احمد کے دیوان خانہ سے جانب دکھن بہ راہ زیر مسجد شیخ الہ یار ٹھیک ڈیڑھ فرلانگ پر سب سے پہلا باغ قاضی مصطفےٰ علی صاحب کا قبر یا والا۔ پھر پیزاوہ۔ کھٹوا والا۔ احسان والا۔ کنجڑون والا۔ جی والا۔ منشی والا۔ بوجان والا۔ گوندھیا والا نیا باغ تاقرب آبادی پوروہ جلال پور۔

چوراہا لکڑا سے جانب جنوب۔ نصف فرلانگ۔ بائیں جانب۔ منڈا والا۔ بڈھا والا۔ قبرستان محمد اسمٰعیل والا۔ شیخ امیر اللہ عرف مشن والا۔ عیدا والا۔ قدیر میاں والا۔ اور داہنی جانب خیراتی والا۔ ہجڑوں والا۔ رحم میاں والا۔ منیجی والا۔ تحصیلدار والا۔ کھاروں والا۔ جوگی والا۔ جھنیز والا۔ پیرزادہ والا۔ نبوا والا۔ چھتریا والا۔ بھٹھون والا۔ السیا والا۔ قاضی صاحب والا۔ تا متصل آبادی موضع محمود نگر۔ سڑک زیر مزار خواجہ عماد الدین رحمۃ اللہ علیہ سے قصبہ کے جانب جنوب بائیں طرف ڈیڑھ فرلانگ پر قاضی صاحب کا جدی باغ تاڑ والا۔ بلھا باغ کٹرو والا۔ گنبد والا۔ دھمن والا۔ تلیا بلاقی والا۔ مقصود علی والا۔ مغل والا۔ مظفر والا۔ اسی طرف چھوٹی اور بڑی امرائی۔ کھنی لغیار۔ بڑا باغ منی والا باغ اور متصل آبادی موضع جلالپور۔ جلالپور والا باغ۔ کم وبیش یہی عالم قصبہ کے چہار طرف آم کے باغات کا تھا جن کے پھلوں سے انسان تو انسان قصبہ کے جانوران تک آسودہ ہوجایا کرتے تھے۔

آموں کی ایک دعوت

رات کے پچھلے پہر سے آسمان پر کالی کالی گھٹائیں چھا رہی ہیں۔ کوئلیں چہار طرف بول رہی ہیں پپیہے کوک رہے ہیں۔ جن کی تیز آوازیں آبادی کے ملحق باغات سے گھروں میں صاف سنائی دے رہی ہیں۔ ہلکی ہلکی پھواریں کبھی پڑنے لگتی ہیں۔ اور رکا ہے بند ہوجاتی ہیں۔ آموں کا نوروز ہے پچھلی رات کی مدہم بارش کے ساتھ ہوا کے دھیمے دھیمے جھوکوں نے باغات میں آموں کے ڈھیر لگا دئے ہیں۔ جو برف جیسے ٹھنڈے شہد جیسے میٹھے اور سیب جیسے خوش رنگ تاحد نگاہ درختوں کے

نیچے پڑے لوٹ رہے ہیں۔ ایسی صبح کو جس کسی کی آنکھ کھلتی ہے بس وہ یہی کہتا اٹھتا ہے۔ یار، آج کیسا سہانا موسم اور کتنا دلفریب منظر ہے۔
آج کچھ لوگ تو صبح ہی سے جھولا ڈالنے اور ملار گانیکی سوچ رہے ہیں بعض قریبی بھوڑ پر بھاگ کر آنیوالے ہرنوں کے شکار کی فکر میں ہیں۔ کچھ کڑھائی چڑھانے اور بھیروین جگنے جا رہے ہیں۔ اور کچھ ایسے بھی ہیں جو لبستر ہی پر پڑے دنیا کے سارے مزے لوٹنا چاہتے ہیں۔ اتنے میں خبر آتی ہے۔

چلئے صاحب۔ فلاں میاں آم کھانے باغ جا رہے ہیں۔ آپ کو بلایا ہے۔ جلدی چلئے آپ کے انتظار میں سب کھڑے ہیں۔
اب آپ کا سارا مجوزہ پروگرام کھٹائی میں پڑ جاتا اور ہاں نہیں کا فیصلہ بھی نہ ہو پاتا کہ میاں کا دوسرا۔ تیسرا اور چوتھا آدمی گھوڑے پر سوار آدھمکتا۔ اس محبت و اخلاص اور اصرار کے ساتھ بلا امتیاز ذات پات ایک ایک کو جمع کیا جاتا۔ یہاں تک کہ سارا مجمع صاحب خانہ کے گھر سے روانہ ہو کر سڑک پر آجاتا پھر گنتی کے بعد معلوم ہوتا کہ ابھی فلاں میاں فلاں خاں صاحب یا شیخ صاحب نہیں آئے ہیں۔ تو سب کے سب انتظار یار میں جہاں کے تہاں کھڑے رہ جاتے اور میاں مجبور ہو کر خود جاتے۔ اور جس حال میں وہ صاحب ملجاتے پکڑ کر گھسیٹ لاتے۔ یاران طریقت انھیں کشاں کشاں آتے دیکھکر دور ہی سے قہقہے لگاتے۔ آوازے کستے۔ اور اپنی مخصوص بلگرامی بولی میں اچھی طرح آؤ بھگت کرتے ہوئے سائے کے سائے باغوں کی طرف ہنستے بولتے ایک دوسرے کے چٹکیاں لیتے چل پڑتے۔
اور باغوں میں پہونچ کر کئی دا ڑھیوں تک کوری کوری ناندوں میں بھیگے ہوئے آم خوب ہی کھاتے۔ اس موقعہ پر بلا امتیاز سب ایک رنگ میں رنگے ہوتے اچھی طرح اچھلتے کودتے پھاندتے اور ایک دوسرے کو گٹھلیاں مار مار کر برسوں کی چھپی رقابتوں کا بدلہ لیتے کبھی دھنیاؤں میں چوٹی پر لگے ایک دیدہ زیب آم پر اینٹیاؤ کرتے۔ درختوں پر چڑھتے بچپن کا بھولا ہوا کھیل گلی ڈنڈا کھیلتے اور جب اس طرح تھک جاتے تو پھر اچک کر جھولے پر بیٹھ جاتے۔ آسمان سے باتیں کرتے ہوئے پینگ لیتے اور جب بعض اپنی بھیانک اور بھرائی ہوئی آوازیں لگا پھاڑ کر ملار گاتے تو آس پاس کے لوگ گھبرا کر خیریت پوچھنے دوڑ آتے۔ اسی حال میں جب گھنٹے گذر جاتے تو کچھ تو آموں کا گٹھر باندھ کر اور کچھ دوڑ دھوپ سے نکل آنے والی گنجائش کو پھر سے حلق تک بھر کر کہیں بعد دوپہر گھر واپس ہو تے تھے۔ ان بڑے بوڑھوں کے ساتھ کچھ بچے بھی ہوا کرتے تھے۔ جو بعد کو شمس العلماء، عماد الملک یار جنگ بہادر خان بہادر اور سر کے خطابات سے سرفراز کئے گئے بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے اور اپنے کارناموں سے وطن کیلئے باعث فخر بنے۔ انھیں ایام میں بعض رؤساء کی پردہ نشیں خواتین بھی اپنے باغوں میں آم کھانے اور کبھی دیور کے فراموش کھلانے کا عام قرضہ چکانے۔ محلہ بھر کی مستورات کو سواریوں پر ساتھ لیکر جایا کرتی تھیں اس روز گرد و نواح کے باغات باغبانوں سے خالی کرائے جاتے اور پردہ نشین تمام مستورات آزادی سے باغات میں گھوم کر آم کھاتیں اور دن بھر سیر و تفریح میں گذارا دیا کرتی تھیں۔

اس دور میں جامن ایک پیسہ سیر آم ۱/۲ اور بہت عمدہ ۳/۲۲ پنجے سے فی سیکڑہ بکتے تھے۔ فی روپیہ گیہوں ۱۸ سیر تیل سرسوں ۴ سیر گھی ۲ سیر گوشت بز ۵ سیر دودھ ۶ سیر خربوزہ ۱ رکا ڈھائی سیر ملتا تھا۔ اس زمانہ میں ایک پیسہ بھی حقیقت رکھتا تھا۔ روزمرہ کی خانگی ضروریات (نمک مرچ ہلدی دھنیاں وغیرہ) حسب ضرورت ایک پیسہ میں بھی ملجایا کرتی تھیں ایک پیسہ میں ۸ دمڑی ۴ چھدام اور دو دھیلے ہوا کرتے تھے جن کا لین دین کوڑیوں میں ہوتا تھا۔
قاضی مصطفےٰ علی صاحب کے وقت تک قصبہ بلگرام میں صرف نجیب الطرفین مسلم شرفا کا طبقہ برسر اقتدار چلا آرہا تھا۔ یہی صدیوں سے علوم و فنون میں دور دور شہرت حاصل کر رہا تھا۔ اور قصبہ میں اسی طبقہ کے افراد ہمیشہ سے صاحب ثروت و

علاقہ دار تھے۔ گو سلطنت مغلیہ کی تباہی اور حکومت اودھ کی بربادی کے بعد وہ قدیمی شان و شوکت ختم ہو چکی تھی۔ پھر بھی اس وقت تک شمس العلماء سید علی و عماد الملک سید حسین بلگرامی جیسے علامہ موجود تھے۔ جن کے علم و فضل کا دنیا میں چرچا تھا۔ سید اولاد حیدر فوق اور شاداں بلگرامی غلام علی ارشد نیر قدر و محمد جیسے مشہور شعرا زندہ تھے جو اپنا گرد و نواح میں ثانی نہ رکھتے تھے قصبہ کے دیگر تعلقداران و رؤساء کو چھوڑ کر صرف سید وصی حیدر صاحب عرف چھٹے میاں ہی ایک ایسے تعلقدار موجود تھے۔ جن کا تنہا علاقہ بلگرام کے تمام معزز اہل ہنود کی مجموعی املاک اور پیشہ در عام مسلم افراد کی ساری جائداد سے کہیں زیادہ تھا۔ قصبہ بلگرام کے چہار طرف دور دور صرف انھیں مسلم شرفا کے مسلسل مواضعات تھے گویا پرگنہ بلگرام کے دراصل یہی لوگ مالک اور حکام میں اپنے اثر و رسوخ کی وجہ سے قصبہ کے یہی حاکم تھے انھیں میں دو آنریری مجسٹریٹ بھی تھے۔ سید وصی الحسن صاحب مرحوم نے اپنی تالیف روضۃ الکرام مرقومہ ۱۹۴۰ء مطبوعہ لکھنؤ کے صفحہ ۲۶۷ پر ان مواضعات کی فہرست درج کی ہے۔ جن کے صرف سادات صغروی مالک تھے۔ ان کی تعداد تقریباً دو صد ہے۔ جن مواضعات کے دیگر سادات و شیوخ عثمانی اور شیوخ فرشوری وغیرہ مالک تھے۔ وہ ان کے علاوہ تھے جن پر مصطفےٰ علی صاحب کی زندگی تک شرفاء بلگرام بدستور قابض و دخیل چلے آرہے تھے۔ اس لئے صرف مسلم شرفا بلگرام ہی قصبہ میں ذی اقتدار تھے۔ لیکن اتنی خیریت تھی کہ یہ برسر اقتدار طبقہ جہاں نصبی شرافت کا قائل تھا وہاں معیار شرافت کو زندگی کا نصب العین بھی سمجھتا تھا۔ اور غیر شریفانہ افعال و کردار سے دور بھاگتا تھا۔ گویا تمغۂ شرافت جہاں ان کے لئے ذریعہ عزت تھا وہاں ظلم و زیادتی اور بُرے کاموں کے لئے اوٹ بھی تھا جو انھیں ہر قدم پر تحفظ شرافت کے تحت بُرے کاموں سے بچاتا ظلم و زیادتی۔ بے انصافی اور دل آزاری سے روکتا تھا۔ یہ لوگ پابند شریعت بھی تھے اس لئے خوف خدا سے غریبوں پر ترس کھاتے ان کی عزت کرتے اور زیادہ سے زیادہ حاجتمندوں کی امداد کرنا اپنی عزت و شہرت کا ذریعہ اور نجات کا وسیلہ سمجھتے تھے۔

محلہ کا ہر رئیس حسب حیثیت اپنے محلہ کے غریبوں کی امداد اور محتاجوں کی خبر گیری اپنا فرض سمجھتا تھا۔ اس وقت کوئی ایسا معزز گھر نہ تھا جس کے یہاں سے دو چار محتاجوں کو دو وقتہ مقررہ کھانا نہ جاتا ہو۔ ریاست کی شان سمجھی جاتی تھی کہ کسی مستحق کا سوال رد نہ کیا جائے۔ خیر و خیرات اور نیک امور میں فیاضی سے خرچ کیا جائے۔ ان مسلم شرفا بلگرام کی سالانہ نکاسی ۳-۴ لاکھ روپیہ کے لگ بھگ تھی جس کا کافی حصہ قصبہ بلگرام کے مختلف پیشہ وروں کو بسلسلہ خرید و فروخت یا بہ صلہ خدمات پہنچا کرتا تھا۔ بہتوں کی پرورش ہوا کرتی تھی اور پچاسوں غریب و غربا روزی سے لگے رہتے تھے۔ شیخ کلو دری ساز محلہ میدانپورہ میں متصل اوپر کوٹ جانب غرب رہا کرتے تھے جو نہایت محبت یافتہ خلیق اور متواضع شخص تھے۔ اپنا قصہ خود بیان کرتے تھے کہ سید وصی حیدر صاحب تعلقدار کے یہاں بالعموم کوئی خدمت گار باقاعدہ ملازم رکھا جاتا تھا جس کو ملازمت کی ضرورت ہوا کرتی وہ نوکروں میں خود جاکر بیٹھ جاتا۔ حویلی سے دیگر ملازمین کے ساتھ کھانا آنے لگتا اور ادہر اُدہر کے کاموں میں خود ہی لگ جایا کرتا تھا۔ اسی طرح میاں کلو نے بھی اپنی ملازمت کا آغاز کیا۔ کھانا تو خیر برابر ملتا رہا لیکن ملازمین کے رجسٹر میں نام درج نہ ہونے کی وجہ سے سات آٹھ مہینے گذر گئے۔ تنخواہ نہ ملی تھی۔ اسی زمانہ میں صاحب کمشنر دورہ پر بلگرام آئے۔ چھٹے میاں صاحب نے کمشنر صاحب کو گھر پر چائے کی دعوت دی جس کے لئے وہ خاص اور نہایت قیمتی چائے کا سیٹ نکالا گیا جو موصوف بمبئی سے خود خرید کر لائے تھے۔ یہ سیٹ میاں کلو دھونے بیٹھے۔ تو خدا کی کرنی چائے دانی ہاتھ سے چھوٹی اور پختہ زمین پر گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ شیخ کلو کی جان نکل گئی فوراً چھٹے میاں کو خبر ہوئی۔ شیخ کلو صاحب بلائے گئے۔ چھٹے میاں بہت گرم ہوئے۔ اور فوراً اپنے منیجر کو بلا کر غصہ میں کہا دیکھو میں اس مردود پر دس روپیہ جرمانہ کرتا ہوں اس کی تنخواہ میں سے ابھی کاٹو یہ جرمانہ میں ہرگز معاف نہیں کروں گا۔ منیجر صاحب سے

مودبانہ عرض کیا کہ حضور اس نوکر کی تنخواہ تو ابھی تک مقرر ہوئی نہیں ہے۔ جھنّے میاں نے حکم دیا دس روپیہ ماہوار کے حساب سے اس کی تنخواہ جوڑ دو۔ اور جرمانہ ابھی وصول کرو۔

میاں کے حکم کے مطابق اسی وقت شیخ جی کی آٹھ ماہ کی تنخواہ بحساب دس روپیہ ماہوار اسّی روپیہ جوڑی گئی اور رقم جرمانہ دس روپیہ کاٹ کر ستّر روپیہ شیخ صاحب کے ہاتھ پر فوراً رکھ دیئے گئے۔ آہ (وہ کیسا زمانہ تھا اور کیسے لوگ تھے)

قصبہ کے ہر محلہ میں رؤساء محلہ کی زمین پر کافی رعایا آباد رہا کرتی تھی۔ اس خصوصی تعلق کی وجہ سے ہر زمیندار اپنی رعایا کا خاص خیال رکھتا اور ان کی امداد کو اپنی ناموری سے تعبیر کرتا تھا۔ رعایا کے علاوہ محلہ کا ہر باشندہ رئیس محلہ پر اپنے خاص حقوق رکھتا تھا جن کو پورا کرنا رئیس کا اخلاقی فرض تھا۔ اس کے صلہ میں ساری رعایا اور محلہ کے تمام عام باشندگان رئیس محلہ کی عزت کو اپنی عزت سمجھتے اور اس کی خاطر جان دینے پر آمادہ رہتے تھے۔ قصبہ بلگرام کے رؤساء میں قاضی مصطفےٰ علی صاحب کی رعایا سب سے زیادہ تھی جو محلہ قاضی پورہ محلہ میل اور زیرا و پرکوٹ پھیلی ہوئی تھی۔ جو آج بھی بفضلہ موجود ہے۔

شرفاء بلگرام کا زمانہ قدیم سے یہ دستور رہا کہ وہ ہمیشہ موجودہ طریق کی مساوات کے سخت مخالف رہے۔ بلکہ اس کو اپنی توہین سمجھتے تھے یہ طریقہ صرف عوام ہی تک محدود نہ تھا بلکہ خود طبقہ رؤساء میں بھی اس کا ایک معیار تھا۔ ہر چھوٹا بڑے کا ادب کرتا۔ سلام میں سبقت کرتا۔ دیکھ کر کھڑا ہو جاتا اور حسب مراتب عزت کی جگہ پر بٹھلاتا۔ یہ طریقہ ہر گھر میں اور خود آپس میں بھی سختی سے رائج تھا جس کا ہر شریف پورا لحاظ و خیال رکھتا تھا۔ اور خلاف ورزی کو اپنی توہین سمجھتا تھا لیکن یہ معیار عوام کے مقابلہ میں زیادہ سخت تھا کسی غیر شریف کی خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان یہ مجال نہ تھی کہ میاں کے برابر آ کر چوکے پر بیٹھ سکے۔ یا گھوڑا اٹھا تا ان کے مکانوں کے قریب سے گذر سکے تمیز و تہذیب کا اندر و باہر پورا لحاظ رکھا جاتا۔ اور اس معاملہ میں کسی کی لاپرواہی برداشت نہ کی جاتی تھی۔ اس لئے عوام ان غریب شرفا کی بھی پوری عزت کرتے تھے۔ یا کرنا پڑتی تھی۔ جو اس طبقہ کے کسی خاندان سے دور کا بھی تعلق رکھتے تھے۔ یہ سب میاں کہلاتے تھے۔ اسی نام سے پکارے جاتے تھے۔ عوام ہمیشہ "میاں سلام" کہہ کر پیشں قدمی کرتے اور میاں تپاک سے بندگی بھائی جواب دیتے۔ السلام علیکم اور جواباً وعلیکم سلام۔ عوام اور خواص کے درمیان متروک تھا۔ اس شرعی سلام کا خود شرفا میں بھی بجز ہم عمروں کے بہت کم رواج تھا۔ شرفا کے بچے نوجوان اور خورد اپنے بزرگوں کو سلام کے موقعوں پر آداب عرض تسلیمات عرض کہا کرتے۔ اور بہ اعتبار شفقت و محبت جواب میں "جیتے رہو" یا "خوش رہو" دعائیں پایا کرتے۔ ہم عمر شرفاء و رؤساء اور معزز ہندو مسلم آپس میں اخلاقاً آداب و تسلیمات ہی کو زیادہ تر استعمال کیا کرتے تھے۔ دور جدید کی ابتدا تک یہی حال رہا۔

شیخ قربان احمد صاحب وکیل کا قصہ ہے کہ ان کے بڑے صاحب زادہ مولوی سلطان احمد بلگرامی بیرسٹر مؤلف تاریخ یاد رفتگان کہیں باہر سے آئے تو انہوں نے اپنے والد صاحب کو السلام علیکم کہکر سلام کیا۔ شیخ صاحب نے منہ بگاڑ کر فرمایا میں عربی نہیں پڑھا ہوں بیٹے نے فوراً آداب عرض کیا۔ تو باپ نے دعائیں دیکر فرط محبت سے چمٹا لیا۔

اس زمانہ میں کچھ شرفاء رؤساء ہی پر تخصیص نہ تھی بلکہ ہر پیشہ ور اور دیگر اقوام کا ہر فرد اپنا اپنا ایک مقام رکھتا تھا۔ جو افراط زر یا ارزانی غلہ کے تحت تجاوز نہ کر سکتا تھا کسی فرقہ میں غیر معیاری مساوات کا بحران نہ تھا حسب حیثیت سب ہی عزت رکھتے تھے اور اپنی اپنی صلاحیت اور علمیت کے تحت بلا لحاظ ذات پات سب ہی سے ملتے جلتے تھے۔ اس وقت کی یہ بڑی خوبی تھی کہ ہر ادنیٰ و اعلیٰ عجز و انکسار کو بہت پسند کرتا تھا۔ فرعون بے سامان نہ کوئی رئیس بننا چاہتا تھا اور نہ کوئی عام شخص راہ سے

بے راہ چلنے کی جرأت کر سکتا تھا۔

شرفاء بلگرام اپنی برادری کے غیر مستطیع حضرات کا پورا ادب و احترام کرتے اور سر ہانے بٹھاتے اس لئے ان اصحاب کی دوسرے بھی بڑی عزت کرتے اور اپنے اس فعل کو روساء بلگرام کی خوشنودی کا باعث سمجھتے تھے۔ شرفاء بلگرام دیگر ذوات برادریوں کی شادی بیاہ کی دعوتوں میں شریک نہ ہوا کرتے تھے۔ البتہ ان میں جب ہم صحبت افراد زیادہ اصرار کرتے تو خصوصی تعلق رکھنے والے شرفاء محلہ ان کی دعوتوں میں چلے بھی جاتے جن کے واسطے مکان کے کسی گوشہ میں کھانا علیحدہ خصوصیت کے ساتھ صاحب خانہ کو انتظام کرنا پڑتا تھا۔

قاضی مصطفےٰ علی صاحب کی زندگی میں مندرجہ ذیل شرفاء و روساء اور چند دیگر صحبت یافتہ لوگ قصبہ بلگرام میں موجود تھے۔ جو باہمی اتحاد و اتفاق سے مل جلکر رہتے سہتے اور لطف کی زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ ان کے علاوہ اس وقت اور بھی بہت سے ہندو مسلم معزز صاحبان موجود تھے۔ جن کی صورتیں اور صحبتیں ضرور مجھے یاد ہیں لیکن افسوس ہے نام یاد نہیں رہے۔

محلہ سید انپور و قاضی پورہ :- میں سید ضیاء اللہ صاحب۔ سرغنہ قصبہ۔ مفتی وارث علی۔ مفتی امداد علی۔ پیرزادہ نظر احمد۔ شیخ قربان احمد وکیل۔ سید محمود الحسن۔ سید خورشید حسین۔ سید علی حسین۔ سید محمد احمد۔ سید حسن وکیل سید محمد یوسف۔ پیرزادہ تصدق حسین۔ مولوی محمد ابراہیم۔ سید محمد اسمٰعیل۔ سید اولاد علی۔ سید محمد احمد۔ سید مقبول حسین وصل۔ پیرزادہ کرم علی۔ مولوی علی حسین رئیس بلہری پور۔ مولوی نیاز حیدر۔ منشی محمد محمود۔ منشی حبیب الرحمٰن۔ پیرزادہ محمد صدیق ضیاء الدین۔ حکیم محمد عبدالرزاق۔ حکیم محمد عبدالرشید۔ مولوی محمد اسمٰعیل ولد محمد صلاح۔ شیخ مظہر حسین۔ بشیر الدین داروغہ مولوی ظہیر الدین۔ مولوی عبدالقدیر۔ مولوی رفیع الدین۔ ڈپٹی عزیز الدین۔ منشی ظہیر الدین۔ حافظ محمد منیر۔ محمد اسمٰعیل تحصیلدار۔ ڈاکٹر یعقوب علی۔ حکیم احسان علی۔ اعظم علی عرف جمی میاں۔ محمد تقی۔ محمد نقی۔ محمد شفیع۔ محمد زکی۔

پہاڑیوں میں شیخ کریم اللہ۔ شیخ ریاض الحسن۔ شیخ احمد حسن۔ شیخ کلو۔ شیخ ولی اللہ۔ شیخ عزیز اللہ۔ شیخ نظیر احمد شیخ کلن۔ شیخ قربان احمد اور ان لوگوں کے دوری عزیزوں میں شیخ رحمت اللہ۔ شیخ حبیب اللہ۔ شیخ امان اللہ۔ شیخ کلو دری ساز۔ شیخ گھورے۔ شیخ کلوٹے۔ شیخ نبی بخش عرف نبو تھے۔ اور غیر مسلمین میں طوطا رام۔ مرلی کلوار۔ ماسٹر ڈالچند۔ کاشی رام۔ شیو لعل۔ ماسٹر گلزاری لعل۔ لالہ جانکی پرشاد اور برسانے لالہ تمبولی تھے۔

سبزی فروشان میں شیخ انگنے۔ شیخ میرو۔ شیخ گھورے۔ شیخ عیدا۔ شیخ منا اور مولوی محمد بخش۔ مولوی رسول بخش۔ شیخ کلو شیخ امیر تھے۔ اور نور بافان میں شیخ عید۔ شیخ ہنگا۔ شیخ گھورے۔ شیخ راجے اور رجب علی کے باپ۔ خانصاحبان میں صاحب علی خاں۔ سدی خاں۔ حسن خاں۔ کالے خاں۔ لعل خاں۔ قاسم خاں۔ خان علی خاں محمد علی خاں۔ سنو خاں۔ ظہور خاں۔ وزیر علی خاں۔ امیر الدین خاں۔ نہنوں خاں۔ ماسٹر لٰسین خاں۔ یعقوب خاں۔ خیر الدین خاں۔ بدلے خاں۔ ظہور خاں۔ نقیرے خاں اور صفو خاں۔ دین محمد ٹھیکدار۔ احمد خاں لمبے اور شبیر علی خاں تھے۔

معماران میں شیخ امیر الدین۔ شیخ آبادی۔ شیخ سعادت اور درزیوں میں رکھو خلیفہ۔ رمضانی سُبا اور ننڈا خیاط تھے۔

سید واڑہ کٹرہ و کاسو پیٹ میں :-

سید وصی حیدر۔ سید محمد جواد۔ آپ کے جملہ برادران سید محمد عابد۔ سید زین العابدین۔ سید علی حسین

آف چاند پور تعلقداران۔ منو میاں۔ موسیٰ میاں۔ کالے میاں۔ سچے میاں۔ کلوٹے میاں۔ حمید میاں۔ سید وزیر حیدر۔ حکیم احمد حسن۔ حکیم ابوالقاسم۔ حکیم نقی میاں۔ ڈپٹی رضا حسین۔ ڈپٹی نظیر حسن۔ ڈپٹی وصی الحسن۔ ڈپٹی سید محمد عابد۔ سید ذوالفقار حیدر۔ سید ضامن علی۔ سید جاوید علی۔ سید مومن علی۔ چھوٹی میاں وغیرہ سادات و رؤسا بلگرام تھے۔ ان کے علاوہ شیخ ظہور احمد۔ شیخ فاروق احمد بھی محلہ کٹرہ کے رئیس تھے۔ مولانا سجاد حسین مجتہد العصر کی بڑی عزت تھی۔ بچی میاں اور کاظم حسین صاحب مرثیہ خوان مشہور تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی معزز اور صحبت یافتہ ہستیاں تھیں جن سے محلہ میں بڑی رونق تھی

محلہ ملکنٹھ و خورد پورہ میں

سید علی بہادر۔ میر امجد علی وکیل۔ سید تکبیر حسین وکیل۔ ڈپٹی سید دلاور علی۔ حکیم بندہ رضا۔ سید امیر احمد۔ شیخ پناہ علی۔ قاضی عبدالصمد۔ شیخ مدے میاں۔ پوتے شاہ بفضل الرحمٰن رحمت اللہ علیہ۔ سید تجمل حسین۔ شیخ علی حسین۔ حکیم نشی میاں۔ سید منا میاں۔ سید مقصود علی۔ سید خورشید حسین۔ محمد خاں۔ لالہ گوپی چرن۔ بابو بینی مادھو۔ بابو بنارسی داس وکیل۔ بابو بلدیو پرشاد وکیل۔ لالہ بندا پرشاد۔ بیں گیا پرشاد اگروال۔ بابو پراگ داس اگروال۔ بابو بینی مادھو اگروال۔ شیخ بنو چپراسی۔ شیخ غفور ٹھیکدار۔ شیخ منے جن کی چھٹی محرم کو مہندی اٹھا کرتی ہے۔ شیخ غلام عباس۔ شیخ عاشق علی۔ نیز شیخ حاتم علی۔ مولوی علی حسین اول مدرس ملکنٹھ اسکول۔ شیخ حیدر علی۔ شیخ عبدالکریم۔ شیخ عنایت اللہ حجام کے علاوہ بہت سے خوشبو فروش اور دلچسپ ہستیاں موجود تھیں۔ جو بلگرام کی رونق کا باعث سمجھی جاتی تھیں۔

محلہ کھترانہ و بازار میں:۔

لالہ بلاقی داس۔ لالہ منسا ناتھ۔ لالہ گلزاری لعل۔ لالہ سرجو پرشاد۔ بابو کالکا پرشاد۔ بابو بھیرون پرشاد وکیل لالہ مصری لعل۔ لالہ ہزاری لعل۔ لالہ کرپا رام۔ لالہ گھاسی رام۔ لالہ گردھاری لال۔ لالہ بھولا ناتھ۔ لالہ شمبو لعل۔ بابو شنکر لعل۔ بابو پیارے لعل مختار۔ بابو پرمیشوری دیال وکیل لالہ اجودھیا پرشاد بھاٹ، پنڈت شیو ناتھ اسٹامپ فروش۔ پنڈت سیتا رام وکیل۔ پنڈت گرور پرشاد وکیل۔ پنڈت رگھبر دیال وکیل۔ ڈپٹی کامتا پرشاد وغیرہ صاحبان قصبہ میں بڑے ذی عزت خلیق اور باوقار تھے۔

محلہ سلہڑہ و رفعت گنج میں:۔

پیرزادہ محمد زاہد صاحب قبلہ جن کا زہد و تقویٰ دور دور مشہور تھا۔ آپ کا اور پنج بھیون کا خاندان تمام سادات بلگرام میں حاکمان اودھ کے زمانہ میں مذہب اختیار نہ کرنے کے مراعات شاہی اور جاگیرداری سے ضرور محروم رہا لیکن اعلیٰ کردار کی وجہ سے ان دو خاندانوں کی قصبہ کے تمام سنی المذہب بڑی قدر کرتے تھے۔ سید محمد ہادی۔ سید آل احمد۔ حشن صاحب سید نواب میاں شیخ ظہیر الدین۔ شیخ مصاحب علی۔ شیخ عبدالصمد۔ شیخ ارشد بلگرامی تاریخ گو۔ حکیم معشوق علی۔ عید اخاں۔ لالہ بنواری لعل اور بہت سے کائستھ صاحبان رہتے تھے جن کا آبائی پیشہ پٹواری گیری تھا۔ محلہ رفعت گنج میں لالہ اجودھی پرشاد اور بہت سے پنڈت صاحبان ذی اقتدار اور تجارت پیشہ تھے۔ بلگرام میں ان خاص ہستیوں کے علاوہ انھیں کے اعزہ و اقربا نیز دیگر پیشہ ور لوگ بھی کثرت سے موجود تھے۔ جو بہ آرام کھاتے پیتے اور فارغ البالی سے زندگی بسر کرتے تھے۔ ان تمام حضرات کے نام لکھنے سے شرفا و رؤسا اور اس وقت کے شائستہ صاحبان کے محض نام گنانا مقصود نہیں ہے ان میں ایسی ایسی خوبیوں کے لوگ موجود تھے۔ جن کی تفصیلات کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ ان کا رہن سہن اداب و

اخلاق شستہ مذاق مہذب تفریحات باہمی خلوص نشست و برخاست اور ایک دوسرے کے عقائد کا احترام ہی وہ چیزیں تھیں جو بلگرامیوں کو گھر سے باہر نہ نکلنے دیتیں بلکہ وطن کی ہر مصیبت کو پردیس کی امیرانہ زندگی پر ترجیح دینے کا باعث ہوا کرتی تھیں۔

ان تمام صاحبان کی حسب دستور قدیم عادت تھی کہ وہ تنہا اپنے گھروں میں بیٹھ نہ سکتے تھے۔ وے اپنے اپنے محلہ کی مختلف نشستوں صحبتوں اور چوپالوں میں اپنے سن و مذاق کے مطابق لوگوں میں بیٹھا کرتے اور رات گئے تک اچھے اشغال اور بہتر ذکر و اذکار میں مصروف رہا کرتے تھے۔ ان صحبتوں کی تفریحات بھی مختلف ہوا کرتی تھیں۔ بزرگوں کی مجالس میں بزرگان دین کے قصّے۔ تصوف کے مسئلے بیان کئے جاتے۔ خدا رسول کا ذکر ہوتا۔ مولانا روم کی مثنوی پڑھی جاتی۔ مطالب بیان کئے جاتے اور بات میں بات پیدا کی جاتی تھی کسی جگہ قصّوں کہانیوں اور دلچسپ افسانوں کا زور رہتا رستم و سہراب اور افراسیاب سے لیکر طلسم ہوشربا اور فسانہ عجائب تک دہرائی جاتی۔ بعض جگہ عربی فارسی اردو ہندی کلام پیش کیا جاتا اور صدہا پرانے اور نئے شعرا کے ایک سے ایک بڑھکر اشعار آپس میں لوگ سناتے اور ان پر دیر تک تبصرہ فرماتے۔ بعض نشستوں میں تاریخی حالات بادشاہوں کے اذکار اور پٹھان کی تباہی کے اسباب بیان کئے جاتے اور ظفر شاہ تک پہونچ کر ٹھنڈی سانسیں بھری جاتیں۔ برسات کے زمانہ میں عوام رات کو ایک جگہ جمع ہو کر قصہ سدا برج سارنگا بڑے شوق سے سنتے اور دن میں کہیں کہیں الہ اودل کا منظوم قصہ ڈھولک پر مشہور بنڈت گاتے جس کو صدہا آدمی جمع ہو کر سنا کرتے۔ شیخ لنگنے سبزی فروش آلہ کے بڑے شوقین تھے۔ اور ہر سال کافی پیسہ خرچ کر کے اہتمام کے ساتھ اپنے محلہ میدانپورہ میں اس کا انتظام کرتے تھے۔ برسات میں بارہ ماسے ضرور گائے جاتے تھے بلگرامیوں کو موسیقی سے ہمیشہ فطری لگاؤ رہا ہے اس لئے بلالحاظ ذات پات سب ہی اس شوق میں برابر کے شریک تھے۔ کوئی قوالی پر جان دیتا کوئی دادرا ٹھمری اچھی الاپتا اور کوئی عام اردو فارسی کی غزلیں سنا کر مجمع کو مسحور کر لیتا۔ اس لئے قریب قریب ہر محلہ میں کسی نہ کسی جگہ رات کو ستار بجتا اور طبلہ ٹھنکتا رہتا تھا۔ جہاں یاران طریقت کا کافی مجمع رہتا۔ کہیں اندر سبھا و نوچندی کی تعلیم دیجاتی تو کسی جگہ طرح طرح کے باز مثلاً پتنگ۔ تیتر۔ بٹیر۔ طوطی۔ مرغ۔ کبوتر باز اور مختلف قسم کے شکاریوں کا مجمع لگتا جو اپنے اپنے شوق کی چیزوں کے افسانے بیان کرتے اور بال کی کھال نکالتے۔ تمام چوپالوں میں بانوں کی افراط اور حقوں کی بہتات رہتی تھی۔ سنا گیا ہے کہ سید وصی حیدر صاحب تعلقدار کی بیٹھک میں چاء کے دور بھی چلا کرتے تھے۔ اور روزانہ بیس سیر شکر خرچ ہوا کرتی تھی۔ ان لوگوں کی ایک یہ بھی خصوصیت تھی کہ وہ باتوں باتوں میں ایسی بات نکال لیا کرتے تھے جن پر زور زور کے قہقہے برابر لگتے رہتے تھے۔

ان میں ایک مخصوص صحبت افیونی حضرات کی الگ ہوا کرتی تھی۔ جہاں قصبہ بھر کے یہ نامور افیونی جمع ہوتے اور بالعموم لیلےٰ مجنوں کا قصّہ لیکر بیٹھتے تھے۔ مگر تمہید سے آگے کبھی نہ بڑھ پاتے تھے۔ کوئی صاحب قصہ کا آغاز تو بڑی کر و فر اور شان سے کرتے لیکن وہ ہی چار جملوں کے بعد آواز دھیمی ہوتے ہوتے سریلی ہو جاتی اور ذرا ہی دیر میں کہنے اور سننے والے سب شاید تصدیق حقیقت کے لئے لیلیٰ مجنوں کے پاس پہونچ جاتے اور لامتناہی وقفہ کے بعد جب چونکتے تو پھر ہاں یار۔ کہہ کر جہاں سے چاہتے قصہ چھیڑ دیتے اور پھر غائب ہو جاتے یہاں تک کہ رات کے بارہ بج جاتے اور سب اٹھ اٹھ کر گھر چلے جاتے۔

ان خاص نشستوں کے علاوہ عام ہندو مسلم پیشہ ور بھی رات کو اپنی اپنی ٹولیوں میں بیٹھا کرتے۔ گاتے بجاتے اور ہنسی مذاق سے دل خوش کیا کرتے تھے۔ کوئی بھی گھر میں تنہا بیٹھنا پسند نہ کرتا تھا۔ جدھر نکل جایئے آدھی رات تک قصبہ میں چہل پہل نظر آتی تھی۔

راقم الحروف نے ان لوگوں کو دیکھا ہے جو برسات کی موسلا دھار بارش اور کڑاکے کے جاڑے میں اپنی اپنی نشست گاہوں میں پہونچا کرتے تھے۔ بعض بعض کو تو چالیس چالیس یا پچاس پچاس سال گذر چکے تھے لیکن وہ اپنی مخصوص نشستوں سے کبھی

غیر حاضر نہ رہتے تھے۔ ان میں عزیزوں سے کہیں بڑھ کر خلوص تھا محبت تھی اور باہمی میل جول تھا جب ان میں سے کوئی بیمار ہو جاتا تو ساری صحبت مضمحل ہو جایا کرتی کسی پر کوئی مصیبت آن پڑتی تو سب گھبرا جاتے اور اگر ان میں سے کوئی مرجاتا تو برسوں یاد کر کرکے آنسوؤں کے دریا بہاتے اور پسماندگان کی جیسا موقع ہوتا عمر بھر خدمت و عظمت کرتے۔ میں اپنے والد کے انتقال کے وقت وسال کا بچہ تھا۔ مجھے اچھی طرح وہ ہستیاں یاد ہیں جو والد مرحوم کی زندگی میں تو میرے سلام کے جواب میں صرف دعا دیا کرتے تھے لیکن مرحوم کے مرنے کے بعد جب کبھی میں راستہ گلی انہیں پھنس جایا کرتا تھا تو وہ دوڑ کر مجھے گود میں اٹھا لیا کرتے میرا منہ بڑی شفقت سے چومتے ان کی داڑھی کے بال میرے بہت گڑتے لیکن وہ دیر تک مجھے نہ چھوڑتے اور اپنے دوست کو یاد کرکے اپنے آنسوؤں سے میرا گال تر کر دیا کرتے تھے۔ اس میں میری یا میرے باپ کی کچھ تخصیص نہ تھی سب ہی کا یہی حال تھا۔

اُس دور میں بزرگوں کی پُر خلوص محبت و شفقت اور چھوٹوں کا حقیقی ادب و احترام بچوں کی تربیت کا بہترین ذریعہ تھا۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ سید عبدالجلیل صاحب بلگرامی کی اعلیٰ التعلیم و ترقی کا یہی باعث ہوا۔ وطن میں آپ کا قصہ مشہور ہے کہ آپ کے والد محترم سید احمد صاحب کے انتقال کے بعد جلیل میاں ایک دن اپنا ستار بغل میں دبائے کہیں سے آ رہے تھے۔ راستہ میں ایک بزرگ سے جو آپ کے والد مرحوم کے گہرے دوست تھے مڈبھیڑ ہو گئی جلیل میاں نے مودبانہ سلام کیا وہ صاحب رک گئے اور آنکھوں میں آنسو بھر لائے جلیل میاں نے گھبرا کر سبب پوچھا تو فرمایا "بیٹا تم جس مجمع میں اپنا یہ فن دکھلاؤ گے لوگ تمہیں ڈھاڑی بچہ ہی سمجھیں گے۔ اور میرے دوست کا نام بد نام ہو گا۔" جلیل میاں کے دل کو یہ بات لگ گئی سیدھے گھر آئے ستار توڑ کر چولھے میں رکھا اور تحصیل علم کے لئے باہر نکل کھڑے ہوئے بالآخر ملک میں علامہ بے عدیل مولانا سید عبدالجلیل کے نام سے مشہور ہوئے۔

بلگرام کا ہندو مسلم اتحاد زمانہ قدیم سے ضرب المثل رہا ہے تمام مسلم شرفا کا ہندو معززین سے کافی میل جول تھا۔ آنا جانا شادی و غمی میں برابر شریک ہونا اور ایک دوسرے کے جذبات کا پورا احترام کرنا فریقین کے فرائض میں داخل تھا۔ بعض مسلمانوں کا بعض ہندوؤں سے خصوصی تعلق رہتا۔ ضرورت کے وقت مسلمان انھیں سے اندھیرے اوجالے قرض لیتے اور رفتہ رفتہ جب رقم زیادہ ہو جاتی تو پھر کسی موضع کا کچھ حصہ یا قصبہ کا کوئی کھیت بنام لالہ لکھ کر سبکدوش ہو جایا کرتے تھے۔

سید دھمی حیدر صاحب کی زندگی میں قصبہ کے تمام معزز ہندو اُن سے روزانہ ملنے جایا کرتے تھے۔ ان کے بعد یہ سلسلہ سید علی بہادر صاحب اور سید محمد جواد صاحب تعلقدار کے دم تک پابندی سے جاری رہا۔ مسلمان اہل ہنود کی پوری عزت کرتے اور ہنود مسلمانوں کو اپنا بھائی سمجھتے تھے۔ ہندوستان میں قصبہ بلگرام کی پہلی اور آخری مثال ہے جہاں کیٹ سے نہیں غرض سے نہیں۔ آنا رچڑھاؤ کی بنا پر نہیں بلکہ سچے پریم کے تحت ہندو مسلم میں زمانہ قدیم سے بے لاگ میل جول چلا آ رہا ہے جہاں ہندو محرم کریں سبیلیں رکھیں مرثیہ پڑھیں تعزیوں پر سینیاں چڑھائیں۔ اور رام لیلا کا لائف پریسیڈنٹ مسلمان کو بنائیں۔

۱۹۱۰ء کے وسط نومبر میں اسی رام لیلا کا میلہ بلگرام میں شروع ہوا۔ راون پھکنے کے بعد کچھ سامان خریدنے قاضی مصطفےٰ علی صاحب میلہ گئے وہیں سے نزلہ و زکام ساتھ لائے۔ جس نے بڑھ کر نمونیہ کی جلد شکل اختیار کر لی۔ یونانی علاج برابر ہوتا رہا۔ جب کوئی فائدہ نظر نہ آیا تو مولوی عبدالقدیر صاحب قاضی صاحب کو اپنے گھر اٹھا لے گئے اور وہیں ڈاکٹری علاج شروع کیا۔ مرض میں افاقہ ہوا اور آپ بلا تکلف اعزا و احباب سے ہنس ہنس کر بات چیت کرنے لگے۔ گویا خطرہ سے دور ہو گئے۔ دو چار دن بعد یکایک دوپہر کو طبیعت پھر خراب ہوئی اور خراب ہوتی ہی چلی گئی۔ جمعرات کے دن سہ پہر سے حالت تشویشناک ہوئی اور ۲۴ نومبر ۱۹۱۰ء کو

شب جمعہ ٹھیک بارہ بجے رات بعمر ۷۰ سال مولوی عبدالقدیر صاحب کے مردانے کمرہ میں جانب شمال انتقال فرمایا انا للہ الخ
پسماندگان میں آپ نے اپنی بیوہ مسماۃ منظور فاطمہ پانچ بیٹے۔ محمد یوسف علی۔ محمد اعظم علی۔ شریف الحسن۔ انوار احمد۔ رؤف احمد۔ چار لڑکیاں انوار فاطمہ مختار فاطمہ محمود فاطمہ۔ کلثوم فاطمہ اور ایک اپنی عمر بھر کا ساتھی رفیق نوکر بدھو کو چھوڑا۔
صبح ہوتے ہوتے آپ کی وفات کی خبر سارے قصبہ میں پھیل گئی اور لوگ جوق درجوق گھر پر جمع ہونے لگے۔ تمام مساجد میں اعلان کرادیا گیا کہ نماز جنازہ دائرہ کی مسجد کے میدان میں بعد نماز جمعہ ۲½ بجے دن ہوگی آپکی نیکی، خلق۔ عاجزی۔ اور ہمدردی کے اثرات انسانوں کے روپ میں بلاتفریق مذہب وملت بعد نماز جمعہ چہار طرف سے سمٹ سمٹ کر مسجد کے وسیع میدان میں جمع ہونے لگے۔ نماز جنازہ کے بعد جنازہ شیخ الدیار کی مسجد میں لایا گیا اور آپ کو متصل مسجد مقابر کی دوسری صف میں جانب شمال لب سڑک پہلی قبر میں تقریباً ۳½ بجے دن دفن کیا گیا۔ وثوق کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ آپ کے بعد قصبہ بلگرام میں کسی جنازہ کے ساتھ اب تک اتنا کثیر مجمع نہیں دیکھا گیا۔
انتقال کے وقت مرحوم کے دو بڑے لڑکے محمد یوسف علی اور اعظم علی الہ آباد میں زیر تعلیم تھے۔ دو بچے بہت ہی چھوٹے تھے بس سارے بچوں میں ایک میں ۹ سالہ بچہ تھا جو اس تاریخی مجمع میں پیچھے پیچھے روتا ہوا ساتھ تھا۔ آج بھی یاد کرکے روتا ہوں فرق اتنا ہے کہ اس وقت سمجھانے والے۔ چھاتی سے لگانے والے اور دلاسا دینے والے ہمراہ تھے آج صرف مرحوم کی دعائیں ساتھ ہیں۔ آپ کی تاریخ وفات ارشد بلگرامی نے لکھی جو باوجود تلاش دستیاب نہ ہو سکی۔
آخر ۱۹۱۰ء میں آپ نے انتقال کیا۔ ۱۹۱۱ء میں تقسیم بنگال منسوخ ہوا اور سیاسی بیداری کو ہندوستان میں سب سے پہلی کامیابی نصیب ہوئی۔ وقت بدلنا شروع ہوا۔ ۱۹۱۲ء میں انڈین نیشنل کانگریس نے سالانہ اجلاس میں اپنے مطالبات کو نئے عنوان سے پیش کیا۔ ۱۹۱۳ء میں مچھلی بازار کانپور کی مسجد بحکم سرکار شہید کی گئی۔ مسلمانوں میں حکومت کی طرف سے غم وغصہ اور منافرت کی ایک عام لہر چہار طرف پھیل گئی۔ اگست ۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم کا اعلان ہوا تو زمیندار اخبار لاہور نے موٹی سرخیوں کیساتھ لکھا۔

"سنا ہے یورپ میں خون شہیدوں کا رنگ لایا ہے جنگ ہوکر"

تاریخ اپنے اوراق ہمیشہ دہراتی ہے اور دیر سویر سدا دہراتی ہی رہے گی۔ جب وقت آتا ہے۔ تو قدرت کی طرف سے کچھ ایسے حالات واسباب پیدا ہو جاتے ہیں کہ بیک گردش چرخ نیلوفری۔ کایا پلٹ جاتی ہے اور جو بات کبھی تصور میں بھی نہ آتی تھی وہ روز روشن کیطرح آنکھوں کے سامنے آجایا کرتی ہے۔

جس طرح آفتاب نصف النہار پر پہونچ کر غیر محسوس انداز میں زوال پذیر ہوکر مغرب کی جانب جھکنے لگتا ہے۔ بالکل اسی طرح تقریباً ۹ سو برس کے مسلسل اقتدار کے بعد اسلامی سلطنت کا زوال شہنشاہ اورنگ زیب کے عہد سے آہستہ آہستہ شروع ہوا اور اپنے ساتھ ملک کے دیگر مسلم فرمانرواؤں حکمرانوں اور برسراقتدار جماعتوں کو فطری طور پر اسی منزل کی طرف لےچلا جس طرف وہ خود جا رہا تھا۔ اسی زمانہ سے اہل بلگرام کے معزز مسلم شرفاء کا طبقہ بھی رفتہ رفتہ گرنا شروع ہوا اور انگریزوں کی ابتدائی فتوحات کے بعد سے انھیں بھی اپنے انحطاط کا ہلکا ہلکا احساس ہونے لگا جو اودھ کی حکومت کے زوال کے بعد حقیقت بن کر سامنے آگیا۔ اور روز بروز تواریخ شاہد ہیں گرتا ہی گیا۔ گو اقتدار اپنی آخری منزلوں پر پہونچ کر دم توڑ رہا تھا۔ پھر بھی باہمی اتحاد و اتفاق پرانی تہذیب وتمدن کے اقدار اور شرفاء کے پاس کافی علاقہ جات ہونے کی وجہ سے ۱۹۱۰ء تک قصبہ میں مسلم شرفاء بلگرام کے برسراقتدار طبقہ کے کسی فرد سے نہ کوئی آنکھ ملا سکتا تھا اور نہ عوام میں سے کوئی راہ سے بے راہ چلنے کی جرأت کر سکتا تھا۔

بالآخر بلگرام کے مسلم شرفا کا وہ اقتدار جو قاضی محمد یوسف مجاز رومی حاکم بلگرام کے وقت یعنی ۶۱۴؁ ہجری سے شروع ہوا تھا۔ وہ مسلسل پورے ۹ سو برس برقرار رہ کر دور ماضی کی روایات تیزی سے بننا شروع ہو گیا۔ چونکہ اس دور کی کچھ رمق ۱۹۱۰؁ء یعنی قاضی مصطفٰے علی صاحب کے انتقال کے وقت تک موجود تھی۔ اس وجہ سے آپ کے حالات کے تحت اس دور کا کچھ آخری حال اور اس وقت کے چند لوگوں کا احوال ذرا تفصیل کے ساتھ بطور یادگار لکھ دیا گیا ہے۔

قصبہ بلگرام کے قدیم اور نجیب الطرفین شرفا مندرجہ ذیل معزز خاندانوں کے افراد ہیں جو باعتبار برادری ایک ہیں اور آپس میں ہمیشہ سے مساویانہ حقوق رکھتے ہیں۔ ہر خاندان کے افراد بالعموم اپنے ہی خاندان میں شادی بیاہ کرتے ہیں۔ ان خاندانوں میں اگر ایک خاندان کا کوئی فرد دوسرے خاندان میں قرابت کر لیتا ہے تو اس کی اولاد بھی نجابت و شرافت میں برابر کی ہوتی ہے اور اپنے باپ کی مناسبت سے اسی خاندان میں شمار کی جاتی ہے جس خاندان سے اس کے باپ کا تعلق ہوا کرتا ہے اسی رواج کے تحت شیوخ فرشوری محمد نقی اور شیوخ عثمانی کی قرابتیں اکثر سادات بلگرام کے مستند خاندانوں سے ہوتی رہی ہیں۔

مندرجہ ذیل خاندانوں میں افسوس ہے بعض خاندان مفقود ہو چکے ہیں اور بعض کے افراد باہر چلے گئے ہیں۔

محلہ سُلہڑہ۔ خاندان سید عبدالواحد صاحب۔ خاندان سید قدرت علی صاحب۔ خاندان سید عترت حسین صاحب۔

محلہ ملکنٹھ۔ خاندان سادات رضویہ سید سعدالدین محمد صاحب۔ خاندان سادات نقوی بخاری۔ خاندان شیوخ۔ خاندان شیوخ صدیقی خطیب۔ خاندان مولوی پیر بخش صدیقی۔ خاندان رضویہ قصبہ زید پور۔

محلہ خورد پورہ۔ خاندان میر بہادر علی سادات رضویہ۔ خاندان دیوان حاتم علی شیوخ صدیقی۔

محلہ سیّدواڑہ۔ خاندان سادات صغراوی۔ خاندان سید محمد سعید۔ خاندان سید مہدی علی دکھنی۔ خاندان سیّد فدا حسین نقوی بخاری۔ خاندان سیّد عابد حسین نقوی راہوی۔ خاندان شاہ اڈھن شیخ الاسلام بلگرام عثمانی بوشہری۔

محلہ میدانپورہ و قاضی پورہ۔ خاندان سید ابن حسن خاں ملقب بہ تیج بھیا۔ خاندان میر محمد کاظم صاحب ملقب بہ بہتہ۔ خاندان سعدی میاں پیرزادہ۔ خاندان سادات زیدی ملقب بہ ڈھبہا۔ خاندان شیوخ عثمانی۔ خاندان شیوخ فرشوری صدیقی۔ خاندان غلام عباس عثمانی۔ خاندان ملاصاحبان شیوخ صدیقی۔ خاندان میر محمد صاحب تحصیلدار۔ خاندان میر علی خاندان مفتی وارث علی صاحب۔ **نوٹ** ۔ (۱) سادات رضویہ و زیدیہ بلگرام کا تفصیلی حال "شجرۂ ذکیہ" مرتبہ و شائع کردہ عزیزم سید خلیل رضوی بلگرامی ایم اے ایگزیکیوٹو آفیسر لاہور کینٹ مطبوعہ مدینہ پرنٹنگ پریس گنپت روڈ لاہور جون ۱۹۵۶؁ء میں مکمل موجود ہے (۲) نسب و حالات سادات زیدی الواسطی بلگرامی "روضۃ الکرام" مرقومہ ۱۹۴۰؁ء مولفہ معظمی سید وصی الحسن صاحب بلگرامی ڈپٹی کلکٹر میں نہایت تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔ یہ کتاب نظامی پریس لکھنؤ میں چھپی ہے۔ (۳) شیوخ فرشوری صدیقی اور شیوخ عثمانی بلگرامی کے تفصیلی حالات قلمی کتاب "شرائف عثمانی" مولفہ مولانا غلام حسین فرشوری صدیقی بلگرامی میں موجود ہیں (۴) خاندان شیخ امجد علی و شیوخ ساکنان محلہ کٹرہ کے تفصیلی حالات کتاب موسومہ "یاد رفتگان" مرتبہ مخدومی مولوی سلطان احمد صاحب بلگرامی بار ایٹ لا مطبوعہ نیشنل پرنٹرس علی گڑھ ۱۹۵۶؁ء میں بڑی خوبی صفائی اور وسیع النظری سے لکھے گئے ہیں جو ترقی کی تڑپ رکھنے والی تمام نسلوں کو صحیح نقش قدم دکھلاتے ہیں۔ (۵) قلمی مسودہ تاریخ بلگرام مرتبہ محترمی خان بہادر سید علی بہادر صاحب رضوی بلگرامی جو قصبہ بلگرام کے تمام معزز ہندو مسلم خاندانوں کی سب سے پہلی مکمل و مفصل تاریخ ہے اس کا کافی حصہ مجھے بذریعہ سید ستار حسین صاحب رضوی خلف الرشید جناب حکیم منشی میاں صاحب رضوی مرحوم ساکن محلہ ملکنٹھ سے دستیاب ہوا ہے جس کا تفصیلی ذکر آئندہ آئیگا۔

بلگرام کی کچھ تاریخی یادداشتیں

نقل کتبہ قبر بر سنگ مرمر چراغداں بمقام چھپرا ۔ مرقد علامہ زمانہ اورع یگانہ جناب مولانا شیخ جمیل احمد بن مولوی محمد اسلم بن مولوی غلام حسین ثمین بلگرامی ملک اودھ کہ در بلگرام قدم بعرصۂ شہود گذاشت وکسب کمالات علمیہ از والد بزرگوار از برادر نسبتی خویش مولانا اوحدالدین عثمانی بلگرامی صاحب نفائس اللغات و دیگر علمای عصر کردہ علم تفرد در علوم عربیہ برافراخت و انقلاب سلطنت لکھنؤ ورنیچ انشریف اوردہ مدت ہیجدہ سال بمدرسہ سرکار مدرس اول عربی وباعث اعزاز مدرسہ ماند و نوزدہم ماہ رجب سنہ ۱۲۹۴ ہجری بعمر پنجاہ و نہ سال بخاک آرمید۔ (بصد شکریہ ڈاکٹر سید محمد محمود صاحب وزیر امور خارجہ حکومت جمہوریہ ہند)

(۱) پیدائش قاضی شریف احمد سنہ ۱۸۲۲ء مطابق سنہ ۱۲۳۸ ہجری (۲) سنہ ۱۸۳۵ء میں اردو کارواج سرکاری دفاتر میں ہوا۔ (۳) ۸؍جولائی سنہ ۱۸۵۹ء کو بلگرام میں محکمہ رجسٹری قائم ہوا۔ (۴) ۲۹؍شعبان سنہ ۱۲۷۹ ہجری مطابق سنہ ۱۸۶۲ء پیدائش قاضی مصطفےٰ علی (۵) انتقال قاضی شریف احمد آخر نومبر سنہ ۱۸۶۸ء (۶) انتقال پیرزادہ کرم علی شاہ صاحب ۱۱؍ستمبر سنہ ۱۸۷۱ء (۷) انتقال حکیم ابوالمعالی صاحب سنہ ۱۲۷۶ ہجری (۸) سنہ ۱۸۷۵ء میں میدان پورہ محلہ کا سامان تعزیہ داری چوری ہوا اور مل گیا۔ (۹) سنہ ۱۸۷۷ء میں عظیم قحط پڑا۔ ۴ سیر کے گیہوں بکے ۱۱ کروڑ روپیہ سرکار نے خرچ کیا۔ ۵۳ لاکھ آدمی بھوکوں مرے اس موقع پر بلگرام میں لڑکے لڑکیاں بکثرت فروخت ہوئے جن کی اولاد میں کچھ لوگ آج بھی بلگرام میں مرفہ الحال موجود ہیں (۱۰) سنہ ۱۸۸۰ء میں چودھری محمد اشرف تعلقدار مجسٹریٹ مقرر ہوئے۔ (۱۱) سنہ ۱۸۸۲ء میں عدالت منصفی قصبہ بلگرام میں قائم ہو کر محلہ خورد پورہ کی مشہور عمارت چوپھٹکے میں کچہری ہونے لگی۔ سب سے پہلے منصف بشیشر ناتھ مقرر ہو کر آئے۔ فوجداری کے مقدمات بدستور چودہری محمد اشرف تعلقدار کرتے رہے۔ کمال الدین صاحب ساکن محلہ قاضی پورہ اور منشی راج بہادر مشہور وکیل تھے۔ (۱۲) ۴؍نومبر سنہ ۱۸۸۰ء میں سید امیر احمد بن حکیم سید بندہ رضا پیدا ہوئے (۱۳) سنہ ۱۸۸۱ء میں پہلی مرتبہ ہندوستان میں مردم شماری ہوئی۔ (۱۴) سنہ ۱۸۸۴ء میں سید غلام حسنین قدر بلگرامی نے انتقال کیا۔ (۱۵) ۲۷؍دسمبر سنہ ۱۸۸۴ء کو قاضی مصطفےٰ علی کی مسماۃ منظور فاطمہ کے ساتھ شادی ہوئی۔ (۱۶) سنہ ۱۸۸۵ء میں حکیم عبدالرزاق بن حکیم یعقوب علی کی بمقام فرخ آباد شادی ہوئی (۱۷) سنہ ۱۸۸۸ء میں انتقال مولوی حافظ عبداللہ شاہ صاحب (۱۸) شادی کلو میاں عرف اچھے بن سید وصی حیدر تعلقدار ۶؍مئی سنہ ۱۸۸۹ء (۱۹) وفات سید صفیر بلگرامی بمقام کواتھ سنہ ۱۳۰۷ ہجری (۲۰) انتقال حکیم احسان علی ۵؍ذالحجہ سنہ ۱۳۰۸ ہجری (۲۱) پیدائش قاضی محمد یوسف علی ۸؍ذالحجہ سنہ ۱۳۰۸ ہجری (۲۲) سنہ ۱۸۹۱ء میں قاضی عبدالوالی قائم مقام رجسٹرار علیحدہ ہوئے اور بلگرام میں سرکاری محکمہ رجسٹری قائم ہوا۔ (۲۳) یکم ربیع الاول سنہ ۱۳۱۱ ہجری کو محلہ سلہٹو میں تاریخی آگ لگی (۲۴) ۵؍جولائی سنہ ۱۸۹۴ء کو قاضی محمد اعظم علی عرف منو میاں پیدا ہوئے (۲۵) ۸؍اکتوبر سنہ ۱۸۹۶ء کو حکیم یعقوب علی نے انتقال کیا (۲۶) سنہ ۱۸۹۶ء میں قاضی مصطفےٰ علی نے اپنی کل ریاست بالعوض دین مہر بحق اپنی زوجہ مسماۃ منظور فاطمہ ہبہ کردی (۲۷) سنہ ۱۸۹۷ء میں عظیم قحط پڑا۔ (۲۸) انتقال میر حسین علی صاحب ۳؍ستمبر سنہ ۱۸۹۷ء (۲۹) وفات پیرزادہ میر ولایت علی شاہ صاحب ۱۳؍جنوری سنہ ۱۸۹۹ء (۳۰) ۲۷؍جنوری سنہ ۱۸۹۹ء اہلیہ پیرزادہ کرم میاں نے اہلیہ سید بشیر الدین پیرزادہ مسماۃ محمدی بیگم عرف مکھن بی بی کے نام کل جائداد ہبہ کی (۳۱) ۸؍جولائی سنہ ۱۸۹۸ء کو چودہری محمد اشرف تعلقدار نے انتقال کیا۔ (۳۲) ۷؍اکتوبر سنہ ۱۹۰۱ء مطابق ۱۷؍ذوالحجہ سنہ ۱۳۱۹ ہجری قاضی شریف الحسن عرف ننھوں میاں پیدا ہوئے۔ (۳۳) انتقال میر سرفراز علی پیرزادہ (۳۴) انتقال سید وصی حیدر تعلقدار ۶؍فروری سنہ ۱۹۰۳ء (۳۴) انتقال قاضی عبدالوالی ۵؍اپریل سنہ ۱۹۰۳ء (۳۵) شادی مولوی عبداللہ بمقام قنوج سہراپریل سنہ ۱۹۰۳ء (۳۶) انتقال

حاجی وارث علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ ۷؍اپریل ۱۹۰۵ء (۳۷) ۱۸۷۷ء خورد پورہ میں ایک آتش باز کے گھر میں شبرات سے دو دن پہلے آگ لگی جس میں ۳ مرد ۲ عورتیں اور ۲ لڑکے جل کر مر گئے (۳۸) ۱۸۷۵ء میں ڈاکخانہ بلگرام میں بتو بھٹ کے گھر میں قائم ہوا۔ پھر متصل اوپر کوٹ منتقل ہو کر آیا وہاں سے بابو بلاقی داس کے مکان میں اور اب بابو بھیروں پرشاد کے مکان میں قائم ہے (۳۹) ۱۸۹۳ء میں سید ذوالفقار حیدر ساکن محمد سید واڑہ کے گھر میں آگ لگی جو محلہ کھترانہ میں پنڈت گرور پرشاد کے گھر تک مسلسل جلاتی ہوئی پہونچی۔ تین دن تک نہ بجھی اسی طرح محلہ ملکنٹھ میں مدے میاں کے گھر میں آگ لگی جس سے بہت نقصان ہوا مدے میاں کی پختہ حویلی بابو بنارسی داس وکیل نے خریدی۔ جس میں اب بابو اودھ کشور وکیل رہتے ہیں (۴۰) ۱۴؍اگست ۱۸۹۲ء کو قاضی عبدالوالی صاحب نے مصطفےٰ علی صاحب کی آبائی جائداد معہ عہدۂ قضا واپس فرمائی۔ کچھ عرصہ بعد قاضی مصطفےٰ علی کو گورنر یو۔پی کی طرف سے سند عہدۂ قضا پرگنہ بلگرام عطا ہوئی۔ (۴۱) ۲۵؍اکتوبر ۱۹۰۰ء کو قاضی مصطفےٰ علی صاحب نے اوپر کوٹ کی پوری بالائی اراضی نمبری ۷۸۶ جو زمانہ قدیم سے قضاۃ بلگرام کی ملکیت تھی بحق سید وصی حیدر تعلقدار بیع کی۔ (۴۲) انتقال حکیم عبدالرزاق ۱۰؍اکتوبر ۱۹۰۰ء (۴۳) ۸؍جون ۱۹۰۵ء کو سچے میاں رئیس نے خودکشی کی (۴۴) ۸؍نومبر ۱۹۰۰ء کو بلگرام میں اہل تشیع کی انجمن حیدریہ قائم ہوئی اور ۱۹۱۰ء میں سنی مسلمانوں کی انجمن اسلامیہ قائم ہوئی (۴۵) ۱۵؍نومبر ۱۹۰۹ء کو مادھو گنج براہ بلگرام تا سانڈی ریل نکلی ۱۶؍اکتوبر ۱۹۲۵ء کو سید جعفر حسین بن سید رضا حسین ڈپٹی کلکٹر کی ذاتی کوشش سے اسٹیشن بلگرام پر پلیٹ فارم اور زنانہ مسافر خانہ بنا اور دوسری جنگ عظیم کے دوران ۱۹۴۱ء بلگرام مادھو گنج ریلوے لائن ٹوٹ گئی پہلے بلگرام سے اونٹ گاڑی بشکرم اور یکے صبح و شام ہردوئی جایا کرتے تھے۔ اونٹ گاڑی کا کرایہ ۳؍ یکہ ۱؍ اور شکرم فی سواری ۸؍ تھا۔ (۴۶) پیدائش قاضی انوار احمد عرف چھنو میاں ۲۴؍ستمبر ۱۹۰۸ء مطابق ۱۳۲۶ ہجری (۴۷) پیدائش قاضی رؤف احمد عرف دجن میاں ۷؍اگست ۱۹۰۹ء (۴۸) ۱۵؍مئی ۱۹۱۱ء خان بہادر علی بہادر صاحب آنریری مجسٹریٹ ہوئے۔ (۴۹) قاضی عزیز الدین عرف اچھو میاں ۱۵؍اگست ۱۹۱۱ء کو ڈپٹی کلکٹر ہوئے (۵۰) یکم نومبر ۱۹۱۱ء کو مولوی محمد حسن شوہر سیدہ بی بی بنت منشی قربان احمد وکیل نے انتقال کیا۔ (۵۱) ۳؍نومبر ۱۹۱۱ء کو سید رضا حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر نے انتقال کیا۔ (۵۲) ۲۳؍و ۲۴؍نومبر کی درمیانی شب شب جمعہ کو ٹھیک ۱۲ بجے رات قاضی مصطفےٰ علی صاحب نے انتقال کیا۔ (۵۳) ۲۳؍مئی ۱۹۱۱ء کو شمس العلما سید علی بلگرامی نے ہردوئی میں انتقال کیا۔ اور بلگرام کے بڑے امام باڑہ میں دفن ہوئے۔ آپ کی تعزیت میں علاوہ دیگر حکام کے سر جیمس مسٹن گورنر یو۔پی ۴؍جنوری ۱۹۱۵ء کو بلگرام آئے اور سید صاحب کے مزار پر پھول چڑھا کر دیر تک اظہار افسوس کرتے رہے۔ (۵۴) ۲۷؍جون ۱۹۱۱ء کو سید مہدی حیدر تعلقدار کی شادی ہوئی۔ (۵۵) ۹؍ستمبر ۱۹۱۱ء کو بشیر احمد بلگرامی خیرآبادی نے انتقال کیا (۵۷) ۱۸؍فروری ۱۹۱۲ء قاضی محمد یوسف علی صاحب کو عہدۂ قضا پرگنہ بلگرام کا پروانہ گورنر یو۔پی سے عطا ہوا۔ (۵۸) ۱۸؍ستمبر ۱۹۱۲ء کو مولوی رفیع الدین بن مولوی عبدالوالی کا عقد کنیز فاطمہ بنت چودھری براتی سے بمقام سندیلہ ہوا۔ (۵۹) بوجان بی بی اہلیہ منشی قربان احمد صاحب وکیل نے یکم محرم الحرام ۱۳۳۱ ہجری کو سفید تعزیہ کا نیا سامان چڑھایا (۶۰) ۱۲؍فروری ۱۹۱۴ء کو سید عزیز احمد بلگرامی مقیم خیرآباد سے مختار فاطمہ بنت قاضی مصطفےٰ علی کے ساتھ شادی ہوئی۔ (۶۱) ۸؍اگست ۱۹۱۵ء کو طوفانی بارش میں منجملہ بہت سے مکانات کے سید محمد عسکری مرحوم کا عالیشان محل متصل اوپر کوٹ جانب شرق گرا۔ (۶۲) سید خورشید حسین رئیس میدان پورہ نے ۱۷؍ستمبر ۱۹۱۵ء کو انتقال کیا (۶۳) انتقال سید حسن وکیل ساکن میدانپورہ ۲۷؍ربیع الاول ۱۳۳۵ ہجری (۶۴) اسد لو میاں بن سید محمد احمد صاحب نے عین عالم شباب میں ۱۸؍اپریل ۱۹۱۹ء کو انتقال کیا۔ جن کی ناوقت موت سے دو خاندانوں کا چراغ گل ہو گیا (۶۵) انتقال منشی قربان احمد وکیل ۱۲؍جنوری ۱۹۱۷ء آپ کے سویم میں ۲۲ قرآن ختم ہوئے۔ (۶۶) ۲۸؍نومبر ۱۹۱۹ء کو اہلیہ حکیم یعقوب علی نے انتقال کیا۔ (۶۷) شادی کبریٰ بیگم بنت مولوی رفیع الدین صغیر احمد سندیلوی کے ساتھ ہوئی ۳؍نومبر ۱۹۱۹ء (۶۸) انتقال

مفتی وارث علی ۲۰ر دسمبر ۱۹۱۹ء (۶۹) ۲۲ر دسمبر ۱۹۲۰ء کو سید فخر الحسن صاحب ساکن محلہ میدانپورہ نے انتقال کیا۔ (۷۰) سید مدنی میاں سلمہ ساکن میدان پورہ نے ایام طفولیت میں ۷ر جنوری ۱۹۲۱ء کو انتقال کیا۔ (۷۱) انتقال اہلیہ مولوی عبد القدیر بمقام میڈیکل کالج لکھنؤ ۱۸ر جون ۱۹۲۱ء لاش بلگرام لائی گئی۔ (۷۲) یکم اپریل ۱۹۲۱ء کو مسماۃ منظور فاطمہ بیوہ قاضی مصطفےٰ علی نے اپنی کل جائداد بحق پسران وقف علی الاولاد کردی۔ (۷۳) ۴ر جمادی الآخر ۱۳۴۱ھ ہجری پیرزادہ محمد زاہد صاحب قبلہ نے وصال فرمایا۔ (۷۴) ۱۰ر محرم الحرام ۱۳۳۹ھ ہجری کو تعزیہ نہ نکل سکنے کی وجہ سے محلہ خورد پورہ میں دلاری طوائف کا مکان بحق انجمن اسلامیہ خرید کر منہدم کیا گیا (۷۵) ۱۹ر ستمبر ۱۹۲۳ء کو بیوہ قاضی عبد الوالی صاحب نے انتقال کیا۔ (۷۶) ۹ر فروری ۱۹۲۴ء کو سید علی حسن عرف لسبو میاں صاحب ساکن میدانپورہ نے انتقال کیا۔ (۷۷) سید آل محمد صاحب ساکن محلہ سلہڑہ کی ۷ر فروری ۱۹۲۴ء کو شادی ہوئی (۷۸) پیرزادہ تصدق حسین ساکن میدانپورہ نے ۱۹۱۴ء میں انتقال کیا اور عطا میاں کی مسجد میں دفن کئے گئے۔ (۷۹) انتقال نواب میاں صاحب رئیس محلہ سلہڑہ ۷ر ستمبر ۱۹۲۴ء (۸۰) انتقال منجھلے میاں برادر سید محمد جواد تعلقدار ۱۸ر فروری ۱۹۲۵ء (۸۱) انتقال مولوی رفیع الدین بمقام سندیلہ ہوئے ۹ر اپریل ۱۹۲۵ء (۸۲) حکیم سید بندہ رضا کا انتقال ۲۶ر جون ۱۹۲۵ء (۸۳) بابو بلدیو پرشاد اگروال وکیل آنریری مجسٹریٹ ۱۹۲۵ء میں مقرر ہوئے (۸۵) انتقال سید میاں صاحب پسر حکیم نقی میاں مرحوم یکم جون ۱۹۲۴ء (۸۶) پیدائش سید محمد محسن ولد سید محمد جواد تعلقدار ۲ر دسمبر ۱۹۲۵ء (۸۷) انتقال سید ذو الفقار حیدر ۱۱ر دسمبر ۱۹۲۵ء (۸۸) شادی کنیزہ بیگم بنت سید محمد عابد تعلقدار ۳ر مارچ ۱۹۲۶ء (۸۹) شادی سید سردار علی وکیل خلف الرشید سید لاور علی ڈپٹی کلکٹر ۲۶ر فروری ۱۹۲۶ء آپ کا عقد ثانی ۱۹۵۸ء میں ہوا۔ (۹۰) انتقال منشی ظہور احمد ساکن کٹرہ ۱۰ر اپریل ۱۹۲۶ء (۹۱) انتقال خان بہادر میر امجد علی ۱۷ر اکتوبر ۱۹۲۶ء (۹۲) مولانا شوکت علی بہ سلسلہ الیکشن بلگرام تشریف لائے ۸ر نومبر ۱۹۲۶ء (۹۳) قاضی شریف الحسن عرف ننہوں میاں گورنمنٹ ڈسٹرکٹ گزٹ علی گڑھ کے ایڈیٹر و منیجر مقرر ہوئے ۴ر ستمبر ۱۹۲۶ء (۹۴) انتقال کالے خاں پسر حسن خاں ۴ر فروری ۱۹۲۷ء (۹۵) انتقال حکیم ابو القاسم ساکن سید واڑہ ۱۵ر مارچ ۱۹۲۷ء (۹۶) انتقال سید علی حسن تعلقدار چاندپورہ ۱۸ر مارچ ۱۹۲۷ء (۹۷) انتقال بابو کامتا پرشاد پنشنر ڈپٹی کلکٹر ۱۳ر جولائی ۱۹۲۷ء (۹۸) انتقال خان بہادر سید علی بہادر مؤلف تاریخ بلگرام و آنریری مجسٹریٹ ۴ر اپریل ۱۹۲۷ء (۹۹) انتقال منشی اولاد حسین ساکن محلہ کٹرہ ۱۹ر اگست ۱۹۲۸ء (۱۰۰) سید محمد عابد تعلقدار نے ۲۸ر صفر ۱۳۴۸ھ ہجری کو انتقال کیا (۱۰۱) انتقال مولوی سید محمد ہادی ساکن سلہڑہ ۵ر ستمبر ۱۹۲۹ء آپ کے صاحبزادہ کلو میاں نے ۱۹۵۳ء میں انتقال کیا (۱۰۲) یکم جنوری ۱۹۳۰ء کو قاضی شریف الحسن عرف ننہوں کا عقد بریلی میں ہوا۔ (۱۰۳) مولوی عبد القدیر کا ۸ر مارچ ۱۹۳۰ء کو بھرت پور میں گردہ کا اپریشن ہوا اسی میں انتقال کیا۔ لاش بذریعہ موٹر بلگرام لائی گئی (۱۰۴) سید وصی احمد ولد سید ظہور احمد ساکن محلہ میدانپورہ جو بمبئی میں بڑے طبیب مشہور تھے۔ بمبئی میں ۱۳ر مئی ۱۹۳۰ء کو انتقال کیا۔ (۱۰۵) ۲۹ر اگست ۱۹۳۰ء کو حکیم عبد الرشید نے اپنی جائداد بحق رابعہ بیگم وقف کی۔ (۱۰۶) حکیم عبد الرشید بنام عبد الغفور کی جائداد کا باہمی فیصلہ بذریعہ بابو بلدیو پرشاد عدالت منصفی بلگرام میں ۲۰ر مئی ۱۹۲۷ء میں داخل ہوا۔ (۱۰۷) الطاف حسین عرف چھوٹے چچا ساکن قدیم تال گرام و ملازم قدیم حکیم یعقوب علی نے اپریل ۱۹۳۰ء میں انتقال کیا (۱۰۸) انتقال پیرزادہ سید آل احمد صاحب ۵ر ربیع الثانی ۱۳۴۹ھ ہجری (۱۰۹) انتقال سید تکبیر حسین وکیل ۲۹ر دسمبر ۱۹۳۰ء (۱۱۰) انتقال حکیم احمد میاں صاحب ساکن محلہ سید واڑہ ۱۶ر جون ۱۹۳۲ء (۱۱۱) ۲۴ر مئی ۱۹۳۰ء کو قاضی شریف الحسن کی زوجہ بریلی سے رخصت ہو کر بلگرام آئیں اور ۲۵ر مئی ۱۹۳۰ء کو دعوت طعام ولیمہ ہوئی۔ (۱۱۲) شیخ امان اللہ برادر شیخ حبیب اللہ دری ساز کانپور کے ہندو مسلم فساد میں شہید ہوئے۔ ۱۹۳۰ء میں (۱۱۳) ۱۹۳۳ء میں بکثرت آم پیدا ہوا تھا کہ مفت کھائے گئے (۱۱۴) مورخہ ۲۶ر اگست ۱۹۳۲ء کو ایک قطعہ قبر

۲½ بیگہ پختہ اراضی بدر باغ سول لائن علی گڑھ برائے تعمیر کوٹھی بلگرامی منزل قاضی شریف الحسن عرف ننھوں میاں نے خریدی (۱۱۵) شادی پیرزادہ سید آل مجتبیٰ صاحب ۷؍مارچ سنہ ۱۹۳۳ء (۱۱۶) مسماۃ منظور فاطمہ بنت مولوی عبدالوالی نے ۱۴؍اپریل سنہ ۱۹۳۵ء کو انتقال کیا۔ (۱۱۷) سید عسکری حیدر ابن سید مہدی حیدر تعلقدار نے عین عالم شباب میں قریب اناؤ موٹر سے دب کر انتقال کیا۔ فروری سنہ ۱۹۴۰ء (۱۱۸) مورخہ ۱۵؍فروری سنہ ۱۹۳۰ء صفیہ خاتون عرف جبینا بیگم اہلیہ قاضی شریف الحسن نے بمقام علی گڑھ انتقال کیا اور اپنے مملوکہ باغ امرود واقع بروا جعفرآباد میں دفن ہوئیں (۱۱۹) سید جعفر حسین علمدار بن سید جاوید علی نے سنہ ۱۹۳۱ء میں انتقال کیا (۱۲۰) بدھو ملازم قدیم قاضی مصطفےٰ علی نے سنہ ۱۹۲۹ء میں انتقال کیا اور قاضی صاحب کے قبرستان قبرہا میں دفن ہوئے۔ (۱۲۱) سید محمد نقی بن حکیم احسان علی نے دلاور نگر تحصیل ملیح آباد میں سنہ ۱۹۴۲ء میں انتقال کیا (۱۲۲) قاضی شریف الحسن کی دوسری شادی عقیلہ خاتون بنت نواب راہگیر مرحوم سے ۲۶؍اگست سنہ ۱۹۳۹ء کو ہوئی اور ۱۱؍ستمبر سنہ ۴۶ء کو بمقام اٹاوہ رجسٹری شدہ طلاق ہوئی۔ (۱۲۳) قاضی شریف الحسن نے ۱۳؍جولائی سنہ ۱۹۳۷ء کو موضع بروا جعفرآباد میں سات بیگہ پختہ اراضی خرید کر باغ امرود نصب کیا۔ اور ۲۶؍نومبر سنہ ۱۹۴۳ء کو بنام مصطفےٰ احسن عرف خالد سلمہ اراضی متصل باغ مذکور خرید کی۔ (۱۲۴) لالہ رگھبیر سہائے موضع مہدیوا میں ۲۸؍نومبر سنہ ۱۹۳۲ء کو قتل کئے گئے اور اسی تاریخ کو سید اعظم علی عرف جمعی میاں بلگرامی نے محلہ گلریہ گارڈہ بارہ بنکی میں انتقال کیا۔ (۱۲۵) شیخ ریاض الحسن عرف رجل میاں نے جنوری سنہ ۱۹۳۳ء میں امام باڑہ میدانپورہ کی حیدرآباد سے چندہ فراہم کرکے مرمت کرائی۔ (۱۲۶) سید نور علی عرضی نویس کے واحد صاحبزادہ سید جان ۷؍اگست سنہ ۱۹۳۲ء کو اپنے گھر کے اندر قتل کئے گئے (۱۲۷) سید لطیف احمد پسر سید ضیاء اللہ رئیس میدانپورہ نے ۳۱؍جنوری سنہ ۳۳ء کو انتقال کیا۔ (۱۲۸) سید وصی الحسن عرف حسن میاں کی شادی ۳۱؍مارچ سنہ ۱۹۳۳ء (۱۲۸) انتقال پیرزادہ سید کرم علی ۱۲؍جون سنہ ۱۹۳۵ء (۱۲۹) شادی سید لیاقت حسین رئیس چاندپور ۲۶؍دسمبر سنہ ۱۹۳۵ء (۱۳۰) انتقال اہلیہ سید محمد احمد صاحب یعنی والدہ سدلو میاں مرحوم ۱۰؍جولائی سنہ ۱۹۳۶ء (۱۳۱) انتقال لالہ منسا ناتھ رئیس بلگرام ۸؍جنوری سنہ ۱۹۳۷ء (۱۳۲) شادیاں سید محمد عابد پسر سید حمید الحسن و سید شریف الحسن راز بلگرامی ۱۵؍اکتوبر سنہ ۳۷ء (۱۳۳) سید عسکری حیدر ابن سید مہدی حیدر تعلقدار کی شادی ۱۲؍دسمبر سنہ ۱۹۳۸ء (۱۳۴) انتقال سید محمد یوسف صاحب ساکن میدان پورہ ۱۴؍دسمبر سنہ ۱۹۳۸ء (۱۳۵) قاضی محمد اعظم علی عرف منو میاں معہ اپنی اہلیہ و پسر سراج سلمہ ۹؍جنوری سنہ ۱۹۳۹ء کو برائے حج بیت اللہ روانہ ہوئے اور ۱۲؍فروری کو واپس بلگرام تشریف لائے۔ (۱۳۶) انتقال سید محمد جواد تعلقدار ۷؍مئی سنہ ۱۹۳۹ء (۱۳۷) ۵؍جون سنہ ۱۹۳۹ء کو رابعہ خاتون کا عقد خان بہادر برکت اللہ غازی پوری سے ہوا (۱۳۸) ۳۰؍جولائی سنہ ۳۹ء انتقال سید مہدی حیدر تعلقدار (۱۳۹) رسم گدی نشینی سید عسکری حیدر تعلقدار ۳؍اگست سنہ ۱۹۳۹ء۔ (۱۴۱) مورخہ ۲۲؍اپریل سنہ ۱۹۴۳ء کو موضع محمود نگر کے بقیہ چھ بسوہ قاضی شریف الحسن نے خرید کئے۔ (۱۴۲) مخدوم بخش خیرآبادی قدیم ملازم و رفیق ننھوں میاں نے سنہ ۱۹۳۹ء میں بمقام بلگرام انتقال کیا۔ (۱۴۳) سید محمد جواد تعلقدار آنریری مجسٹریٹی سے سبکدوش ہوئے یکم مارچ سنہ ۱۹۳۸ء (۱۴۴) چودھری وصی الحسن پنشنر ڈپٹی کلکٹر نے سنہ ۱۹۴۵ء میں انتقال کیا۔ (۱۴۵) قاضی شریف الحسن نے ۱۴؍اکتوبر سنہ ۱۹۴۴ء کو موضع ککرا کھیرا کا حصہ خریدا (۱۴۶) سید باقر حسین ولد میر امجد علی کی شادی ۲؍اکتوبر سنہ ۳۵ء کو ہوئی (۱۴۷) ۱۵؍اگست سنہ ۱۹۴۷ء کو ہندوستان آزاد ہوا اور ۱۴؍اگست بروز جمعہ ۲۷؍رمضان المبارک کو پاکستان بنا۔ (۱۴۸) قاضی محمود بلگرامی نے بعہد جلال الدین محمد اکبر بادشاہ موضع محمود نگر کو آباد کیا۔ اور لکھنؤ میں محلہ محمود نگر و محلہ شاہ گنج بسائے اور رومی دروازہ و اکبری دروازہ لکھنؤ میں تعمیر کرائے بحوالہ اخبار قومی آواز جلد مطبوعہ سنہ ۱۹۵۲ء (۱۴۹) تاریخ تعمیر دیوان خانہ قاضی شریف احمد واقع محلہ قاضی پورہ:-

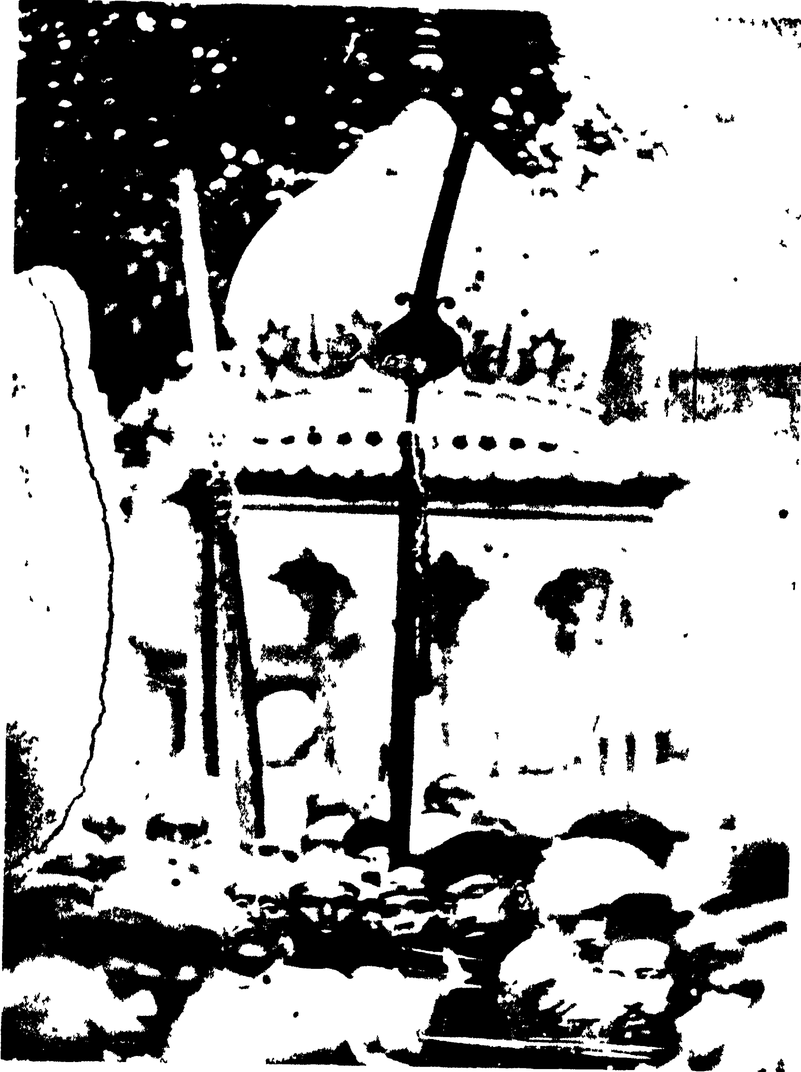
صورت آئینہ حیران ہوا جس نے دیکھا　　واہ کیا خوب بنا کمرۂ قاضی صاحب
پئے تاریخ جو تھا مجھ کو تردد فوراً　　لب احمد سے سنا کمرۂ قاضی صاحب

سنہ ۱۳۷۰ ہجری



حدہ و ادابرین فصبہ ملکدام سنہ ۱۹۱۴ع میں

سفید تعزیہ امام بارہ محلہ میدانپورہ



دائیں جانب سے : ٹوپی پہنے ہوئے مولوی امداد حسین اسیوی
عینک لگائے - بکہ میاں - منہرا پرساد - داڑھی رکھائے امجد علی
خوشبو فروش بعدہ عینک لگائے شبنم حبیب اللہ میدانپورہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حالات محرم ہائے بلگرام زمانہ ماضی

از ابتداء سنہ ۱۲۵۰ھ

از قلم مفتی امداد علی صاحب عرف بکھی میاں مرحوم بن مفتی وارث علی صاحب مرحوم ساکن محلہ میدانپورہ

قصبہ بلگرام کے محرم خاصکر محلہ میدانپورہ کی عزاداری تعزیہ سفیدہ کی نفاست دکر بلائی علم کی رونق قابل دید اور باعث شہرت دور و دراز ہے۔ اس محلہ کی پر رونق تعزیہ داری کا زیادہ سبب یہ تھا کہ محلہ کا ہر رئیس و معزز عزاداری کا دل سے شوق رکھتا تھا اور اس وقت ہر خورد و بزرگ کے ذوق و شوق کی وہ حالت نہیں ہے۔ زمانہ سابق سے یہ دستور چلا آتا اور تا ایندم ہے کہ محلہ کی عزاداری کا مہتمم وہ شخص ہوتا تھا کہ جس کو محلہ کے سربرآوردہ اشخاص مقرر کرتے تھے اور وہ مقررہ مہتمم بھی نہایت شوق و انہماک کے ساتھ دیانتداری کو لیئے ہوئے اس خدمت کو بخوشی سرانجام دیتا تھا۔ اسیطرح زمانہ قدیم سے یکے بعد دیگرے مہتمم مقرر ہوتے چلے آتے ہیں۔ اس سال ۱۳۶۵ھ میں سفید تعزیہ (جسکی نفاست و رونق دیکھنے کیلئے صدہا آدمی شب شہادت کو سر شام ہی سے منتظر ہوتے ہیں) بجائے ۲-۳ بجے شب کے ۱۰ محرم کی صبح ۸ بجے دن کے بخلاف دستور قدیم نکالا گیا جس میں اصل وقت گذر جانے کی وجہ سے کوئی رونق و لطف نظر حاصل نہوا۔ سبب اس کا بجز اسکے کہ کم توجہی مہتمم و کمی کاریگران اور کیا کہا جاسکتا ہے۔

پس ان حالات و واقعات کو دیکھکر برخوردار بلند اقبال قاضی شریف الحسن المعروف ننھو میاں صاحب ابن قاضی مصطفیٰ علی صاحب مغفور رئیس محلہ قاضی پورہ نے اس حقیر ازلی اسمی امداد علی متعلقہ مفتی وارث علی صاحب مرحوم ساکنہ میدانپورہ سے یہ خواہش ظاہر کی کہ کچھ حالات عزاداری قدیم و انہماک مہتممان و بزرگان سلف قلمبند کردے۔ حقیر نے اپنی بے بضاعتی و ناواقفیت حالات ماضی کا برخوردار موصوف سے عذر کیا مگر موصوف نے میرے عذرات قبول نکرکے یہ جواب دیا کہ اس وقت آپسے بڑھکر کوئی نظر نہیں آتا جو میری خواہش کو پورا کرے۔ جب زیادہ اصرار برخوردار موصوف کا دیکھا تو چار و ناچار اس مصرعہ پر عمل کرکے (خوشی انکی ہوئی مجھکو گوارا) اقبال کرلیا اور نظر بخدا رکھکر جہانتک میرے ذہن نے رسائی کی حالات محرم تحریر کرکے پیش برخوردار کردیئے۔ جن جن کاغذات و یادداشت سے میں نے اقتباس کرکے مدد لی انکی تفصیل یہ ہے۔

ع۱ کتاب یادداشت مرتبہ منتظر ع۲ دستاویزات زمانہ قدیم جن میں دستخط ہائے بزرگان محلہ درج تھے۔ ع۳ شجرہ ہائے اکثر خاندان محلہ ع۴ بہی جات تقریباً ۱۴-۱۵ عدد مرتبہ و نوشتہ مہتممان زمانہ قدیم جن کے مطالعہ کا موقعہ حقیر کو معظمی میر خورشید حسین و عیسیٰ حسین صاحبان مہتممان امام باڑہ میدانپورہ کی نیابت میں ملا تھا۔ ع۵ واقعات چشم دید و ذاتی واقفیت از ۱۲۷۲ھ ع۶ حالات گذشتہ زبانی جو

بزرگان خود اور دیگر بزرگان محلہ سے سن کر میرے ہوش وگوش میں ہیں۔ اب صاحبان خرد اور مطالعہ کنندگان سطور ہذا سے گذارش ہے کہ اس کوتاہ عقل و دست از کار رفتہ سے جو غلطی یا کوتاہی ہو گئی ہو اسکو قابل اعتراض خیال نکر کے دعائے خیر سے یاد فرمائیں و ماعلینا الا البلاغ۔

بنام جہاندار جان آفریں — حکیم سخن بر زبان آفریں

شاہی زمانہ قدیم میں اکثر بزرگان و رئیسان محلہ ایک خاص مقام پر تھوڑی عمارت پختہ و خام خس پوش مثل بنگلے کے بنوا کر وہیں نشست رکھتے تھے اور اس مقام کو چوپال کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ چنانچہ اسوقت جس مقام پر امام باڑہ محلہ میدان پورہ کا ہے یہاں بھی سید نیاز حسن خاں صاحب مرحوم رئیس محلہ میدانپورہ نے اپنی چوپال قائم کی تھی اسی وجہ سے ابتک اس امام باڑہ کو عوام مرد و زن چوپال انکا کہتے ہیں اور اسیطرح شیخ وزیر علی صاحب کے بیٹے [illegible] محمدی بیگم نے سرا میر عبد الجلیل میں ایک چوپال بنوا کر اپنی نشست گاہ قرار دی تھی۔ یہ چوپال اس جگہ تھی جس مقام پر درخت پاکر اور [illegible] واقع ہے اور سب شیخ انکے بذریعہ بعنامہ منجانب محمدی بیگم [illegible] قابض ہیں۔ علاوہ اس کے اکثر صاحبان نے ایسی پختہ عمارتیں بھی بنوا کر اپنی نشست گاہ قرار دیں جنکو دیوانخانے کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ پہلا دیوانخانہ جو بڑے دیوانخانے کے نام سے موسوم ہے سید محمد روشن خانصاحب ساکن آرہ کوٹلہ کے والد نے اچھی عمارت کیساتھ بنوایا۔ سید صاحب موصوف کے ورثا چونکہ رہنے والے [illegible] بلگرام تھے اسلئے مکانات وغیرہ یہیں اپنے وطن میں بنوائے۔ آرہ کوٹلہ میں بسلسلہ ملازمت و قرابت داری سکونت پذیر تھے۔ اس دیوانخانہ کی عمارت ابتک موجود ہے اور یہیان پہاڑی رہتے ہیں۔ دوسرا دیوانخانہ میر حیدر علی صاحب والد میر مقصود علی مرحوم مہتمم امام باڑے نے بنوایا جنکا ذکر آگے آوے گا۔ اس دیوانخانہ کی رونق و شہرت بباعث رہائش حکیم کرم امام حسن صاحب رئیس قصبہ کاکوری ضلع لکھنؤ و چاہ شیریں کے تھی جو نیم صاحب موصوف میر حیدر علی صاحب کے محب صادق اور جان نثار تھے [illegible] صاحب کی محبت میں ترک وطن کر کے بلگرام آگئے۔ مطب میں پوری دستگاہ اور دست شفا رکھتے تھے۔ کنویں کا پانی تمام قصبے میں جاتا اور صبح سے ۱۰ بجے [illegible] تلک [illegible] آبکشی جاری رہتا تھا۔ اس دیوانخانہ کو حیدر علی والا دیوانخانہ کہتے تھے۔ یہ اس مقام پر تھا جس جگہ اب امین [illegible] سبزی فروش نے مکان بنایا ہے۔ تیسرا دیوانخانہ مولوی محمد حسین ابن مولوی امیر حسن وارثان مولانا عبد الجلیل مغفور نے متصل پھاٹک جانب غرب بنوایا اور چوتھا دیوانخانہ پھاٹک کے مشرق میں بنوایا تھا ان [illegible] کے بیچ میں پھاٹک قائم تھا۔ اور [illegible] دیوانخانہ [illegible] نسبت [illegible] سب کھود کر فروخت کر دیا اور اراضی پر دین محمد ٹھیکیدار لکڑی نے مکان بنوا کر سکونت اختیار کر لی ہے۔ آخر الذکر کی اولاد کے قبضے میں اسوقت تک ہے۔ پانچواں دیوانخانہ نیاز حسن خانصاحب رئیس و بانی امام باڑہ محلہ میدانپورہ نے متصل مسجد و درخت پاکر تعمیر کرا کے اپنی نشست قائم کی جس کا ذکر آگے آوے گا۔ محلہ میں چار پھاٹک اور ایک دروازہ جسکو کھڑکی کہتے تھے اس تفصیل سے قائم تھے۔ ایک پھاٹک کاتب الحروف کے دونوں مکانات کے کونے پر محلہ سگرا کے رئیس محمد اطہر نے بنوایا تھا۔ دوسرا پھاٹک مابین ہردو دیوانخانہ مولوی محمد حسن جسکا ذکر اوپر ہو چکا ہے بنا تھا۔ تیسرا پھاٹک کرم علی صاحب ابن مولانا باقر علی صاحب اور مکان شیرو میان پچا میر وزیر علی صاحب بوریئے کے کونے ٹکرا پر تھا۔ یہ مکان بھی اب تک وارثان عیدا سبزی فروش کے قبضے میں ہے چوتھا پھاٹک میر عبد اللہ صاحب مغفور کی گلی کے کونے پر تھا (اسی جگہ سے شب شہادت کو خفیہ تعزیہ اٹھایا جاتا تھا) پانچواں دروازہ جس کو کھڑکی کہتے تھے میر علی تقی صاحب و حافظ آل احمد صاحب مرحومین کی حویلیوں کے درمیان میں تھا۔ یہ سب پھاٹک

بہت مستحکم ڈبل کواڑوں و زنجیر قلابوں وغیرہ سے مزین تھے۔ جب ان سب کو بند کر لیا جاتا تو باہر سے محلہ کے اندر کوئی نہیں آسکتا تھا۔ چنانچہ آجتک بعض لوگ اس مقام کو محلہ بھیتر کہتے ہیں دیوانخانہ نیاز حسن خانصاحب جس کا ذکر اوپر آچکا ہے اچھی عمارت اور شان کا تھا۔ خانصاحب مغفور کے بعد ان کے صاحبزادے امیر حسن خان صاحب اس میں رونق افروز رہے۔ علاوہ دیوانخانہ کے زیادہ تر اپنی نشست زیر درخت پاکر رکھتے تھے جہاں پر چوکا تخت جسکے پائے بلا مبالغہ دچشم دید احقر ڈیڑھ فیٹ کے چوڑے اور تین فیٹ کے اونچے اور اسی مقدار کی پٹیاں تھیں بچھا رہتا تھا اور اس پر دری اور اس کے اوپر سفید چاندنی ہوتی تھی۔ یہاں تمام دن مجمع احباب اہل محلہ کا رہتا تھا جنکے خاص خاص نام یہ ہیں۔ سید علی نقی صاحب۔ محمد ظہور صاحب پدر میر بندہ حسن صاحب۔ مفتی کاظم حسین چچا مفتی کرامت علی صاحب۔ پرزادہ واجد علی صاحب دادا نظیر میاں سید آل احمد صاحب پدر مولوی عبداللہ صاحب۔ امجد علی صاحب پدر منشی قربان احمد صاحب وکیل۔ مولوی سید عالم صاحب پدر لوجان صاحب۔ میر رضا علی صاحب دجنگو و مصنف سواری ہے۔ محرم کو پڑھی جاتی ہے۔ سادھو رام کتھری۔ طفیل احمد صاحب برادر نسبتی سید میر محمد صاحب تحصیلدار جو دروغگوئی میں یکتا تھے اور باوجود ضعیف عمر کے اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ صاحبان مذاق خاص کر ان سے متوجہ رہتے۔ دو نقلیں بطور نمونہ انکی دروغگوئی کی قابل تحریر ہیں۔ ایک روز اسی جلسہ میں تشریف رکھتے تھے اور کسی دیسی کپڑے کا انگرکھا زیب بدن تھا آدمی چونکہ بزرگ اور شریف تھے اس لیئے سب تہذیب اور ادب سے پیش آتے تھے۔ انگرکھے کو دیکھ کر امیر حسن خانصاحب نے کہا میر صاحب یہ کپڑا تو بہت عمدہ ہے۔ آپنے کہاں سے منگوایا؟ جواب دیا۔ میاں ایک دن تمہاری چچی نے روئی کاتنے کیلیئے منگوائی اور کوٹھے پر رکھ کر بھول گئیں اتفاق سے تیسرے دن میں جو کوٹھے پر گیا تو دیکھا کہ روئی کے دھاگے بنے ہوئے رکھے ہیں اور فاختہ ان دھاگوں کو لیجاتی اور لے آتی ہے گویا تانا بانا کر رہی ہے۔ تھوڑی دیر میں اور بھی فاختائیں آئیں اور آنا فاناً میں یہ کپڑا بن کر تیار کر دیا اسی کا میاں یہ انگرکھا ہے۔ یہ سنکر حاضرین جلسہ مسکرا کر چپ ہو گئے۔ دوسری نقل۔ ایکدن فرمانے لگے کہ میاں ایک دن ایک گاؤں پر جانا تھا۔ خیال کیا ٹٹو موجود ہے سوار ہو کر چلا جاؤں گا قبل از نماز فجر ٹٹو پر چار جامہ کسکر سوار ہو کر بوجہ موسم گرمی کے اندھیرے میں چلدیا دو کوس گیا ہوں گا کہ صبح ہونے پر مرغ نے بانگ دی دیکھتا کیا ہوں کہ بجائے ٹٹو کے مرغ پر چار جامہ کسکر چلا جا رہا ہوں۔ سب مجمع نے مرغ کی پرواز کی بہت تعریف کی اور سادھو رام کتھری نے کہا کہ میر صاحب وہ مرغ سالن پکنے کا بہت کام آوے گا۔ غرضکہ یہ نشست بہت بارونق رہتی۔ تمام دن مجمع لگا رہتا اور حقے لکھنوی تمباکو کے مہکتے رہتے تھے

آمدم برسر مطلب سید نیاز حسن خانصاحب اپنے بنا کردہ امام باڑے سے معمولی طور پر تعزیہ داری کرتے تھے۔ صاحب موصوف عہد امجد علیشاہ بادشاہ اودھ میں ایک اعزازی عہدے پر سرفراز ہو کر مورد لطف الطاف بادشاہ عالیجاہ تھے۔ ایکدن موقع پا کر اپنے یہاں کی تعزیہ داری کا ذکر کیا تو بادشاہ نے ایک جوڑی علم طلائی نقرئی گنگا جمنی کام کی معہ پنجہ نعلبندی جیب پوست کارچوبی وغیرہ کا کام نہایت خوبصورت دیدہ زیب بنا ہوا تھا مرحمت خسروانہ سے عطا فرمائی۔ یہ جوڑی نیز دیگر چند جوڑیاں علم اسی زمانہ میں کربلائے معلی سے جو اکر بادشاہ عالیجاہ نے منگوائی تھیں۔ خانصاحب موصوف اس عطیہ نادرہ سے بہت خوش ہو کر جوڑی مرحمت شدہ کو بلگرام لائے۔ کتاب یادداشت خانصاحب میں لکھا ہے کہ جس وقت یہ جوڑی بلگرام لائی گئی ماہ جمادی الثانی تھا خوشی و انبساط میں اسی مہینے کی آخری تاریخوں میں بہت دھوم دھڑک و احتشام باجے وغیرہ کے جلوس سے اس جوڑی کو مرثیہ خوانی کے ساتھ تمام محلہ کا گشت کرایا گیا۔ اسکے بعد ۷ محرم اس جوڑی کے نکلنے کا دن مقرر کیا گیا۔ جس کا ذکر آگے آوے گا۔ اس جوڑی میں آویزے سچے آویزاں تھے جو سب تلف ہو گئے۔ ان علموں کے آنے پر تعزیہ داری میں کچھ ترقی ہوئی۔ بعد انتقال نیاز حسن

خاں صاحب ان کے فرزند ارجمند ابن حسن خاں صاحب نے مہتمم امام باڑہ ہوکر عزاداری میں بہت رونق دی۔ دو تین سال کے بعد میر حیدر علی صاحب کو مہتمم امام باڑہ مقرر کرکے آپ علیحدہ ہوگئے۔ اس وقت سفید تعزیہ معمولی طور کا بنایا جاتا تھا۔ میر حیدر علی صاحب فدائے امام تھے۔ انھوں نے اپنے حسن تدبیر اور دلی شوق سے بہت عمدہ انتظام کرکے عزاداری کو چار چاند لگا دیئے۔ سب سے پہلے انھوں نے ترقی کارخانہ کیلئے ایک کمیٹی مشاورت طلب کی جمیں صاحبان ذیل شریک ہوئے۔ میر حیدر علی صاحب۔ حکیم کرم امام صاحب۔ ابن حسن خانصاحب۔ مولوی سید محمد عالم صاحب۔ سید علی نقی صاحب۔ سید میر محمد صاحب تحصیلدار۔ سید محمد ظہور صاحب سید نصیر احمد صاحب۔ شیخ مظفر حسین صاحب زمیندار بلہری پور۔ سید علی احمد صاحب بانی امام باڑہ ٹکرا۔ سید طفیل احمد صاحب۔ مولوی محمد حسن صاحب شیخ وزیر علی صاحب بانکے۔ مفتی محمد مہدی صاحب دادا مفتی وارث علی صاحب مرحوم۔

کمیٹی کی رائے سے ایک تخت مضبوط بنوا کر اسکے ایک پائے پر ۱۲۹۰ھ کھدوا دیا گیا۔ تخت پر ڈنڈے قائم کرکے لوہے کے ورق لگا کر بانس کی تیلیوں سے دروں کو مضبوط کرکے بارہ دری کا نمونہ بنا کر سفید عمدہ لٹھے کی تین تہیں چڑھا کر گوٹے پٹھے دھنک وغیرہ سچے کام سے مزین کیا گیا۔ اور ایک مہر کارخانے کی بنوائی گئی جسپر یہ مصرعہ کندہ کرایا گیا۔ (خدا خود میر سامان است اسباب توکل را)۔ تعزیہ کی نئی ایجاد کا سہرا الحکیم کرم امام خانصاحب اور علی احمد صاحب رئیس ٹکرا (جنکی صناعی اور جدت طرازی قابل صفت ہے) کے سر ہے۔ ایسے نفیس تعزیہ کیواسطے گوٹہ پٹہ دہنک کلس اور چاروں گڑیاں و دیگر سامان کی ضرورت تھی۔ اس لئے اسی کمیٹی میں چندے کی اعانت ظاہر کرکے حاضرین سے خواہش کی گئی جو اسی وقت مبلغ عہ صمار بدین تفصیل جمع ہوگئے۔

شیخ مظفر حسین زمیندار بلہری پور صہ ابن حسن خانصاحب صہ محمد موسیٰ صاحب پدر محمد کاظم صاحب للعہ سید میر محمد صاحب تحصیلدار صہ حیدر علی صاحب صہ مولوی محمد حسن صاحب صہ علی احمد صاحب عہ مولوی سید عالم صاحب عہ محمد ظہور صاحب عہ حکیم کرم امام خانصاحب عہ شیخ وزیر علی صاحب بانکے عہ طفیل احمد صاحب عہ نصیر احمد صاحب عہ علی نقی صاحب عہ مفتی محمد مہدی صاحب عہ متفرقات اہلیان محلہ سہ یہ روپیہ پیر علی تمباکو فروش جو کہ میر حیدر علی صاحب کے محب اور دیانتداری میں مشہور تھے دیکر لکھنؤ سے کل سامان گوٹہ گوکھرو کلس گنگا جمنی وغیرہ وغیرہ اور ایک کلس برنجی برائے تعزیہ زنجیرہ منگوایا گیا۔ ہر چہار گڑیاں بلگرام محلہ ٹکرہ کے دیبی سنار سے بنوائی گئیں جسکی دکان ملحق پھاٹک ٹکرہ جس کا ذکر ہو چکا ہے تھی۔ اس کمیٹی میں عشرہ محرم میں پنج وقتہ نوبت وقت نکلنے علم و تعزیہ کے تین ڈنکو نکا ہونا اور گشت علم و تعزیہ کی گلیوں کا تقرر اور تعزیہ علم وغیرہ نکالنے کی تواریخ اس تفصیل سے مقرر ہوئیں۔

چاندرات	یکم و ۲ محرم	۳ و ۴ محرم	۵ و ۶ محرم	۷ محرم	۸ محرم	۹ و ۱۰ محرم	سیوم	چہلم
چوکی	علم	وغیرہ	زنجیرہ	ماتم	زنجیرہ	تعزیہ سفید	علم	علم

۲۵ عدد پنجشاخے مشعلوں کی روشنی کیلئے بنوائے گئے۔ محرم کا چاند نکلنے پر سب اہلیان محلہ امام باڑے احمد علی صاحب جن کا ذکر اوپر آچکا ہے میں چاند دیکھنے کی غرض سے جمع ہوتے اور سوزخوانی ہوکر ریوڑیاں تقسیم کی جاتیں اس کے بعد چوکی نکلنے کی رسم ادا کی جاتی تھی۔ تعزیہ زنجیرہ کو اس وقت اینٹھ کہتے ہیں۔ اور وضع قطع اسکی یہ تھی کہ تخت دو قبرے پر یہ تعزیہ جو لکڑی کا بنا ہوا تھا نصب کرکے ورق و کھمبوں وغیرہ میں سرخ زرد و سبز، سفید کپڑے کی دھجیاں ایک دوسرے سے ملا کر اینٹھی جاتیں اور وہی لپیٹ کر تعزیہ تیار کیا جاتا تھا جو رنگ برنگ ہونیکی وجہ سے بہت خوشنما اور خوبصورت معلوم ہوتا تھا۔ سوندے خیاط پدر روشن خیاط اس کام کو انجام دیتے تھے۔ یہ موجودہ تعزیہ سے چھوٹا تھا۔ میر حیدر علی صاحب موصوف چونکہ بہت شوقین اور عاشق امام تھے انھوں نے بمشورہ حکیم کرم امام خان صاحب نئی نئی ایجادیں تعزیہ داری میں کیں اور شبانہ روز اسی خیال میں منہمک رہتے تھے۔ اینٹھ کا نام بدل کر زنجیرہ رکھا گیا۔

جسکی وجہ تسمیہ یہ تھی کہ تمام تعزیہ میں سفید سرخ زرد پتی وکاغذ کے زنجیرے کاٹ کر موقعہ موقعہ پر لگائے جاتے تھے جورات کے وقت تعزیہ کی زیبایش وآرائش کو چار چاند لگا دیتے تھے۔ عوام ابتک زنجیرہ کو اینٹھ ہی کہتے ہیں۔

گلیوں کو ہموار کرکے بذریعہ چھڑکاؤ تعزیہ کو گرد وغبار سے بچانا، کہاروں کو ناپ کر ایک قد کے برابر تعزیہ میں لگانا انہی میر صاحب کا انتظام تھا۔ ان کے وقت میں پیر علی صاحب تباکو فروش جنکا ذکر اوپر آچکا ہے محافظ کوٹھری سامان تعزیہ داری تھے (یہ صاحب لکھنؤ سے تمباکو، خمیرہ اور متفرقات اشیاء لاکر فروخت کیا کرتے اور نہایت خلیق ومتدین تھے) تعزیہ سفید احمد علی صاحب کی نگرانی و صناعی میں تیار ہوتا تھا۔ اسیطرح عرصہ تک میر صاحب مہتمم رہے۔ پیر علی صاحب کا وہ مکان ہے جسمیں فی زمانہ مولوی علی حسن قہر رہتے ہیں میر صاحب کی مہتممی میں جس سال سید محمد کاظم صاحب ابن محمد موسیٰ صاحب رئیس میدانپورہ کی اہلیہ صاحبہ اپنے میکے آمد کراتہ سے زبان زد خاص وعام (علم کربلائی) جس کا ذکر آگے آوے گا) اپنے ہمراہ بلگرام لائیں اسکے دوسرے سال کسی وجہ سے میر حیدر علی صاحب اور اہلیان محلہ میدانپورہ سے بعض باتوں پر رنجش ہوگئی۔ میر حیدر علی صاحب کو علیحدہ کرکے دوبارہ سید ابن حسن خانصاحب مہتمم قرار پائے موصوف نے دو تین سال کے بعد بمشورہ اہلیان محلہ بخوشی خاطر میر محمد کاظم صاحب کو مہتمم قرار دیا۔ میر حیدر علی صاحب کو اس علیحدگی کا بہت ملال ہوا۔ امام باڑے کی آمد ورفت بند کرکے اپنے یہاں علم و تعزیہ رکھنے لگے کاتب الحروف نے بچشم خود دیکھا ہے کہ دیوان خانہ بناکر خود وہ علم و تعزیہ رکھتے تھے۔ ایک ماتم کا تخت بنوایا جسمیں دو طاؤس نہایت خوشنما نصب کئے تھے جسکی خوبصورتی قابل دید تھی اور وہ تخت طاؤس کہلاتا تھا۔ ۸ محرم کو اپنے یہاں سے ماتم نکال کر محلہ کا گشت کراکر قریب مغرب اپنے دیوانخانے میں لیجاتے تھے اور ایک مجلس بھی کرتے تھے بعد انتقال میر حیدر علی صاحب کئی سال تک حکیم کرم امام خانصاحب علم و تعزیہ رکھتے رہے۔ ان کے کام میں بہت جلوس ومجمع ورونق ہوتی تھی۔ میر محمد کاظم صاحب کی مہتممی میں بھی تعزیہ داری کی رونق بہت زیادہ رہی۔ کل کام نہایت خوش اسلوبی اور خوبی سے ہوتے تھے۔ ایک نیا دستور العمل قائم ہوکر بغرض ادائے قرضہ چندے کی فہرست کھولی گئی اور جن صاحبان نے چندہ دینا شروع کیا ان کے اسمائے گرامی معہ رقم موعودہ کے یہ ہیں۔ معرفت ابن حسن خانصاحب از آرہ کوا تھ ۵، میر دبیر علی ڈپٹی کلکٹر رئیس میدانپورہ ۵، سید ذوالفقار حیدر صاحب وکیل ۵، سید میر محمد صاحب تحصیلدار ۵، شیخ مظفر حسین صاحب زمیندار بلہری پور ۵، مولوی محمد حسن صاحب ۵، ابن حسن خانصاحب ۵، میر محمد کاظم صاحب ۵، مولوی محمد عالم صاحب ۵، متفرقات اہلیان محلہ میدانپورہ ۵، محمد اشرف ساکن میدانپورہ ۵، میزان ۵۰

۱۵ ذوالحجہ کو خطوط چپر مہر کارخانہ امام باڑے کی ہوتی تھی لہذا سب چندہ باہر والے صاحبان کو بھیجدیئے جاتے تھے اور خرچ کا انتظام یہ تھا۔ ۵ گمان پور سمیر کھیڑہ اور ۵ بہولے پور میرون کھیڑہ سے قرض لیکر کام شروع کردیا جاتا تھا علاوہ تیلیوں، حجاموں، چماروں کہاروں درکا پنساری کاغذ والے تمباکو فروش کو بطور پیشگی کچھ رقم دے دی جاتی تھی۔ اسی سال علی احمد صاحب رئیس ٹکرہ فوت ہوگئے تھے اسلئے ان کے خلف محمد افضل جو اپنے والد کے وقت سے تعزیہ بناتے تھے اور اسکی ہر پیر بندش سے واقف تھے بنانے لگے۔ باہر سے روپیہ آنے پر سب سے پہلے قرض دہندگان کو ادا کیا جاتا تھا۔ ان کے وقت میں کوٹھری سامان کے محافظ شیرو میاں اور باہر کے کام کیلئے اسرار داد حبیب اللہ مرثیہ خواں مقرر تھے۔ تمام پیشہ ور امام باڑے میں کام کرنے والے اسرار مذکور سے بہت خائف رہتے تھے کیا مجال کہ ذرا سرتابی کریں آواز پر سب فوراً حاضر ہوجاتے تھے۔ اور ممکن نہیں کہ گلی گشت والی میں ذرا کوڑا کرکٹ کوئی ڈال دے ہر پیشہ ور کا ایک چودھری مقرر تھا۔ نوربان کے چودھری خان کہاروں کے چودھری گھسیٹی کہار تیلیوں کے چودھری رستا اسیطرح چماروں وغیرہ کے بھی۔ اور درزیوں کے بھی روشن بنیا

خیاط گر باپ بیٹے تیل کا یہ حساب تھا کہ جس وقت محرم شروع ہوا جو نرخ تیل کا عام طور پر ہوا اس سے آدھ سیر تیل زائد تیلیوں سے لیا جاتا تھا۔ اور یہی انکی امداد تعزیہ داری کی تھی۔ ان کے ہمراہ یہ رعایت تھی کہ تعزیہ وغیرہ کے گشت میں تیل مشعلوں کے واسطے جو روزانہ دیا جاتا تھا اسمیں سے جسقدر بچ رہے وہ انکو معاف تھا۔ میاں اسرار ہر تیلی پر تاکید رکھتے اور دیکھتے رہتے تھے کہ لیٹا نہو تیلی مشعلوں میں تیل کم ڈالیں اور زیادہ بچالے جائیں۔ امام باڑے میں نوبت بجتی اور ہر موقعہ پر علم و تعزیہ نکلنے پر تین ڈنکے پڑتے تھے۔ دوسرے ڈنکے پر امام باڑے میں سید صاحب آجاتے تھے اور تیسرے ڈنکے پر علم وغیرہ اٹھائے جاتے تھے۔ نوبت و ڈنکے نواز قادر بخش نقارچی تھے۔ دو عدد نقارے آہنی خورد و کلاں ملکیت امام باڑہ تھے جنکے واسطے دو کھالیں دیہٹے گاؤ قصابوں سے اور دو کھالیں بز قصابوں سے لی جاتی تھیں۔ بز قصاب والی کھالیں ہاشم پدر رشید و تاشہ نواز کو برائے تاشہ دی جاتیں اور گاؤ قصاب والی سے چمار بمشورہ قادر مذکور نقارے مڑھ کر تیار کرتے تھے۔ نوبا قاں بیو بشیر ہر گھر سے چودھری وصول کرتا اور لاکر داخل امام باڑہ کرتا اور گولی کات کر تیار کرتے ہر پشیہ ور کو حسب حیثیت تمباکو کشیدنی کی تہمی دی جاتی جسپر مہر کارخانہ ہوتی: چٹھی پانولا بذریعہ اسی چٹھی کے تمباکو مندرجہ چٹھی روشن تمباکو ذرش کی دکان سے لے آتا تھا۔ چماروں کی مزدوری فی نفر آدھ آنہ مقرر تھی۔ مالی سہرا تعزیہ و لکڑیاں پنجتا خونکی لاتے تھے۔ روشنی کا انتظام بھی اچھا تھا جسکا ذکر تا بیخوار آگے آوے گا۔

میر محمد کاظم صاحب اور انکی اہلیہ صاحبہ چونکہ شیعہ مذہب رکھتے تھے اسلئے دونوں صاحب بہت شوق کے ساتھ عزاداری میں مصروف رہتے اور بہت درجہ دلچسپی لیتے تھے۔ اہلیہ صاحبہ انکی جب علم کربلائی (نقد تی علم) پورب سے لائیں اسوقت سے میدانپورہ کی عزاداری میں دوبالا رونق ہوگئی اور موصوفہ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اسکے واسطے ایک امام باڑہ خاص ہونا چاہیئے جس جگہ سے یہ علم نکلا کرے چنانچہ انہوں نے شرفائے محلہ میدانپورہ کی رائے سے ایک امام باڑہ زنانہ میر عزا بٹلی صاحب مرحوم خسر میر وزیر علی بہورٹی مرحوم کے مکان میں بنوانے کا فیصلہ کیا (اس مکان میں اکثر زنانی مجلسیں محرم میں ہوا کرتی تھیں) اندرون مکان جانب شرق ایک چھوٹا احاطہ چوبی کٹھرے کا قائم کرکے وسط میں امام باڑہ کیا اور اسکے متصل ایک کوٹھری برائے داشت سامان امام باڑہ بنوائی۔ احاطہ مذکور کیلئے ایک شامیانہ بنوایا جو عشرہ محرم تک لگا رہتا تھا۔ امام باڑے میں مجالس عزا از یکم تا ۹ محرم و سیوم و چہلم کو ہوتی تھیں جنمیں میر تراب علی صاحب کی اہلیہ عمدہ بی بی اور انکی بیٹی مریم بی بی زوجہ میر وزیر علی بہورٹے اور نعمت بی بی ہمشیرہ صاحبہ سید میر محمد صاحب تحصیلدار و کلثوم بی بی بیوہ زادی میر رضا علی صاحب درد و غم کو مرثیہ پڑھتی تھیں۔ نعمت بی بی مذکورہ کی آواز نہایت سریلی لچکدار اور درد آمیز تھی اسلیے وہ صاحب جو تھیں انکا مرثیہ سننے کیواسطے دیگر محلہ جات سے مستورات آکر شامل مجلس ہوا کرتی تھیں شیرینی و روشنی کا جملہ خرچہ میر محمد کاظم صاحب کی اہلیہ صاحبہ کے ذمہ تھا۔ علم کربلائی اسی امام باڑے میں رکھا جاتا اور ۷ محرم کو جبکہ ماتم امام باڑہ سے دروازے پر آجاتا نکا کر گشتہ ہوتا اور گشت ہوکر قریب شام واپس اسی امام باڑے میں پہونچا دیا جاتا۔ علم موصوف کی پچھلی روایات جو کچھ بھی ہوں انکا علم تو خدا کو ہے مگر فی زمانہ اس قسم کا صاف ستھرا وضع قطع کا جاذب نظر علم بہت کم دیکھنے میں آیا ہے۔ بڑی صفت اسمیں یہ ہے کہ مدتہا مدت گذر گئی مگر اس کی نفاست اور عمدگی میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا اس کی برآمدگی کے وقت اسکی شان عظمیٰ قابل دید ہوتی ہے جس کا اثر قلب پر پڑ کر امام علیہ السلام کی یاد تازہ ہوکر باعث غم و الم و گریہ و دلبکا ہوتا ہے۔ علی الخصوص اس وقت جبکہ ماتم کی بڑی جوڑی جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے زنانے امام باڑے جانے برآمدگی علم مذکور کے دروازے کے سامنے ہمراہ ماتم آکر ٹھیرتی ہے اور علم نکل کر جب قریب جوڑی مذکور پہونچتا ہے تو سلامی کیلئے اس کا جھکنا باجوں کا سلامی بجانا نہایت دردانگیز و رقت کا ہوتا ہے۔ اس موقعہ پر صدہا اشخاص قصبہ کے امراء غرباء وغیرہ باہر کے آمدہ

لوگ اور قرب وجوار کے دیہات کے مردوزن کا اس قدر ہجوم وکثرت ہوتی ہے کہ آدمی پر آدمی گرتا ہے۔ یہ تقریباً ۱۲ بجے دن کے نکالا جاتا اور قریب مغرب زنانہ امام باڑے میں پہونچا کر پھر صندوق میں مقفل کر کے میر محمد کاظم صاحب کے یہاں پہونچا دیا جایا کرتا تھا۔ اس وقت اسکے اٹھانے والے میر بندہ حسن صاحب مہتمم صاحب کے خاص عزیز تھے۔ بندہ حسن کے بعد۔ ان کے داماد محمد ہاشم صاحب اور محمد ہاشم کے بعد تبارک حسین خلف الرشید میر بندہ حسن صاحب ایک عرصہ تک اٹھاتے رہے جنکا ذکر آگے آوے گا۔ اس کا پٹکہ جو صندلی رنگ کا تھا علم کے ہمراہ آیا تھا دوسرا پٹکہ سفید ململ کا کسی صاحب نے ۱۹۵۰ء میں بنوا کر اپنا نام نہیں ظاہر کرنا چاہا۔ ۷ محرم کو ۱۰ بجے آخری ڈنکے پر سب اہلیان محلہ و مرثیہ خوانان و بزرگان محلہ امام باڑے میں جمع ہو جاتے تھے محلہ کے بقالوں سے ٹوٹے منگائے جاکر ان پر لقارے ماہی مراتب علم بردار و نشان بردار گلیوں کا چکر تا شام لگاتے تھے۔ مرثیہ خوانان کل جمع ہوتے تھے منجملہ ان کے سواری پڑھنے والے مولوی ذوالفقار حیدر اور مفتی وارث علی مرحومین کا جوڑ ہوتا تھا۔ اور یہ جو اب سواری پڑھی جاتی ہے اس جگہ سے تاتختہ ماتم دو رویہ بزرگان محلہ لاٹھیاں ٹیکے ہوئے سواری سنتے اور اشکبار ہوتے۔ بعد ختم سواری مشہور گویئے غلام حسین کلاونت عرف غلمہ نانا کلن کلاونت و تنو کا کڑکیا بلند اور سریلی آواز سے کہنا ایک کہرام برپا کا سماں برپا ہو جاتا تھا۔ اس موقعہ پر بھی ہزار ہا آدمیوں کا مجمع ہوتا تھا۔ جس سال سید ذوالفقار حیدر نہیں ہوتے تو مفتی وارث علی صاحب موصوف اور منگلو پسر میاں جی رحم علی اس خدمت کو بجا لاتے تھے۔ اسرور بڑی جوڑی تیجا خاں اور انکے بھائی منگلو اور مرثیہ خواں کے پاس کی جوڑی پھریرے رعایا قاضی شریف احمد صاحب مخصوص اٹھاتے تھے اور بیس محرم کو یہی پھریرے علم بردار ہوتے تھے۔ ماتم باہر نکلنے پر مفتی کاظم حسین صاحب چچا وارث علی صاحب اپنے خاص انداز سے مرثیہ (جس وقت لگا باندھنے ہتھیار علمدار) پڑھتے۔ غرضکہ اسیطرح مرثیہ خوانی کے ساتھ زنانہ امام باڑے کے دروازے پر جہاں سے کربلائی علم نکلتا تھا ماتم آ کر رک جاتا جس کا ذکر اوپر آچکا ہے علم نکلنے سے قبل مستورات شبیہ ماتم وغیرہ سے فارغ ہو جاتی تھیں۔ برآمدگی علم پر مرثیہ (جب کٹ گئی سپاہ جناب امام کی) پڑھا جا کر قریب مسجد امیر احمد صاحب خلف الرشید منشی ذوالفقار علی رئیس محلہ کرہ (جب مشک بھر کے نہر سے عباس غازی گھر چلے) پڑھتے اور قریب پھاٹک ختم کرتے۔ پھاٹک سے قریب درخت پاکر شیخ ضیاء الدین صاحب جنکے ہمراہ مولوی سادھیرہ ہوتے۔ مرثیہ زیبا جو شاہ سے پیری میں پیر جوانی ختم شروع کر کے قریب کرہ قاضی شریف احمد صاحب مغفور ختم کرتے تھے۔ مرثیہ خوانوں کی یہ بھتارت تھی کہ غیر محلہ والوں کو موقعہ پڑھنے کا نہ ملتا تھا۔ چنانچہ جوڑوں میں ذوالفقار حیدر اور مفتی وارث علی صاحب مرحومین کا جوڑ تھا۔ ان کا مرثیہ اس خوش الحانی اور سریلی آوازوں میں ہوتا تھا کہ محلہ کے بزرگوار خاصکر اور دیگر محلہ جات کے سامعین ایک وجد کی حالت میں ہو جاتے تھے۔ ۲۰ محرم کو شیخ محمد مظہر حسین برادر شیخ منظفر حسین زمیندار بلہری پور کا تھا جنکے ساتھ باقر علی ولد مقصود علی عرف جین میاں و نوازش علی خلد مولانا یا امر علی صاحب مرحوم پڑھتے تھے۔ جنکا ذکر آگے آوے گا۔ ۷ محرم کو ۸ بجے صبح سے ۱۱ بجے تک علم و نشان باجوں کے ساتھ تمام لوگ معہ شربت و شیرینی کے بکثرت امام باڑے میں لا کر چڑھاتے تھے اور یہ سب اشیا باقاعدہ مہتمم صرف کرتے تھے۔ زنانہ امام باڑے میں بھی علمہائے نقرہ اور نشان اسوقت تک جبتک علم کربلائی نہ آوے بکثرت چڑھتے تھے۔ اس چڑھاوے کا نصف حصہ مہتمم امام باڑہ اور نصف حصہ مہتمم زنانہ امام باڑہ میں تقسیم ہوتا تھا۔ شیخ مظہر حسین صاحب جنکا مرثیہ کاتب الحروف نے سنا ہے۔ ایک نہایت پاٹ دار بلند آواز رکھتے تھے۔ ان کے ہمراہی نوازش علی عرف جین میاں اور باقر علی صاحب بھی اسی وضع کے تھے۔ میں نے اپنے خاص ہوش و حواس میں انکو دیکھا اور مرثیہ سنا ہے آجتک انکی آواز میرے کانوں میں گھر کئے ہوئے ہے جس وقت تعزیہ زیر درخت املی قریب مزار شاہ یٰسین صاحب علیہ الرحمۃ شبکو ۳-۴ بجے آتا اس وقت صاحب موصوف (اے عاقلاں

باہنر د صاحبان ہوش) پڑھتے تھے جنکی آواز ٹیپ کی بلا مبالغہ رفیعت گنج تک جاتی تھی اور اسی طرح ۸ محرم کو جس وقت تعزیہ زنجیو اسی مقام
پہ آتا تو شیخ صاحب مرثیہ (آج شبیر پہ کیا عالم تنہائی ہے) اسی اپنے انداز میں پڑھا کرتے تھے۔ تعزیہ سفید کی رونق اور نفاست
پھاٹک پیر عبداللہ صاحب علیہ الرحمۃ کے مقام پر جبکہ امام باڑے سے نکلکر برائے گشت وہاں جاتا تھا دیکھنے کے قابل ہوتی تھی۔
دوسرے زیر درخت املی جس کا ذکر ہو چکا ہے اسمقام پر کثرت پنجشاخوں کی روشنی تعزیہ کے سامنے مہتابیوں کا جلنا شیخ صاحب
موصوف کا مجمع کثیر میں مرثیہ پڑھنا ایک نوشاہانہ کیفیت معلوم ہوتی تھی اسکے پیچھے زنجیرہ کی رونق و بہار شاہ دوزیکا سماں
معلوم ہوتا تھا۔ جس وقت تعزیہ پھاٹک پیر عبداللہ صاحب مغفور پر برائے گشت آتا تو مفتی کاظم حسین صاحب مرثیہ (بانو کے
سر پہ آج مصیبت کی ہے برسات) پڑھتے تھے۔ ۱۰ محرم کو گیارہ بجے تک کل محلہ میدانپورہ کے تعزیہ جنکی فہرست درج
ذیل معہ بنانے والوں کے ہے۔ جو تعداد میں ۲۴۔ ۲۵ کے ہوتے اور ہمراہ سفید تعزیہ کے گشت میں شامل رہ کر کربلا جاتے
مشہور تعزیوں میں ٹلیوں کا تعزیہ کنجڑوں کا تعزیہ کرم میاں پیرزادہ کا تعزیہ رسول بخش کا تعزیہ حیدری پنجہ بند کا تعزیہ تھے سائیس
کے علاوہ بنر قصابوں گاؤ قصابوں خیاطوں معماران جوئیاں نوربافان گاذدان کے تعزیے امام باڑے میں آکر شریک گشت ہوتے
تھے۔ اہل ہنود کے یہ لوگ تعزیہ بناتے تھے اور شریک عزاداری ہوتے تھے۔ ایشری ساہ بقال ہیرالال بھورجی سوہن
بقال، گوکل تنبولی لچھمن بقال سوہن نجار۔ پیر عبداللہ کے مقام سے کاتب الحروف کے مکان تک جسقدر ریوڑیاں تعزیہ پر
چڑھتی تھیں وہ حق خیاطوں کا تھا اور اسی طرح جب تعزیہ سہ پہر کو مسجد کے آگے مقام کر اٹھایا جاتا تو یہاں سے تا کربلا جس قدر
ریوڑیاں چڑھتیں وہ حق کہاروں کا تھا۔ قریب ۵ بجے دن کے جبکہ تعزیہ متصل مکان مولوی محمد عالم صاحب پہونچتا تو شیخ مظہر حسین مذکور
مرثیہ۔ قتل جب رئیس ہوا اسبط رسول الثقلین) خاص اپنے چنیدہ باذوں کے ساتھ بہت شان سے پڑھتے اس مرثیہ میں ہندی کے
الفاظ ٹیپیں ہیں جو بہت درد آمیز اور بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ اس مرثیہ کے سننے کے واسطے تمام بلگرام کے معززین اہل ہنود
اور حکاماں تحصیل وتھانہ آتے تھے مجمع نہایت کثیر اور بررونق ہوتا تھا ہجوم مردمان کی وجہ سے مرثیہ خوان بمشکل ایک دو ہاتھ سے زیادہ
نہیں بڑھ سکتے تھے۔ اس مرثیہ کا جواب بھی اہل ہنود ہی پڑھا کرتے تھے۔ بعدہ واپسی تعزیہ از کربلا تمام بزرگوار و اہلیان محلہ امام باڑہ
میں موجود ہو کر غم امام علیہ السلام میں شریک ہوتے اور مجلس شربت کی ہوتی اور یہی مجلس سیوم و چہلم کو کربلا میں ہوا کرتی تھی مظہر حسین
کے انتقال کے بعد میر باقر علی صاحب کا قائم ہوا ان کے ہمراہ میر حیات علی اور کرم علی صاحبان پڑھتے تھے۔ یہ جوڑ بھی بہت اچھا مثل مظہر حسین
کے پابند موقعہ موقعہ کا تھا۔ اسی زمانے میں محمد حیدر آباد کے رئیس علی حیدر رضا تعلقہ دار اپنی مہندی ۷ محرم کو نکالتے اور اسی تاریخ
کو ایک مجلس اچھے پیمانہ پر ترتیب دیتے تھے۔ احقر بھی دو ایک مجلسوں میں شریک ہوا ہے۔ اس مہندی کا گشت ان کے مکان سے
نکال کر محلہ سگرا سے ہوتی ہوئی گلی مسجد دائرہ پیر میاں صاحب مغفور سے ہوتی ہوئی ان کے مکان پر پہونچ کر گشت ختم ہوتا تھا بعد
انتقال تعلقہ دار صاحب کچھ عرصہ انکی بی بی نے مہندی نکال کر بند کردی ان کے بند کرنے پر سیمان بیچے و راجے نوربافان بقیمت
ان سے لے کر اسی گشت کے ساتھ نکالتے رہے۔ چند سال کے بعد آپس میں فی مابین کسی بات پر جھگڑا ہو کر بیچے نے نصف قیمت راجے کو ادا کر کے مہندی
اپنے قبضے میں کی اور اپنے مکان محلہ ملکرہ سے نکالا کئے۔ اور گشت محلہ میدانپورہ کا کر کے براہ پھاٹک مولوی محمد حسن مرحوم اپنے
مکان مسکونہ میں لیجایا کئے۔ تمام محلہ کے لوگ شریک ہوتے تھے اور امداد امام باڑہ کلاں کی بھی ہوتی تھی۔ اسطرف راجے
نے اپنی خاص مہندی بناکر اسی طریقہ سابقہ سے نکالنے لگے۔ اس مہندی میں محلہ کا کوئی مرثیہ خوان اس وجہ سے نہیں جاتا تھا کہ راجے
نے بلا مشورہ اہلیان محلہ اپنی مرضی و رائے سے یہ تجویز مہندی کی تھی۔ جب راجے مذکور نے دیکھا کہ کوئی نہیں آتا تو اہلیان میدانپورہ

سے استمداد کرکے امداد چاہی چنانچہ اُسی محلہ کے مرثیہ خواں مہندی اُٹھانے گشت دہی سابقہ برقرار رہا۔ پیچے نورباف کے مرنے کے بعد
اُن کے لڑکے عیدا نے اپنی مہندی کو بہت رونق دی اور فراخ حوصلگی کے ساتھ خرچ کرتے اور ایک مجلس چاؤ قبل از اٹھنے مہندی کے
ترتیب دیتے۔ چنانچہ آج تک وہ مہندی عیدا کے دو لڑکے بادالله و نعمت الله نورباف اُسی شان سابقہ سے اٹھاتے ہیں۔ راجے والی مہندی
کا یہ حشر ہوا کہ راجے اور اون کے لڑکوں امیر و رمضانی میں نااتفاقی ہوئی۔ اختلاف کسی وجہ سے ہو کر راجے معہ اپنے بیٹے رمضانی کے
محلہ سید واڑہ میں جا بسے اور اپنی مہندی بھی ہمراہ لے گئے جو آج تک ۹ محرم کو رمضانی وہاں سے دلچسپی کے ساتھ نکالتے ہیں۔ اس
کے چند سال بعد میر ضیاء الله صاحب نے اپنی مہندی ترتیب دی اور امیر پسر راجے مذکور اپنے طور پر بناتے رہے۔ اس مہندی میں
ضیاء الله صاحب کے خلف اکبر لطیف احمد مرحوم نے بہت رونق دی۔ ایک معنی سے وہی بانی مبانی اس مہندی کے تھے اور خود
بھی مرثیہ بہت شوق سے پڑھتے تھے اور اچھا پڑھتے تھے۔ میداپورہ کی تعزیہ داری کو اُن کے مرثیہ پڑھنے سے بہت مدد ملتی تھی،
لطیف مرحوم کے انتقال پر میر ضیاء الله صاحب کو روحی و قلبی صدمہ پہونچا اس لئے کوئی حس اُن کے قلب میں باقی نہ رہا مہندی
مذکور میں بھی کچھ حصہ نہ لیا۔ بالآخر دو ایک سال کے بعد یہ مہندی بھی نکلنا بند ہو گئی۔ میر محمد کاظم صاحب کی ہمتی میں علی احمد صاحب
رئیس ٹکرہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ اُن کے بیٹے محمد افضل جو کہ پوری ترکیب بنانے تعزیہ سفید کی اپنے والد سے سیکھ چکے تھے تعزیہ سفید
بنانے لگے اُن کی امداد و اعانت عظیم الله صاحب و گھورے سبزی فروش کرتے یہ دونوں صاحب کاغذ کے کٹاؤ کا نہایت صاف
و ستھرا کام کرتے تھے۔ ایک ایک نشان ایک ایک ٹوپی اور ایک ایک سیر ریوڑیاں اُن کی مقرر تھیں۔ باوجود ان دونوں صاحبان
کی امداد کے تعزیہ چار یا پانچ بجے شب کے کبھی نہیں تیار ہوا۔ کاتب الحروف کو خوب یاد اور چشم دید واقعہ ہے۔ ایک دفعہ اتفاق
سے حافظ ذوالفقار حیدر صاحب زمانہ محرم میں ضلع ہردوہ سے بلگرام آئے ہوئے تھے ادہوں نے محمد افضل تعزیہ ساز سے یہ کہا کہ
میں چاہتا ہوں میری موجودگی میں ۲ بجے شب کے تعزیہ نکل جائے تاکہ خوب رونق ہو جو روشنی زائد ہو جائیگی اسکا صرفہ میں دوں گا
علاوہ اسکے پانچ روپیہ کے لڈو تم سب کاریگروں کو نذر کرونگا چنانچہ سب نے اقبال کر لیا مگر ہوا کیا بجائے ۲ بجے کے ۵ بجے صبح کے
تعزیہ نکالا گیا۔ حافظ صاحب موصوف کو اس کا بہت رنج ہوا یہاں تک کہ وہ مکان سے نکل کر بھی تعزیہ دیکھنے نہ آئے اور اس سال سے
ہردوہ سے زمانہ محرم میں تشریف نہ لائے۔ البتہ چندہ برابر روانہ کرتے رہے۔ اسی ہمتی میں ایک واقعہ اہم و قابل تحریر گذرا جس کا خلاصہ
یہ ہے۔ واضح رائے مطالعہ کنندگان ہو۔ صندوق اسباب تعزیہ داری دو عدد ایک میں سفید تعزیہ کا سامان گوشہ کلس وغیرہ دوسرے میں
جوڑی علم کلاں و سامان تعزیہ زنجیرہ ہوتا تھا وہ دونوں صندوق مقفل سربمہر کرکے ابن حسن خاں صاحب نقاش کی حویلی میں رکھے جاتے تھے اور علم کربلائی
کا صندوق جیسا اوپر ذکر ہوا میر محمد کاظم صاحب کے یہاں رکھا جاتا تھا فروری ۱۹۱۸ء میں باوجود کمال حفاظت و مستحکم عمارت کے نہ معلوم
کس طرح چوروں کو موقعہ ملا جو داخل حویلی ہو کر صندوق محمولہ سامان تعزیہ کلاں معہ بڑی جوڑی شاہی و دیگر چند عدد علمہائے نقرئی
معہ پٹکے منقش دوسرے صندوق سے نکال کر سرقہ کر لیگئے۔ صبح کو مالکان حویلی کو جب اسکی خبر ہوئی تو محلہ میں ایک ہلچل پڑ گئی بدحواسی
چھا گئی تھانہ میں رپٹ لکھوائی گئی چونکہ معاملہ اہم اور کثیر مالیت اور مذہبی تھا اس لئے ضلع میں فوراً اطلاع ہونے پر صاحب سپرنٹنڈنٹ
پولیس االجیدن کے موقعہ واردات پر پہونچ گئے صاحب بہادر کے پہونچنے کے قبل چودھری رحیم بخش انچارج تھانہ بلگرام تحقیقات و تفتیش میں
مشغول ہو گئے تھے۔ انچارج صاحب ادھیڑ عمر کے آدمی اور نہایت تجربہ کار و خوش مزاج و شریف لوازمہ، ۲ بجے صبح رپوٹ ہوئی ۸ بجے سے
تفتیش کا آغاز ہو گیا ۱۰ بجے پتہ لگا کچھ سامان و کپڑے شاہ لدہا صاحب مغفور کی درگاہ کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں پولیس وہاں پہونچی دیکھا
گیا۔ تعزیہ زنجیرہ کا کچھ سامان اور کچھ گوشہ اُلجھا ہوا اور دو تین علم برہنہ پڑے ہیں اور اُسی سامان کے ساتھ ایک ٹوپی دوپلی بھی ہے ٹوپی کو دیکھکر

چودھری صاحب اسقدر خوش ہوئے جتنا سامان دستیابی سے ہو سکتے تھے۔ ٹوپی دکھا کر خصوصاً مہتمم صاحب وغیرہ سے خطاب کیا
کہ ہمیں نے کبھی تفتیش کی پالی۔ صاحب سپرنٹنڈنٹ بہادر موقعہ دیکھ اور کچھ ہدایات تھانہ دار صاحب کو کرکے واپس گئے دوسرے دن ہیں نے اپنی
موجودگی میں دیکھا پیش صحن مسجد زیر درخت پاکر تھانہ دار صاحب تحقیقات میں مصروف ہیں۔ تمام قصبہ بلگرام کے دھوبی درزی جمع ہیں سب کو
وہ ٹوپی دستیاب شدہ دکھا کر دریافت کیا کہ یہ کس کے ہاتھ فروخت کیگئی اور کس کے یہاں دھوئی گئی ہے۔ درزیوں نے تو شناخت سے انکار
کر دیا سلاری دھوبی سکنہ میدا پورہ سرائے جلیس والے نے کہا کہ یہ ٹوپی میں نے ایک چمار سکنہ موضع علی گڈھ کی دھوئی ہے اس پر وہ چمار بلایا گیا اور ٹوپی
دکھا کر شناخت کرائی گئی اب کیا تھا کام چل گیا۔ پہلے تو اس نے انکار کیا مگر بعدیں پولیس کی مقررہ عادت سے تنگ آکر اقبال جرم کرکے وہ وہ
انکشافات اس نے کئے جنکو لکھنے سے یہ احقر معذور ہے چودھری صاحب نے چمار گرفتار شدہ سے رہائی کا وعدہ کرکے کل حالات اس سے
دریافت کرلیئے اس نے بیان کیا کہ ایک صاحب ازخاندان ملا ہم تین آدمیوں کو ہمراہ لاکر مرتکب اس فعل کے ہوئے چنانچہ مجھکو دروازہ
بند ہونے سے قبل کیواڑوں کے پیچھے چھپا دیا ہو جب سب لوگ مالکان حویلی پورے طور پر غافل ہو گئے تھے دروازہ کھولدیا وہ حضرت مع دو ہمراہیان
میرے کے حویلی میں پہونچکر صندوق علموں کا اٹھالائے اور بقیہ رات تک سب سامان انہیں کے یہاں رکھا رہا۔ کچھ علم نقرئی خورد اور کچھ گوٹہ
عمدہ لے لیا بقیہ کو مقام برآمدگی پر ڈالدیا اوسکے بعد مجھے بخار سخت آگیا میں غفلت میں گھر چلا گیا مجھے نہیں معلوم بڑی جوڑی علم اور دیگر سامان
کہاں رکھا گیا اس بیان پر تھانیدار موصوف نے ان حضرت کو بلوا کر علیحدہ مسجد میں لیجاکر دو گھنٹے تک گفتگو کرتے رہے اور بالآخر ان سے وعدہ
معافی و اظہار نام نہ کرنے کا کرکے معلوم کرلیا کہ جوڑی علم کلاں مع دیگر سامان کے موضع علی گڑھ کے ایک کنوئیں ویران میں مدفون ہے اس دریافت
پر فوراً پولیس وہاں پہونچی اور حسب نشاندہی علم ہائے کلاں اور دیگر سامان برآمد ہو گیا چاروں گمریاں و عبالہ و کچھ گوٹہ عمدہ
نہ ملا تھانہ دار صاحب کے خلوص و شریف نوازی و معاملہ رسی کی داد دینی چاہئے انھوں نے صاحب سرغنہ کا نام نہ لیا اور ان کو و نیز جس کی ٹوپی
تھی اور جس سے پورا انکشاف ہوا تھا دونوں کو حسب وعدہ چھوڑ دیا صرف ایک چمار کو ۳ ماہ کی سزا دلوائی اس چوری کی برآمدگی کی تمام ضلع میں
دھوم ہو گئی اور صاحب سپرنٹنڈنٹ بہادر جو نہایت نیک صفت اور منصف مزاج واقع ہوئے تھے چودھری رحیم بخش کی سفارش گورنمنٹ میں کرکے
ان کو انسپکٹر پولیس کرا دیا۔ محلہ میدا پورہ میں اس جوڑی کی برآمدگی سے بڑی مسرت پھیل گئی اور ہر کہ و مہ خوش نظر آتا تھا۔ لطف یہ ہوا کہ انہیں
سرغنہ صاحب نے تجویز پیش کی کہ اس خوشی میں ماتم نکالا جائے جس میں جوڑی سب کو دکھائی جائے چنانچہ تجویز پاس ہو کر ماتم، محرم والے گشت سے
نکالا گیا خود بدولت نے مرثیہ بڑے شوق و ذوق سے پڑھا ان کا نام افسوس پوشیدہ نہ رہا سب کو معلوم ہو گیا تھا مگر وادی تہذیب و
شرافت نوازی اس زمانے کی کہ کسی نے ان کے مرنے تک اظہار اس کا نہ کیا اور نام نہ لیا اور سب اخلاق و اعزاز سے بدستور ملتے رہے اس
واقعہ کے ہونے سے بہت سامان مثل گمریاں و گوٹہ وغیرہ تلف ہو گیا تھا اور نیز جوڑی کے بہت آویزے ضائع ہو گئے تھے چنانچہ اس سال
محرم بے لطفی کے ساتھ ہوئے۔ دوسرے سال میر محمد کاظم صاحب کے انتقال ہونے پر ان کے حقیقی بھائی میر ابوالقاسم صاحب مہتمم ہوئے
ان کے وقت میں چندہ دہندگان سے الصفا چندے کی خواہش کیگئی جسکو سب نے بخوشی منظور کرلیا اور اسی رقم زائد وصول شدہ سے گوٹہ و عبالہ و دوسرے کلس
نقرہ و سامان برباد شدہ تعزیہ زنجیرہ کا لکھنؤ سے منگوایا گیا۔ گمریاں تکلو گانہ قصاب سکنہ محلہ تکرانے میدا سنار سے نقرئی بنوا کر تعزیہ کو مزین کیا
اسی طرح سال بسال کوئی نہ کوئی کچھ نہ کچھ امداد کرتا رہا۔ میر محمد ابوالقاسم کی ہستی بھی بہت اچھی رہی کسی کام میں کوئی کمی نہ ہوئی انکے زمانہ مہتممی میں ایک
واقعہ یہ ہوا کہ علی احمد صاحب رئیس بلگرام کی وفات کے بعد انکے بیٹے محمد فضل نے کل جائداد مثل باغ وغیرہ حتیٰ کہ مسکونہ مکان و نیز امام باڑہ بنا کردہ اپنے والد محترم کا
کھود کر تباہ و برباد کر دیا۔ امام باڑہ کھودنے پر ایک مزدور کرامت نامی نور بان بنیاد کی مٹی کے نیچے دب کر مر گیا۔ زمین امام باڑہ فروخت ہو گئی جسکو میرن
سبزی فروش ولد بھولے نے خرید کرکے امام باڑہ بنوایا اور کاغذ بنیا مہتمم امام باڑہ کو دیکر نظر امام کر دیا اور وصیت کی کہ میری قبر اسی امام باڑہ میں بنائی

جائے چنانچہ انکی وصیت کے موافق انکے بھتیجہ کھونے وہیں انکو دفن کرکے قبر بنوا دی جو اب تک موجود ہے اور امام باڑہ مذکور اب بالکل منہدم ہو گیا ہے
ابوالقاسم کی وفات کے بعد میر بندہ حسن ولد محمد رضا صاحب مہتمم ہوئے انکے وقت میں بھی کام اچھا چلتا رہا اور علم کربلائے جو میر محمد کاظم صاحب کے یہاں
رہتا تھا بوجہ انتقال ان دونوں بھائیوں کے میر بندہ حسن کی ملکیت میں آکر انکے یہاں رکھا جانے لگا اور نیز روضہ شریف جسکی زیارت ۱۰ ربیع الاول کو
صحن مسجد زیر پاکڑ میں کرائی جاتی تھی اور نہایت کثیر مجمع ہوتا تھا اور یکم ربیع الاول سے بارہ تاریخ تک پنجوقتہ نوبت بجتی اور ۱۱ و ۱۲ کو دو مجلسیں زنانہ و مردانہ بڑی دھوم
کی ہوتی ہیں نے بچشم خود دیکھا ہے کہ تمام صحن بلکہ بیرون دروازہ مسجد کا بھر جاتا تھا اور ڈیڑھ دو سو روپیہ نذر کا آتا تھا جس کا حشر یہ ہے کہ اب صرف ۵۰
آدمی زیارت میں ہوتے ہیں جو سید مصطفےٰ صاحب مہتمم حال امام باڑہ کے یہاں کرائی جاتی ہے میر بندہ حسن کی مہتممی میں زیادہ تر پیش پیش ان کے صاحبزادے
بہار حسین اور محمد ہاشم صاحب ان کے داماد رہتے تھے۔ اُن کے وقت میں سالانہ چندہ میں بہت کمی ہو گئی جس کی وجہ یہ ہوئی کہ بڑے بڑے چندہ
دینے والوں کا انتقال ہو گیا تھا۔ بہر حال کام اچھا چلتا رہا۔ بعد انتقال میر بندہ حسن صاحب پھر کمیٹی برائے انتخاب مہتمم قائم ہو کر جمہوری مہتممی قرار
پائی اور میر حسن علی خاں صاحب و میر محمد حیات صاحب و حافظ سید اولاد احمد صاحب مہتمان قرار پائے۔ شیر دمیان اور اسرار محمد کا انتقال
ہو گیا تھا اس لئے حسین احمد عرف سید میاں سامان کو تعمیری کے نگہبان اور ادویہ کے کام کے واسطے رحمت اللہ و الٰہی بخش اللہ دی ساز
مقرر ہوئے سید میاں موصوف اور حفیظ الدین مرثیہ کا جواب بھی پڑھتے تھے واپسی امام باڑہ علم و تعزیہ پر خصوص مجری فرماتے تھے سر در
بھی کھا رہے ہے مت منا و قبر میں زہرہ جگر افگار کو۔ مار کر زینب کے بیٹوں کو یہ کہتے تھے لعین۔ آج گویا ہم نے مار ا جعفر طیار کو۔ نہایت لہجہ سے
پڑھتے تھے اُن صاحبان کی مہتممی میں چندے کی بہت کمی ہو کر اہلیان سید واڑہ نے چندہ دینے کی خواہش ظاہر کی خصوصاً تعلقہ داران
مثل وصی حیدر و محمد اشرف صاحبان نے بہت زور ڈالا اس کی بابت اہلیان محلہ کی پھر کمیٹی ہوئی اور فیصلہ یہ ہوا کہ غیر محلہ کا چندہ
بالکل غیر واجب ہے جو صاحبان محلہ کا چندہ دیتے ہیں اُن کا روپیہ بند کر دیا جائے اور قاضی پورے والے صاحبان سے خواہش چندہ ظاہر
کی جائے اور نیز دیگر صاحبان سے جو اب تک چندہ نہیں دیتے اون سے استدعا کیجائے غرضکہ یہی ہوا۔ قاضی پورے میں اسی سال سے حکیم یعقوب علی
صاحب و قاضی مصطفےٰ علی صاحب نے چندہ دینا شروع کیا۔ اہلیان سید واڑہ کو انکا چندہ دینا ہے ملال ہوا ان مہتمم صاحبان کے
وقت میں تعزیہ داری بڑی شان سے اور اچھے پیمانہ پر ہوتی رہی اور خوب رونق رہی ان کے وقت میں محمد افضل بن علی احمد کے انتقال سے سعید
تعزیہ بنانے میں بڑی دقت پیش آئی۔ کوئی آدمی واقف کار نہ رہا قدرتاً محمد صدیق ابن محمد عباس صاحب رئیس قاضی پورہ نے تعزیہ بنانے کی خواہش
ظاہر کی اور سعی اور شوق کے ساتھ مشغول ہو گئے ایک تیلی کو جسکو گز کی تیلی کہا جاتا ہے اس سے صاحب موصوف نا واقف ہو کر بہت تشویش
میں پڑ گئے اس ایک تیلی سے پورا تعزیہ مکمل ہو جاتا تھا افضل مرحوم نے اس تیلی کی کاٹ چھانٹ اور موقعہ بندش سے غیبت طینت و طبعی مخصوصیت سے
واقف نہیں کیا محمد صدیق صاحب کو بہت ہی اسکی پریشانی تھی انکا بیان تھا کہ ایک شب خواب میں مجھے ایک بزرگوار نے تیلی مذکور کا پیمانہ اور کاٹ
چھانٹ سے آگاہ کیا صبح کو میں نے خواب کے موافق جو مجھکو یاد تھا تیلی بنا کر موقع پر نصب کی بالکل ٹھیک اور درست آئی (واللہ اعلم بالصواب) صدیق صاحب کی امداد میں
سید بشیر حسین نواسہ میر خورشید حسین صاحب مرحوم کام کرتے رہے اور تعزیہ حسب دستور خوبصورتی میں فوق البھرک بنا۔ مولوی عبد الولی صاحب کا دستور تھا
کہ تعزیہ جب پاکڑ کے نیچے آتا تو مولوی صاحب اُس زمانے وقت میں تعزیہ مذکور کی نفاست اور بہار و رونق دیکھنے آیا کرتے تھے اور گھنٹہ نصف گھنٹہ دیکھکر
واپس ہوتے تھے اکثر مولوی صاحب موصوف کا یہ معمول تھا اللہ اعلم مولوی صاحب نے مہتمان سے یہ خواہش ظاہر کی کہ شب کا گشت تعزیہ کا پھاٹک سے
نکال کر قاضی پورے کی طرف سے مثل دن کے گشت کے امام باڑہ تک واپس لایا جایا کرے روشنی زائد کا صرفہ میں برداشت کر لیا کروں گا۔ یہ اون خواہش کی
اکثر اہلیان محلہ اور خصوصاً حکیم یعقوب علی صاحب مرحوم نے تردید کرکے فرمایا کہ اگر ایسا ہوا تو دیگر محلے والے بھی روشنی کا خرچہ دیکر اپنے یہاں تعزیہ کا گشت مقرر کرا لینگے
پس یہ خواہش منظور نہ ہونا چاہئے اور یہی ہوا کہ مولوی صاحب کو انکاری جواب دیدیا گیا اسوجہ سے مولوی صاحب تعزیہ بنانے کے خلاف ہو کر محمد صدیق صاحب

کو تعزیہ بنانے سے مانع ہوئے۔ صدیق صاحب بھی شیدائے امام اور بہت طریقین تھے۔ سب کو چھپ چھپ کر آتے اور بشیر میاں کو ساتھ لیکر کے ان کو ہدایت ہر طرح کی کر جاتے مولوی صاحب کو یقین تھا کہ اب تعزیہ نہ بنے گا تو مطمئن ہو گئے اور جب ۹ محرم کی شب کو تعزیہ اُسی شان سے نکالا گیا۔ تو ان کو بہت تعجب ہوا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ باوجود میری ممانعت و نگہبانی کے محمد صدیق پوشیدہ طور پر جاتے ہیں تو اس سال سے اپنی ممانعت صدیق میاں سے اُٹھالی اسجگہ ایک لطیفہ قابل ذکر ہے اسی سال جبکہ مولوی صاحب مانع ہوئے تھے اور تعزیہ ۱۰ محرم کو دوپہر ۲½ بجے کے قریب انکے کمرے کے نیچے پہونچا تو اتفاق سے ایک مہمان مولوی صاحب مخالف عزاداری کمرے کی کوٹھری جانب غرب نماز ظہر پڑھ رہے تھے بعد فراغت نماز کھڑکی جانب جنوب کھول کر تعزیہ کو دیکھکر فرمانے لگے کہ کم بختوں نے ایسا خوبصورت و عمدہ بنایا ہے کہ جس کے دیکھنے سے دل خوش ہوتا ہے۔ میں پہلے تحریر کر چکا ہوں کہ آمدنی چندہ کم ہو گئی تھی بہت سی تعزیہ کی ضروری چیزیں بنوا نا تھیں چنانچہ اس کمی کو محسوس کر کے بوجان صاحبہ اہلیہ منشی قربان احمد وکیل اور انکی دختر اسمی بندہ بی بی نے اپنے ہاتھ سے نہایت خوبصورت و سچے سلمے ستارے کا ایک گردنہ بنا کر اور لکھنؤ سے سچے کام کی پھلیاں دروں کی منگوا کر دروں میں رونق دی اور چندہ دینا شروع کیا یہ گردنہ عرصہ تک بکار آمد رہا۔ ۱۸۸۲ء میں بیادگار حسینی سیزدہ صد سالہ ایک دیگر گردنہ اہلیان سید واڑہ نے بنوا کر تعزیہ میں رونق دی۔ اسی ہستی ۱۸۹۴ء میں میر سید حسین نے اپنی لڑکی اسمی بنو بی بی کی شادی سید محمد احمد صاحب ابن نظیر احمد صاحب کے ہمراہ کی اور بر وقت عقد مجلس شربت ترتیب دیکر بینیوں میں تقسیم کیا اس جمہوری ہستی کے دوران میں دو دفعہ قاضی مصطفےٰ علی صاحب مرحوم اکثر آموں کی دعوت اہلیان محلہ و کارگیران امام کی کیا کرتے تھے ایکسال ہی نے اپنی بوجوگی دکھا کر کئی جھابے آموں کے اپنے ہمراہ لاکر خوشی خوشی سب کو کھلاتے تھے۔ اسی ہستی میں مساۃ محمدی بیگم بنت شیخ وزیر علی ہانکے زمینداره بلہری پور نے اپنے لڑکے محمد حسین کے تقریب ختنہ میں ایک چھالر تعزیہ لکھنؤ سے منگوا کر شیرینی کے ساتھ امام بارگے میں بھیجی جو اب تک موجود ہے اور ختنہ میں بتاشے کلاں بہت افراد کے ساتھ تقسیم ہوئے تھے دو واقعہ اسی ہستی میں قابل تحریر ہیں ایک مجلس چودھری محمد اشرف صاحب کا دوسرا تبارک حسن ابن بندہ حسن صاحب کا۔ اول الذکر کا حال یہ ہے ایکسال ۱۸۹۶ء میں ۹ محرم کو مجلس عزا میاں چودھری محمد اشرف المعروف چھٹو میاں صاحب مرحوم کے یہاں حسب دستور سابق اہلیان میدانپورہ جس کے قافلہ سالار سید حسن صاحب تھے جا کر شریک ہوئے اس قافلہ میں تمام محلے کے لوگ مثل علی حسین خورشید حسین یا د علی وارث علی پیرزادہ کاتب الحروف وغیرہ وغیرہ شامل تھے انکے مجلس شروع ہو گئی میدانپورہ والوں کے واسطے ایک جگہ علیحدہ نشست کیواسطے مقرر کر دی جاتی تھی اور وہیں پیر صاحب خانہ میدانپورہ والوں کو بٹھا دیا کرتے تھے بعد سوز و مرثیہ خوانی دلو میاں صاحب کے صاحبزادے جنکا نام لکھنا فضول ہے ممبر پر پہونچے بعد دو ایک بند پڑھنے کے ایک بند ایسا پڑھا جس میں بیجا یہ کلام کی نعوذ باللہ توہین تھی مجلس خوب رونق و شان پر تھی اس مجمع کثیر میں اکثر اصحاب نے سُنا اور اکثر نے کچھ خیال بھی نہ کیا مگر سید حسن و علی حسن صاحب بلہری پور نے جو کہ غور سے مرثیہ سُن رہے تھے ان دونوں صاحبان و نیز دیگر صاحبان محلہ سلہڑہ وغیرہ نے سنا بس یہ سنتے ہی سید حسن صاحب کو بہت جوش آگیا اور اُسی جوش میں تقریر کرتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے ان کا اُٹھنا تھا کہ تمام اہلسنت اُٹھ کھڑے ہوئے ایک ہنگامہ عظیم پیدا ہو کر مجلس درہم برہم ہو گئی اور سب لوگ واپسی پر آمادہ ہو کر چلدیے۔ صاحبزادہ صاحب کو اہلیان سید واڑہ اور انکے ہم مذہبوں و نیز ان کے والد دلو میاں صاحب نے بہت زجر و توبیخ کی اور انکو مجلس سے بھگا دیا چودھری محمد اشرف صاحب عالم بیماری میں دوسرے مکان میں تشریف رکھتے تھے انہوں نے یہ واقعہ سنکر بیحد و بے انتہا ملال کیساتھ فرمایا افسوس ہی چھوکرے نے مدتوں کا اخلاص و میل تباہ کر دیا میدانپورے والے واپسی میں جبکہ بیرونی آمد کے دروازے سے پُر غضب نکل رہے تھے اسی وقت اتفاق سے علی بہادر صاحب میر امجد علی صاحب وکیل اور چودھری وصی حیدر صاحب مرحومین داخل مجلس ہونے کیواسطے دروازے پر پہونچے اور سید حسن صاحب سالار قافلہ میدانپورہ و نیز ایک مجمع کثیر کو واپس ہوتے ہوئے دیکھکر تعجبانہ نگاہ ڈالی سید حسن صاحب موصوف نے بڑھکر اُن دونوں صاحبان سے شکایت کی اور چلدیئے دونوں صاحبان حقیقت حال سے واقف ہو کر بہت ملول ہوئے اور چودہری

محمد اعرف کی مجبوری پر باسف آمیز کلمات استعمال کر کے پھر یہ تینوں حضرات و نیز دیگر معززین سید واڑہ حسب الطلب محمد اشرف صاحب کے پاس پہونچے
تو اُن کو بہت ملول اور رنجیدہ دل پا کر ہمدردی فرمائی بالآخر مشورہ بمواجہ جملہ شرفاء یہ رائے قرار پائی کہ مجلس کی بدنامی تا مدت مدید قائم رہیگی
اسلئے میدانپورے والوں کو رضامند کر کے اس مجلس کو از سر نو ترتیب دیا جائے چنانچہ ڈپٹی علی بہادر صاحب و امجد علی صاحب بطور سفیر امام باڑہ
میر حسین علی صاحب و اولاد احمد و محمد حیات صاحبان مہتمان کے پاس آئے اور میر سید حسین اور دیگر معززین کو امام باڑے میں جمع کر کے قریباً ایک گھنٹہ
کامل جا تک سلسلہ بحث و مباحثہ دونوں صاحبان نے اپنی گویائی صرف کر کے بڑی لجاجت سے معافی طلب کی بالآخر مہتمان صاحبان نے
اپنی رضامندی ظاہر کر کے مجلس میں چلنے کا عزم کر لیا۔ ڈپٹی صاحب موصوف نے میر حسین علی صاحب جو کہ پیروں سے مجبور تھے ڈولی پر سوار کر کے ہمراہ لیا
اور سید حسین صاحب نے کل اہلیان محلہ کو زیر درخت پاکڑ جمع کر کے ساتھ لیا اسوجہ سے یہ خبر تمام قصبہ میں پھیل گئی کہ شیعہ سنیوں میں جھگڑا ہو گیا چار طرف کے
عام لوگ و نیز دیہاتی جمع ہو گئے یہ حالت سنکر پنڈت کشن نراین صاحب تحصیلدار بلگرام اور ٹھاکر بسنت سنگھ تھانہ دار صاحبان موقع پر پہونچے
زیر قلعہ و بالائے قلعہ ایک ہجوم عام مجمع دیکھا یہ موقعہ ہوگا کہ ان دونوں صاحبان کی صفت و ثنا پوشیدہ رکھی جائے پنڈت صاحب کشمیری النسب
نہایت منکسر المزاج مخیر شریف و غربا پرور واقع ہوئے تھے بیسیوں راند محتاجوں پردہ نشینوں کی تنخواہیں مقرر کر دی تھیں اور ہر جمعہ کو ۱۰ محتاجوں
کو بہنے دستو تقسیم کرتے تھے اُن کی تحصیلداری میں رعایا بہت امن چین میں تھی اسی طرح ٹھاکر بسنت سنگھ بہمہ صفت موصوف بیحد نیک و خوش
اخلاق واقع ہوئے تھے۔ یہ دونوں صاحب بلگرام کے واسطے آفتاب مہتاب کا درجہ رکھتے تھے اس وقت سے آج تک ایسا بااخلاق تھانہ دار
اور غریب پرور تحصیلدار بلگرام میں نہ آیا نہ آویگا۔ غرضیکہ جب ان ہر دو صاحبان نے مجمع کثیر دیکھا تو واللہ باللہ میری چشم دید بات ہے کہ ڈپٹی صاحب
ہر کس و ناکس کی خوشامد کر کے لڑکے کی غلطی کو معاف کراتے تھے اور ہر طرح پر دونوں صاحبان فساد فرو کرنے میں مشغول تھے اور اس طرف ڈپٹی علی بہادر
صاحب نے بالائے قلعہ متصل اسکول ایک منبر پر کھڑے ہو کر کلمات معافی و تشفی کے بیان کر کے کہا کہ ہمارے بھائیوں نے چونکہ ہماری تقصیر معاف
کر دی اور مجلس میں شمولیت کر رہے ہیں اسلئے تم سب بھی درگذر کر کے شامل مجلس ہو۔ تحصیلدار و تھانہ دار صاحبان اور ڈپٹی صاحب کی معذرت
سے مجمع منتشر ہو گیا اور خاص خاص لوگ داخل مجلس ہوئے اس روز اس طرح مجمع مجلس میں ہوا کہ کبھی کسی مجلس میں نہ ہوا تھا اُتنا ہی
کہ شیرینی تقسیم میں کافی نہ ہوئی تو بازار سے بتاشے و ریوڑیاں منگوا کر تقسیم ہوئیں اور مجلس بخیریت ۵ بجے شام کے ختم ہوئی۔ تحصیلدار و تھانہ دا
صاحب نے نہایت ہی نیک نیتی کیا تھا اسروز برتاؤ کیا اور تا اختتام مجلس موجود رہے اس سال سے ہر مجلس میں اہل تسنن میدانپورہ نے جانا ترک کر دیا
موافق تذکرہ نصف اہم قابل تحسین یہ ہے میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ بعد انتقال میر محمد کاظم و ابوالقاسم صاحبان کے علم کربلائی کا صندوق تبارک حسین
ابن مندہ حسن صاحب کے یہاں رہتا تھا اور وہیں نکالا کرتے تھے۔ جب چند محرم سید واڑہ والوں کا لینے سے میدانپورے والوں نے انکار کیا۔
تو انکو ایک موقعہ کی تلاش و جستجو رہتی۔ تبارک حسین بعد انتقال اپنے والد میر مندہ حسن کے بہت تنگ معاش و مجبور ہو گئے تھے۔ جائداد جو کچھ تھی وہ
اور حصہ مکان مسکونہ کا کھد گیا تھا مسماۃ ریحان فاطمہ اور انکے دو بھائیوں کی بسر اوقات نہایت عسرت کے ساتھ ہوتی تھی کچھ امداد ریحان فاطمہ
کے میکے والے یعنی تبارک حسین کے ننہال والے کرتے تھے جو آرہ کو اپنے میں تھے آخر میں وہ مکان بقیہ بھی کھد گیا اور کھیت ہو کر قاسم لساہی کے
قبضہ میں اب ہی اس تقسیم اور ہجرت کے زمانہ میں تبارک حسین نے میدانپورہ کے واسطے وہ کام نمایاں کیا کہ آبادی بلگرام و محلہ میدانپورہ تک انکو بغیر
تحسین و آفرین سب لوگ یاد کرینگے حالت تنگدستی میں ہر شخص برا بھلا کرنے کو تیار ہو جاتا ہے ایک ہستی تبارک حسین کی بہن کی ایسی تھی جس نے
وطن نہیں چھوڑا پردہ ان وحال کو کچھ نہیں سمجھا۔ اہلیان سید واڑہ والوں کو تبارک حسین کی کلفت اور تنگی حالت سے فائدہ اُٹھانے کا اچھا موقعہ
ہاتھ آیا اور انہوں نے اپنے مفاد کو زیر نظر رکھکر ایک دن آپس میں مشورہ کیا کہ اسوقت کچھ روپیہ تبارک حسین کو دیکر علم کربلائے حاصل کر لیا جائے
بانی مبانی اس مشورہ کے چودھری وصی حیدر صاحب تھے چنانچہ اسی روز چندہ حسب تفصیل ذیل کیا گیا وصی حیدر صاحب ۔۔۔ ۱۔ محمد اشرف صاحب ۵

بچو میاں صاحب ۲۵۰۔ دیگر اہلیان سید واڑہ ۲۵۰ کل میزان ۳۰۰۰ جمع کر کے ایک دن شب کو خفیہ طور پر تبارک حسین کو میر حیدر صاحب نے بلوا کر دعوت کی اور مدعا پیش کر کے ۳ ہزار نقد دینے کا وعدہ کیا اور یہ بھی کہا کہ مبلغ پانچسو اسوقت لیجائیے بقیہ صندوق لانے پر بیجا ئیگا۔ شب کو وافر روپیہ لیجانا مناسب نہیں اور یہ تجویز پیش کی کہ کل دوپہر کو جس وقت لو اور دھوپ کی شدت ہوگی اور گلیوں میں سناٹا ہوگا ہم دو تین آدمی بھیجدینگے آپ اُن لوگوں سے صندوق اُٹھوا کر لے آئیگا اور بقیہ کل روپیہ لیجائیگا۔ غرضیکہ کل مرحلے طے ہوگئے۔ دعوت سے فراغت پا کر روپیہ پیشگی لینے سے انکار کر کے تبارک حسین گھر واپس آئے علم کی قیمت و دعوت کا حال اپنی والدہ ریحان فاطمہ المعروف مدن بی بی سے بیان کیا۔ بھائیوں کی کج طبیعت کا رجحان اسبات پر قائم ہوا کہ ایسا ہونا چاہئے کہ بس سو میدا نیورہ کی عزاداری کی رونق بیچ کر کے تا زندگی اور تا آبادی محلہ اپنے آبا و اجداد پر سیاہ داغ لگائیں تمام رات اسی خلجان و پریشانی میں اس بیچارے نے گذاری بالآخراس فیصلہ پر قائم ہوئے کہ علم وغیرہ کو محلہ والوں کے سپرد کردیا جائے دوسرے دن ماہ جمادی الآخر کی ۵ تاریخ تقریبا ۱۰ بجے دن کے میر حسن علی صاحب کے یہاں سب اہلیان محلہ کو جمع کیا اور جب دیکھا کہ سب بزرگ محلہ آگئے۔ تو برضامندی دونوں صندوق بشمول علم کربلائی دیگرے ہوئے مبارک بمراہی برادر لاکر سب اہلیان محلہ کے سامنے رکھدئے اور کہا کہ آج تک ان اشیاء معظمہ کے حامل و سپردار و نگہبان ہم رہے آج یہ دونوں امانتیں آپ صاحبان کی سپرد کر رہے ہیں جسکو اس امانت کے بار اٹھانے کے لائق سمجھے انکو سونپئے میں آج اس سے کنارہ کش ہو کر بصد ادب آپ صاحبان سے معافی خطا گذشتہ و آئندہ کی چاہتا ہوں یہ کہکر موصوف گریہ و بکا میں مشغول ہوگئے اُن کے رونے سے حاضرین میں سے بہت سے لوگ رونے لگے جب سکون ہوا تو حیرت ہوئی کہ آج تبارک حسین خلاف معمول ایسا کیوں کر رہے ہیں۔ اصلیت اس کی کیا ہے میر خورشید حسن وغیرہ صاحبان نے بعد سب حال دریافت کیا تو پورا قصہ تعلقہ داران کا بلاکر دعوت کرنا و ہزار روپیہ علم کا دینا اور دوپہر کو علم پہونچا دینے کا وعدہ کر کے سارا روپیہ لیجانا من وعن بیان کیا اس بیان پر تھوڑی دیر کیلئے سکوت طاری رہا اس کے بعد جملہ حاضرین موقعہ میں سے اکثروں نے تبارک حسین کو گلے سے چمٹا لیا اور سب نے بے حد تعریف و توصیف کر کے دونوں امانتوں کو سید خورشید حسین صاحب کے سپرد کر کے یہ کہا کہ آپ کے یہاں سامان تعزیہ اور جوڑی کلاں علم کی رکھی جاتی ہے آپ ہی ان اشیاء معظمہ کو بھی امانتاً رکھئے چنانچہ اسی وقت صاحب موصوف کو دونوں چیزیں دیدی گئیں جو آجتک انہیں کے یہاں سے علم نکلتا ہے اور رکھا جاتا ہے اس کارروائی کی خبر بھی سید واڑہ میں پہونچی اور تعلقہ دار صاحبان کو بہت خفت و ندامت اٹھانا پڑی اس کے بعد تبارک حسین دو ماہ بلگرام میں قیام کر کے شعبان میں مع اپنی والدہ محترمہ و بھائیوں کے روانہ آرہ کو اتہ ہوگئے ۔ ۱۳۴۳ھ میں میر حسین و میر محمد حیات کی وفات پر جمہوری بستی ٹوٹ گئی سید خورشید حسین صاحب مہتمم مقرر ہوئے ان با اخلاق بزرگ نے اپنی نیابت میں حقیر کاتب الحروف کو رکھا چونکہ صاحب موصوف ضعیف البصارت تھے اس لئے جملہ کام نوشت و خواند و حساب وغیرہ کا بھی کمترین کیا کرتا تھا اور سپردگی کو ٹھری کا مان عزاداری بھی کمترین سے متعلق تھی اُن کے وقت میں آمدنی چندہ بہت کم ہوگئی تھی اس لئے تعلقہ داران کی خواہش پر چندہ لینا قبول کیا گیا اور اس تفصیل سے چندہ آنے لگا۔ سید علی حیدر صاحب ۔ سید محمد جواد صاحب ۔ سید علی حسن تعلقہ دار چاندپور مع سید حمید الحسن صاحب ۔ میر خورشید حسین صاحب کے زمانے میں بھی اچھی رونق رہی اُن کے وقت میں کسی بات کی کوئی کمی نہیں ہوئی حکیم سید الرشید ابن یعقوب علی صاحب مرحوم نے انہی کی بستی میں مرثیہ پڑھنا شروع کیا اور بہت اچھا پڑھتے تھے ان کے ساتھ یہ احقر بھی پڑھا کرتا تھا۔ دو مرثیے جب کھلگئی سپاہ و جناب امام کی دیگرے پوربی مرثیہ یہ مرثیے اچھی شان اور بلند آواز سے پڑھتے تھے جیسا مظہر حسین و باقر علی صاحبان مذکورین پڑھا کرتے تھے سید مصطفےٰ حسین صاحب کی بستی میں انکا مرثیہ ہر موقعہ پر ہوتا رہا۔ اُن کے نا وقت انتقال سے سب کو ایک با اخلاق و مجسم نیک نہاد ہستی سے محروم ہونا پڑا مرحوم کے انتقال کا ذکر آگے آتا ہے گا میر خورشید حسین صاحب کے وقت میں تیل روشنی کا انتظام اس طرح تھا ۔ تفصیل بحث خرچ

چاندرات کو محرم ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ ۸ ۱۲ ۵ ۶ ۹ تیل کی تفصیل یہ تھی۔ یکم محرم ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ ۹ ۵

اندرون کارخانہ تعزیہ داران متفرق کل

ان کی ہستی بہت اچھی رہی۔ اُن کے انتقال کے بعد ان کے بلادر خورد سید حسن صاحب مہتمم ہوئے۔ اُن کو بھی تعزیہ داری کا بہت شوق تھا اس لئے یہ علاوہ آمدہ چندہ کے بہت رقم اپنی ذاتی صرف کرتے تھے ۵ محرم کو تھوڑی کھچڑی ۹ کو کھانا علاوہ کاریگران و مرثیہ خوانان کے محلہ والوں کو امام باڑہ میں بلوا کر کھلاتے تھے۔ تعزیہ زنجیرو عمدہ لکڑی کا بنوایا صحن امام باڑہ میں دو چبوترے ایک برائے تعزیہ سفید اور دوسرا زنجیرو رکھنے کے لئے بنوا دئے تھے جب تک وہ زندہ رہے تعزیہ بشیر حسین اور صدیق میاں بناتے تھے انہی کے انتقال کے بعد ان کی صاحبزادی خوب بی بی اپنی حیات تک ۵ محرم کو مخصوص کھچڑی امام باڑے میں بھجا کرتی تھیں۔ سید حسن کے انتقال کے بعد سید علی حسین المعروف لسو میاں صاحب ابن خورشید حسین صاحب مہتمم ہوئے اُن کے وقت میں بھی یہ احقر کام کرتا رہا۔ انکی ہستی میں ریاض الحسن عرف رُجلی عاشق امام بہت امداد اعزاداری میں کرتے اور تمام عشرہ امام باڑہ میں موجود رہ کر کام خود کرتے اور دوسروں سے ترغیب دیکر کراتے تھے غرضیکہ انکی وجہ سے امام باڑہ کو بہت امداد ملتی تھی۔ صدیق میاں کا انتقال ہو گیا اسلئے میر ضیار الدین صاحب تعزیہ بنانے میں شریک بشیر میاں ہو گئے اور بہت شوق ذوق سے منہمک رہتے تھے۔ لسو میاں صاحب کی ہستی میں مسمات بوجان زوجہ منشی قربان احمد کول اور اہلیہ سید حسین علی صاحب مرحوم رئیس سید واڑہ نے تعزیہ سفید کا سامان بوسیدہ نکلوا کر نیا لگوا دیا اور سید سجاد حسین مدار المہام سید وصی حیدر صاحب تعلقہ دار نے اپنے یہاں سے چندہ کرکے امام باڑے مینا پنورہ کی مرمت شکست ریخت کا انتظام کیا اور لسو میاں صاحب کے مشورے سے پہلے پھاٹک کو از سر نو بنوایا اور اسکے کواڑ لوہے کی پتی کے بنوا کر لگوا دئے تھے کہ کسی بات پر سجاد حسین اور مہتمم صاحب کی رائے میں اختلاف ہو کر تنازعہ ہو گیا اور مدار المہام صاحب نے مرمت تعمیر بند کر دی اور روپیہ جمع شدہ سے پھاٹک امام باڑے سید واڑہ متصل درگاہ حضرت عباس بنوا دیا ایک سال اتفاق سے دو تیرہ ۲ محرم کو نکالا نہ گیا تو حکیم عبد الرشید مرحوم نے لسو میاں صاحب سے باز پرس کر کے کہا کہ یہ تعزیہ داری حسبہ رہی ہے نہ کہ شخصی آپ کو اختیار نہ اٹھانے کا ہرگز نہ تھا میرے روبرو کا واقعہ ہے کہ مہتمم موصوف (خدا تعالیٰ انکو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے) اس باز پرس کا بہت احترام کر کے حکیم صاحب سے معذرت پیش لائے۔ سبحان اللہ ایسے بزرگ نیک صفت اب کہاں ہوتے ہیں۔ روشنی کے انتظام میں ہنڈے آنے لگے۔ پہنتاؤں کی روشنی میں نظارہ دیکھا تھا۔ بشیر حسین کا انتقال ہو چکا تھا اُن کے انتقال پر محمد حسن پسر محمد صدیق صاحب مرحوم تعزیہ بنانے لگے جن کی امداد میر ضیار الدین صاحب کرتے رہے اور ابتک یہی دونوں صاحب بناتے ہیں۔ ان کی ہستی تک تمام کا غذات حساب وہی جات قدیم و جدید امام باڑے میں موجود رہتے تھے جن کو ہر شخص آزادی کے ساتھ دیکھ سکتا تھا۔ لسو میاں صاحب کے انتقال پر اُن کے صاحبزادے فضل الحسن صاحب المعروف حسین میاں صاحب مہتمم ہوئے ان کے وقت میں روشنی کا انتظام ہنڈوں کے ذریعہ اور مٹی کی ڈبیاں مگلی تیل سے جلتی تھیں کا غذات وہی جات امام باڑے میں رکھنا بند ہوئے کوٹھری کی کنجیاں مولوی علی حسن مہر مقرر ہو گئے انکی ہستی میں ایک کام یہ ہوا کہ رشتہ میں ریاض الحسن جنکا ذکر گزر چکا ہے انہوں نے خستگی امام باڑے پر نظر ڈال کر سفر حیدرآباد دکن اختیار کیا اور رئیسان بلگرام سے چندہ وصول کر لائے اور امام باڑہ میں جدید تعمیر کی اور جسقدر پرانی عمارت تھی اس کو گرا کر نئی عمارت بنوائی جو اسوقت موجود ہے کوہر مرحوم ریاض الحسن کو دعا دیتی ہے اور باشندگان محلہ و علمائے خیر سے یاد کرتے ہیں مرحوم جبتک زندہ رہے شیدائے امام رہے اور نہایت درجہ مشاغل و کارکن تھے مرتے وقت مہتمم صاحب سے وصیت کی کہ میری قبر امام باڑے میں بنائی جائے چنانچہ انکی حسن خدمت اور امداد نوع بنوع صلہ انکی قبر قریب پھاٹک امام باڑہ بنوائی گئی مرحوم اول ماہ وہ بھی سے تعزیہ کے کام میں مشغول ہو جاتے اور مہتمم صاحب کو بہت امداد دیتے تھے مہتمم صاحب کے وقت میں مرثیہ خوانان کی بہت کمی ہو گئی تھی چنانچہ امسال تعزیہ زنجیرہ بلا مرثیہ ۵ محرم کو امام باڑے سے اٹھا کر امام باڑہ تکرہ پر پہونچا دیا گیا تھا البتہ حکیم عبد الرشید مرحوم خاموش خاموش مرقع پر اپنا مرثیہ

پڑھ کر سامعین کو خوش کرتے رہے حکیم صاحب کے انتقال سے احقر کو بیحد صدمہ ہوا مرحوم میرے دودھ رضائی بھائی تھے اُن کو مجھ سے اور میرے متعلقین سے کمال درجہ اُنس تھا اُن کے انتقال پر قاضی اعظم علی ابن قاضی مصطفیٰ علی صاحب نے انکی جگہ لی۔ قاضی صاحب مدعمرہ نے اپنی مرثیہ خوانی سے حکیم صاحب مرحوم کو بھلا دیا دونوں مرثئے ایک جب گھٹی گھٹا سیاہ دوسرا یورپی بڑی شان سے پڑھتے ہیں کہ انکے سننے کے واسطے ایک ہجوم عام ہوتا ہے انکے ہمراہ اُن کے برادر عزیز قاضی شریف الحسن ہوتے ہیں جنکی وجہ سے دو مرثیوں میں اچھی رونق ہو جاتی ہے اور نیز یہ حقیر بھی شامل ہوتا ہے حسین میاں کی ہمتی میں بیاض مرثیہ احقر جو نہایت سعی بلیغ سے مرثئے جمع کرکے مرتب کی گئی تھی ایک صاحبزادے بلند اقبال سکنہ سیدا نپورے نے سرقہ کرلی جس کے کم ہو جانے کا صدمہ ورنج مجھکو تو جو کچھ ہوا وہ تو ہوا مگر اس کے ساتھ ہی تمام محلہ والوں نے میرے صدمے وملال میں شراکت کی خصوصاً حکیم صاحب مرحوم کو بڑا ہی رنج ہوا سب مرثیہ خوانان کو اس سے مدد ملتی تھی دوسرے یہ کراہت وقت مرثیوں کی ہوتی رہی بالآخر ۱۳۶۲ھ میں دوسری بیاض مرتب کرنیکا عزم کیا کچھ مرثئے حکیم عبدالرشید کے پاس سے ملگئے زیادہ سے زیادہ مہدی رضا عرف کالے میاں صاحب رئیس سید واڑے نے مرثئے بہم پہونچا کر میری امداد کی اور بیاض مکمل ہوئی۔ قاضی اعظم علی صاحب مدعمرہ نہایت شوقدلی کے ساتھ محرم کے زمانہ میں اپنی فراخ حوصلگی کا ثبوت دیتے ہیں ان کے مرثیہ جب گھٹی گھٹا سیاہ کے پڑھنے کی تعریف پیام اتحاد سہروزہ سالہ یادگار حسینی ۱۳۶۱ھ قصبہ بلگرام میں چھپ گئی ہے موصوف امام باڑہ سیدا نپورہ کے ایک خاص رکن امداد کنندہ ہیں ۵ محرم کی کھچڑی اور دیگر رقومات علاوہ چندہ سالانہ کے اپنی طرف سے کیا کرتے ہیں مثلاً کہاروں کو انعام کا روپیہ دینا وغیرہ وغیرہ ایک سبیل نذر امام جاری کی ۷ محرم کو جب کہ ماتم اُن کے کمرے کے قریب ہوتا ہے دو دیگیں بنواکر نہایت پیر تشمی کے ساتھ ترتیب دیتے ہیں اور اسی طرح ۱۰ محرم کی صبح جب کہ تعزیہ سفید امام باڑہ مکرہ پر پہونچ جاتا ہے مبارک علی مدعمرہ ابن کاتب الحروف جاری کی مجلس کرتے ہیں چونکہ وہ وقت صبح کا ہوتا ہے تمام اہلیان محلہ براہ عنایت جمع ہو کر مجلس کو خوب رونق دیتے ہیں قاضی صاحب کہاروں اور باجہ والوں کو بھی بطور انعام کچھ رقم دیتے ہیں فضل الحسن صاحب کی نا وقت موت سے ۱۹۴۳ء میں اُن کے برادر منظم سید مصطفیٰ حسین صاحب اہتمام امام باڑہ کرتے ہیں اور تا تحریر حالات موجودہ وہی مہتمم ہیں اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت فرمائے ۱۹۴۳ء میں محمد تقی صاحب مرحوم خلف الرشید حکیم احسان علی مرحوم نے جائداد تخمیناً ۳۵ روپیہ آمدنی سالانہ مقبوضہ خود کو بہ نذر امام علیہ السلام وقف کرکے سپرد قاضی شریف الحسن ابن قاضی مصطفیٰ علی صاحب مرحوم کی اور وصیت یہ کر گئے کہ اس روپیہ سے ایک مجلس ۲ محرم کو قبل از نکالنے ماتم کے امام باڑہ میں کیا کرے۔ بقیہ روپیہ سفید تعزیہ کے سامان شکست شدہ یا صرف ہو کر ہے یا جو انیا متعلق عزاداری ضروری ہوں ان میں صرف کیا جائے چنانچہ سپرد دار موصوف اس وصیت پر عامل ہو کر انعقاد مجلس و بقیہ رقوم بنا بر خرید سامان تعزیہ متعلقہ کو دیتے ہیں

عزاداری و مجلس ہا دیگر محلہ جات

محلہ سید واڑہ۔ از یکم تا ۱۰ محرم مسلسل عزاداری بہت انہماک کے ساتھ ہوتی ہے یکم سے ۹ تک سید وصی حیدر صاحب کے علم بنگلے کے پاس سے اٹھکر بڑے امام باڑے جاکر مجلس ہوتی ہے ۴ کو ماتم للن ڈاڑھی ۵ کو ماتم مظلوم ۶ کو مہدی راجے جولاہے اور ڈولہ امام باڑہ کلاں کا ۷ کی شب کو ماتم خاص محلہ کا نکلتا ہے ۸ کو ماتم بدلے میاں کا قریباً ۱۰ بجے شب کے نکلکر صبح ۸ بجے درگاہ پہونچایا جاتا ہے۔ اس وقت یہ ماتم بہت شان وشوکت سے نکالا جاتا ہے جس کی رونق وجلوس کے بانی ہر دلعزیز چودہری محمد عابد صاحب المعروف بدلے میاں صاحب تھے انہوں نے صدہا روپیہ نذر امام کرکے فراخدلی کا ثبوت دیا لکھنؤ سے شہنائی نواز آتے اور چھ سات قسم کے باجے ۳۔۴ ہاتھی ۶۔۷ گھوڑے ۲۔۳ اونٹ جن پر علم بردار قریب قریب ۴۰۔۵۰ ہنڈے علاوہ دیسی کپیوں والے روشنی کے ہوتے ہیں بہت بڑا انتظام یہ ہوتا ہے کہ کل قصبہ کے مرثیہ خوانان اور کل ماتم کے متعلق باجے والوں و دیگر لہ احقوں کو کھانا تقسیم کیا جاتا ہے یہانتک کہ ہاتھیوں کو آٹا تک دیا جاتا ہے بدلے میاں صاحب فدائے امام بہت درجے اس ماتم کی رونق بڑھانے سے خوش ہوتے تھے۔ پنج وقتہ نوبت دروازے پر بجتی تھی اُسی شب کو منشی نور علی عرائض نویس اپنے یہاں چبوترے کو شامیانہ و فرش و کرسیوں سے سجاکر سبیل جاری ترتیب دیتے ہیں

جسکی وجہ سے ماتم میں بہت درجہ رونق ہو جاتی تھی۔ افسوس بدلے میاں کی نا وقت موت نے انکے دلی حوصلوں کو پورا نہ کرنے دیا مگر شاباش ہے انکی اہلیہ صاحبہ اور نیک اولاد کو کہ جس شان سے ماتم انکی زندگی میں نکلتا تھا اسی رونق کیساتھ نکالتے ہیں کوئی کمی کسی بات میں نہیں فی زمانہ بابو جی کانت وکیل کی خدمات قابل ستائش ہیں جنکی زیر نگرانی ماتم مذکور اٹھایا جاتا ہے اس سے پہلے بدلے میاں کے دادا محمد ہادی صاحب باپ بچو میاں مرحوم کے وقت میں یہ ماتم معمولی طور پر نکلتا تھا جس میں لڑکے لکڑی کی چٹیاں بجا بجا کر نوحہ پڑھتے اور ماتم کرتے تھے جس کو چٹ پٹی کا ماتم کہتے تھے اور بعض اسوقت کے ماتم کو بھی اسی نام سے پکارتے ہیں ۹ رکی شب کو ۴ بجے اور ۱۰ کو تین بجے دن کو بڑا تعزیہ نامی نکلتا ہے اور خوب خوب ماتم اس تعزیہ کیساتھ ہوتا ہوا کربلا جاتا ہے۔ محلہ ملکانہ میں ایک ماتم ۶ رمحرم شب کے وقت ڈپٹی علی بہادر کے یہاں سے پہلے انکے صاحبزادہ یادر میاں مرحوم اور انکے پاکستان چلے جانیکے بعد سید دلاور حسین صاحب پنشنر ڈپٹی کلکٹر بن ڈپٹی علی بہادر صاحب نہایت تزک و احتشام کیساتھ نکالتے ہیں اسمیں بھی جلوس بہت قابل دید ہوتا ہے روشنی کی بہتات ہوتی ہے ایک ماتم ۱۲ رمحرم کو تین چار سال سے نکلتا ہے جسمیں بھی اچھا جلوس اور رونق ہوتی ہے۔ سید سبط حسن عرف کلو میاں صاحب کی سبیل چا اسی ماتم میں بڑی رونق ہو جایا کرتی ہے محلہ سلطانہ اور محلوں کی دیکھا دیکھی میں ۳ رمحرم کو شب کے وقت ایک ماتم جشن صاحب کے یہاں بعد مجلس چار نکلتا ہے اور بازار کلاں و ملکانہ سے ہوتا ہوا قریب تین بجے شب کے سنگھ پہونچتا ہے محلہ محمد پورہ میں امیر حیدر رستا دیر تعلقہ ابن حیدر صاحب کٹ نویس جنکے نام سے عوام پکارتے ہیں انکے یہاں سے ایک ماتم ۴ رمحرم کو دو بجے دن کو بازار خورد کا گشت ہوتا ہوا زیر قلعہ امام باڑہ جسکو مرحوم ابن حیدر صاحب میں رکھا جاتا ہے یہ امام باڑہ نہایت شاندار ہے چہار طرف دیواروں پر خط طغرا سے آیات قرآنی لکھی ہوئی نہایت زیب دیتی ہیں فی زمانہ یہ امام باڑہ کم توجہی اور مفلوک الحالی مالکان سے بالکل منہدم ہو گیا بعض دیواروں پر اب بھی طغرائی خط دیکھکر پشیری کی یاد آتی ہے ۵ رمحرم کو شب کے وقت مہندی نکالی جاتی ہے جسمیں اچھا ہجوم و کثرت مرد و زن کی ہوتی ہے۔ ۹ رمحرم کی شب کو مسیحد نامی تخت جس میں شبیہہ ہائے حضرت عباس حضرات حسنین و حضرت علی کی آویزاں ہیں اور ایک مرقع حضرت رسول خدا صلعم کا بھی دیکھا گیا ہے۔ تخت کے اوپر ایک قرآن مجید جسکو [illegible] حضرت علی سے موسوم کرتے ہیں اوپر رحل کے رکھا ہوتا ہے قرآن شریف دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت زمانہ قدیم کا لکھا ہوا ہے۔ یہ مسیحد [illegible] امام باڑہ موصوف سے اٹھکر محلہ [illegible] ہوتی ہوئی بازار خورد کہترانہ سید واڑہ ہوتی ہوئی زیر بنگلہ وصی حیدر صاحب و زیر قلعہ ہوتی ہوئی بس پر پہنچاکر ٹھنڈی کی جاتی ہے۔ اس مسیحد میں شروع سے اخیر تک بہت ہجوم و کثرت مرد و زن کی ہوتی ہے خصوصاً اسوقت جبکہ جوہر سید اطہر میں مرثیہ (جب دم عمر گزرے گھوتنے سے سیر نہیں) اہل تشیع کی مستورات اس وقت تک بچوں کو دودھ نہیں دیتیں جبتک مسیحد ٹھنڈی نہ ہو جائے [illegible] اہلیان محلہ بعد انتقال امیر حیدر صاحب کے چندہ سے عزاداری کا انتظام کرتے ہیں جسمیں بڑا چندہ وصی حیدر صاحب کے یہاں کا مبلغ [illegible] ہے۔

تفصیل مجالس محلہ جب (دوران محرم)

یکم محرم تا ۱۰ — درگاہ ۱ ٹھاکر علی حیدر صاحب ۲ میر میاں صاحب ۳ دیدار فاطمہ ۴ وصی حیدر صاحب ۵ وزیر حسن امیر حسن ۶ درگاہ درگاہ چودھری محمد اشرف امجد علی [illegible] صاحب

یہ سب مجلسیں بڑے پیمانہ کے ساتھ کی جاتی تھیں ہر مجلس میں اہل ہنود صاحبان تحصیل اور تھانہ کے اہلکاران آتے تھے تقسیم شیرینی نہایت فراخدلی کیساتھ ہوتی تھی جس شخص کے جس قدر حصے ہوتے تھے بے چون و چرا دے دیئے جاتے تھے میں نے بچشم خود دیکھا ہے کہ بعض بعض صاحبان رومال میں نہیں باندھ سکتے تھے بارہ طباق خود محمد لو ملتے تھے تقسیم میر میاں صاحب کرتے اور خوان بردار میر اصغر علی خسر مفتی بدر عالم صاحب ہوتے تھے میر میاں سے پہلے ان کے والد مظہر امام صاحب قائم مجلس تھے انکے مرنے پر پیچھے میاں قائم مقرر ہوئے اور میر اصغر علی کی جگہ میر توکل علی اور انکے مرنے پر انکے بیٹے [illegible] خوان بردار رہے اہل ہنود صاحبان کے یہاں شیرینی بذریعہ حجام [illegible] جاتی تھی سب سے بڑی مجلس وصی حیدر صاحب [illegible]

کے یہاں کی شربت کی ہوتی تھی جسکے پینے کیواسطے صدہا آدمی دیہات سے آجاتے تھے بڑے بڑے پیالے اور جام بلوری جن میں شربت پلایا جاتا تھا معمولی آدمی ایک چھوٹا پیالہ بوجہ تیز شیرینی و خوشبو کے پی نہیں سکتا تھا دیہاتی البتہ پی جاتے اور تعریف کرتے ۱ بجے سے ۸ بجے شام تک تقسیم جاری رہتی تھی شربت جاتے تھے جو گھڑوں کے بھی وہ ملازمین میں حسب حیثیت تقسیم کردی جاتی تھی صاحبان ہنود کے یہاں شکر بھی جاتی تھی وہ بھی حسب حیثیت حصہ کے ہوتی تھی اور جو بزرگ لوگ مجلس میں نہیں جاتے انکے شربت کے بدلے بھیجے جاتے تھے غرضکہ یہ مجلس بہت شان کیساتھ ہوتی تھی فی زمانہ وہ لوگ نہ رہے اور نہ وہ مجلسیں رہیں اب معمولی طور پر مجلسیں ہوتی ہیں جن میں مجمع بھی بہت کم ہوتا ہے۔ تحت اللفظ پڑھنے میں میر کمال علیصاحب مدار المہام تعلقہ داروں حیدر صاحب اور محمد میاں درگاہی میں پڑھتی رہتی تھی میر صاحب ۵ محرم کو وہی حیدر صاحب کے یہاں پڑھتے تھے اور انکے جواب میں ۶ محرم کو محمد میاں صاحب امیر حسن و وزیر حسن صاحبان کے یہاں پڑھتے۔ دونوں صاحبان کا پڑھنا کاتب الحروف نے سنا ہے۔ سبحان اللہ مرثیہ کیا ہوتا کہ تعریف نہیں ہوسکتی میر کمال علیصاحب چونکہ وجیہہ شکل و صورت کے آدمی تھے پوری دجاہت ختم کر دیتے اسیطرح محمد میاں صاحب اپنا ہنر مرثیہ خوانی پورا کرتے بہر حال دونوں صاحبان قابل صفت و ثنا تھے محمد میاں کے انتقال کے بعد انکے خلف اکبر دستور علیصاحب اور انکی وفات پر عرشی میاں پسر خورد پڑھتے رہے یہ دونوں صاحبان بھی اچھا پڑھتے تھے۔ اب بجائے تحت اللفظ کے حدیث پڑھی جاتی ہے جسکو تاحیات منشی سجاد حسین صاحب پڑھا کئے اب طالف الملوکی میں جو چاہتا ہے پڑھتا ہے پچھلے واقعات یاد آکر واللہ کلیجہ منہ کو آتا ہے افسوس وہ وقت اور وہ لوگ با اخلاق کہاں گئے خدا ان کو غریق رحمت کرے اور ہمکو تاحیات نیک راہ پر چلائے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

—٭—

نوٹ۔ از قاضی شریف الحسن عرف ننھوں بلگرامی

میرے نزدیک اہلیان قصبہ بلگرام ۱ قدیم حالات محرم قلمبند کرنے اور نا معلوم واقعات کو موجودہ و آئندہ نسلوں تک پہونچانے کے سلسلہ میں مخدومی و معظمی جناب مفتی امداد علیصاحب مرحوم کو جنہوں نے بعمر ۹۰ سال ۱۹۵۴ء میں بمقام بلگرام انتقال فرمایا جسقدر دعائے مغفرت سے یاد کریں کم ہے۔ قوی امید ہے کہ مرحوم کے ہر دل عزیز بیٹے مفتی مبارک علیصاحب ٹی آئی ریلوے جنکا سارا دور ملازمت غریب حاجتمند ہموطنوں کی مدد کرنے اور بوقت ضرورت انکو ریلوے کے سفر میں ہر قسم کی آسانیاں پہونچانے میں گذرا ہے اپنے والد مرحوم کی وطن میں کوئی بہتر یادگار بہت جلد قائم فرمائیں گے۔

بلگرام کی عزاداری اور عشرہ محرم الحرام کی وطن میں رونق و شہرت اور کشش کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ یہاں کا ہر باشندہ وطن پرست ہے اور بالعموم ہر مسلمان محرم سے دلی لگاؤ رکھتا ہے۔ وہ جب کبھی کہیں جانیکا ارادہ کرتا یا پردیس سے وطن آنا چاہتا ہے تو سب سے پہلے اسکو اپنے وطن کا عشرۂ محرم یاد آتا ہے اور امکانی کوشش کرتا ہے کہ عشرہ محرم اسکا بہر صورت وطن ہی میں گذرے۔ چنانچہ امیر و غریب مرد و زن حتی کہ بچے تک جب گھر سے رخصت ہوتے ہیں تو چلتے چلتے ہر شخص محرم میں واپسی کا اصرار کرتا ہے یہانتک کہ حدود بلگرام میں جو بھی ملتا وہ خدا حافظ کہنے سے پہلے یہ ضرور کہتا ہے دیکھو محرم میں ضرور آجانا۔

آج بھی کوئی ملازم پیشہ بلگرامی اگر چند روز کیلئے رخصت لیکر وطن آنا چاہتا ہے تو اسکے اعزا و احباب چھاتی پر پتھر رکھ کر عید آنے سے منع کرتے اور محرم میں آنیکا باصرار مشورہ دیتے ہیں اسلئے محرم کے ساتھ ساتھ اہل وطن کی بڑی تعداد یعنی بچھڑے ہوئے چھوٹے بڑے دور دراز سے لڑکیاں بہوئیں بچے بچے پھر انکے عزیز و اقارب اسطرح امڈ پڑتے ہیں جیسے فاتح فوج کے سرداروں کی طرح بے پناہ

مسرتوں کے ساتھ پہلی محرم سے پہلے ہی آنا شروع ہو جاتے ہیں۔ ان سب کے آجانے سے گھروں میں چہل پہل معلوم ہوتی رونق اور اپنے سامنے اجڑے دیار کے کونے کونے میں ایسی روشنی پھیل جاتی ہے کہ پھر آنیوالوں کو نہ کھانیکا ہوش اور نہ گھروالوں کو وقت سے کھانا پکانے یا کھلانے کے حواس۔ ۵ محرم تک جو بیچارے نہیں آپاتے ہیں انکی احباب میں تحقیق و تفتیش شروع ہو جاتی ہے اور یہ جستجو بڑی امیدوں اور ارمانوں کیساتھ ۷ محرم قبل دوپہر قدرتی علم کے نکلنے تک رہا کرتی ہے۔

دوران محرم روزانہ دن بھر مجالس پھر رات بھر تعزیے مہندیاں، ماتم، علم، ذوالجناح تاریخ کے بعد دوسری کا نیا پروگرام نئے مرثیے، نئے مضامین، جگہ جگہ عام سبیلیں، چوراہوں پر روشن چوکیاں گلی کوچوں میں سوز خوانیاں، چوردروازوں سے مخصوص احباب کیلئے چاء کا انتظام، مستورات کا بے پناہ ہجوم، دیہاتیوں کا اژدہام، خوانچہ والوں کی کثرت گیس کے ہنڈوں کی افراط، حقوں کی بہتات، کہیں بیٹھنے کا خاص انتظام، کسی جگہ وقتی آرام کا اہتمام اور ہمدرد دوستوں کے جھرمٹوں میں ہر طرح کی مہذب تفریحات وہ تاثرات پیدا کرتی ہیں کہ صبا مدیرہ ضریح کرکے آنیوالا بلگرامی محرم ہی میں آئندہ محرم میں وطن آنیکا حلف اٹھا لیتا ہے اور سال بھر بلگرام پہونچنے کی فکر میں نہ پھر رسٹورنٹ کی کہیں صورت دیکھتا ہے اور نہ گرمیوں میں شملہ یا کشمیر جا پاتا ہے۔ بلگرام کے محرم کی بڑی خصوصیت اہل ہنود صاحبان کی مخلصانہ شرکت ہے۔ وہ حسب دستور قدیم مجلسوں میں شریک ہوتے اور تعزیوں میں مرثیے پڑھتے ہیں اپنے صرفہ سے محرم میں چاء کی سبیلیں کرتے اور دوران عشرہ مسلمانوں کے جذبات کا ہر طرح احترام و خیال رکھتے ہیں

انجمن یادگار حسینی ۱۳۶۱ھ کے سلسلہ میں ۱۷ اکتوبر ۱۹۴۱ء کو تقرر عہدیداران کیلئے جو عام جلسہ سوبھاش پارک میں منعقد ہوا اسمیں بالاتفاق مندرجہ ذیل معزز ہنود عہدیداران منتخب ہوئے جنہوں نے اپنی کوششوں سے نہ صرف یادگار مذکور کو وطن کیلئے قابل یادگار بنا دیا بلکہ ایک خالص مذہبی اور اسلامی انجمن کی ذمہ داریوں کو پورا کرکے بلگرام کے ضرب المثل اتحاد و اتفاق کی روایات میں ایک نئی زندگی پیدا کر دی۔

نام	عہدہ
(۱) بابو بلدیو پرشاد اگروال وکیل	نائب صدر
(۲) بابو شنکر سہائے سریواستو وکیل	جوائنٹ نائب صدر
(۳) بابو شیام ناتھ وکیل	اسسٹنٹ سکریٹری
(۴) بابو شمبھو ناتھ کپور	اسسٹنٹ سکریٹری
(۵) پنڈت جگناتھ پرشاد دوبے	جوائنٹ سکریٹری
(۶) ڈاکٹر کے۔ ایل۔ گپتا	کنوینر
(۷) لالہ دیپ نرائن	سکریٹری پروپگنڈا کمیٹی
(۸) بابو ہریش چندر وکیل	جنرل سکریٹری

جلسہ خاص میں پروفیسر بھولاناتھ نے باہر سے تشریف لاکر شرکت فرمائی اور بابو شمبھو ناتھ کپور نے چاء کی عام دعوت کی نیز ڈاکٹر گپتا نے جلسہ میں شیرینی تقسیم فرمائی جلسے کے پھاٹک پر ایک لائق ہندو بلگرامی کا مندرجہ ذیل شعر سنہرے حرفوں میں لکھ کر لگایا گیا تھا

سنگت کاٹے دکھ سہے تیاگ دیو سکھ چین

دھرم کی رکشا کر گئے اس پرکار حسین



قصبہ بلگرام کا قدیم تمدن و تہذیب

شرفائے محلہ جنکا ذکر اوپر آگیا ہے اپنے اپنے محلات میں سکونت پذیر رہتے جنکی حویلیاں نہایت شاندار اور پر شکوہ بنی ہوئی تھیں جن سے محلہ میدانپورہ کی رونق و عظمت دوبالا تھی فی زمانہ وہ سب محلات کچھ تو مالکان نے اپنی زندگی میں کھود کر بیع کر دیئے کچھ ان کے وارثان نے کھود کر محلہ کی رونق کو تباہ و برباد کر دیا جسقدر حویلیاں تباہ و برباد ہوئیں انکے مالکوں کے نام مع حویلی برباد شدہ کے یہ ہیں۔
۱ حویلی ٹھاکر علی حیدر صاحب واقعہ حیدر آباد ۲ حویلی غلام اخی صاحب واقعہ سگرا ۳ مکان غلام محمد عرف گلچمہ واقعہ سگرا ۴ حویلی وارثان پیر لطف شاہ صاحب واقعہ زیر قلعہ ۵ حویلی کلاں سعدی میاں صاحب پیرزادہ واقعہ میانٹولہ قابضہ رابعہ بی بی دختر حکیم عبد الرشید مرحوم ۶ حویلی دیدار حسن میاں صاحب پیرزادہ واقعہ میانٹولہ ۷ حویلی میر مرید علی صاحب نانا مفتی وارث علی صاحب واقعہ میانٹولہ ۸ مکان مفتی امداد علی ابن مفتی وارث علی صاحب نے بنوالیا ۹ مکان خیرات علی صاحب واقعہ میانٹولہ ۱۰ حویلی کلو میاں صاحب پیرزادہ واقعہ میانٹولہ ۱۱ مکان صاحب علی دوارث علی پیرزادگان واقعہ میانٹولہ ۱۲ حویلی شیخ مظہر حسین صاحب شیخان واقعہ میدانپورہ ۱۳ حویلی محمد روشن خانصاحب رئیس آرہ کواتھ واقعہ میدانپورہ ۱۴ حویلی کلاں میر محمد کاظم صاحب مہتمم امام باڑہ میدانپورہ ۱۵ حویلی میر حمید علی صاحب سابق مہتمم امام باڑہ میدانپورہ ۱۶ حویلی کلاں علی احمد صاحب واقعہ ٹکرہ میدانپورہ ۱۷ امام باڑہ کلاں علی احمد صاحب واقعہ ٹکرہ جو انکے بیٹے محمد افضل نے کھود کر فروخت کر لیا ۱۸ حویلی سید محمد تحصیلدار مقبوضہ قاسم علی و کاظم علی واقعہ میدانپورہ ۱۹ حویلی کلاں مولانا عبد الجلیل صاحب واقعہ میدانپورہ ۲۰ حویلی کلاں مولانا غلام علی صاحب آزاد واقعہ میدانپورہ ۲۱ حویلی زیر قلعہ محمد رضا پدر بندہ حسن صاحب واقعہ میدانپورہ ۲۲ حویلی دیگر کلاں زیر قلعہ محمد رضا صاحب موصوف ۲۳ مکان مولوی محمد حسن صاحب نبیرہ مولانا عبد الجلیل صاحب واقعہ میدانپورہ ۲۴ حویلی کلاں میر وزیر علی صاحب بھو سیئے واقعہ میدانپورہ ۲۵ حویلی میر تراب علی صاحب خسر میر وزیر علی صاحب بھو سیئے واقعہ میدانپورہ ۲۶ مکان نصیر احمد صاحب برادر ابن حسن خانصاحب واقعہ میدانپورہ ۲۷ مکان محمد اشرف صاحب متصل مکان محمد مؤذن مسجد الدین کے حجام واقعہ میدانپورہ ۲۸ دیوانخانہ میر حمید علی صاحب مہتمم سابق امام باڑہ ۲۹ دیوانخانہ ابن حسن خانصاحب ۳۰ دیوانخانہ مولوی محمد حسن متصل پھاٹک ۳۱ امام باڑہ کلاں واقعہ محلہ ٹکرہ ۳۲ مکان دیگر مولوی محمد حسن متصل دیوانخانہ مولوی صاحب موصوف مقبوضہ کملا پرشاد ۳۳ مکان لالہ اجودھیا پرشاد ولد لالہ ہر پرشاد کایستھ متصل دیوانخانہ سید محمد رضا صاحب تحصیلدار متصل مقابل مکان کملا پرشاد ۳۴ پھاٹک پیرزادہ کرم میاں صاحب متصل مکان مفتی امداد علی۔ ۳۵ ہر چہار پھاٹک واقعہ اندرون محلہ جنکا ذکر اوپر آچکا ہے۔

سنہ ۱۸۵۷ء سے قبل قصبہ اس قدر آباد اور رونق پر تھا کہ اس کا عشر عشیر بھی اس وقت نہیں۔ جن لوگوں نے اس وقت کی حالت دیکھ کر موجودہ زمانے کی کیفیت دیکھی ہے وہ اس ویرانگی پر نہایت متاسف ہیں۔ غدر سے پہلے ہر قسم کی تقریبات و تعزیات کا نہ شور رہتا کوئی رئیس بزرگ ایسا نہ تھا جو تعزیات میں شوق سے حصہ نہ لیتا ہو کوئی ہفتہ یا مہینہ ایسا نہ ہوتا تھا کہ کوئی نہ کوئی تقریب نہ ہوتی ہو دیوانخانہ نور الحسن صاحب مرحوم جو اس وقت موجود ہے خاص کر تقریبات و جلسوں کیلئے مقرر تھا۔ روایت مشہور ہے کہ محلہ قاضی پورہ کے شیخ الہ یار اول جو اکبر بادشاہ کے زمانہ میں سفیر ایران تھے اپنی ساری عمر کی کمائی لاولد ہونیکی وجہ سے گڑیا کی شادی کے ذریعہ اہلیان قصبہ پر صرف کر دی۔ تمام قصبہ کی ہر قوم اور طبقہ کے باشندگان کو ایک ہفتہ تک گھر گھر کھانا بھجوایا۔ ہر گھر میں جتنے افراد ہوتے اتنے دو وقتہ تانبے کے برتنوں میں خوان کھانے کے بھیجے جاتے

اور برتن واپس نہ لئے جاتے تھے۔ ہر باراتی کو جوڑا پہنایا اور ہر محلہ میں ایک طائفہ ناچ کا مقرر کیا تمام کنوؤں میں شکر کے بورے بارات عقد کے دن ڈلوادیئے تاکہ ہر کس وناکس شربت سے سیراب ہو چماروں کے محلہ میں کسی طائفہ نے ناچنا منظور نہ کیا اور اس وجہ سے چماروں نے کھانا نہ لیا اور نہ کھایا اس پر صاحب تقریب نے خود مع جملہ اقربا و احباب چماروں کے محلہ میں جاکر نشست اختیار کی اور ناچ کرایا چماروں کے دروازہ پر ناچ کر طائف نے پیشواز جلادی وہیں صاحب تقریب نے اسکو اتنا معاوضہ دیا کہ اس کو پھر ناچنے کی حاجت نہ رہی اس وقت چماروں نے بخوشی شامل تقریب ہو کر کھانا لیا اور کھایا یہ تقریب آجتک قصبہ میں مشہور چلی آتی ہے۔ غدر کے بعد مرحوم سید علی حسن مرحوم محلہ منڈی نے اپنے فرزند ارجمند کی شادی میں بھی وہ انتظامات کئے جو قصبہ میں تاریخی اہمیت رکھتے ہیں تمام قصبہ میں دو وقت ایک ایک بھنگی کہار اہل ہنود و مسلم کے یہاں کھانا پہونچاتا تھا۔ اور ایک ہفتہ کامل کھانیکی تقسیم اور جلسے ہوتے رہے۔ قصبہ میں غدر کے بعد بھی تمام رئیسوں و متقدروں میں کوئی بزرگ مرد ایسا نہ تھا جو تفریح کا شوقین نہو کوئی گھر ایسا نہ تھا کہ جسمیں کبوتر نہوں۔ صبح کے وقت اڑان میں مثل بادل کے چھاجاتے تھے۔ کنکوے کا جو شوق پیدا ہوا تو آخر تک یہ پہونچادیا قلعہ بند پر سید واڑے کے شیخ بدھو میاں معہ مسلمان شوقین میدانپورہ کے سید باقر علی نقی وارث علی محمد میاں پسر عباس میاں معہ دیگر شرکاء دو فریقین تھے صبح دس بجے سے شام کے ۵ بجے تک کنکوؤں کی لڑائی ڈور بنانے مانجھے دینے کا چرچا رہتا تھا یہانتک مشغولیت تھی کہ دونوں جانب سے گھروں سے کھانا منگوا کر وہیں عام دسترخوان بچھتا تھا لکھنؤ کی تمباکو کے حقے ملازمین تیار کر کے پلاتے تھے تماشائیوں میں اعلیٰ اعلیٰ درجہ کے روسا اور عام لوگ بخوشی شریک ہوتے تھے عرصہ تک یہ شغلہ رہا اس زمانہ میں گھورے بھٹیارے کا نوجوان لڑکا کنکوا اڑاتے ہوئے پیچھے کو لوٹ رہا تھا اخیر میں ایک کنوئیں میں جو نمک کھارکیوا سطے بنا ہوا تھا گر کر مر گیا۔ اخیر میں شجاعت علی لکھنوی ساکن محلہ قاضی پورہ نے جنکی دکان ڈور کنکوے کی تھی خوب خوب پیچ لڑاکر تعریف حاصل کی طوطیوں کے شوق میں محمد اسمعیل حسن ماموں منظر حسین سکنہ قاضی پورہ و محمد میاں موصوف و مفتی وارث علی مرحومین مشہور تھے تمام دن جال لگا کر طوطی پکڑتے اور عمدہ عمدہ رکھکر باقی تقسیم کر دیتے۔ آتش بازی کا اسقدر شوق تھا کہ ہر شبرات میں ایک شخص دوسرے پر فوقیت رکھنے کی کوشش کرتا تھا جس میں اسمعیل میاں و مفتی وارث علی میں ہوڑ لگی رہتی تھی۔ اپنے اپنے ہاتھوں سے آتش بازی بناتے اور شبرات میں مقابلہ ہوتا تمام رئیس تماشہ دیکھتے اور خوش ہوتے آخر زمانہ میں بیٹر بازی کو بھی کافی عروج رہا غرض تمام محلے نہایت آباد اور ساکنان ہندو مسلمان سب مرفہ الحال اور خوش و خرم زندگی بسر کرتے تھے کوئی محتاج انکے پاس نہ آتا۔ ہر چھوٹا بڑا تیوہار اچھے پیمانہ پر منایا جاتا تھا جس گھر کے سرغنہ یا فرد خاندان باہر ملازم ہوتے انکے یہاں سادھو رام کھتری جو محلہ کھترانہ کے باشندہ اور اپنی قوم کے سرگروہ تھے۔ نہایت نیک طبیعت بزرگ خلیق مجسم صبح ۱۰ بجے سے ایک بجے تک تمام گھروں کا گشت کر کے خیریت دریافت کرتے اور ترویج کی بابت پوچھتے کہ کچھ تکلیف تو نہیں ہے جس بی بی کو ضرورت ہوتی وہ حسب خواہش اسکو دیتے۔ اسی طرح یومیہ انکا گشت ہوتا جسکو جو ضرورت ہوتی دے جاتے اور جس بی بی کا جب خرچ آجاتا وہ سب سے پہلے انکا روپیہ ادا کرتی اور وہ بلا سود لیکر چلے جاتے ماہوارہ انکا یہی معمول تھا محلہ کے تمام روساء ان کا احترام کرتے اور مثل عزیزوں کے سمجھتے تھے محلہ کی لڑکیاں انکو سادھو دادا کہہ کر سامنے آتی تھیں اور دادا ان کے لئے میوہ و شیرینی لاکر دیا کرتے تھے۔ اہل حرفہ و پیشہ ور بھی مہذب اور خیر خواہ انسان تھے جنکی تہذیب کی ایک مثال درج کرتا ہوں۔ میر سید واسطی رئیس میدانپورہ بینائی سے معذور تھے مگر سہ پہر کو اپنے چبوترہ پر کھٹولا بچھا کر بیٹھتے اور مونڈھے بچھے ہوتے چند احباب آکر بیٹھتے لوکا ملازم تھا وہی اندر سے آپکو لاتا اور حقہ کا کام حقہ پانی وغیرہ کا کرتا ایک دفعہ اتفاق ایسا ہوا کہ حسب دستور آپ تکیہ لگائے کھٹولے پر بیٹھے تھے کہ بستی نداف جسکی شادی حال میں ہوئی تھی اسکی عورت

پیروں میں بچھوئے پہنے ہوئے رضائی دینے کیواسطے مکان میں جانے لگی بچھوؤں کی چھم چھم کی آواز سنکر ٹھٹک کے سو دریافت کیا کہ یہ کون ہے؟ اس نے جواب میں کہا کہ میاں بستی نداف کی بی بی ہے حکم دیا کہ بستی کو بلا کر لے آ۔ بستی نے آکر سلام کیا۔ دریافت کیا کون ہے؟ اس نے کہا کہ میاں میں بستی نداف ہوں۔ فرمایا نالایق شادی کی ہے یا سانڈنی خرید کر لایا ہے جو چھم چھم کرتی چلتی ہے۔ بستی نے معذرت کی اور عورت سے جاکر حقیقت حال بیان کی اس حیادار نے اسی وقت بچھوے اتار ڈالے اور تا عمر نہ پہنے ایسے ایسے پشیدہ لوگ تھے ساتھ ہی اسکے یہ بات بھی تھی کہ تمام رئیس بکو مثل اولاد کے چاہتے تھے کسیکو باغ کسیکو مکان کسیکو زمین دے رکھی تھی کہ آرام سے بسر کریں۔ کوئی کام کوئی بیگار مفت نہ لیتے تھے اور اکثر رؤسا نے اپنی اپنی آراضی پر رعایا کو آباد کرکے ہرطرح کا آرام فراہم کردیا۔ مثلاً سرائے مولانا عبدالجلیل، سرائے میر عدل، سرائے ڈبھا، سرائے محمد افضل، سرائے محمد عباس، سرائے نیاز حسن خانصاحب رعایا چودھری ٹھاکر علی حیدر مقبوضہ سید ضیاء اللہ۔ تقریباً ہر محلہ میں کچھ ہستیاں فیض رساں و غریب نواز اور غریب پرور ایسی ہوا کرتی تھیں جنکی وجہ سے بیسیوں آدمیوں کو فیض اور نفع پہونچتا تھا جیسے میر وزیر علی صاحب ڈپٹی کلکٹر پنجاب دوسرے ذوالفقار حیدر صاحب وکیل ہوشنگ آباد سوئم حیدر میاں صاحب پیرزادہ مقیم حیدرآباد دکن۔ یہ تینوں بزرگ ماہوار اپنے اعزاد نیز دیگر مستحقین کو تنخواہ کے طور پر امداد فرماتے تھے۔ میر وزیر علی ایک شخص دس روپیہ۔ ذوالفقار صاحب اسی روپیہ۔ حیدر میاں صاحب پچھتر روپیہ ماہوار کی امداد فرماتے تھے اور محرم کا چندہ ہمیشہ خوش اخلاقی سے علیحدہ میر محمد کاظم صاحب مہتمم امام باڑہ کو روانہ کرتے تھے اس موقعہ پر ایک واقعہ میر وزیر علی صاحب کا قابل ذکر ہے۔ درگاہ خواجہ عماد الدین صاحب مغفور کی آراضی معافی کا انتظام و عرس سالانہ کا اہتمام میر صاحب مذکور سے متعلق تھا انکے وقت میں عرس کی یہ کیفیت تھی کہ تمام درگاہ میں بالائی و نشیبی حصہ میں چراغاں کثرت سے ہوتا تھا اور قوال صفی پور، ملیح آباد اور قنوج سے آتے اور تین یوم قیام کے بعد خوش خوش واپس انعام لیکر ہوتے۔ تقسیم کا یہ انتظام تھا کہ خرمے نہایت خستہ دبیز شکر چڑھے ہوئے آٹھ مٹکوں میں (جو کہ ایک دو یوم قبل گھر میں حلوائی آکر بناتا تھا) درگاہ میں پہونچائے جاتے اور وہاں سے تقسیم ہوتے عرس کے ختم پر محلہ کے ہر رئیس کے یہاں فی گھر دس عدد خرمہ اور ٹکیا (جو کہ خاصکر خرموں کیساتھ برائے تقسیم بنوائی جاتی تھیں) بھیجے جاتے تھے۔ میر وزیر علی صاحب بسلسلہ ملازمت پنجاب جاتے وقت میر بہادر علی کو جو کہ انکے والد مرید علی صاحب کے پروردہ تھے اور جنکی شادی کرکے علیحدہ مکان دیکر تنخواہ مقرر کردی تھی درگاہ کا انتظام انکے سپرد کردیا میر بہادر علی صاحب بموجودگی اہلیہ میر وزیر علی صاحب کچھ سال اسی پیمانہ پر قائم رہے۔ کیونکہ میر صاحب کی اہلیہ صاحبہ نگراں تھیں۔ بعد انتقال اہلیہ صاحبہ میر بہادر علی نے خود مختار ہوکر انعام قوالان اور تقسیم شیرینی میں کمی کردی، حالانکہ میر وزیر علی صاحب پنجاب سے تاکید کرتے رہتے مگر اسپر میر بہادر علی نے زیادتی یہ کی کہ آراضی معافی پر اپنا نام اندراج کراکر اپنے کو مہتمم قرار دیا اور وزیر علی صاحب کو لکھدیا کہ چونکہ آپ دور از وطن ہیں اس لئے میں نے اپنے نام داخل خارج کراکر اپنے ذمہ اہتمام درگاہ کا کرلیا ہے۔ میر صاحب اپنی زندگی تک کمی بیشی کے ساتھ عرس کرتے رہے ان کے انتقال سنہ [illegible]ء کے بعد انھوں نے آراضی معافی کو رہن کرکے غاصبانہ طور پر عرس میں کمی کردی۔ آٹھ مٹکے خرموں سے چھ اور چھ سے چار اسی طرح ایک تک نوبت کردی اور آراضی کو زر مزید لیکر بالآخر بیع کردیا اور فوت ہوگئے۔ انکے بعد ان کے لڑکے جان محمد نے کچھ دنوں رسمی طور پر عرس کیا انکے مرنے پر بالکل بے رونقی ہوگئی یہ دیکھکر حکیم عبدالرشید صاحب عرف بکو میاں ولد حکیم یعقوب علی صاحب ساکن محلہ قاضی پورہ (جنکا انتقال سنہ ۱۹۴۰ء میں ہوا) نے عرس کا انتظام اپنے ذمہ لیا اور تاحیات بارونق طور پر عرس ہوتا رہا۔ آپنے عرس کے اخراجات کیلئے بارہ روپیہ سالانہ کا وقف بھی سنہ ۱۹۳۰ء میں لکھا۔ سنہ ۱۹۴۵ء میں حکیم عبدالغفور صاحب نے شکستہ درگاہ خواجہ عماد الدین مغفور کی مرمت چندہ سے کرائی اپنے مزار شریف کی برابر جو مسجد تھی اسکو

زمین وقف ملحقہ آراضی افتادہ جانب پچھم میں شامل کرکے دوسری لب سڑک وسیع مسجد بنانیکا ارادہ چندہ کیا لیکن وہ ارادہ پورا نہ ہوسکا اور دونوں آراضیات اسوقت غیر آباد پڑی ہوئی ہیں ذوالفقار حیدر وکیل نے ایک کارنامہ یہ کیا کہ مسجد زیر پاکر جو ۱۱۸۰ھ میں بنی تھی اور بوجہ شکستگی کے قابل مرمت تھی اسکو ۱۳۹۵ھ میں باہتمام و انتظام مولوی عبدالوالی و بہ نگرانی داروغہ نامر علی صاحب ساکن محلہ قاضی پورہ از سر نو تعمیر کرائی جو ابتک قائم ہے۔ غدر سے کچھ قبل سے تا ۱۲۸۸ھ علی نقی صاحب قرابت دار مولانا عبدالجلیل صاحب امامت فرماتے رہے اس وقت مسجد بہت رونق پر تھی نمازیوں سے پُر ہوتی تھی۔ اور جبتک امام صاحب نہ آویں نمازی منتظر رہتے تھے۔ موئے شریف ۱۱۴۹ھ میں مکہ مکرمہ سے ایک ضعیفہ دو موئے مبارک لیکر آئیں۔ ایک بندہ حسن کے مورث اعلیٰ محمد اطہر صاحب کو ایک مفتی رحمت اللہ مورث مفتی وارث علی کو عنایت کرگئیں اسوقت سے زیارت سالانہ ہر دو جگہ ماہ ربیع الاول میں کرائی جاتی ہے محمد اطہر صاحب کے پوتے محمد رضا صاحب زیارت کراتے تھے اسکے بعد میر بندہ حسن صاحب کے زمانہ میں بہت رونق ہونے لگی اور وہ بہت اہتمام سے یہ تقریب زیارت کی انجام دیتے تھے۔ میں نے بچشم خود دیکھا ہے کہ رویت ہلال ربیع الاول کی شام سے بارہ تاریخ ماہ مذکور تک نوبت نوازی ہوتی تھی اور دس ربیع الاول کو سہ پہر کے وقت بندہ حسن صاحب مرحوم زیارت کا بکس لیکر اپنے مسکونہ مکان سے پاکر کے نیچے جہاں فرش قالین تکیہ لگا ہوتا تھا جبہ عمامہ پہنکر ہمراہ روشن چوکی تشریف لاتے انکے آنے تک تمام چوک پاکر والا کھچا کھچ آدمیوں سے بھرا ہوتا تھا زیارت میں بکس کے ڈھکنے میں تمام رؤسا و دیگر عمائدین نیاز کا روپیہ چڑھاتے تھے جو تقریباً دو ڈھائی سو ہوتا تھا یہاں زیارت کراکر اسی طرح روشن چوکی کے ساتھ واپسی مکان کی ہوتی تھی۔ وہاں صدہا مستورات محلے اور غیر محلہ جات کی جمع ہوتی تھیں (اور جو رسم پہلی دلہن لانے کی ہوا کرتی ہے وہاں ہوتی تھی) یہ سب مستورات زیارت کرکے روپیہ نیاز کا دیتیں جو تقریباً پچاس ساٹھ کے ہوتا۔ دس ربیع الاول کو تمام مہمان مستورات اور رکن داران کو کھانا تقسیم ہوتا۔ گیارہ کی شب کو محفل میلاد زیر پاکر منعقد ہوتی جسمیں بجائے میلاد شریف غزلیات نعتیہ سوز کے ساتھ میر باقر علی و مفتی وارث علی مرحومین نہایت خوش الحانی سے پڑھتے بہت مجمع ہوتا۔ یہانتک کہ حلوائی اپنی اپنی دکانیں لگاتے اور لوگ شیرینی خرید کر وقت محفل رکھتے بعد فاتحہ اپنے اپنے دونے اٹھالے جاتے۔ اس رات کو خاصکر مالیدہ طباقوں میں تقسیم ہوتا بارہ ۱۲ کو نو بجے مسجد شاہ لدھا صاحب مغفور میں جو اب منہدم ہوگئی ہے غزلیں نعتیہ پڑھکر شربت نوشی کرائی جاتی۔ اور تبرکاً چار چار پانچ پانچ کوڑیاں تقسیم ہوکر جلسہ ختم ہوتا۔ میر بندہ حسن کے بعد انکے بڑے صاحبزادہ تبارک حسین صاحب جنکا محرم کے مضمون میں ذکر آچکا ہے وہ مثل اپنے والد کے اہتمام کرتے رہے۔ مگر وہ رونق نہ رہی انکے دکن چلے جانیکے بعد مصطفےٰ میاں کے دادا میر خورشید حسین صاحب جنکو زیارت کا بکس سید تبارک حسین صاحب چلتے وقت سپرد کرگئے تھے اپنے گھر میں دس ربیع الاول کو سہ پہر کے وقت زیارت کراتے رہے اور کم از کم بیس ۲۰ پچیس ۲۵ روپیہ آتے ہی رہے انکے انتقال کے بعد علی حسین عرف لبو میاں صاحب انکے بعد اب سید مصطفےٰ حسین صاحب دس کو وقت معینہ پر زیارت کراتے ہیں مگر تغیر زمانہ اور محلہ کی غیر آبادی بزرگوں کے انتقال کی وجہ سے کوئی مجمع و رونق نہیں رہی اور نہ روپیہ کچھ بھی آتا ہے بارہ کی شب کو نو بجے صاحب موصوف میلاد شریف مسجد میں ترتیب دیکر تقریب زیارت ختم کرتے ہیں۔ مفتی صاحب کے یہاں جو زیارت ہے وہ نو ۹ ربیع الاول سہ پہر کو نکال کر زیارت کرائی جاتی ہے جسمیں محفل بھی ہوتی ہے جو اپنی زندگی میں میرے والد مرحوم مفتی وارث علی صاحب اور انکے بعد یہ خدمت میں انجام دے رہا ہوں (آپکے بعد یہ سعادت مفتی مبارک علی صاحب پسر مفتی امداد علی صاحب کو عطا ہوئی ہے۔ شریف الحسن) دو عرس پیر صاحب المعروف پیر میاں رجب میں دوسرا اسعدی میاں انکے فرزند کا ذالحجہ میں ہوتا ہے۔ ابتداء

میں یہ دونوں عرس معمولی طور پر ہوتے تھے۔ پیرزادہ نظر امام صاحب کی صاحبزادی کلاں کا عقد خیر آباد کے رئیس پیرزادہ کرم احمد صاحب سے ہوا صاحب موصوف نے بلگرام کی سکونت اختیار کی اور سجادہ نشین پیرزادگان میاں ٹولہ قرار پائے قصبہ شاہ آباد ضلع ہردوئی کی بیگم صاحبہ صاحب موصوف کی مرید ہوئیں۔ اکثر وبیشتر کرم میاں صاحب وہیں قیام پذیر رہتے تھے۔ زمانہ عرس رجب شریف میں بیگم صاحبہ موصوفہ مع خدم کے خود ہمراہ کرم میاں صاحب تشریف لاکر شریک عرس ہوتیں زمانہ قیام احاطہ مسجد جسکو دائرہ کہتے ہیں آدمیوں سے پردہ کرکے بڑی رونق رہتی۔ سقّہ خاکروب، باورچی، گاڑی بان خدام ہمراہ ہوتے اور عرس نہایت رونق کے ساتھ تین یوم تک ہوتا۔ عمدہ عمدہ قوال باہر سے آتے صفی پور، ملیح آباد، کاکوری وغیرہ کے بزرگ اکثر شریک عرس ہوتے۔ بہت عرصہ تک یہ سلسلہ جاری رہا کرم میاں صاحب کی خلیفہ سید نوازش علی صاحب عرف چھٹن میاں کا قیام شاہ آباد میں رہا۔ اور دو بار بیگم صاحبہ اسی رونق کے ساتھ ہمراہ خلیفہ صاحب مذکور تشریف لائیں تھیں اس کے بعد بوجہ علالت و نقاہت نہیں آسکیں ۱۳۰۲ھ میں کرم میاں شاہ آباد میں بیمار ہوئے لکھنؤ علاج کیواسطے گئے وہیں انتقال ہوکر لاش بلگرام آئی خلیفہ صاحب کے وقت میں بھی عرس بہت شان کے ساتھ ہوتا رہا۔ پیرزادہ خیرات علی شاہ صاحب صفی پوری اور دیگر بزرگوار رونق افروز ہوتے تھے۔ بعد انتقال نوازش علی صاحب بیگم صاحبہ نے بوجہ ضعف و ناتوانی کل جائداد کا وصیت نامہ ۱۳۰۹ھ بحق ورثا خود لکھکر مبلغ سالانہ برائے عرس پیر میاں صاحب تحریر کئے لکھے جو بعد انتقال نوازش علی صاحب سید سرفراز علی برادر کلاں کے پاس آتے رہے۔ اور عرس ہوتا رہا۔ اسی طرح بعد انتقال سرفراز علی صاحب کرم علی صاحب برادر خورد مہتمم عرس رہے انکے مرنے کے بعد چھنن میاں انکے بعد گھسیٹے میاں صاحب بھی برابر عرس کرتے رہے اور رقم وصیت شدہ برابر آتی ہے گھسیٹے میاں کے انتقال کے بعد انکی واحد صاحبزادی کے معزز شوہر آجکل سجادہ نشین ہیں۔ جن کے خاص معتقدین میں شیخ سراج الدین صاحب پسر منشی ظہیر الدین صاحب ساکن محلہ سلہڑہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں آپ صاحب دل عاشق رسول ہیں اور زمانہ دراز سے تحصیل میں بحیثیت پٹواری ملازم چلے آتے ہیں اس خانقاہ کی دیکھ بھال اور خدمت وعظمت رحمن خان صاحب ولد صاحب علی خانصاحب مرحوم و شیخ بدول نوربا ف ساکن محلہ میدانپورہ نے خالصۃ للہ اپنے ذمے رکھی ہے جو انتہائی انہماک و شوق سے ان فرائض کو پورا کر رہے ہیں تین جمادی الثانی کو عرس سرفراز علی صاحب و نوازش علی صاحب اچھے پیمانہ پر ہوتا ہے حسین گاگر نگا لی جاتی ہے اور کاشمیری لکھنؤ سے اور قوال جابجا سے آتے ہیں تین دن تک سلسلہ گانے کا رہتا ہے لکھنؤ کا مشہور کاشمیری وارث حسین جو حضرت وارث علی شاہ صاحب کی دعا سے اس کے مرید والد کی التجا پر پیدا ہوا تھا اسی مناسبت سے اسکا نام وارث حسین رکھا گیا تھا بچپن ہی سے اپنے مرید باپ کے ساتھ عرس کے موقعہ پر بلگرام آتا رہا۔ شاہ صاحب کی دعا سے وارث حسین تمام ہندوستان میں قوالی کا استاد اور اپنے مخصوص طرز کا وحید مانا گیا جس کا مدمقابل آجتک پیدا نہ ہو سکا وہ اپنی شہرت اور عدیم الفرصتی کے باوجود ہر سال بلا ناغہ عرس کے موقعہ پر بلگرام آتا اور جو کچھ اس کو یہاں ملتا اس سے المضاعف اپنے مرشد کے عرس میں صرف کر جاتا تھا۔ محلہ کی اکثر مستورات اس کے سامنے آتی تھیں جس وقت وہ اپنے پیر مرشد کے مزار شریف کو مخاطب کرکے اور اکثر جوش میں مزار پر پہونچ کر اور چادر مزار سے لپٹ کر صدہا، فارسی، اردو، ہندی کے اشعار بے تاب ہوکر غزل میں حسب حال جوڑتا تو مجمع میں ایک عجیب کیفیت پیدا ہو جایا کرتی تھی۔ کھڑا بیٹھا زار و قطار روتا اور بیخود ہو جاتا تھا۔ چھتوں پر سے مستورات انعام و اکرام کی اسپر بارش کیا کرتی تھیں اسکی ناوقت موت کے بعد بھی اسکے اعزا کو یہاں سے ایک تعلق باقی رہا اور اب بھی باقی ہے۔ لیکن انقلاب زمانہ سے انکا عرس کے موقع پر

آنا کم ہوا کرتا ہے پھر بھی اطراف سے کچھ قوال آجاتے اور مقامی اچھے گانے والے اس کی کو پورا کردیا کرتے ہیں۔

اقتباسات مغفلی جناب خان بہادر سید علی بہادر صاحب رضوی بلگرامی مرحوم سرصوبہ ریاست گوالیار نے دوران ۱۹۱۶ء، ۱۹۱۷ء وطن کی ایک جامع تاریخ لکھی ہے اس کا مکمل اور صاف شدہ مسودہ آپ کے پوتے مسٹر خلیل احمد رضوی بلگرامی مقیم لاہور کے پاس موجود ہے جو وثوق سے معلوم ہوا ہے۔ موصوف کی عالی حوصلگی سے وہاں زیر طبع ہے۔ کاتب الحروف کو اس کا نہایت شکستہ خط میں لکھا ہوا نامکمل مسودہ عزیزم سید ستار حسین ولد جناب حکیم سید الفدا حسین رضوی بلگرامی ساکن و رئیس محلہ ملکنٹوت جیسا کہ کتاب ہذا کے صفحہ ۲۴۴ پر اعتراف کیا جاچکا ہے دستیاب ہوا۔ اس مسودہ کو بہ شکریہ سید ستار حسین صاحب معہ دیگر تواریخ بلگرام مندرجہ صفحہ ۴۴ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ لائبریری میں "تاج التواریخ بلگرام" کے نام سے موسوم کر کے اس امید پر داخل کردیا ہے کہ اگر لاہور میں اس کی طباعت کی خبر غلط ہوگی تو پھر کوئی باہمت بلگرامی کبھی نہ کبھی توجہ فرماکر اس کو انشاء اللہ تعالیٰ ضرور چھپوادے گا۔ کاتب الحروف مسودہ مذکورسے کچھ اقوال اور چند ذی علم و نامور بلگرامی شیوخ بزرگوں کے حالات ذیل میں بجنسہٖ نقل کرکے ناظرین کی خدمت میں پیش کررہا ہے۔ چونکہ سادات بلگرام کے مفصل حالات متعدد تاریخوں میں شائع شدہ موجود ہیں۔ اس لئے ان کو دوبارہ یہاں نقل کرنا غیر ضروری سمجھا گیا۔

(۱) مؤلف صاحب مذکور نے خاندان قضاۃ بلگرام کے بعض قدیم سجلات و فرامین شاہی مندرجہ فہرست مشمول کتاب ہذا کی اپنی تاریخ میں تصدیق کی ہے اور لکھا ہے۔

(۱) "یہ واقعہ تو بدیہات میں آگیا ہے۔ کہ مسلمان لوگ بلگرام میں زائد از نو سو سال آباد ہیں اور صاحب ثروت و ذی اقتدار رہے ہیں، اور یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ اس وقت جو شریف خاندان اہل ہنود کے قصبہ ہذا میں آباد ہیں۔ وہ بعد آمد مسلمانان کے یہاں آکر مقیم ہوئے۔ اس لحاظ سے اگر مسلمان اکابر نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ فاتح کے بانی اس قصبہ کے ہوئے تو بالکل حق بجانب ہے۔"

(۲) بلگرام ایک بہت پرانی اور قدیم بستی ہے مسلمانوں کی آمد سے اس وقت تک تقریباً ۹۰۰ سال کا عرصہ گزرچکا ہے۔ قدامت آبادی کی وجہ سے قصبہ کے چاہات کا پانی نمکین ہوگیا ہے۔ وقت آگیا ہے کہ قصبہ کے لوگ اس قدیم کھیڑہ کو چھوڑکر رفتہ رفتہ اوسروں میں مکانات تعمیر کریں جو سڑک قنوج کے اطراف میں حدود بیرون قصبہ سے تا موضع پوسینڈہ پھیلے ہوئے ہیں شمس العلماء مولوی سید علی بلگرامی لندن سے امتحان علم الارض پاس کرکے جب وطن آئے تو آپ نے قصبہ کے مختلف مقامات کی مٹی جانچ کرکے بتلایا کہ یہاں زمین کے نیچے گندھک کی کھان ہے۔ اور مشورہ دیا کہ موجودہ کھیڑہ چھوڑ کر دوسری جگہ مکانات تعمیر کریں۔

(۳) قصبہ بلگرام میں پہلے سادات اور شیوخ میں عام طور سے شادیاں ہوا کرتی تھیں بعد کو اختلاف مذہب سادات شیوخ اور سادات کے درمیان رشتہ داریاں بند ہونے کا باعث ہوا۔

(۴) خاندان قضاۃ عثمانی و دیگر شیوخ قصبہ بلگرام کے قدیم اہل قلم علماء و فضلاء عربی کے یہ۔

(۱) قاضی محمد یوسف ثانی بن قاضی شمس الدین۔
(۲) قاضی عبدالکافی بن قاضی محمد یوسف ثانی
(۳) قاضی عبدالدائم بن قاضی محمود الہداد
(۴) قاضی ابوالعلاء عرف قاضی بڑے بن قاضی کمال
(۵) قاضی قطب الدین بن قاضی بھکھاری
(۶) قاضی صدرالدین بن قاضی قطب الدین
(۷) قاضی محمد بن قاضی ابوالعلا
(۸) قاضی محمد یوسف ثالث بن قاضی بھکھاری
(۹) قاضی محمد فضیل بن قاضی محمد یوسف ثالث
(۱۰) قاضی محمد سلیم بن " " "

(۱۱) قاضی محمد حافظ بن قاضی محمد فضیل
(۱۲) قاضی محمد اسحاق بن قاضی محمد ناصر
(۱۳) قاضی احمد اللہ بن قاضی محمد احسان
(۱۴) شیخ محمد مجدی بن شیخ محمد مہدی عثمانی
(۱۵) شیخ اوحد الدین بن قاضی علی احمد
(۱۶) شیخ عبدالحئی بن قاضی عبدالدائم
(۱۷) شیخ بایزید بن غلام محی الدین
(۱۸) شیخ محمد واسع بن قاضی محمد یوسف ثالث
(۱۹) شیخ غلام اخی بن غلام محی الدین
(۲۰) شیخ محمد سرفراز بن شیخ محمد مشتاق
(۲۱) شیخ محمد مشتاق بن شیخ محمد اسحاق

شیوخ صدیقی خاندان حاتم علی میں:۔

(۱) شیخ رحمت اللہ ولد ملک صبیح اللہ
(۲) شیخ احمد علی ولد معین الدین۔

(۳) شیخ محمد مہدی ولد شیخ احمد علی

خاندان شیوخ فرشوری میں:۔

(۱) شیخ محمد فقیہ
(۲) شیخ محمد اسلم بن شیخ غلام حسن ثمین
(۳) شیخ جمیل احمد بن شیخ محمد اسلم

خاندان شیخ فرزند علی میں

(۱) شیخ سلطان احمد بن شیخ قربان احمد

خاندان غلام عباس میں

(۱) شیخ عنایت حسین بن شیخ غلام عباس

خاندان شیوخ عثمانی بوشہری میں

(۱) شیخ غلام حسن
(۲) شیخ محمد عطا

خاندان مفتیان میں

(۱) مفتی وارث علی صاحب

قصبہ بلگرام کے عہد شاہی میں ذی مرتبہ شیوخ صاحبان

(۱) قاضی بھکاری بن قاضی کمال حاکم مالوہ (۲) قاضی محمود بن قاضی کمال جاگیردار مقرب بادشاہ ہند خطاب ضیاء الملک بہادر (۳) شیخ عبدالحئی بن قاضی بھکاری (۴) قاضی عبدالرسول بن قاضی ابوالعلا حاکم صوبہ لاہور والہ آباد (۵) شیخ الہ یار بن شیخ محمد اسحاق منصب شش ہزاری خطاب رستم زماں۔ خان بہادر (۶) شیخ مرتضیٰ حسن بن شیخ الہ یار منصب ڈھائی ہزاری خطاب خان بہادر (۷) نواب روح الامین خاں ابن قاضی محمد سعید صوبہ دار و سپہ سالار افواج (۸) شیخ عبداللہ بن شیخ محمد منصب دار ڈھائی ہزار روپیہ (۹) شیخ پیر محمد بن شیخ معین الدین منصب دار شش ہزاری (۱۰) منشی مسعود نبیرہ شیخ نظام الدین نائب نواب معتمد لہ بہادر (۱۱) منشی ظہیر الدین بن شیخ منشی مسعود خطاب دبیر الانشاء رفیق الدولہ (۱۲) شیخ محمد اسحاق بن قاضی محمد شافی نائب صوبہ دار الہ آباد خاندان شیخ حاتم علی میں۔ منشی حاتم علی و شیخ محمد عسکری۔ خاندان عثمانی بوشہری میں شیخ محمد عطا چکلہ دار۔

(۶) اشرفاء بلگرام میں ناموران علم موسیقی

خاندان صغروی بدلے زئی میں:۔ سید دانش علی بن افضل علی (۲) سید حسین بخش ولد سید رفعت علی (۳) سید وراثت حسین بن سید امیر علی اعقاب سید عبدالنبی میں سید بہادر علی ولد سید شجاعت علی شیوخ عثمانی میں شیخ محی الدین بن شیخ قطب الدین سادات بھتہ میں سید غلام نبی رسلین اور میر احمد نائک سادات سلہرہ میں سید محمد اسمٰعیل بن سید قطب عالم

(۷) قاضی محمود بن قاضی کمال

آپ کا خطاب ضیاء الملک تھا۔ اکبر بادشاہ کے زمانہ میں آپ امراء کے زمرہ میں داخل تھے۔ اور حویلی لکھنؤ پرگنہ سرہر پور پرگنہ بلگرام آپ کی جاگیر میں بھرا ہوا تھا۔ آپ نے

پرگنہ بلگرام کی نیابت اپنے بھائی قاضی بڑے[2] کے سپرد کرادی تھی اور آپ کی جاگیرات لاہور وغیرہ دیگر دیہ جات میں بھی تھیں۔ شاہجہاں کے عہد تک آپ زندہ رہے۔ شاہجہاں نے آپ کو اپنا سفیر بناکر شاہ ایران کے دربار میں بھیجا تھا شاہ ایران نے آپ کی تعریف لکھ کر شاہجہاں کو بھیجی اور انعام و اعزاز سے آپ کو سرفراز فرمایا بادشاہ نے ترقی دیکر اپنا مصاحب خاص مقرر کیا۔ فرامین شاہی ثبوت کے لئے آپ کے خاندان میں موجود ہیں۔ لکھنؤ میں اکبری دروازہ و سرائے آپ کی بنوائی ہوئی موجود ہیں۔ اور وسط شہر لکھنؤ میں ایک پختہ پل اور امام باڑہ آصف الدولہ کے قریب ایک مسجد آپ کی تعمیر کردہ موجود ہے۔ اکبری دروازہ کے قریب زمین خرید کرکے وہاں محمود نگر نام کا ایک محلہ آباد کیا۔ پرگنہ سرہرپور میں ایک پل پختہ دریا پر تعمیر کرایا۔ اور بلگرام میں قلعہ پر جامع مسجد دوبارہ تعمیر کرائی۔ تاریخ مسجد یہ ہے :- گفتم ایں مسجد عالی بہ کہ نسبت دارد ہاتفم گفت بہالی کہ بقاضی محمود (۱۰۱۱ھ ہجری) قصبہ بلگرام کی عیدگاہ مع چاہ پختہ بھی آپ ہی نے از سر نو تعمیر کرائی۔ موضع محمود نگر بھی آپ ہی کا آباد کرایا ہوا موجود ہے۔ اپنی لڑکی کی شادی میں آپ نے چاہات قصبہ بلگرام میں شکر کے بورے چھڑوا دئے تھے۔ تاکہ تمام اہلیان قصبہ شربت نوش کریں۔ آپ نے قلعہ گوالیار میں انتقال کیا۔

نوٹ (۱) از کاتب الحروف :- آج بھی بلگرام میں جب کوئی اولوالعزم اپنی لڑکی کی تقریب میں اعلیٰ انتظامات کا اہتمام کرتا ہے تو لوگ بالعموم کہتے ہیں کہ کچھ بھی کرو۔ اور جو چاہے دو لیکن لڑکی کا حق نہ کبھی پورا ہوتا ہے اور نہ لوگ مطمئن ہوا کرتے ہیں اسی سلسلہ میں دختر قاضی محمود کی شادی مذکور کو تمثیلاً پیش کرکے کہتے ہیں کہ جب قاضی محمود نے اپنی لڑکی کی شادی میں قصبہ کے تمام چاہات میں شکر چھڑوادی تھی تو دوسری صبح کو اہلیان قصبہ حیران و پریشان آب دست کے لئے پانی تلاش کرتے۔ اور قاضی صاحب کو برا بھلا کہتے پھرتے تھے۔

(۲) قاضی بڑے کا مزار قصبہ بلگرام کے جانب جنوب لب سڑک میونسپل بورڈ بلگرام کے حدود سے متصل ایک عالیشان بلند و پختہ گنبد میں واقع ہے جس کے اندر ونی گوشہ مشرق و جنوب میں تاریخ تعمیر عمارت پتھر پر کندہ لگی ہوئی تھی جو اب غائب ہو چکی ہے

تاریخ تعمیر گنبد قاضی بڑا

ثنای آن بہر شہر و بہر کو	خوشا گنبد کز الطاف الٰہی
مرتب شد مثال چرخ مینو	بعہد شاہ نور الدین جہانگیر
بگفتا گنبد قاضی بڈہ گو	چو تاریخش ز ہاتف جستم آنگاہ

زمانہ قدیم میں اس مزار کی اراضی پر ایک وسیع باغ تھا جو گنبد والا باغ کہلاتا تھا۔ یہ قضاۃ بلگرام کے ہمیشہ قبضہ میں رہا۔ قانون انسداد زمینداری کے تحت ۱۹۵۲ء میں اراضی مذکور مالکان کے قبضہ سے نکل گئی ہے اراضی مذکور کی آمدنی جو مرمت مزار کے لئے وقف تھی ختم ہو جانے سے اب قصبہ بلگرام کی یہ سب سے قدیم تاریخی اور شاندار موجودہ عمارت روز بروز برباد ہوتی جا رہی ہے۔

(۸) شیخ الہ یار بن شیخ سبحان

آپ نے صوبہ عظیم آباد میں راجہ دھیبر کے محاربہ میں نہایت بہادری کے ساتھ لڑائی کو فتح کیا جس کے صلہ میں بادشاہ فرخ سیر نے ان کو خطاب رستم زماں۔ خان بہادر اور منصب شش ہزاری عطا کیا۔ محمد شاہ بادشاہ نے آپ کے عہدہ میں تین ہزار پانچسو کے منصب کا مزید اضافہ کیا اور خطاب مبارز الدولہ بے مثل جنگ کا عطا کیا۔ ممالک بنگال و گجرات میں کارناموں کی وجہ سے آپ کا نام بہت مشہور رہا ہے۔ بادشاہان ہند کا منشا تھا کہ آپ عہدۂ سپہ سالاری کا ان کی سرکار میں قبول فرمائیں مگر نواب بہادر ملک سربلند خاں کی سرکار کی رفاقت ترک کرنا منظور نہیں کیا۔ چنانچہ ان کے فرزند بھی اسی سرکار کی خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ کو بھی سرکار سے منصب

عطا ہوئے۔ آپ امیر و صاحب دولت و اقبال اور ہندوستان کے نامور شخص تھے۔ شعراء وقت نے آپ کی تعریف میں بہت سی نظمیں لکھی ہیں۔ ۸ ربیع الآخر ۱۱۴۲ہجری کو میدان جنگ میں جام شہادت نوش فرمایا۔

(۹) شیخ الہ یار ثانی آپ کے فرزند شیخ مرتضیٰ حسین عرف شیخ الہ یار ثانی بھی اپنے باپ کے مثل ہوئے۔ آپ کو محمد شاہ بادشاہ کے دربار سے دو ہزار پانصدی کا منصب عطا ہوا۔ پھر مرشد آباد چلے گئے اور نواب قاسم علی خاں کی فوج میں بخشی ہوئے۔ پھر ملازمت ترک کرکے عہد نواب شجاع الدولہ میں بلگرام آ گئے۔ کتاب حدیقۃ الاقالیم آپ کی تصنیف ہے۔

(۱۰) نواب روح الامین خاں بن قاضی محمد سعید بن قاضی محمود فنون عربی و فارسی و ہندی میں یکتا تھے اور نہایت خلیق تھے۔ ظریف طبع بھی تھے۔ آپ کئی صوبوں کے حاکم رہے نواب منعم خاں خانخاناں کی سرکار میں پہلے ملازم ہوئے ایک علمی مباحثہ کے سلسلہ میں شاہ عالم بادشاہ نے خوش ہوکر آپ کو منصب شش ہزاری و جاگیرات عطا کیں نواب خانخاناں کے انتقال کے بعد نواب سپہ دار خاں و نواب بہادر الملک سربلند خاں کی رفاقت میں رہے اور صوبہ الہ آباد میں اچھے اچھے کام کئے۔ بہت سے رائے زادگان کو راج دلائے۔ اور نواب سربلند خاں کے کئی صوبہ جات میں حکومت کرتے رہے۔ اہل وطن کے ساتھ نہایت خلق و کرم سے پیش آتے تھے۔ چنانچہ ایک ہزار سات سو ٹھوٹے خلق اللہ کو تقسیم کئے اور نواب مظفر الدولہ برادر نواب صمصام الدولہ کی طرف سے صوبہ اودھ میں نائب رہے۔ آپ عالم اور فاضل تھے آپ کی تصانیف میں کتاب "عقل کل" بہت مشہور ہے۔ آپ محاربہ نادر شاہ اور شاہ ہند میں برفاقت برہان الملک داد مردانگی دیتے ہوئے ۱۵ ذیقعدہ ۱۱۵۱ہجری کو متصل کرنال شہید ہوئے۔ (نوٹ۔ آپ کے بہت سے جنگی کارنامے تاج التواریخ میں درج ہیں

(۱۱) شیخ عبدالصمد بن شیخ محمد آپ صاحب منصب و جاگیر تھے۔ آپ کئی لڑائیوں میں شریک ہوئے۔ آپ کو پرگنہ بھنڈوئیں بہت سے مواضعات جاگیر میں ملے۔ دہلی میں آپ نے انتقال کیا۔

نوٹ:۔ اسی طرح لائق مولف تاج التواریخ نے شیوخ عثمانی بلگرامی کے بہت سے مشہور و معروف صاحب سیف حضرات کا اپنی کتاب میں بالتفصیل ذکر کیا ہے جن کو کتاب ہذا میں بوجہ کمی گنجائش نقل نہ کیا جا سکا۔

(۱۲) شیوخ فرشوری صدیقی شیوخ فرشوری صدیقی اور شیوخ عثمانی کا سلسلہ قرابت زمانہ دراز سے بہت ملتا چلا آرہا ہے۔ شیوخ عثمانی کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ شیوخ فرشوری میں خاندان مولوی محمد اعظم صاحب بہت مشہور ہے۔ شجرہ اس خاندان کا دستیاب نہ ہو سکا۔ کتاب تجوید الکلام میں جن بزرگوں کا ذکر درج ہے وہ شجرہ ذیل سے معلوم ہوں گے۔ جو بزرگ اس خاندان کے ہمراہ سلطان محمود غزنوی کے قنوج میں اور وہاں سے بلگرام میں پہونچے۔ ان کا نام محمد فقیہ تھا۔ یہ خاندان شروع آمد میں ۳-۴ صدیوں تک قصبہ بلگرام میں بہت ذی علم و ذی اقتدار رہا بعد کو کچھ لوگ اس خاندان کے باہر جاکر آباد ہوگئے۔ شہر بدایوں میں تاحال ایک محلہ فرشوریاں علیحدہ کا آباد ہے۔ کچھ افراد وطن میں لاولد فوت ہوگئے جو باقی رہے ان میں شیخ فضل اللہ فرشوری کی نسل تاحال بلگرام میں عزت و وقار کے ساتھ آباد ہے۔ اس خاندان کا سلسلہ حضرت ابوبکرؓ سے جاکر مل جاتا ہے جن مورث کا پتہ چلتا ہے ان کے نام نامی یہ ہیں:۔ (۱) شیخ کمال الدین (۲) شیخ غلام حسن ثمین (۳) شیخ محمد اسلم (۴) مولانا جمیل احمد (۵) شیخ محمد اعظم (۶) مولوی عبدالوالی آپ کے تین لڑکے رفیع الدین۔

عبدالقدیر۔ اور عزیزالدین احمد۔ شیخ غلام حسن۔ آپ کی عمر دو سال تھی کہ آپ کے والد کابل کی مہم میں شہید ہوئے۔ آپ کے ماموں قاضی محمد سبحان عثمانی نے جو آپ کے خسر بھی تھے۔ آپ کو پرورش کیا۔ آپ نے مختلف ذی علم حضرات سے علوم حاصل کئے۔ ۱۱۵۶ھ ہجری میں آپ ہمراہی میر محمد متخلص بہ سیاح نواب خان زماں کے دربار میں پہونچے وہاں شیخ علی حزیں و دیگر شعراء کرام کی صحبت میں فن شاعری میں کمال حاصل کیا اور آپ نے عثمانی خاندان قضاۃ کی مشہور کتاب شرائف عثمانی لکھی۔

شیخ محمد اسلم بن شیخ غلام حسن

آپ مشاہیر سے تھے ۱۱۶۷ھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ شیخ محمد صدیق عثمانی سخنور بلگرامی کے شاگرد ہوئے۔ لکھنؤ جاکر مولانا سید محمد مخدوم صاحب سے تفسیر و حدیث پڑھی پھر کلکتہ گئے اور ایک مدرسہ میں بمشاہرہ ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار نوکر ہوگئے۔ پھر مولوی محمد روشن سے ریاضی اور علم سیر کا سبق لیا۔ ۱۲۵۳ھ ہجری میں انتقال کیا۔

شیخ جمیل احمد بن محمد اسلم

آپ عالم و فاضل اور عربی کے ادیب تھے۔ فقہ اور حدیث میں بلند پایہ رکھتے تھے۔ علم نعت اور ادب مولانا اوحدالدین عثمانی سے حاصل کیا۔ اور پھر مولوی فضل حق خیرآبادی سے تکمیل علم کیا۔ قاضی رمضان علی ساکن داؤدنگر ضلع مظفرپور ابنرگ خاص۔ ڈاکٹر سید محمد محمود سابق وزیر داخلہ جمہوریہ ہند، آپ کے والد کے استاد تھے۔ انہوں نے آپ کو چھپرا بلایا اور وہاں مدرسہ سرکاری میں اول مدرس فارسی و عربی کے ہوئے۔ آپ نے کئی کتابیں لکھیں۔ قصیدہ فرزدق کی شرح لکھی ۱۲۹۴ھ ہجری میں بمقام چھپرا انتقال فرمایا۔

شیخ محمد اعلم صاحب

لکھنؤ میں کتب درسیہ عربی مولوی اوحدالدین عثمانی بلگرامی کے پاس رہ کر پڑھیں۔ پھر قصبہ سکیٹ ضلع ایٹہ میں منشی عبدالقادر رئیس کے پاس ملازم رہے۔ سولہ برس وہاں قیام کرکے بلگرام تشریف لائے اور وہیں انتقال کیا۔

مولوی عبدالوالی صاحب بن مولوی محمد اعلم صاحب

آپ سکیٹ ضلع ایٹہ میں پیدا ہوئے۔ سید ابن حسن خان صاحب سے کتب فارسی پڑھیں۔ پھر چھپرا میں اپنے چچا مولانا جمیل احمد صاحب کے پاس رہ کر وہاں کے علماء سے عربی و فارسی کا تکملہ کیا پھر چھپرہ کے مدرسہ میں ملازم ہوگئے۔ اپنے بہنوئی قاضی شریف احمد عثمانی کی علالت کا حال سنکر بلگرام آئے جب سے مستقل بلگرام ہی میں رہے۔ اور بعد انتقال قاضی شریف احمد آپ قائم مقام قاضی ٹھہرا اور سب رجسٹرار بلگرام ہوئے ۱۳۲۱ھ ہجری میں آپ نے انتقال کیا آپ نے تین لڑکے رفیع الدین۔ عبدالقدیر اور عزیزالدین چھوڑے۔ آخرالذکر صاحبزادہ نے پہلے جوبلی اسکول بلگرام میں تعلیم حاصل کی۔ پھر ہردوئی سے انٹرنس پاس کرکے علی گڑھ کالج میں داخل ہوئے وہاں سے درجہ اول میں بی اے پاس کرکے ۱۸ اگست ۱۹۱۰ء کو براہ راست ڈپٹی کلکٹر ہوئے۔ **نوٹ** ۔ کتاب "انساب شیوخ فرشوری بدایونی" مولفہ مولوی رضی الدین صاحب بسمل صدیقی فرشوری بدایونی مطبوعہ درکا کپس پریس شاہ آباد ضلع ہردوئی کے صفحات ۸۰ ہ لغایتہ ۸۵ میں صاف طور سے درج ہے کہ خاندان فرشوری بدایونی کے مورث اعلیٰ شیخ کمال الدین فرشوری و شیخ محمد یوسف فرشوری معہ قبائل بلگرام سے بعہد شمس الدین التمش بدایوں آکر سکونت پذیر ہوئے۔ اس حوالہ سے یہ بات محقق ہوگئی کہ شیوخ فرشوری ساکنان بلگرام و بدایوں ایک ہی مورث کی اولاد ہیں جو تاحال بلگرام اور بدایوں میں سکونت پذیر ہیں۔ یہ کتاب ۱۸۹۹ء میں چھپی ہے۔ (نبہوں)

~~~~~
~~~~~

چند نامی تقریبات جو عہد شاہی میں

سادات و شیوخ بلگرام نے بفراخ حوصلگی و کشادہ دلی انجام دیں

ناظرین یہ پکار اٹھیں گے کہ ان کے اسلاف نے کثیر دولت فضول تقریبات میں لٹادی جن کا شمار اس وقت عاقلان دہر میں تھا لیکن حقیقت کچھ اور ہی تھی۔

(۱) چونکہ بلگرام دارالعلوم تھا وہ لوگ دولت کا ذخیرہ اپنی اولاد کے لئے چھوڑ کر انہیں کاہل اور علم سے بے پرواہ بنانا نہیں چاہتے تھے۔ (۲) صدیوں سے ذی علم اور شاہی درباروں میں شرفا بلگرام ذی عزت رہتے چلے آرہے تھے۔ اس لئے ان کی اولاد کے لئے شاہی ملازمتوں کا احاطہ محدود نہ تھا۔ (۳) ایسی تقریبات کرنے والے صاحبان سب عالم اور لائق و ذی ہوش تھے۔ وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ خداوند تعالیٰ جب کسی ایک کو زیادہ دولت دیتا ہے تو اس کا فرض ہے کہ وہ دوسروں تک اس کو کسی نہ کسی طرح پہونچائے وغیرہ وغیرہ۔

(۱) سادات صغروی قبیلہ عبدالنبی سید حیدر علی صاحب نے اپنی صاحبزادی کی دعوت کا سلسلہ ہفتوں جاری رکھا۔ لکھوکھا روپیہ صرف کیا۔ (۲) سادات رضویہ خورد پورہ، سید بہادر علی خاں صاحب نے اپنے صاحبزادہ لطف علی خاں کی شادی میں اور میر لطف علی خاں نے اپنی لڑکی کی گڑیا کی شادی میں لاکھوں روپیہ صرف کیا۔ (۳) شیوخ عثمانی میں قاضی محمود بن قاضی کمال صاحب نے اپنی لڑکی کی شادی میں ایک لاکھ روپیہ سے زائد صرف کیا۔ (۴) نواب روح الامین خاں بن قاضی محمد سعید عثمانی بلگرامی نے اپنے لڑکے کی شادی کی تقریب کو جو بزمانہ قحط ہوئی تھی مسلسل چھ ماہ تک جاری رکھا۔ قصبہ کے تمام باشندگان کو اپنا مہمان رکھا اور لاکھوں روپیہ صرف دعوتوں میں صرف کیا۔ (۵) شیخ میر محمد بن شیخ معین الدین نے اپنے بھائی شیخ امین الدین کی شادی میں زر کثیر صرف کیا۔ (۶) منشی مسعود نبرہ شیخ نظام الدین نے اپنے صاحبزادہ منشی ظہیر الدین کی شادی میں زر کثیر صرف کیا۔ (۷) سادات بھٹہ میں نواب نورالحسن خاں صاحب نے پہلے مانجھے کی رسم کے لئے ایک محل تیار کرایا۔ پھر چھ ماہ تک قصبہ میں دعوت کا سلسلہ جاری رکھا۔ (۸) سادات رضویہ محلہ ملکنٹہ کے سید چراغ علی بن سید غلام حسین صاحب کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی۔ صرف تین صاحبزادیاں تھیں آپ نے اپنی تمام عمر کی کمائی کا لکھوکھا روپیہ اپنی صاحبزادیوں کی شادیوں میں صرف کر دیا۔ (۹) سادات خمس برادران میدان پورہ میں سید نیاز حسن خاں صاحب نے اپنے صاحبزادہ سید حسن خاں صاحب کی شادی میں ایک لاکھ روپیہ صرف کیا۔ (۱۰) مولوی سید علی حسن صاحب صغروی نے اپنے صاحبزادہ سید محمد فیض کی شادی میں جو ۱۸۶۵ء کے بعد ہوئی دو لاکھ روپیہ صرف کیا۔ اور بلگرام میں یہ آخری تقریب نمود شان کی ہوگذری ہے۔

نوٹ:۔ مذکورہ تقریبات میں سے بعض کے اخراجات کی فہرستیں خاندان متعلقہ کے افراد کے پاس اب تک موجود ہیں جن کے انتظامات کو دیکھتے ہوئے جو کثیر رقومات تقریبات میں صرف ہوئی ہیں وہ تعجب خیز نہیں (نہوں)

عہد شاہی کے سادات شیوخ بلگرام کی دریادلی کی چند مثالیں

مشہور ہے کہ نواب روح الامین خاں عثمانی کا ابتدائی زمانہ تکلیف کا تھا۔ آپ کی برجا میں ایک نائی تھا جو بلا اجرت کے حجامت بنادیا کرتا اور ایک چمار تھا جو سال میں ایک جوڑ جوتا مفت بنا کر پہنا دیا کرتا تھا اور کبھی کبھی نال بھی جاتا تھا جب آپ صوبہ دار ہوئے اور بلگرامی آپ کے پاس پہونچے تو آپ نے ان دونوں سے کہلا بھیجا کہ بھائی بال بہت بڑھ گئے ہیں اور پیر ننگے ہیں۔ دونوں ڈرتے ڈرتے پہونچے اس وقت دربار لگا ہوا تھا۔ نواب روح الامین خاں ان دونوں کو دیکھ کر بے اختیار کھڑے ہوگئے اور دوڑ کر چمٹ گئے۔ سارے درباری حیران ہوگئے تو آپ نے صاف صاف کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے میری غربت میں میرے سر کے بال مفت بنائے اور مجھے جوڑے پہنائے ہیں۔ آپ نے ان دونوں کو مہینوں اپنے پاس رکھا پھر زر کثیر دیکر وطن واپس کیا جو دونوں کی ساری عمر کے لئے کافی ہوا۔

۲۔ نواب نورالحسن خاں صاحب ایک بار بلگرام آرہے تھے۔ راستہ میں کہاروں نے پالکی کو برائے قدرے آرام ایک کنوئیں کے قریب رکھدیا وہاں ایک ضعیف عورت پانی بھرنے آئی تو اس نے پوچھا کہ یہ پالکی کہاں کی ہے۔ کہاروں نے کہا بلگرام کی یہ سن کر عورت رونے لگی جب سبب پوچھا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ بلگرام کی رہنے والی ہے اور ماں باپ کے مرجانے سے عرصہ دراز سے میکے نہ جاسکی۔ یہ سنکر نواب صاحب آبدیدہ ہوگئے پاپیادہ اس کے ساتھ اس کے گھر گئے اور کہا اب یہ میری لڑکی ہے۔ میں اس کو لینے آیا ہوں چنانچہ لڑکی کو معہ داماد کے بلگرام ساتھ لائے۔ اس کے لئے ایک بڑا مکان تعمیر کرایا اور مدت العمر بلگرام میں مثل باپ کے مسلوک ہوتے رہے۔

۳۔ سید بہادر علی کے صاحبزادہ سید الطاف علی خاں صاحب کی رعایا میں کچھ بھورجی رہا کرتے تھے ایک بھورجی کے گھر کسی تقریب میں قنوج سے کچھ بھورجی آئے۔ جو باقاعدہ کمبل اوڑھے ہوئے تھے۔ جب بلگرام کے بھورجی چوتھی میں قنوج جانے لگے تو اپنے مالک سے جاکر کہا کہ حضور قنوج کے بھورجی تو شادی میں کمبل اوڑھ کر آئے تھے۔ ہمارے پاس اوڑھنے کو نہیں ہے۔ کچھ وقتی انتظام کردیا جائے۔ آپ نے کہا وہ لوگ کمبل اوڑھ کر آئے تھے تم دوشالے اوڑھ کر جاؤ چنانچہ بیس دوشالے گھر سے منگواکر بھورجیوں کے حوالے کردئے۔ جب یہ دوشالے پوش بھورجی قنوج پہونچے۔ تو وہاں کے بھورجیوں نے آوازے کسے اور کہا کہ یہ دوشالے تمہارے تو نہیں معلوم ہوتے۔ اس پر بات بڑھی اور بالآخر پنچایت نے فیصلہ کیا کہ جانچ اس طرح کی جاوے کہ قنوج کے بھورجی اپنے کمبل اور بلگرام کے بھورجی اپنے دوشالے بھاڑ میں جھونک دیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بلگرام کے سب بھورجیوں نے دوشالے جلاڈالے۔ جب گھر واپس آئے تو مارے ڈر کے میاں کے سامنے نہیں گئے۔ میاں کو حال معلوم ہوا تو آپ نے بھورجیوں کو بلاکر شاباشی دی۔ اور کہا کہ تم ہمارے قصبہ کا نام کرکے آئے ہو اس خوشی میں ہم بیس دوشالے تم سب کو بطور انعام دوبارہ دیتے ہیں۔

۴۔ مولوی سید علی حسین صاحب کے لڑکے سید محمد فیض کی شادی میں تمام قصبہ کو دو وقتہ کھانا تقسیم کیا گیا۔ اسی شادی کا یہ قصہ ہے۔ کہ جب دولہن کا ڈولہ گھر آیا تو بلگرام کے ایک بھاٹ نے آپ کے اسلاف کی شان میں کبت پڑھنا شروع کیا۔ آپ اعلیٰ مضامین سے متاثر ہوکر پہلے انعام دیتے رہے۔ پھر آپ کی بی بی نے جو دروازہ پر کھڑی تھیں اپنے زیورات اتار کر

رائے صاحب پر پھینکنا شروع کئے پھر بھی نہایت جوش و خروش کے ساتھ رائے صاحب علم و فضل کے اپنی زبان میں دریا بہاتے ہی رہے۔ تو سید صاحب نے اپنی بی بی کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ رائے صاحب آپ کے علم و فضل کی داد دینا میرے امکان سے باہر ہے میں آپ کا غلام اور میری بی بی آپ کی لونڈی حاضر ہے۔ اس وقت رائے صاحب خاموش ہوئے اور بے اختیار رو کر فی البدیہہ ایک اور آخری کبت پڑھا جس کا مطلب تھا کہ تیرا جیسا غنی اور مجھ ایسا سائل پیدا نہیں ہوا اور نہ ہوگا۔ اب آئندہ نہ کسی شادی میں کبت پڑھوں اور نہ کبھی کسی کے سامنے ہاتھ پھیلاؤں گا۔ چنانچہ گھر واپس آکر رائے صاحب نے اپنا داہنا ہاتھ کٹوا دیا تاکہ پھر کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کا امکان باقی نہ رہے۔ (مرحبا قدیم رؤسا بلگرام و صد مرحبا رائے صاحبان بلگرام) (اقتباسات تمام شد)

خاندان سعدی میاں صاحب محلہ بکرا

کتاب ہدایت الفقرا جو سادات ڈیہ کے ارباب طریقت کی کتاب ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان کا اصلی وطن خیر آباد ہے۔ سید محمد صاحب بلگرامی جب مخدوم شیخ نظام الدین صاحب عرف شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ خیرآبادی کے مرید ہوئے۔ تو آپ نے درخواست کی کہ کسی صاحبزادہ کو بلگرام میں سکونت کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ چنانچہ آپ نے اپنے پوتے شاہ تاج معین الدین صاحب کو بلگرام بھیجا جن سے اس خاندان کا بلگرام میں سلسلہ چلتا ہے۔

اس خاندان نامی کا چونکہ شجرہ باقاعدہ شائع ہو چکا ہے اس لئے تفصیلات درج نہیں کی جا رہی ہیں۔ اس سلسلہ کے تمام بزرگان صاحب کمال گذرے ہیں۔ شاہ تاج الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ مشہور ہے کہ پیر بڑھائی صاحب جن کا مزار موضع شریف آباد میں لب سڑک واقع ہے۔ ایک روز گھوڑے پر سوار جا رہے تھے۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا آج یہ گھوڑے پر جا رہے ہیں کل کاندھوں پر جائیں گے۔ چنانچہ دوسرے روز ان کا انتقال ہو گیا۔ جب جنازہ آپ کے سامنے سے گذرا تو فرمایا جا تیری قبر پر ریوڑی ملیدہ چڑھتا رہے گا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ آپ کے علاوہ اور بھی بزرگ اس خاندان میں مشہور درویش گذرے ہیں۔ جن کے حلقہ مریدان میں ذی علم و صاحب مراتب حضرات شامل ہوتے چلے آرہے ہیں۔

خاندان شاہ اڈھن بوشہری

خاندان شیوخ عثمانی بوشہری میں نسلاً بعد نسلاً مشائخ پیدا ہوتے رہے۔ یہ خاندان پیرزادگان کے نام سے مشہور ہے۔ شیخ اڈھن کی اولاد میں دوسری شاخ شیخ غلام حسن تک صاحب سجادہ رہے۔ اس خاندان میں شیخ محمد عطا صاحب سرکار اودھ میں چکلہ دار تھے۔ آپ نے محلہ کاسو پیٹ میں ایک عالیشان مسجد تعمیر کرائی جو آپ کے نام سے موسوم ہے۔ اب اس خاندان میں پیرزادہ سجاد حسین صاحب بلگرامی بن پیرزادہ تصدق حسین صاحب مرحوم ساکن محلہ میدان پورہ موجود ہیں۔ جو بمبئی میں عرصہ دراز سے کمیشن ایجنٹ ہیں۔ اور اپنے اخلاق و آداب کے تحت کافی باعزت ہیں۔ آپ کے واحد فرزند محمد حسین سلمہٗ نے عین عالم شباب میں بمقام لکھنؤ انتقال کیا اور مرحوم نے ایک معصوم بچہ اپنی یادگار میں چھوڑا۔

تاریخ وفات نوجوان بیٹا ہوا نذر اجل ہائے کیا معدوم صورت ہوگئی
پیر کا دن دس بجے کا وقت تھا شاہد رعنا کی رحلت ہوگئی

۱۳۷۰ ہجری

خاندان شیخ غلام عباس

شیخ غلام عباس خدا پرست بزرگ تھے، جو ۱۲۵۰ھ ہجری میں قنوج سے ہجرت کرکے اپنے مرشد کامل کے حکم سے بلگرام میں آکر قیام پذیر ہوئے۔ آپ نے اڑسٹھ سال کی عمر میں ۱۰ شعبان ۱۲۸۱ھ ہجری کو بلگرام میں انتقال کیا۔ آپ کے بیٹے شیخ عنایت حسین نے ایام طفلی میں منشی ظہیر الدین بلگرامی کی ظل عاطفت میں پرورش پائی۔ ۱۲۸۳ھ ہجری میں غذا نامہ مسعود لکھ کر طبع کرایا۔ آپ بہت مشہور تاریخ گو شاعر گذرے ہیں۔ آپ کا ایک دیوان تواریخ کا ہے۔ بزرگوں سے سُنا ہے کہ جب آپ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو آپ کی وفات سے چند گھنٹے پہلے آپ کے ایک بے تکلف دوست نے کہا کہ ہزاروں تاریخیں آپ نے لکھ ڈالیں اب اپنے مرنے کی بھی تاریخ لکھ جایئے آپ نے کہا ہاں بات تو سچ کہتے ہو، یہ کہہ کر اپنی تاریخ وفات خود ہی لکھوادی اور چند گھنٹے کے بعد انتقال فرمایا:- قطعہ تاریخ

عنایت از عنایات الٰہی ... رواں در روضۂ پاک نبی شد
بوقت نزع در گوش عنایت ... ندا آمد عنایت جنتی شد

۱۲۹۰ھ ہجری

آپ کے حقیقی بھائی پیرزادہ محمد صدیق صاحب بھی بلگرام ہی میں عقب مکان مولوی عبدالوالی صاحب رہتے تھے۔ ان کے بڑے صاحبزادہ پیرزادہ مولوی عظیم الدین صاحب نے ۱۹۴۳ء میں بعمر ۵۵ سال لاولد انتقال کیا۔ آپ کے چھوٹے بھائی پیرزادہ محمد حسن عمر بھر بجی ہردوئی میں چپراسی کی جگہ پر ملازم رہے۔ ۱۹۵۷ء میں ہردوئی میں انتقال کیا۔ آپ ہر سال سفید تعزیہ بنانے محرم میں بلگرام آتے رہے۔ آپ کے کئی لڑکے ہیں جو ہردوئی میں خوشحال اور آباد ہیں۔ اب آپ کا منجھلا لڑکا اپنے والد مرحوم کی طرح سفید تعزیہ بنانے بلگرام ہر سال آجایا کرتا ہے۔

مہاجرین بلگرام

قیام پاکستان کے بعد بلگرام سے مندرجہ ذیل صاحبان پاکستان گئے۔

محلہ میدانپورہ سے:- یامین احمد و [illegible] احمد پسران سلطان احمد صاحب پیرسٹر عمران احمد بن شیخ قربان احمد صاحبزادہ مفتی اصغر علی۔
محلہ قاضی پورہ سے:- عبدالرؤف عرف فاروق میاں بن مولوی عبدالقدیر۔ منشی عاشق علی معہ پسران۔ منو خاں ولد نھو آرکش
محلہ سید واڑہ سے:- پسران سید وصی الحسن صاحب ڈپٹی کلکٹر۔ بڈھن میاں صاحب۔ شیخ محمد نبیع وغیرہ۔
محلہ ملکنٹھ سے:- سید یاور علی۔ سید تاج حسین۔ سید امیر احمد صاحب معہ پسران۔ سید علی ابن سید سردار علی وکیل۔ سید خلیل رضوی معہ پسران۔ سید مرتضیٰ حسین سہیل بلگرامی۔ شیخ سلیم اور شیخ ظہور۔

ان تمام مہاجرین میں دو ہستیاں خصوصیت کے ساتھ قابل الذکر ہیں مسٹر یامین احمد جن کی وطن سے روانگی خاص مسرت کے ساتھ ہوئی، دوم سید امیر احمد صاحب کی جو بہزار مجبوری و معذوری خود روتے اور صد ہا اہلیان قصبہ کو تڑپتے چھوڑ کر روانہ پاکستان ہوئے اور مرتے دم تک یاد وطن میں مصروف رہے۔ کاتب الحروف کو مرحوم نے ۱۹۵۲ء میں مندرجہ ذیل عیدی لکھکر بھیجی تھی۔

پیارے بیٹے۔ عیدی میں ایک انمول نعمت بھیجتا ہوں یعنی وطن کی محبت جو میری رگ رگ میں پیوست ہے سے
(جب یاد آوت بلگرام کی اوت کلیجہ ہوک ...)

قصبہ بلگرام کے دیگر مسلم قبائل

(پیشہ ور اللہ کے دوست ہیں)

ابتدائے اسلام میں ایسی ایسی باکمال اور واجب الاحترام ہستیاں مسلم پیشہ وروں میں گذری ہیں جن پر مسلمانانِ عالم تا قیامت فخر کرتے رہیں گے۔ مثلاً حضرت ابوطالبؓ عطر فروش تھے۔ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عثمانؓ پارچہ فروش تھے۔ حضرت زبیر کے والد درزی کا پیشہ کرتے اور خود حضرت زبیر قصاب تھے۔ حضرت بن خلفؓ پھل فروخت کرتے تھے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ بزاز تھے۔ اور حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سوت کاتنے کا کام کرنے ہی کی وجہ سے غزالی مشہور ہوئے۔ کم و بیش انھیں پیشوں کو اختیار کرنے والے مسلم قبائل زمانہ قدیم سے بلگرام میں آباد ہیں۔ جن کے ابتدائی حالات نامعلوم ہیں۔ اس لئے کچھ حالات حاضرہ اختصار کے ساتھ درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

قصبہ بلگرام کی آبادی میں مسلمانوں کی ہمیشہ اکثریت رہی ان میں شرفا و روسا قصبہ کی تعداد کم اور پیشہ ور مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ رہی۔ جو بالعموم علوم سے بے بہرہ اور اپنے اپنے مخصوص پیشوں میں نسلاً بعد نسلاً مشغول و مصروف چلے آرہے ہیں۔ ان میں بھی جب کبھی کسی کو حصولِ علم کا موقع مل گیا یا کوئی وطن چھوڑ کر باہر چلا گیا وہ خاکِ پاک بلگرام کی تاثیر سے ترقی کر کے اپنے وطن کی شہرت و عظمت کا باعث ہوا۔ دورِ حاضرہ میں نواب ہوشیار جنگ بہادر جناب ناظر الحسن ہوش بلگرامی کی زندہ مثال ہمارے سامنے موجود ہے۔

پٹھان زمانہ دراز سے قصبہ بلگرام میں آباد ہیں زیادہ تر محلہ قاضی پورہ ملکنٹھ اور سلہڑہ میں رہتے ہیں۔ عام طور سے زراعت پیشہ لوگ ہیں۔ کچھ مزدوری بھی کرتے ہیں ان میں بعض زمانہ شاہی میں فوجی عہدوں پر فائض رہے اور کچھ شرفا و رؤسا بلگرام کی صحبت سے فیضیاب ہوئے۔ حکیم امام خاں صاحب مشہور طبیب گذرے۔ حال میں محمد خاں صاحب ساکن محلہ ملکنٹھ کے بڑے لڑکے عبدالحق خاں پٹھانوں میں سب سے پہلے گریجویٹ ہو کر وکیل ہوئے۔ جو ضلع ہردوئی میں وکالت کرتے ہیں نہایت خلیق اور وطن پرور ہیں۔

کلو خاں پسر سیدا خاں صاحب ساکن محلہ سلہڑہ انٹرنس پاس کر کے ڈسٹرکٹ جیلر ہوئے۔ ساری عمر جیل میں کاٹ کر اب پنشن لیکر وطن واپس آئے ہیں اور جشن مرحوم کی کوٹھی خرید کر کے اسی میں رہتے ہیں۔ آپ کے کئی بچے گریجویٹ ہیں۔ جو نہایت نیک اور سعید ہیں۔ جشن میاں کی کوٹھی مملوکہ کلو خاں صاحب کے صحن جانب جنوب میں متصل بیرون آمد پیرزادہ سید آل محمد صاحب قاضی شمس الدین ابوالقاسم بن قاضی محمد یوسف گازرونی فاتح بلگرام (جن کے تفصیلی حالات کتاب ہذا کے صفحات ۱۰۸ لغایتہ ۱۱۲ پر درج ہیں۔) کی جو بوسیدہ پختہ قبر موجود ہے۔ اس کی حال ہی میں کلو خاں صاحب نے احتراماً معقول مرمت کرادی ہے۔ جس کے لئے آپ شکریہ کے مستحق ہیں۔ محلہ قاضی پورہ میں مولوی عبدالرحیم خاں صاحب نہایت پابند شریعت بزرگ تھے۔ وقف درگاہ حضرت عباس کے کار پرداز اور مسماۃ منظور فاطمہ بیگم کی ریاست کے ہمیشہ مختار عام رہے۔ آپ نے سنہ ۱۹۲۰ء میں جامع مسجد ادبر کوٹ کی قدرے مرمت کرائی پھر مسجد دیوان حاتم علی کی مکمل مرمت کرا کے

اس کو آباد کیا عیدگاہ کے قبرستان میں ایک پختہ کنواں بنوایا ۱۹۲۶ء میں انتقال کیا اور عیدگاہ کے متصل اپنے باغ میں دفن ہوئے۔ اسی محلہ میں مرتضیٰ خاں ولد کالے خاں میونسپل بورڈ بلگرام کے ممبر تھے۔ جنت سازی کا کام کرتے ہیں آپ کے دم سے مسجد شیخ الہ یار میں فجر کی نماز باجماعت ہوجایا کرتی ہے۔ دھمن خاں ساکن محلہ قاضی پورہ اور اجو خاں و متو خاں ساکنان محلہ ملکنٹہ پٹھانوں میں پہلے لوگ ہیں، جو حال ہی میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے ہیں، ان کے علاوہ قصبہ میں اور بھی پٹھان ہیں جو عزت و آرام سے زندگی بسر کر رہے ہیں، سب سے زیادہ ایثار و احسان کرنے والی ہستی خیرالدین خاں ساکن محلہ قاضی پورہ کی ہے جنہوں نے وقت ناوقت جاڑہ گرمی برسات اپنی زندگی کے پچاس سال نہایت متعدی سے فی سبیل اللہ گورکن کے فرائض انجام دیکر اپنا گھر جنت میں بنا لیا ہے۔ فی زمانہ اس قبیلہ کے کچھ لڑکے اردو مڈل پاس کرکے ڈسٹرکٹ بورڈ کے ابتدائی مدارس میں مدرس ہوگئے ہیں۔ جو محلہ قاضی پورہ میں ایک انجمن "افغانان" نامی قائم کرکے اپنے خاندانوں کی پرانی رسوم اور احساس کمتری کو دور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

سبزی فروشان

اس قبیلہ کے لوگ زیادہ تر محلہ میدان پورہ۔ خورد پورہ اور کاسو پیٹ میں آباد ہیں جن کا زمانہ قدیم سے پیشہ سبزی فروخت کرنا اور باغات کی فصل انبہ و امرود وغیرہ خرید کرکے پھلوں کا بیچنا چلا آتا ہے۔ تعلیم کا ان میں بھی مثل پٹھانوں کے رواج بہت ہی کم رہا، پھر بھی شیخ خیرات علی۔ شیخ محمد بخش مدرس ٹاؤن اسکول اور شیخ رسول بخش مرید مولانا فضل الرحمٰن شاہ رحمۃ اللہ علیہ حال میں تعلیم یافتہ اور اچھے لوگ گذرے ہیں۔ شیخ قاسم علی ولد شیخ گھورے ہردوئی میں فارسی کے مدرس اول ہیں۔

محلہ میدان پورہ کے سبزی فروشان نے لگ بھگ ۱۸۶۵ء اپنے آبائی پیشہ کے علاوہ کچھ لین دین کا بھی کاروبار شروع کیا سب سے پہلے شیخ سمیر شیخ میرون اور شیخ گھورے وغیرہ نے اس کاروبار سے کافی ترقی کی اور رؤسا میدان پورہ کی کافی جائدادیں اس ذریعہ سے رفتہ رفتہ حاصل کیں اور خریدیں۔ شیخ انگنے ولد شیخ سمیر نے اسی طریق سے اچھی ترقی کرکے تقریباً ۱۸۹۵ء میں خود بنارس جاکر چیدہ چیدہ امرودوں کا تخم فراہم کیا اور بلگرام میں پودھے تیار کرکے انھیں حاصل کردہ آراضیات میں امرود وغیرہ کے وسیع پیمانہ پر باغات لگائے جو بہت منفعت بخش ثابت ہوئے۔

ان کی دیکھا دیکھی ان کے دوسرے پڑوسی عزیزوں نے بھی امرودوں کے باغات نصب کئے اور وہ بھی اس نئی تجارت سے خوب ہی فیضیاب ہوئے یہاں تک کہ بلگرام امرودوں کا دور دور سے مشہور ہوگیا اور گھر گھر امرودوں کے باغات ہوگئے۔ سب سے زیادہ فائدہ ان باغات سے شیخ انگنے پھر شیخ کلو ولد شیخ میروں نے اٹھایا بعد کو سید ضیاء اللہ صاحب رئیس محلہ میدان پورہ کا بھی باغ مشہور ہوا اس کے بعد سید مصطفیٰ حسین صاحب بن سید علی حسین صاحب رئیس محلہ میدان پورہ کے اس باغ کی بھی عرصہ تک کافی شہرت رہی۔ جس کو موصوف کے برادر حقیقی سید فضل الحسن عرف حسین میاں مرحوم نے بڑی جانفشانی سے تیار کیا تھا۔ ان باغات سے مالکان باغات اور فصل کے خریداران کو ہزاروں روپیہ سالانہ کی آمدنی ہوا کرتی تھی۔ جس کی وجہ سے امرودوں کا کاروبار سب سے بہتر اور منفعت بخش معلوم ہونے لگا لیکن بعد کے تجربات سے یہ خیال خام نظر آیا۔ اور بڑا بے برکتی کام سمجھا گیا۔

پرانی مثل مشہور ہے "سفرٹی نہیں بندھتی" قصبہ میں سفرٹیوں کی کاشت و تجارت میں جن لوگوں نے ہزاروں روپیہ سالانہ پیدا کیا ان میں کوئی بھی آج زیادہ مرفہ الحال نظر نہیں آتا ہے۔ اس لئے قصبہ میں اس طرف سے

توجہ کم ہوتی جارہی ہے۔ اور اس کے کام کرنے والے اکثر آپس میں یہی کہتے سُنے گئے ہیں "یار کیا بتائیں سفر طی نہیں بندہ تی"۔

زمانہ حال میں شیخ کلو مرحوم ولد شیخ میرون ساکن محلہ میدان پورہ جو اپنے اخلاق و انکسار اور قدامت پسندی کی بنا پر روسائے بلگرام میں بہت ہر دلعزیز تھے۔ ان کے لڑکے مسٹر خلیل احمد نے حال ہی میں اچھی پوزیشن سے بی۔ ایس سی پاس کیا ہے اور بی۔ جی۔ آر انٹر کالج بلگرام میں لکچرار ہیں، طبیعت کے بہت نیک اور ذہین ہیں۔ آپ کے چھوٹے بھائی عزیز احمد آج کل ممبر میونسپل بورڈ بلگرام ہیں، جو نہایت ذی شعور اور پبلک خدمات میں بڑی مستعدی سے پیش پیش رہتے ہیں۔ شیخ امیر بخش ولد شیخ عید ابن شیخ ٹیکا ساکن محلہ میدان پورہ بمبئی میں معہ اپنے برادران کے پھلوں کی تجارت کرتے ہیں وہاں منڈی میں خاصی عزت و شہرت رکھتے ہیں۔ تحریک خلافت کے زمانہ میں سرگرم ممبر رہے اس لئے امیر خلافت کہلاتے ہیں، آپ ہندی کے اچھے شاعر ہیں۔ کئی ہندی نظمیں چھپوا چکے ہیں جو خاصی مقبول و مشہور ہیں۔ ان میں "گاندھی سنگرام" مطبوعہ ۱۹۲۱ء خاص طور سے قابل الذکر ہے۔ شیخ عبدالحمید مرحوم ولد شیخ انگنے اپنی برادری میں سب سے پہلے کارتوسی بندوق کے لیسنسدار ہوئے۔ شکار کے بے حد شوقین اور مقامی افسران میں کافی بارسوخ تھے ۱۹۴۸ء میں اچانک قلب کی حرکت بند ہو جانے سے انتقال کیا۔

فی زمانہ اس قبیلہ میں شیخ الٰہی بخش صاحب ساکن محلہ کاسو بیٹ کی ہستی خاص طور سے قابل الذکر ہے۔ آپ نے بہ زمانہ تحریک ترک موالات اسلامیہ اسکول اٹاوہ کی مدرسی چھوڑ کر بلگرام میں کھدر خود بننا اور بیچنا شروع کیا اور نہایت استقلال سے تحریک آزادی کے حامی اور کانگریس کے اٹل ممبر رہے۔ آزادی کے بعد کانگریس نے بھی آپ کو خوب ہی نوازا اور کنٹرول کے ابتدائی زمانہ میں آپ کو کپڑے کے کوٹے کا قصبہ میں انچارج بنا دیا رفتہ رفتہ آپ نے اپنی کپڑے کی دوکان سے کافی ترقی کی۔ حال ہی میں حج بیت اللہ سے مشرف ہو کر واپس آئے ہیں۔

قصبہ بلگرام کی سب سے بڑی جامع مسجد واقع قلعہ راجہ سری جس کو شیوخ عثمانی کے جد اعلیٰ قاضی محمد یوسف گازرونی نے تقریباً سنہ ۶۳۰ ہجری میں تعمیر کرایا تھا۔ اس کے تفصیلی حالات کتاب ہذا کے صفحات ۲۲ لغایت ۲۴ میں درج ہیں اس کی آخری مرمت قاضی محمود نے شہنشاہ اکبر کے زمانہ میں کرائی تھی۔ جو عرصہ دراز سے شکستہ حال اور ویران پڑی تھی سنہ ۱۹۲۰ء میں مولوی عبدالرحیم خاں ساکن محلہ قاضی پورہ نے اس کام کو اٹھایا تھا چہار دیواری وغیرہ بنوائی لیکن مرحوم سے یہ کام پورا نہ ہو سکا۔ بالآخر دوران سنہ ۱۹۴۰ء، ۱۹۵۰ء حاجی الٰہی بخش صاحب نے بہ کمال کوشش گھر گھر دورہ کر کے اور گاؤں گاؤں لو دھوپ میں پیدل سفر کر کے تقریباً بیس ہزار روپے بذریعہ چندہ فراہم کیا اور مسجد مذکور کی مرمت میں لگایا۔ ساری چھت پختہ بنوا کر صحن میں عالیشان نیا برآمدہ بنوایا۔ اور پھاٹک جدید کے اطراف میں نئی عمارت تعمیر کرا کے اسلامیہ مدرسہ قائم کیا۔ جس کے اصراف کے لئے ایک خاص رقم زر رو ہے۔ جامع مسجد مذکور کے جو پرانے کتبے قاضی شریف الحسن کاتب الحروف کے مکان میں محفوظ تھے وہ بھی آپ نے منگوا کر مسجد کے برآمدہ میں نصب کرادیئے اور جو باقی ہیں وہ بھی آئندہ عمارت میں لگا دیئے جائیں گے۔ ۳۱ر جولائی ۱۹۵۴ء کو قاضی شریف الحسن نے مزید اراضی جانب شمال متصل مسجد مذکور وقف کر دی ہے

اس کے علاوہ قصبہ کی دیگر مساجد کی مرمت بھی آپ نے کرادی ہے نیز ان قبضات قصبہ بلگرام کی طرف سے عیدگاہ کے متعلق جو وقف شدہ اراضیات علاوہ قبرستان قدیم کے افتادہ پڑی تھیں ان میں بذریعہ انجمن اصلاح المسلمین آپ نے امرودوں کا باغ بھی لگوادیا ہے۔ جس کی سالانہ آمدنی کافی ہو جایا کرتی ہے۔ آپ کا یہ عظیم کارنامہ ہے۔ جو وطن میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔

اور عقبیٰ میں انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے لئے ذریعہ نجات ہوگا۔ آپ نے درد قولنج میں ایک ہفتہ مبتلا رہ کر ۱۰ جنوری ۱۹۵۹ء بروز شنبہ عین بعد مغرب انتقال کیا۔ اور ۱۱ بجے رات کنجڑوں والے باغ واقع موضع محمود نگر میں دفن ہوئے۔ جنازہ میں علاوہ مسلمین کے تمام مقامی معززاہل ہنود بھی شریک تھے۔

نوربافان | پنچایتی قوم ہے کپڑا بننا۔ اور بیچنا آبائی پیشہ ہے۔ من حیث القوم ہمیشہ سے بڑے سادہ لوح اور بے آزار مشہور ہیں۔ مثل دیگر پنچایتی اقوام کے اس قبیلہ کے بھی سارے اہم کام پنچایت ہی کے ذریعہ طے ہوا کرتے ہیں۔ یہی ان کی خاص عدالت ہے اور یہی باہمی جھگڑوں، تنازعوں اور بے ضابطگیوں کا واحد علاج ہے۔ ان میں بھی تعلیم کا قدیم سے رواج نہیں ہے۔ جو پیدا کرتے ہیں کھانے پینے میں بالعموم اڑا دیتے ہیں۔ جو بچتا ہے وہ محرم میں حلیم کی دیگیں چڑھاکر شربت یا چائے کی سبیلیں رکھکر بڑی خوشی اور عقیدت مندی سے نذر امام حسینؑ کر دیا کرتے ہیں۔ اس قبیلہ میں مولوی غلام حیدر المتخلص بہ ارشد بلگرامی ساکن محلہ سلہڑہ ہندوستان کے مشہور تاریخ گو شاعر گذرے ہیں۔ آپ نے اپنے پیر مرشد حضرت مولانا فضل الرحمٰن شاہ صاحب کی پانسو تاریخیں لکھیں۔ آپ کے زمانہ میں بلگرام کا کوئی اہم واقعہ ایسا نہ گذرا جس کی آپ نے تاریخ نہ کہی ہو۔ افسوس ہے آپ کا سارا غیر مطبوعہ کلام تلف ہوگیا۔ اب بھی بلگرام کی خاص عمارات اور چند پرانی کتابوں میں کہیں کہیں نظر سے گذر جایا کرتا ہے۔

آپ نے ۱۹۱۲ء میں انتقال کیا۔ جس شخص نے صدہا تاریخیں لکھ ڈالیں۔ اس کی تاریخ وفات لکھنے کی افسوس کسی بلگرامی شاعر کو توفیق نہ ہوئی یا کاتب الحروف کی نظر سے نہیں گذری۔ موجودہ دور میں شیخ نصر اللہ ولد شیخ سیف اللہ صاحب ساکن محلہ سلہڑہ نے اپنا آبائی پیشہ اختیار کیا۔ پھر عرصہ تک میونسپل بورڈ بلگرام کے ممبر رہے تحریک آزادی میں انصار پارٹی کے ساتھ شروع ہی سے کانگریس میں شریک رہے۔ اور سوت وغیرہ کا کوٹہ کانگریسی ہونے کی وجہ سے بہ آسانی حاصل کرتے رہے۔ رفتہ رفتہ ترقی کرکے بابو دھان کشن اگروال بلگرامی کی مہربانی سے موٹر ٹرک کا پرمٹ حاصل کیا۔ اب آپ کے کئی ٹرک کانپور روڈ پر چل رہے ہیں۔ اپنی برادری میں سب سے زیادہ ماشاء اللہ مرفہ الحال ہیں طبیعت کے بہت نیک سمجھدار اور ملنسار ہیں۔ شیخ بدوں نورباف ساکن محلہ میدان پورہ نے اپنی ساری عمر بزرگان دین کے مزارات کی مرمت کرانے اوقات مقررہ پر عرس وغیرہ کے انتظامات کرنے مزارات کی ریشمی سنہرے کام کی چادریں بنوانے اور ان سب چیزوں کی دیکھ بھال میں صرف کر دی۔

بدوں مرحوم گانے کے شوقین قوالی کے عاشق تھے خود بھی اچھا گاتے تھے۔ ان کی زیادہ دلچسپی بڑے اور چھوٹے دائروں کے مزارات سے رہی۔ بڑے دائرہ کی پختہ چہار دیواری بنوانا اور جملہ مزارات کی مکمل مرمت کرانا مرحوم کی زندگی کا عظیم ترین کارنامہ ہے۔ شیخ بدوں نے ۱۳۷۵ھ ہجری میں لاولد انتقال کیا اور بڑے دائرہ میں جانب شرق متصل مکان مفتی امداد علی صاحب مرحوم دفن کئے گئے۔ مرحوم کی قبر پختہ اونچی بنوادی گئی ہے۔ اس قبیلہ میں اور بھی بہت سے تعلیم یافتہ لوگ ہیں۔ جن کے اچھے کاروبار چل رہے ہیں۔ شیخ مدارنجش وشیخ گھسیٹے۔ شیخ عبدالکریم اور شیخ خزانچی ساکنان خورد پورہ اچھے اور وضعدار لوگوں میں تھے۔

محلہ میدان پورہ میں شیخ باد اللہ شیخ نعمت اللہ شیخ سنوں اور شیخ محمد رفیق اپنی برادری میں فی زمانہ مشہور ہیں۔ شیخ باد اللہ ممبر میونسپل بورڈ ہیں اور محمد رفیق ولد گو میونسپل بورڈ میں اکٹرائی انسپکٹر ہیں۔

معماران | زمانہ شاہی میں جبکہ عمارات کے کام کی قصبہ میں زیادہ قدر وافراط تھی معماران بلگرام نے اپنے کام میں بڑی شہرت پیدا کی۔ آج بھی بلگرام میں چند قدیم عمارات ان کی صناعیوں کی شاہد ہیں۔ اس قبیلہ کے لوگ محلہ قاضی پورہ،

میدان پورہ گڑھ سید واڑہ اور خورد پورہ میں آباد ہیں جو لغیر زمانہ سے کوئی خاص ترقی نہ کرسکے۔ اس قبیلہ میں شیخ باد اللہ ساکن محلہ کٹرہ (پھٹا پایارہ) اپنے فن کے مشہور استاد گذرے ہیں۔ ان کے چار بیٹے تھے جو سب ہی بہت مشہور ہوئے۔ شیخ باد اللہ کے بھائی شیخ محمد قائم انگریزی زمانہ میں پہلے اوورسیر ہوئے انہوں نے اپنے بھتیجوں شجاع الدین۔ نظام الدین۔ عزیز الرحمٰن اور حبیب الرحمٰن کو اپنے ساتھ رکھ کر تعلیم دلائی۔ شجاع الدین فارغ ہوکر پہلے شملہ میں ملازم ہوئے پھر بمبئی پہونچے۔ وہاں بڑی ترقی کی۔ جی۔ آئی۔ پی ریلوے میں چیف انجنیئر ہوئے۔ بمبئی میں ایک مشہور سڑک بنوائی جس کا نام بلگرامی روڈ رکھا اور بہت سی کوٹھیاں بنوائیں۔ شیخ نظام الدین حیدر آباد میں مشہور انجنیئر ہوئے۔ ان کی اولادیں آج بھی بمبئی اور حیدر آباد میں اچھے عہدوں پر مامور ہیں اور کچھ لوگ پاکستان منتقل ہوگئے ہیں۔ شاہ محمد نقشہ نویس مشہور تھے۔ شروع زمانہ میں ان کے حقیقی بھائی مولوی نبی بخش ماسٹر مشہور تھے۔ ظہیر الدین صاحب امیر الدین مستری کے والد بھوپال میں انجنیئر رہے۔ ان لوگوں نے فن تعمیر پر کتابیں لکھیں۔ اس قبیلہ میں بھی اب علم کا چرچا بڑھ رہا ہے۔ کچھ نوجوان ڈسٹرکٹ بورڈ کے مدارس میں مدرس ہیں کچھ اپنے آبائی پیشہ کا کام کرتے ہیں۔ شیخ باسط حسین عرف بابو ڈسٹرکٹ بورڈ ہردوئی میں آج کل اوورسیر ہیں اور شیخ عبدالحمید تاجر چرم ساکن متصل جامع مسجد اوپر کوٹ ٹھیکیداری کا کام کرتے ہیں۔ بلگرام کی سیاست میں پورا دخل رکھتے ہیں۔ بہت باوضع اور پابند صوم وصلوٰۃ ہیں۔

اسی طرح قصبہ میں دیگر پیشہ ور مثلاً خوشبو فروش۔ حلوائی۔ آتشباز ان منہیار نداف۔ موچی۔ باورچی۔ نقارچی وغیرہ کافی تعداد میں آباد وخوشحال تھے۔ جو نہایت فارغ البالی کی زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ ان میں بھی بعض اچھی اچھی ہستیاں گذری ہیں۔ لیکن روسا بلگرام کے زوال سے ان پیشہ وروں پر خاصہ اثر پڑا۔ اور ان کے کاروبار میں قدیم لطف باقی نہ رہا۔ پھر بھی کچھ نہ کچھ کام کا سلسلہ جاری ہے۔ مثلاً خوشبو فروشان ساکن محلہ خورد پورہ میں آج کل شیخ امجد علی ولد شیخ حیدر علی اپنے آبائی پیشہ کو عزت وآرام سے چلا رہے ہیں لیکن سال بھر میں جو کچھ پیدا کرتے ہیں وہ کبھی اپنے لڑکے کی شادی میں یا پھر پوتے کے ختنہ میں اہلیان بلگرام کو قورمہ اور شیرمال کھلا کر برابر کردیا کرتے ہیں۔

حلوائیوں میں نور محمد حلوائی کی بالوشاہیاں دور دور مشہور تھیں اور صدہا روپیہ کی باہر جایا کرتی تھیں جس طرح آجکل سندیلہ کے لڈو مشہور ہیں۔ اس سے کہیں زیادہ نور محمد کی دوکان کی بالوشاہیاں مشہور تھیں۔ ان بالوشاہیوں کی شہرت سے بلگرامیوں کو بڑا خسارہ اٹھانا پڑتا تھا۔ جب کبھی کسی نے بلگرام سے باہر جانے کا ارادہ کیا تو فوراً خط آیا کرتا تھا کہ بلگرام کی بالوشاہیاں ہمراہ ضرور لانا بھول نہ جانا۔ نور محمد کے انتقال کے بعد عبدالرحیم حلوائی نے کچھ عرصہ تک اس شہرت کو برقرار رکھا لیکن اب نہ وہ کھانے والے رہے نہ بنانے والے اور نہ لیجانے والے۔

دوران عشرہ محرم الحرام روسا بلگرام کی مجالس میں ہزاروں روپیہ کی مٹھائی تقسیم ہوجایا کرتی تھی۔ ان مجالس میں کسی خاندان کا ایک بھی فرد شریک ہوجاتا تو گھر بھر کے حصوں کا گٹھر باندہ کرلے آیا کرتا تھا۔ اس لئے حلوائیوں کی صرف عشرہ محرم الحرام کی آمدنی ان کے سال بھر کے اخراجات کے لئے کافی ہوا کرتی تھی۔ اب مسلمان حلوائیوں میں شیخ رحیم اور شیخ سلیمان کی دوکانیں باقی رہ گئیں ہیں۔ جو محرم میں زیادہ بارونق ہوجایا کرتی ہیں۔

منہیاران

اس قبیلہ میں شیخ حبیب اللہ شیخ مولا بخش شیخ عبدالغنی وغیرہ قابل الذکر ہیں۔ شیخ حبیب اللہ تعزیہ سازی میں مشہور ہیں شیخ مولا بخش میونسپل بورڈ بلگرام کے ممبر ہیں اور شیخ غنی تجارتی کاروبار میں کافی ترقی کررہے ہیں۔ یہ سب کے سب محلہ خورد پورہ میں رہتے ہیں اور فارغ البالی سے زندگی بسر کررہے ہیں۔ بعض آبائی پیشہ میں

مصروف ہیں۔ جن کے کاروبار اچھے چل رہے ہیں۔

باورچیان بلگرام کے باورچی قورمہ پکانے میں دور دور مشہور ہیں۔ اور یہ بات کافی غور و خوض کے بعد ایمانداری سے مان لی گئی ہے کہ بلگرام کے باورچیوں سے بہتر گرد نواح میں کوئی باورچی قورمہ نہیں پکا سکتا۔ راقم الحروف کو بھوپال میں نواب حمید اللہ خاں صاحب کے دسترخوان پر اور مسلم یونیورسٹی میں مسلم بادشاہوں کی تشریف آوری کے موقع پر شاہی دعوتوں میں شرکت کا شرف حاصل ہوا لیکن کسی دعوت میں ایسا قورمہ نہ کھایا جس مزے کا بہرے باورچی نے وطن میں بارہا پکاکر تقریبات میں کھلایا تھا۔ سید وصی الحسن بلگرامی، قاضی عزیزالدین احمد بلگرامی اور سید ناظرالحسن ہوش بلگرامی بلگرامی قورمہ کی خصوصیات خوب ہی بیان فرمایا کرتے تھے۔ اور اس سلسلہ میں بعض دلچسپ قصے سنا کر وثوق سے کہا کرتے تھے کہ اس مزہ کا قورمہ ہندوستان میں کہیں بھی کھانے کو نہ مل سکا۔ فی زمانہ قصبہ میں چھٹّے باورچی بھی قورمہ خوب ہی پکاتے ہیں، جس کی خوشبو، لذت اور اُڑان کو باہر کے مشہور باورچی نہیں پہونچ پاتے ہیں۔

قصاب اس قبیلہ کے لوگ میدان پورہ، ٹکڑا اور خورد پورہ میں آباد ہیں ان میں شیخ بھیّی افرائش نسل انسانی میں بہت مشہور گذرے ہیں۔ جو زیر بالائے کوٹ جانب شمال رہتے تھے انہوں نے تقریباً سوا سو برس کی عمر پائی پوتے پر پوتے نروتے اور سروتے تک گود وں کھلاکر ۱۹۱۳ء میں انتقال کیا۔ مرحوم کی زندگی ہی میں ان کی اولاد سے ایک نیا محلہ آباد ہو چکا تھا۔ ان میں تعلیم کا چرچا نہ ہو سکا۔ آزادی سے پہلے اپنا پیشہ کرتے اور آرام سے رہتے تھے۔ ملک کی آزادی کے بعد ذبیحہ گاؤ کی قانوناً مخالفت اور بیجا سختیوں سے اس قبیلہ کا کاروبار برباد ہو گیا ہے۔ پھر بھی چند لوگ اپنا کام کر ہی رہے ہیں۔ ان میں شیخ نواب قصاب ساکن محلہ میدان پورہ آسودہ حال ہیں چمڑے کا لمبا کاروبار کرتے ہیں حال ہی میں پختہ مکان بنوایا اور چمڑہ پکانے کا بلگرام میں کارخانہ کھولا ہے۔ اسی طرح دیگر پیشہ ور بھی بلگرام میں موجود ہیں جو اپنے پیشوں کے علاوہ دوسرے کام مجبوراً کرنے لگے ہیں۔ مثلاً آتش باز ان نے ملازمت اور تجارت کا پیشہ اختیار کر لیا ہے۔ شیخ بتو ولد شیخ خیراتی آتشباز ساکن زیر کوٹ فن موسیقی کے ماہر تھے۔ قوالی نہایت بہتر گاتے جس جلسے میں گانے بیٹھ جاتے محفل میں اپنا رنگ جما دیتے تھے۔ عمر بھر واحد خاں صاحب ساکن ملکنٹھ کی دوکان پر درزی کا کام کیا۔ عین جوان العمری میں بیل کی ٹکر سے معزوب ہو کر ۱۹۱۲ء میں انتقال کیا۔ اور واحد خاں صاحب کو تڑپتا چھوڑا۔

موچیان اس قبیلہ کے لوگ زیادہ تر محلہ خورد پورہ میں رہتے ہیں۔ ان میں شیخ عظیم اللہ، شیخ مولیٰ اور شیخ عبدالکریم اپنے فن میں زیادہ مشہور تھے۔ شیخ عظیم اللہ بندوق کے پرانے شکاریوں میں بہت مشہور تھے۔ ان کے بعد شیخ عبدالکریم بھی بے مثل گولی کا نشانہ لگاتے تھے۔ نہایت سبک، مضبوط اور خوبصورت نری کا جوتا بناتے تھے۔ جس کا رواج اُٹھ جانے سے یہ کام بھی ماند پڑ گیا ہے۔ شیخ بنے جان بازار کا ٹھیکہ لیتے اور خورد پورہ کی عزاداری کا بڑے انہماک سے انتظام کرتے ہیں۔ ان کے بھائی شیخ عبدالرحمٰن بلگرام کے اچھے مرثیہ خوانوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ دسویں محرم کو میدان پورہ میں مسجد نیچے بوقت سہ پہر سفید تعزیہ میں مقررہ مرثیہ "روز عاشورہ ہے خوب آج تو رو لو یارو" آپ ہی پڑھتے ہیں۔ آدمی بڑے خوش اخلاق، رنگین مزاج اور صحبت یافتہ ہیں۔ آج کل بڑے بازار میں بوٹ بنانے کا کام کرتے ہیں۔ محلہ قاضی پورہ کے غفور خاں ولد ستو خاں آپ کے کام میں شریک ہیں۔ جو زیادہ رنگ صاف ہونے کی وجہ سے سفیدہ کہلاتے ہیں۔ قوالی بہت اچھی گاتے ہیں اور مچھلی کے ادھوتی شکاری ہیں۔ فی زمانہ بلگرام میں جفت سازی کا کام اعلیٰ پیمانہ پر ہو رہا ہے۔

شیخ وزیر الحسن۔ عزیز الحسن۔ شیخ عزیز الرحمن سید استاد علی۔ سید فدا علی شیخ حبیب اللہ منھیار اور مرتضیٰ خاں کا کاروبار اس وقت اچھا چل رہا ہے۔

اسی طرح بلگرام کے نقارچی اور قوال بھی اپنے اپنے فن میں مشہور اور خوشحال تھے۔ ڈھاڑی محلہ سید واڑہ میں نقارچی محلہ قاضی پورہ میں اور قوال محلہ میدان پورہ میں رہا کرتے تھے۔ جب تک بلگرام کے روسا صاحب ثروت رہے اس وقت تک ان پیشہ وروں کا کام بھی خوب ہی چلتا رہا۔ شادی بیاہ کے موقعوں پر ان کو کافی مل جایا کرتا تھا۔ خالی وقتوں میں رؤساء کی خدمت میں حاضر رہتے۔ اور ان کے فیضان سے بہ آرام بسر اوقات کیا کرتے تھے۔ غلما اور سوندھے قوال شاہان اودھ کے درباری رہے۔ ان کے پوتے کلن قوال ساکن میدان پورہ بھی اپنے فن میں مشہور ہوئے ۱۹۴۶ء میں لاولد فوت ہوئے۔ ان کی وفات سے یہ خاندان ہی بلگرام میں ختم ہوگیا۔

نقارچیاں

بلگرام کے عبدالقادر نقارچی لکھنؤ کے شہنائی نوازوں میں استاد مانے جاتے تھے۔ یہ لوگ محلہ قاضی پورہ و خورد پورہ میں آباد تھے۔ آخر وقت میں قادر بخش بھی اپنے فن میں مشہور تھے۔ ساتویں محرم کو قدرتی علم میں اور آٹھویں محرم کو بدلے میاں مرحوم کے پنج جیجی کے مشہور ماتم میں جب کبھی لکھنؤ کے بخش شہنائی نوازوں سے ان کا مقابلہ پڑ جایا کرتا تھا تو یہ لوگ بھی اپنے کمالات کا بڑی خوبی سے مظاہرہ کیا کرتے تھے۔ اب ایک سریلے شہنائی نواز کا دم باقی ہے جو محرم میں زیارتوں کے پیچھے یا پھر تقریبات میں پرانی رسومات کی یادگار کو تازہ کرتے رہتے ہیں۔ خاندان قضات بلگرام کے دروازہ پر زمانہ قدیم سے مہینہ کی ہر چاندرات کو نوبت بجنے کا جو رواج چلا آرہا تھا وہ رفتار زمانہ سے برائے نام باقی رہ گیا تھا وہ بھی بلگرام کے نقارچیوں کے اختتام سے تقریباً ختم سا ہی ہوگیا ہے۔

فی زمانہ محمد حسین عرف مودھو اور احمد حسین موجود ہیں جو انقلاب زمانہ سے تنگ آکر زیادہ تر باہر رہتے ہیں۔ کبھی کبھی کسی اچھی تقریب کو شنکر وطن آجایا کرتے ہیں۔ مودھو کی آواز جوانی میں بہت اچھی تھی۔ خوب گاتے اور نقارہ بہتر بجاتے تھے۔ اب بھی ضعیفی میں جب کبھی گانے بیٹھ جاتے ہیں تو انہیں ان کے بل پر اچھا گا لیتے ہیں۔

اوپر جن پیشہ ور قبائل کا نہایت اختصار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے وہ باعتبار حالات فی الاصل بہت ہی کم ہے دراصل ہر قبیلہ اپنا ایک اچھوتا کردار اچھا ماحول اور بہتر اسلوب زندگی رکھتا اور بہ آرام زندگی بسر کرتا تھا۔ ان کے رہن سہن اور خوش مذاقیوں کے بڑے پرلطف قصے اب تک مشہور ہیں جو جب کبھی پرسکون صحبتوں میں دہرائے جاتے ہیں تو آج بھی ایک نئی زندگی ایک نئی امنگ اور نیا لطف پیدا کر دیا کرتے ہیں۔

متذکرہ پنچایتی اقوام کے اجلاس مزار خواجہ عمادالدین چشتی رحمۃ علیہ کے جانب مغرب اس چبوترہ پر منعقد ہوا کرتے تھے جو صندلی چبوترہ کہلاتا اور جہاں زمانہ شاہی میں مجرموں کا قصاص ہوا کرتا تھا۔ ہر پنچایت میں عام مسائل اہم مقدمات اور شکوہ شکایات کے معاملات اس وقت پیش ہوتے جب کسی تقریب کے سلسلہ میں سارے پنچ اکٹھا ہوا کرتے تھے۔ پنچایت ہمیشہ دعوتی کھانوں سے پہلے منعقد ہوا کرتی۔ اس لئے جب پنچایت کا بحث و مباحثہ یا باہمی جھگڑا طول پکڑتا تو شام کا کھانا رات بھر پنچایت کرکے صبح کھایا جاتا یا پھر دوپہر کا کھانا ۱۲ بجے رات کو دیا جایا کرتا تھا۔ سب سے بڑے جرم کی سزا مجرم کو برادری سے خارج کرکے حقہ پانی بند کر دینا ہوا کرتی تھی اس کی تلافی پوری برادری کو کھانا دینا جس کو سزاً پنچایت پڑجانا کہتے تھے ہوا کرتی تھی اس لئے ہر قبیلہ میں ڈنڈ کی آئے دن بذریعہ پنچایت دعوتیں خوب ہوا کرتی تھیں۔

تحصیل بلگرام کا زراعت پیشہ طبقہ

ہندوستان دنیا کا ایک بہت ہی بڑا زراعتی اور زرخیز ملک ہے۔ اس لئے یہاں کا زراعت پیشہ طبقہ جتنا خوشحال و مرفہ الحال ہونا چاہیے تھا افسوس ہے اتنا ہی زمانہ دراز تک ننگا بھوکا اور بے یار و مددگار رہا۔

پچھلے طویل دور میں قصبہ اور گرد و نواح قصبہ کے کاشتکاران اراضیات پر نہ کوئی قانونًا حق رکھتے تھے اور نہ ان کی کوئی آواز تھی۔ ہر کاشتکار سات سال کے بعد قانونًا بیدخل ہو سکتا تھا اس لئے کاشتکار ہمیشہ زمیندار سے کانپتا ضلعدار کا منہ تکتا اور شہنا و چپراسیوں کو ہر حال میں خوش رکھنا چاہتا تھا۔ یہ قانون ۱۹۱۰ء تک بھیانک صورت میں برابر جاری رہا۔ کاشتکار کا پورا خاندان مرد عورت لڑکے لڑکی سبھی دن رات اپنی چھوٹی سی کھیتی میں لگے رہتے تھے۔ اور جب فصل تیار کرکے بازار لیجاتے تو وہاں سیٹھ ساہوکار جس بھاؤ چاہتے خرید لیتے اور جو چاہتے اس کو پکڑا دیتے۔ اس طرح ایک کاشتکار کو اپنی اور اپنے متعلقین کی جو تمام سال کھیت میں مستعدی سے کام کرتے رہتے دو پیسہ روز کی مزدوری بھی نہ پڑتی تھی۔ اونچی ذات کے کاشتکار مثلاً برہمن ٹھاکر اہیر اور پٹھان وغیرہ دوسرے کی مزدوری کو معیوب سمجھتے تھے۔ صوبہ میں کسی قسم کی صنعت و حرفت کا رواج نہ تھا۔ اس لئے کاشتکاران اپنی ہی دو چار بیگھہ کھیتی پر اکتفا کرتے اور ساری عمر مفلسی غریبی اور تنگدستی میں گذار دیا کرتے تھے۔

اودھ میں گاؤں کے رہنے والے کاشتکاران بالعموم ایک وقت موٹا جھوٹا اور روکھا سوکھا کھا کر زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کو بازار کی پکی مٹھائی کھانا گرم کپڑے پہننا لحاف اوڑھنا روزانہ جوتا استعمال کرنا اور بیماریوں میں مناسب علاج کرنا کبھی نصیب نہ ہوتا تھا۔ گاؤں میں جو دو وقت شکم سیر ہو کر کھانا کھا لیتا وہ کھاتا پیتا یعنی خوشحال سمجھا جاتا اور وہی غریب یاران طریقت کی ہر وقت نگاہ پر چڑھا رہتا۔

اس دور میں اگر کسی موضع کا زمیندار سخت اور اس کے کارندے ظالم ہوتے تو پھر نہ ان کے ظلم کی کوئی انتہا ہوتی اور نہ کاشتکاروں کے صبر و ضبط کی کوئی حد۔ ظلم خود زمیندار زیادہ نہیں کرتا تھا لیکن اس کے کارندے اور ضلعدار کاشتکاروں کا ناک میں دم کر دیتے۔ ہر وقت ان سے بیٹھ بیگار لیتے جس چیز کی ضرورت ہوتی حکومت کے ساتھ مانگتے اور لیکر ہی ٹلا کرتے تھے۔

کاشتکاران میں تعلیم کا نام و نشان نہ تھا۔ پیدا ہو کر جانور چرانا خود جانوروں جیسی زندگی بسر کرنا ذرا بڑے ہو کر ہل چلانا اور بالغ ہو کر زمیندار مہاجن تھانیدار تحصیلدار اور دورہ پر آنے والے ہر محکمہ کے پچاسوں افسران کے جائز و ناجائز مطالبات کا پورا کرنا بیگار میں ہر وقت معہ گاڑی بیل حاضر رہنا اور ادنی لاپرواہی پر گالیاں کھانا کچھ اس طرح کا فرض سمجھ رکھا گیا تھا جیسے قدرت نے انھیں بس اسی لئے پیدا ہی کیا ہو۔

فاقوں اور حفظان صحت کی عام خلاف ورزیوں کی وجہ سے کاشتکار ہی سب سے زیادہ امراض میں مبتلا ہو کر بے موت مرا کرتا تھا کسی مرض کا کوئی باقاعدہ علاج بوجہ غربت نہ ہو پاتا تھا صرف ایک دوسرے کی بتلائی ہوئی کچھ پتیوں بوٹیوں جڑی بوٹیوں اور درختوں کی جڑوں سے کیا جاتا تھا۔ بہرحال دنیا کی نئی پرانی کوئی بیماری پھیلتی زیادہ لو چلتی برف پڑتی کثرت سے بارش ہوتی

سیلاب آتے اور اندھڑ چلتے تو سب سے زیادہ کاشتکار ہی ان ارضی و سماوی آفات کا شکار ہوتے انھیں کے لو لگتی۔ انھیں کی کھیتیاں برباد ہوتیں انھیں کے خام مکان تباہ ہوتے انہیں کی گرہستی نذر سیلاب ہوا کرتی تھی۔ ان تمام آئے دن کے مصائب کو کاشتکار ایسے صبر و سکون سے برداشت کرتا کہ کسی کو حقیقت حال کا پتہ بھی نہ چل پاتا۔ اور نہ زمیندار کو بیس کھ یا خریف کے لگان کی وصولیابی سے پہلے معلوم ہوتا کہ کس کاشتکار پر کیا گذری کون کب مرا اور اس کے معصوم بچوں کا کیا حشر ہوا۔

عام طور سے ہر کاشتکار ارزاں سے ارزاں لیکن مضبوط سے مضبوط ایک دھوتی خرید لیتا اور ایک گاڑھے کا شلوکہ سلوا لیتا بس جاڑہ گرمی برسات اسی کو دھو دھو کر پہنتا رہتا اور انہیں دو کپڑوں کو اپنے جسم پر مڑھا رکھتا جاڑوں میں ایک موٹی سیاہ کانٹوں دار کملی اس کے دن کا اوڑھنا اور پیال رات کا بچھونا ہوا کرتا جس پر ایک تنگ و تاریک خس پوش جھونپڑے میں سارا گھر رات کو تھکا ہارا اسی کمبل میں گذر کرتا تھا۔ البتہ جن مواضعات میں گنا پیرا اور گڑ بنایا جاتا وہاں جاڑوں میں رات کے وقت خاصی رونق رہتی بہت سے سردی کے مارے بچے کچے بوڑھے اور بڑے اسی آگ کے سہارے ذرا آرام سے سو لیا کرتے تھے اور صبح کو رس کی یتوہی جو عام طور سے مفت مل جایا کرتی گرم گرم پی کر سارے کے سارے ایسے خوش ہوا کرتے جیسے مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم ایک ہزار روپیہ سیر والی چا مخصوص چین سے منگوا کر علی الصباح اپنی کوٹھی نمبر ۴ ایڈورڈ روڈ نیو دہلی میں پی کر فرحت محسوس کرتے تھے۔

کاتب الحروف کے قدر دان و مہربان ڈاکٹر سید نجم الدین احمد جعفری صاحب مرحوم مچھلی شہری جو ۱۹۱۶ء میں ہمارے ضلع ہردوئی میں ڈپٹی کلکٹر رہ چکے تھے اور بعد کو گورنمنٹ ڈسٹرکٹ گزٹ علی گڑھ کے انچارج کی حیثیت سے میرے افسر اور پھر ڈائرکٹر آف انفارمیشن گورنمنٹ آف انڈیا کے عہدۂ جلیلہ پر مامور ہوگئے تھے۔ موصوف نے ایک معرکتہ الآرا کتاب جس پر آپ کو امریکہ سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی تھی۔ (LAND LORDS AND TENANTS) لینڈ لارڈس اینڈ ٹیننٹس کے نام سے دوران قیام علی گڑھ لکھ کر ۱۹۳۱ء میں بذریعہ رام نرائن بک سیلر الہ آباد شائع کی۔

کاتب الحروف نے بوجہ تعلقات دیرینہ اس کتاب کے سارے پروف بہ سلسلہ صحت حرف بہ حرف پڑھے تھے یہ کتاب زمیندار اور کاشتکار کے حالات پر اس درجہ تفصیل کے ساتھ لکھی گئی جو اپنے موضوع کے تحت حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ گورنمنٹ آف انڈیا کی طرف سے ۱۹۲۸ء میں ایک روائل اگریکلچرل کمیشن زیر صدارت لارڈ لنلتھگو مقرر ہوا جس نے تقریباً ستر لاکھ روپیہ صرف کر کے ساری دنیا کے زراعتی طبقوں کا معائنہ کیا اور ہندوستانی کاشتکاران کی فلاح و بہبود کے لئے ایک ضخیم کتاب کی صورت میں رپورٹ پیش کی تھی وہ بھی اس طبقہ سے دلچسپی رکھنے والے صاحبان کیلئے دیکھنے کی چیز ہے۔

۱۹۱۰ء تک اودھ کے عام کاشتکاران کی کم و بیش یہی حالت رہی جو اوپر بیان کی جا چکی ہے۔ پھر سیاسی تغیرات اور آغاز جنگ کی وجہ سے جب حکومت کو ہندوستان کی ۸۰ فی صدی آبادی پر مشتمل زراعت پیشہ طبقہ سے امداد کی ضرورت محسوس ہوئی تو سرکار نے کاشتکاران کی گردن کا پھندا قدرے ڈھیلا کرنا اور انھیں قانوناً کچھ آسانیاں دینا شروع کیں جن سے اس طبقہ کو ذرا سانس لینے کا موقع ملا اسی دوران میں ملک کی سیاسی پارٹیوں نے ابھرنا اور حکومت کے مقابل آنا شروع کیا۔ تو انھیں بھی حصول ووٹ کی خاطر کسانوں کو اپنانا انھیں پیار کرنا گود میں بٹھلانا اور ہر جلسہ جلوس میں، انھیں کے ساتھ اظہار ہمدردی کرنا اور جو مظالم ہو رہے تھے ان پر آنسو بہانا اختیار کرنا پڑا۔ بالآخر ملک آزاد ہوا۔

اور ۱۹۵۲ء میں یوپی میں خاتمہ زمینداری کا قانون رائج ہوا۔ صوبہ کی آبادی کا پانچواں حصہ یعنی بیس لاکھ زمینداران اوران کے متعلقین وملازمین کو ملاکر تقریباً سولاکھ نفوس ایک دم روٹیوں کے محتاج ہوگئے۔ خیال تھا کہ زمینداری کے مٹ جانے سے کسانوں کو بڑا فائدہ ہوگا لیکن حکومت نے زمینداری کو دراصل ختم نہیں کیا بلکہ خود زمیندار بن بیٹھی اور اس طرح تحصیل بلگرام کے خزانے میں بجائے تین لاکھ مالگزاری کے سولہ لاکھ روپیہ سالانہ کسانوں سے لگان کا وصول ہوکر جمع ہونے لگا۔ لگان میں بھی قدرے اضافہ کیا گیا اور وصولیابی لگان کے وہی سخت قوانین پھر سے مرتب کئے گئے جن کا انگریزی حکومت کے ابتدائی دور میں رواج تھا۔ یعنی عدم ادائے لگان کے جرم میں کسانوں کو حوالات میں بند کرنا۔ ان کے مال و اسباب کو قرق کرنا اور کھڑی فصل کا نیلام کردینا قانوناً جائز ہوگیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد سرکاری قانون سے صوبہ میں چک بندی کا کام شروع ہوا جو آدھا بھی نہ ہو پایا تھا کہ بڑے کسانوں سے چالیس ایکڑ سے زیادہ رقبہ نکال لینے اوران کو اپنی چھوٹی چھوٹی کاشتیں کو ملاجلاکر اجتماعی کھیتی پر بذریعہ قانون مجبور کیا جارہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سب کچھ آئندہ الیکشن میں بیکار بھوکے اور بیروزگار لکھو کھا دیہاتی ووٹروں کو دور سے روٹی کا ٹکڑا دکھلاکر محض ووٹ حاصل کرنے کے لئے سبز باغ دکھایا جارہا ہے۔ خاتمہ زمینداری کی اسکیم یقیناً کاشتکاروں کے لئے نہایت مفید ہوتی اگر موجودہ حکومت خاتمہ زمینداری کے بعد بقدر مالگزاری اپنا حصہ لیکر وہ رقم جو زمیندار کھاتا اڑاتا یا بقول حکومت برباد کرتا تھا وہ ہر گاؤں کی فلاح اور بہبود میں بذریعہ گرام پنچائت چند سال کیلئے دیدی جاتی تو کسانوں کی حالت بدل جاتی۔ پیداوار بڑھ جاتی اوران میں صحیح زندگی کے آثار پیدا ہوجاتے۔

آخر میں یہ کہنا ہے کہ ملک کی یہ سب سے بڑی اکثریت والا کاشتکار طبقہ جس کو اصولاً انصافاً اور رواجاً ملک کا حکمراں طبقہ ہونا چاہیئے تھا وہ اس وقت تک کبھی سرسبز نہیں ہوسکتا جب تک علم سے بے بہرہ رہے گا اور اپنی حقیقت اہمیت اور اکثریت کی قوت کو نہ سمجھے گا۔

الیکشن کے زمانہ میں دیکھا جاتا ہے کہ اسمبلی اور کاونسل کے تقریباً ننانوے فی صدی امیدوار جو اکثر شہر اور قصبات ہی کے رہنے والے سیٹھ ساہوکار وکیل اور کچھ نیتا جو شاید اسی دن کی امید پر اپنا بہت کچھ وقت صرف کرتے ہیں کھڑے ہوتے اور جیپوں میں بیٹھ کر گاؤں گاؤں پھرتے بھید سے بھیک مانگتے اور کسانوں کا ووٹ حاصل کرکے ممبر بن جایا کرتے ہیں کسانوں کے جاہل غریب اور ناواقف طبقے کو کبھی اس کا احساس ہی نہیں ہو پاتا کہ وہ اپنی جہالت سے اپنے حقوق دوسروں کے سپرد کرکے کب تک سوتا اور کہاں تک صبر کرتا رہے گا۔

اس لئے بڑی ضرورت ہے کہ کسانوں میں سو فیصدی تعلیم لازمی کردی جائے۔ دیہاتوں میں لائبریریاں قائم ہوں اور ریڈیو سے روزانہ دنیا کی خبریں سنی جائیں۔ تو کچھ عرصہ کے بعد ممکن ہے کہ یہ زمانہ دراز کا پس ماندہ طبقہ اپنے حقوق کو سمجھ کر مستقبل قریب میں وہ ترقی حاصل کرسکے جس کا وہ بحاطور پر مستحق ہے۔ اور جس پر ملک کی خوشحالی کا بھی انحصار ہے۔

ان خامیوں کے باوجود موجودہ کانگریسی حکومت نے کچھ سوچ سمجھکر اس طبقہ کو مرفہ الحال بنانے کی کوشش کی ہے اور کثیر رقومات ان کی مدد کے لئے صرف کررہی ہے۔ آزادی کے بعد غلہ کی روز افزوں گرانی سے عام پبلک کو خواہ کتنی ہی مشکلات کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑرہا ہو پھر بھی کسان طبقہ مقابلتاً بہت خوشحال ہوگیا ہے۔ اس کا معیار زندگی روز بروز بلند ہورہا ہے اور اب وہ اس راہ پر بڑھ چکا ہے جہاں سے اس کا روشن مستقبل نظر آتا ہے۔ نوٹ سنہ ۱۹۵۸ء میں یوپی میں ۲۵ روپیہ من یعنی ایک سیر ۲ چھٹانک فی روپیہ گیہوں کا عام بازاروں میں نرخ رہا۔

میونسپل بورڈ بلگرام

بلاشبہ قصبہ بلگرام کا قدیم نام سری نگر تھا جو گرد و نواح کے مواضعات میں آج بھی نگر ہی کہلاتا ہے۔ سری سنسکرت زبان کا ایک تعظیمی لفظ ہے جس کے معنی جناب یا حضرت کے مترادف ہیں۔ اغلب یہ ہے کہ سری بلرام جی نے اس قصبہ کو بسایا زمانہ قدیم کے اہل ہنود نے آپ ہی کی مناسبت سے اس کا نام سری نگر رکھا جو برابر رائج رہا۔ جب مسلمان یہاں آئے تو انہیں سری نگر کی وجہ تسمیہ دریافت کرنے پر معلوم ہوا ہوگا کہ سری بلرام جی کے نام پر قصبہ کا نام سری نگر ہے۔ مسلمانوں نے کچھ عرصہ بعد بلا کسی ترمیم و تصرف کے لفظ سری کو جو محض تعظیماً بجائے بلرام جی کے شامل کیا گیا تھا۔ اس کو بلرام جی کے ہی اصلی نام سے تبدیل کرکے بجائے سری نگر کے بل گرام نام رکھا جس کا مطلب ہے بلرام جی کی بستی۔ بیل دیو کی مناسبت سے قصبہ کا نام تبدیل کرنا قرین قیاس نہیں وہ دیو تھا جس سے لوگ نفرت کرتے تھے۔ اس کو مار ڈالا گیا۔ پھر کسی فاتح کا مفتوح کے نام پر قصبہ کا نام تبدیل کرکے رکھنا فطرت انسانی کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔

ہمارا بلگرام عرض البلد ۲۷ درجہ ۱۱ دقیقہ شمال اور طول البلد ۸۰ درجہ ۲ دقیقہ مشرق کے درمیان واقع ہے۔ علامہ آزاد بلگرامی نے لکھا ہے کہ سمت قبلہ ۵۵ دقیقہ مغرب سے شمال کی جانب اور مسافت درمیان بلگرام و مکہ مکرمہ ۳۵ درجہ ۵۳ دقیقہ اور فرسنگوں کے اعتبار سے فاصلہ بلگرام اور بلد الحرام کے درمیان ۷۰۹ فرسخ ہے۔ بلگرام سطح سمندر سے ۴۸۰ فٹ بلندی پر شہر قنوج سے دس میل جانب شمال اور شہر لکھنؤ سے تقریباً ساٹھ میل دور جانب غرب واقع ہے۔ یہاں کا اوسط بارش ۳۷ انچہ سالانہ ہے۔ گرمیوں میں درجہ حرارت کبھی ۱۰۵ درجہ تک پہنچ جاتا ہے اور جاڑوں میں ۵۹ تک اتر آتا ہے۔ قصبہ بلگرام کا رقبہ ۹۲۷ ایکڑ ہے جس میں ۲۹۵ ایکڑ مزروعہ باقی پر قصبہ کی عمارات بنی ہیں۔ مکانات کی تعداد ۲۱۴۰ ہے اور ۱۹۰۱ء میں قصبہ کی مردم شماری ۱۱۱۹۵ تھی۔ اترپردیش میں تحصیل بلگرام کا بہ اعتبار وسعت تیسرا نمبر ہے۔ جو مشرق میں قصبہ گنج مراد آباد کی آبادی تک مغرب میں شہر فرخ آباد کے نیچے تک جنوب میں دریائے گنگ اور شمال میں نہر شاردا تک پھیلی ہوئی ہے اس میں تقریباً ڈھائی سو مواضعات ہیں جن کی سالانہ مالگزاری تقریباً تین لاکھ روپیہ تھی اور اب اختتام زمینداری کے بعد سالانہ لگان کم و بیش سولہ لاکھ روپیہ سرکار کو وصول ہوتا ہے۔ یہ اس خطہ کا ایک حصہ ہے جو دریائے گنگ کے متصل واقع ہونے کی وجہ سے ساری دنیا میں زرخیزی کے لئے مشہور ہے۔ اس کے جنوبی علاقہ میں دریاؤں کی کثرت اور سیلاب کی آمد کی وجہ سے بلا آب و کھاد فصل ربیع ایسی بہتر ہوا کرتی ہے جس میں تا حد نگاہ گھوڑے پر سوار راہ گیر نصف چھپ جایا کرتا ہے اور گنا و خربوزہ تک بلا آبپاشی کے پیدا ہوا کرتا ہے۔ بلگرام کے شمال میں تقریباً چالیس کوس کے فاصلہ پر ہمالیہ پہاڑ کی برف پوش مسلسل چوٹیاں ہیں جو اہل وطن کے لئے گرمیوں میں ریفریجیٹر کا کام دیتی ہیں۔ انھیں قریب کی چوٹیوں سے مئی جون میں برف پگھل پگھل کر آتی اور قصبہ کے تمام چاہات کو صاف شفاف اور ٹھنڈے میٹھے پانی سے بھر دیا کرتی ہے جس کو تڑاخے کی لو دھوپ میں اہل وطن تازہ تازہ بھر کر بڑے شوق و ذوق سے پیتے اور کبھی کبھی آموں اور خربوزوں کو جھرجھرے جھابوں میں رکھ کر ان کی نہال میں لٹکا دیا کرتے ہیں جو برف جیسے ٹھنڈے ہوکر نہایت لذیذ ہو جایا کرتے ہیں۔ جنوب میں قصبہ سے کوئی چار کوس

کے اندر تین دریا گنگا گمبھیری اور رام گنگا پاس ہی پاس بہتے ہیں جو ہر سال برسات میں باہم مل جل کر ہمارے پیارے وطن کے قدم چومنے آتے ہزاروں ایکڑ زمین کو نئی زندگی بخشتے آس پاس کے لاتعداد تالابوں کو دیبا بھر کی مچھلیوں سے ہر سال بھر جاتے۔ اور آبی طیور کے لئے وہ سرسبز و شاداب خوراک چھوڑ جاتے ہیں۔ جس کے لئے جاڑوں میں لاکھوں کی تعداد میں چھا جانے والے سون و سرخاب مرغابیاں اور سیخ پر گولیاں کھا کھا کر جان دیدیتے ہیں۔ پر ان تالابوں کی مزید ارپیداوار سے منھ نہ موڑتے ہیں۔ بلگرام کے مغرب میں بلد الحرام ہے اور مشرق میں سات کوس کے فاصلہ پر قطب الاقطاب حضرت مولانا فضل الرحمن شاہ صاحب کا گنج مرادآباد میں مزار ہے۔ بس یہی ہمارے قصبہ کا حدود اربعہ ہے۔ اس کے اندر وہ دلفریبیاں اور رعنائیاں خوبیاں موجود ہیں جن کو ایک غریب الوطن بلگرامی کا دل محسوس تو کرسکتا ہے پر قلم لکھ نہیں سکتا۔

قصبہ کے قدیم حالات میں چند باتیں اور بھی قابل الذکر ہیں وہ یہ کہ

۱۸۶۷ء میں شدید آندھی آئی جس پوش مکانات کے چھپر اڑ گئے۔ اور پختہ عمارات کی بعض بلند منزلیں گر گئیں۔ چند جانوں کا بھی نقصان ہوا۔ ۱۸۷۲ء و ۱۸۷۷ء اور ۱۸۸۳ء میں سخت ژالہ باری سے فصلیں تباہ ہوئیں۔ ۱۸۹۶ء میں نصف قصبہ اور ۱۸۹۷ء میں بقیہ نصف قصبہ آگ کا بری طرح شکار ہوا۔ ۸۰ فیصدی خام اور پچاس فیصدی پختہ مکانات نذر آتش ہو گئے۔ اسی سال حکیم سید علی نقی صاحب کے پختہ مکان واقع محلہ سید واڑہ میں آگ لگ جانے سے بلگرام کا سب سے قدیم اور مشہور کتب خانہ جو باقی رہ گیا تھا برباد ہوا۔ ۱۸۶۸ء اور ۱۸۶۹ء میں خشک سالی سے قحط پڑا اور ۱۸۷۲ء میں کثرت بارش سے فصلیں تباہ ہوئیں۔ ۱۸۷۵ء میں عظیم سیلاب آیا۔ فصلوں کے برباد ہونے سے قحط پڑ گیا اور نو سیر چھ چھٹانک کا گیہوں بکا۔ اس گرانی کی وجہ سے سرکار نے امدادی کام جاری کیا اور بلگرام میں ایک محتاج خانہ کھولا گیا۔ ۱۸۹۵ء میں پانی نہ برسنے سے قحط پڑا لیکن تاہم اس افراط سے ہوا کہ مخلوق پر گرانی کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ ۱۸۶۷ء میں ۶۰ انچہ بارش ہوئی اور ۱۸۹۴ء میں ۵۳ انچہ بارش ہوئی اس سال سے کئی سال مسلسل بارش کا اوسط ۴۵ انچہ رہا۔ ۱۸۹۱ء سے ۱۹۰۲ء تک پیدائش کا اوسط فی دس ہزار ۹۲ء۷۱ اور فوتی کا فی دس ہزار اوسط ۲۶ء۳۲ تھا عام طور سے فوتی اور پیدائش کا اوسط ۲۹/۹۲ رہتا تھا۔

زمانہ گذشتہ میں چیچک ہیضہ ملیریا اور بخار سے اموات بہت ہوا کرتی تھیں اور بعض سنہ میں بڑا ہی کثیر اتلاف جان ہوا کرتا تھا چنانچہ ۱۸۶۲ء ۱۸۹۴ء اور ۱۹۱۱ء میں ہیضہ سے بے انتہا اموات ہوئیں چیچک سے ۱۸۶۷ء ۱۸۷۳ء اور ۱۸۷۸ء میں اسّی فیصدی بچے فوت ہوئے۔ ۱۹۱۵ء تک بلگرام میں تین بار طاعون کا حملہ ہوا جس میں صدہا مرد و زن ضائع ہوئے

قصبہ کے فوت ہونے والے انسانوں میں اہل ہنود کا کریاکرم گنگا میں ہوا کرتا ہے۔ اور غریب مسلمان گورغریباں کو بساتے ہیں۔ قصبہ بلگرام میں سب سے بڑا گورغریباں قضاۃ بلگرام کی طرف سے وقف شدہ ۱۵ اس اراضی پر واقع ہے۔ جو بیں کہلاتی ہے۔ اسی خاندان کا دوسرا وقف شدہ گورغریباں متصل عیدگاہ واقع ہے۔ تیسرا گورغریباں محلہ سلہٹہ پر جانب مشرق واقع ہے۔ قصبہ کے یہی تین گورغریباں ہیں۔ جہاں زیادہ تر غام مسلمان دفن کئے جاتے ہیں۔ ان قبرستانوں کی ایسی خراب حالت ہے جن کو دیکھ کر نہایت شرم آتی ہے اور موت سے روح کانپتی ہے۔ بیل کے سارے قبرستان پر ناگ پھنی چھائی ہوئی ہے۔ قصبہ بھر کا کوڑا کرکٹ میونسپلٹی کی طرف سے اسی قبرستان میں جمع کیا جاتا ہے۔ جو ہر سال نیلام ہوا کرتا ہے۔ اور عیدگاہ کے قبرستان میں تیادر کا وحشت ناک جنگل ہے جہاں دن میں جاتے ڈر لگتا ہے قبروں کی حالت دیکھ کر اپنی قوم پر نہایت

افسوس ہوتا ہے ضرورت ہے اور اشد ضرورت ہے کہ بلگرام کے وہ اوقاف علی اللہ جن کی آمدنی قانوناً آج بھی کوشش کرکے گورنمنٹ سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ وصول کرکے ان قبرستانوں پر صرف کی جائے اور ان کو کم از کم ایسی شکل میں تبدیل کر دیا جائے جن کو دیکھ کر غیر اقوام کو ہمارے قبرستانوں سے عبرت حاصل کرنے اور پناہ مانگنے کا موقع نہ مل سکے۔

زمانہ قدیم میں قصبہ میں سر راہ کوئی کچا گھر نظر نہ آتا تھا۔ ہر سڑک پر دو رویہ شرفاء کی پختہ حویلیاں کھڑی تھیں جو رفتہ رفتہ کچھ قرضوں میں نیلام ہو کر برباد ہو گئیں۔ اور کچھ مالکان نے کھود کر اینٹیں فروخت کیں جن سے قصبہ کے پورب جانب اب اہل ہنود مہاجنوں اور تاجروں کے محلات کھڑے ہیں۔ فی زمانہ ان پرانی حویلیوں کی اراضیات پر جا بجا محلوں میں تمباکو کی کاشت دکھائی دیتی ہے۔ یہ سلسلہ ہنوز بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ ملک میں ابھی علم کے ایسے قدردان اور مورخ موجود ہیں۔ جو کبھی کبھی بلگرام کی علمی شہرت سے متاثر ہو کر یہاں آ جایا کرتے ہیں۔ جب وہ سید مرتضیٰ حسین اور علامہ عبدالجلیل وغیرہ جیسی نامور ہستیوں کی رہائش گاہ دریافت کرتے ہیں تو ان کو بہزار شرمندگی انھیں کھیتوں میں سے کسی ایک پر لا کر کھڑا کر دیا جاتا ہے۔

قصبہ کی صفائی وغیرہ کے کاموں کی باقاعدہ ابتدا لارڈ رپن وائسرائے ہند کے زمانہ سے ہوئی جبکہ میونسپل کمیٹیوں کو آزادی دی گئی کہ وہ اپنا چیرمین خود منتخب کریں چنانچہ قصبہ بلگرام کے سب سے پہلے پریسیڈنٹ سید دھمی حیدر صاحب تعلقدار منتخب ہوئے جن کا انتظام جلدہ درہم برہم ہو گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد مسٹر ڈے ڈپٹی کمشنر ہردوئی کے زمانہ میں دوران ۱۹۱۱ء نوٹیفائیڈ ایریا قائم ہوئی۔ خان بہادر سید علی بہادر صاحب پریسیڈنٹ منتخب ہوئے۔ حسب حیثیت ہاؤس ٹیکس عائد کیا گیا جس کی آمدنی ۶۰۴۵ روپیہ تھی۔ اور روشنی وغیرہ کا خرچہ ۲۳۶۱ روپیہ ہوا کرتا تھا۔ قصبہ شاہ آباد کے رہنے والے شیخ زاہد علی صاحب کے والد بخشی ٹیکس مقرر ہوئے جو بڑی مستعدی اور ہر دلعزیزی کے ساتھ ۲۵ سال تک اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ آپ کے بعد آپ ہی کے فرزند شیخ زاہد علی چند سال بخشی ٹیکس رہے۔ اس کے بعد بابو بدری پرشاد ساکن قصبہ بلگرام بخشی ٹیکس مقرر ہوئے جو کم و بیش عرصہ بیس سال سے اپنے فرائض متعلقہ مستعدی اور دیانتداری سے تا ایندم انجام دے رہے ہیں۔ فی زمانہ دفتر میونسپل بورڈ میں بابو بنس گوپال صاحب کھرے ساکن یہاں عرصہ دراز سے آفس سپرنٹنڈنٹ ہیں جن کی قابلیت مسلمہ ہے۔ ان کے اسسٹنٹ منشی محمد عمر سلمہ ہیں جو اپنے فرائض مستعدی سے انجام دے رہے ہیں۔ اسی دفتر کے ملازمین میں ایک منشی امیر اللہ صاحب امیر بلگرامی عرف منشی میاں ساکن محلہ میدان پورہ بھی ہیں جو قصبہ کی ہر مجلس ہر صحبت یا پارٹی اور تقریب میں ایک نرالی نظم پیش کرکے جان ڈال دیا کرتے ہیں۔ آپ کا کلام غالب کے کلام پر غالب ہوا کرتا ہے۔ اس لئے بڑی دلچسپی سے سنا جاتا ہے۔

سید علی بہادر کے بعد سید محمد جواد صاحب تعلقدار چیرمین نوٹیفائیڈ ایریا ہوئے ۱۹۲۱ء میں بابو بلدیو پرشاد صاحب اگروال وکیل چیرمین منتخب ہوئے۔ آپ کی ذاتی توجہ اور پورے انہماک سے قصبہ میں سب سے پہلے پختہ سڑکیں بنائی گئیں اور بہت سے مفید کام انجام پائے۔ آپ کے بعد بابو کشن نرائن کھتری پھر ٹھاکر مہاراج سنگھ صاحب چیرمین ہوئے جو اپنے فرائض کو بخوبی انجام دیتے رہے۔ ۱۹۳۶ء میں بابو ہریش چندر صاحب اگروال وکیل چیرمین منتخب ہوئے جو ۱۹۴۷ء تک اس خدمت پر مامور رہے۔ آپ کے زمانہ میں ۱۷ ہزار روپیہ کی لاگت سے سوبھاش پارک بنایا اور آہنی کٹہرے سے گھیر گیا آپ ہی کے زمانہ میں ہاؤس ٹیکس ختم کرکے چنگی کا رواج ہوا۔ قصبہ میں جا بجا دس چنگی چوکیاں اور چھ وارڈ قائم ہوئے اور کافی اسٹاف بڑھایا گیا۔ جس کی وجہ سے بہت سے غریب بلگرامی روٹیوں سے لگے۔ آپ کے بعد

بابو رگھونندن پرشاد صاحب کپور وکیل چیرمین ہوئے جو ۱۹۴۷ء لغایت جولائی ۱۹۴۹ء اپنے فرائض انجام دیتے رہے آپ کے زمانہ میں کئی پختہ چاہات قصبہ میں برائے آب نوشی بنوائے گئے اور مسلم افراد زیادہ تعداد میں ملازم رکھے گئے۔ آپ کی ناوقت موت سے قصبہ میں ایک بہتر اور ہر دل عزیز ہستی کی کمی ہو گئی۔ فی زمانہ بابو سری نرائن صاحب کپور سولہ منتخب شدہ ممبران کے ساتھ اپنے فرائض بحیثیت چیرمین میونسپل بورڈ بلگرام خوش اسلوبی کے ساتھ گذشتہ سات سال سے انجام دے رہے ہیں اور اپنی نیک بختی ہمدردی اور ملنساری کی وجہ سے قصبہ میں ہر دلعزیز ہیں۔ ۵۶-۱۹۵۵ء میں میونسپل بورڈ بلگرام کی آمدنی ۶۶۵۵۳ روپیہ اور ۶۵۰۴۱ روپیہ خرچ تھا۔ آجکل بورڈ کی طرف سے تین پرائمری اسکول برائے طلبار اور ایک جونیر ہائی اسکول برائے طالبات قائم ہے۔

ملازمین میونسپل بورڈ بلگرام میں سب سے زیادہ ضروری اور اہم خدمت یعنی قصبہ کی صفائی کا کام مہتران انجام دیتے ہیں۔ جو زیادہ تر محلہ میدان پورہ محلہ بیل اور کھترانے میں آباد ہیں۔ اور بیشتر روسار قصبہ کی رعایا ہیں یہی وہ سب سے غریب طبقہ ہے جو دن رات اپنے فرائض میں مشغول رہنے کے باوجود سب سے پست لاچار اور بے زبان ہے جو کام بہت زیادہ کرتا ہے اور اجرت ہمیشہ کم پاتا ہے زمانہ قدیم میں اس طبقہ کو کچھ ماہانہ نہ ملتا تھا بالعموم غریب غربار اپنے گھروں کی صفائی کا معاوضہ دو پیسہ ماہوار یا فصل پر کچھ کھیت کا غلہ اور جمعرات کو دو روٹیاں دیا کرتے تھے۔ روسار کے طبقے میں بھی کوئی خاص تنخواہ دینے کا رواج نہ تھا۔ البتہ کھانا اور کپڑا افراط سے مل جایا کرتا تھا یہی ان کی خدمات کا صلہ اور اسی پر ان کی زندگی کا انحصار زمانہ دراز تک رہا البتہ شادی بیاہ کے موقعوں پر ان کے حقوق کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ ان میں مرغیوں اور انڈوں کی تجارت کا بھی رواج ہے۔ جس سے کچھ نہ کچھ سہارا مل جایا کرتا ہے اس طبقہ کے مرد عورت بچے بوڑھے سب ہی کام میں لگے رہتے ہیں پھر بھی شام تک مشکل سے اپنا پیٹ بھر پاتے ہیں۔ ان میں نہ تعلیم کا گذر ہے اور نہ قوانین مروجہ سے فائدہ اٹھانے کی ہمت۔ علی الصبح سب کا اٹھنا اور اپنے اپنے کام میں فوراً لگ جانا۔ ہر شخص کو جھک جھک کر سلام کرنا اور بلا بات گالی گفتاری سننا اور برداشت کرنا ان کا ہمیشہ سے شعار ہے۔ یہ لوگ دف اور بانسری بجانے میں ماہر ہیں فی زمانہ لیزم ہلانے میں باجا بجانے میں مشہور ہیں کچھ ہڈیوں کی تجارت کرتے ہیں۔ اور بعض تھوڑی بہت کھیتی کی طرف بھی راغب ہو چلے ہیں۔ یہ لوگ اپنے زمینداران کو ہر سال ایک مرغ رعایا ہونے کی حیثیت سے نذرانہ دیا کرتے ہیں۔ اس کا رواج گو بہت کچھ کم ہو چکا ہے پھر بھی قاضی صاحب کی رعایا سے یہ نذرانہ بڑی سختی کے ساتھ آج بھی وصول کیا جاتا ہے۔ کاتب الحروف اب تک نرائن مہتر ساکن محلہ بیل کی یاد کو محو نہ کر سکا اس لئے کہ اس کے آباد اجداد اور اس کی اولاد نے خاندان قضاۃ کی صدیوں وہ خدمت مسلسل انجام دی ہے جس کا حقیقی صلہ نہ کبھی ان کو دیا جا سکا اور نہ شاید دیا جا سکے گا۔

میونسپلٹی کے چھ وارڈس ہیں جو مندرجہ ذیل محلہ جات پر مشتمل ہیں:۔

وارڈ نمبر ۱ (۱) رفعت گنج (۲) سلہڑہ (۳) چوراہا تحصیل۔ وارڈ نمبر ۲ (۱) کھترانہ (۲) منڈئی (۳) سید واڑہ (۴) بازار۔ وارڈ نمبر ۳ (۱) حیدر آباد (۲) کٹرہ (۳) کاسو پیٹ۔ وارڈ نمبر ۴۔ میدانپورہ۔ وارڈ نمبر ۵۔ (۱) قاضی پورہ (۲) خورد پورہ۔ وارڈ نمبر ۶۔ ملکنٹھ۔

(۱) محلہ رفعت گنج۔ یہ ایک بازار کا نام ہے جس کو حکیم مہدی علی خاں بہادر ناظم نے موضع آصف پور میں آباد کیا تھا۔

جس کے مالک سید محمد جواد صاحب تعلقدار تھے۔ اب بازار باقی نہیں رہا۔ ایک محلہ آباد ہے اس کی آبادی بموجب مردم شماری ۱۹۵۰ء ۶۸۷ ہے۔

(۲) محلہ سلہڑہ۔ ایک تالاب کے نام سے یہ محلہ مشہور ہے جو پہلے قضاۃ بلگرام کی پھر میر سبحان علی صاحب کی ملکیت میں رہا۔ اس کی کل آبادی ۱۴۷۰ ہے جس میں ۶۸۰ مسلمان باقی ہندو آباد ہیں۔

(۳) محلہ ملکنٹھ۔ یہ محلہ بھی ایک تالاب کے نام سے مشہور ہے یہ تالاب ہندوؤں کے تیرتھ کا مقام تھا۔ تالاب اَٹ گیا ہے اس کے کنارے جو بُت رکھے تھے وہ اب تک موجود ہیں جن کی ہندو مستورات تقریبات کے موقعوں پر پوجا کیا کرتی ہیں۔ اس محلہ کی آبادی ۱۴۲۰ ہے جس میں ۶۲۱ مسلمان باقی ہندو آباد ہیں۔

(۴) خورد پورہ۔ یہ چھوٹا سا محلہ ہے جو سید بہادر علی صاحب کی ملکیت میں تھا اسی محلہ میں ایک چھوٹا سا محلہ اور بھی شامل ہے جس کو بھڑبھڑا کہتے ہیں کیونکہ اس محلہ میں حوال لوگ آباد تھے جن کا پیشہ ڈھول بجانا تھا۔ یہ محلہ دیوان حاتم علی کی ملکیت میں تھا۔ اس کی آبادی ۶۰۰ ہے۔ جس میں ۴۸۵ مسلمان باقی ہندو آباد ہیں۔

(۵) محلہ بیل۔ یہ قصبہ بلگرام کا تاریخی مقام تھا۔ جو اب ایک محلہ اور قصبہ بلگرام کا قبرستان ہے یہ خاندان قضاۃ کی قدیم سے ملکیت میں چلا آرہا ہے۔ اس کی آبادی شامل محلہ ملکنٹھ ہے۔

(۶) محلہ بڑا بازار۔ اس بازار کو بھی حکیم مہدی علی خاں بہادر نے آباد کیا تھا۔ اس کی آبادی ۴۴۳ ہے جس میں ۹۵ مسلمان باقی ہندو آباد ہیں۔

(۷) چھوٹا بازار۔ زمانہ قدیم میں یہی بازار زیادہ آباد تھا۔ اسی کے قریب ایک لال بازار بھی تھا جس میں علامہ سید مرتضیٰ حسین بلگرامی مصنف تاج العروس کا مکان تھا۔ ایک بازار متصل قاضی پورہ موسومہ کمان گنج بھی قائم تھا جو عرصہ دراز سے ختم ہو چکا ہے۔

(۸) محلہ کھترانہ۔ اس محلہ میں ہندو صاحبان زیادہ تر کھتری برہمن کالستھ آباد ہیں۔ اس محلہ کے اندر ایک مقام زمانہ قدیم میں چودھر پاڑہ تھا جس میں چودھری لوگ اور شیخ حمایت اللہ وغیرہ آباد تھے۔ اس میں ایک مقام بھٹ پوری کہلاتا تھا جہاں بھاٹ صاحبان آباد تھے۔

(۹) محلہ سید واڑہ۔ اس محلہ میں سادات آباد ہیں اس میں منڈئی کاسو بیٹ اور کٹرہ محلہ شامل ہیں سید واڑہ کی آبادی ۳۴۶ منڈئی کی ۳۱۰ اور کاسو بیٹ کی ۶۷ ہے جن میں ۴۱۹ مسلمان باقی ہندو آباد ہیں۔

(۱۰) محلہ میدان پورہ۔ چونکہ یہ محلہ ایک افتادہ قطعہ اراضی پر آباد ہوا اس لئے اس کا نام میدان پورہ ہوا اس میں ٹکڑا، سگرا اور حیدر آباد محلے شامل ہیں۔ اس کی آبادی ۱۶۰۴ ہے جس میں ۹۸۶ مسلمان باقی ہندو آباد ہیں۔

(۱۱) محلہ قاضی پورہ۔ قلعہ راجہ سری پر زمانہ دراز تک آباد رہنے کے بعد افراد خاندان قضاۃ بلگرام نے قلعہ مذکور کے متصل جانب جنوب ایک محلہ آباد کیا۔ اس کا نام محلہ قاضی پورہ ہے۔ اس میں کمان گنج کمال گنج اور مردھوں ٹولہ نامی قدیم محلہ جات بھی شامل ہیں اس کی آبادی ۶۱۱ ہے جس میں ۴۳۰ مسلمان آباد ہیں۔ ۱۹۵۶ء سے قصبہ بلگرام میں بجلی کی روشنی کا انتظام ہو گیا ہے۔ اور ایک اچھی سیمنٹ کی سڑک بھی چوراہا تحصیل سے چوراہا بڑے بازار تک بن گئی ہے۔ زنانہ اسپتال اور گرلس ہائی اسکول کھل گیا ہے۔ مضافات میں چہار طرف ٹیوب ویلس بن گئے ہیں۔

بی جی۔ آر کالج ڈگری کالج ہو رہا ہے اور ڈولپمنٹ بلاک کا سنٹر ہونے کی وجہ سے یہاں لاکھوں روپیہ کی لاگت سے متصل تحصیل دفاتر کی عمارات زیر تعمیر ہیں۔ قصبہ میں پنج سالہ اسکیم کے تحت ان غیر معمولی ترقیات کو بابو راد با کشن اگروال ممبر پبلک سروس کمیشن یوپی کی ذاتی کوششوں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

غدر ۱۸۵۷ء ۱۸۵۶ء میں بموجب شرائط صلحنامہ جب اودھ ایسٹ انڈیا کمپنی کو ملا تو صدر مقام ملاواں قرار دیا گیا اور سب سے پہلے ڈپٹی کمشنر مسٹر ڈبلو کوپر مقرر ہو کر آئے۔ دوران غدر ۱۸۵۷ء بلگرام میں کوئی خاص واقعات رونما نہیں ہوئے۔ قصبہ کے رؤساء و عوام غدر میں شامل نہیں تھے۔ ایام غدر میں احمد اللہ شاہ صاحب کوڑا جہاں آباد کرتے بلگرام آئے اور محلہ ملکڑا میں مقیم ہوئے سب سے پہلے رائے گو بخش صاحب بھاٹ سے بات چیت ہوئی جن کی صاف گوئی سے برافروختہ ہو کر شاہ صاحب نے ان کی ناک کاٹ لی۔ یہ بات رؤساء بلگرام کو سخت ناگوار ہوئی۔ بالآخر شاہ صاحب مایوس ہو کر واپس گئے۔ اطراف میں سب سے پہلے روپا اور رودامئو کے ریکواروں نے بغاوت کی اور سب سے آخر میں اطاعت قبول کی۔ کٹیاری کے راجہ ہردیو بخش اور آپ کے چچا کیسری سنگھ نے انگریزوں کو پناہ دی مسٹر بر ڈیل کلکٹر فتح گڑھ معہ اہل و عیال کے ۸ جون ۱۸۵۷ء کو آپ کے مواضعات کھسورہ اور رام پورہ میں آکر چھپے اور وہیں مسٹر ایڈ ورڈ سن کلکٹر ضلع بدایوں بھی آٹھ دن بعد آ گئے۔ یہ صاحبان یکم ستمبر ۱۸۵۷ء کو کشتیوں پر سوار ہو کر بھاگے اور بعافیت کانپور پہونچ گئے۔ اس صلہ میں راجہ ہردیو بخش کو بہت بڑا علاقہ جاگیر میں ملا۔ اور ستارہ ہند کا خطاب عطا ہوا۔

مشہور باغی ٹھاکر نرپت سنگھ کی گڑھی پر ۱۵ اپریل ۱۸۵۸ء کو انگریزی فوج نے حملہ کیا شروع ہی میں جنرل انڈرو ویل ہیوٹ گولی سے مارا گیا۔ اسی رات ٹھاکر نرپت سنگھ قلعہ خالی کر کے فرار ہو گئے۔ انگریزی فوج کے پانچ افسران اور پچپن سپاہی مارے گئے۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو کتاب انڈین میوٹنی جلد ۲ صفحہ ۳۰۶

غدر کا کوئی خاص اثر قصبہ بلگرام پر نہیں ہوا کچھ لوگ خوف زدہ ہو کر اپنے اپنے مواضعات کو منتقل ہو گئے تھے۔ کچھ روز طوائف الملوکی ضرور رہی پھر تسلط ہو گیا لیکن بلگرام کے بعض لوگ غدر کے پچاس برس بعد تک غدر کا ذکر کر کے اپنی بہادری کے افسانے لوگوں کو خوب ہی سناتے رہے۔ اور عوام قصبہ کے اہم واقعات موسمی غیر معمولی تغیرات اور اپنی عمروں کے حسابات ۱۸۵۷ء یعنی غدر ہی سے لگاتے اور بتلاتے رہے۔

عہد شاہی میں بلگرام کے کتب خانے

عہد شاہی میں چونکہ علم و فضل کا اس مردم خیز خطہ میں کافی چرچا تھا اس لئے یہاں کتابوں کے ذخائر بھی کثرت سے موجود تھے۔ یہاں ہر ذی علم کتابوں کی قدر کرتا بڑی احتیاط سے رکھتا اور فرصت کے اوقات میں بوسیدہ نایاب کتابوں کی نقل کرنا ایک تفریحی مشغلہ سمجھتا تھا۔ اس لئے ہر گھر میں ایک چھوٹا موٹا کتب خانہ موجود تھا۔ علماء بلگرام اپنے شاگردوں کو جو تحصیل علم کے لئے باہر سے بلگرام آیا کرتے تھے ان کو سبق کے ساتھ کچھ دیر کتابوں کی نقل کا کام بھی دیا کرتے تھے اس ذریعہ سے ملا جلا کر کتابوں کی نقل کا ایک اچھا خاصا بندوبست تھا جس کے ذریعہ ہر سال بہت سی پرانی کتابیں نقل ہو کر نئے ذخائر میں شامل ہو جایا کرتی تھیں۔

بلگرام میں کئی کتب خانے بہت مشہور تھے جن میں نہ صرف ہندوستان بلکہ بعض دنیا کی مشہور انمول اور کمیاب کتابیں موجود تھیں۔ لیکن عہد انگریزی میں جب ان کتابوں کی ناقدری کا دور آیا اور عربی فارسی علوم ماند پڑنے لگے تو پھر ان کتب خانوں کی بھی ناقدری ہونے لگی۔ رفتہ رفتہ کچھ ذخائر لکھنؤ میں فروخت ہوئے اور کچھ چھوٹے موٹے کتب خانے بلگرام ہی کے بڑے کتب خانوں میں ضم ہوگئے۔ کچھ دیمک کی نظر ہوئے کچھ برسات میں چھتوں کے ٹپکنے سے برباد ہوگئے جو باقی رہے ان کے نادر ذخائر انگریز تجار دیگر جگہوں کی طرح بلگرام آکر کوڑیوں میں خرید لے گئے پھر بھی جو بچ گئے تھے۔ وہ یا تو بلگرام ہی میں نذر آتش ہوئے یا ان کے کچھ حصے حیدرآباد پہونچے۔ کاتب الحروف کو تعجب ہے کہ قضاۃ بلگرام کے مشہور کتب خانے کے بعض اہم فرمان اور قدیم سجلات ہندوستان کی دوسری لائبریریوں میں کس طرح پہونچے۔ جو وہاں سے منتقل ہوکر آج علی گڑھ یونیورسٹی کے شعبہ مخطوطات میں موجود ہیں۔ اسی طرح سے نہیں معلوم بلگرام کے مختلف کتب خانوں کی انمول کتابیں کہاں کہاں پہونچی ہوں گی۔ بلگرام میں بہت سے ایسے کتب خانے تھے جن کے حالات بلگرامیوں سے زیادہ غیر بلگرامیوں کو معلوم ہیں۔ حاجی محمد زبیر صاحب زبیری مارہروی اسسٹنٹ لائبریرین علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے منجملہ دیگر قابل قدر تصانیف کے ایک کتاب موسومہ "ہندوستانی کتب خانے جو مسلم دور حکومت میں قائم ہوئے" ترتیب دیکر شائع کی ہے اس میں بلگرام کے کتب خانوں کا بھی اچھا خاصہ ذکر موجود ہے جو کتاب مذکور سے ماخوذ کرکے ذیل میں بصد شکریہ نقل کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ مسٹر شمس الرحمن ساکن ضلع چھپرا (بہار) نے اسی سال علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری کے لئے علامہ غلام علی آزاد بلگرامی کے حالات پر مشتمل ایک مقالہ داخل کیا ہے اس میں بھی بلگرامی کتب خانوں اور قاضی ابوالفتح بلگرامی کے کتب خانے کے قدیم سجلات و فرامین کا ذکر موجود ہے۔

بلگرام کے کتب خانے

قصبہ بلگرام (اودھ) میں علم وفضل کی سرگرمیاں قاضی یوسف گازرونی کی ابتدائے حکومت (۶۰۹ھ) سے شروع ہوئیں اور صدیوں تک جاری رہیں اس سرزمین سے ایسے عالم، صوفی اور صاحب قلم اٹھے جنہوں نے علم و معرفت کی دنیا میں بڑا نام پایا۔ جہاں علم کا چرچا ہو وہاں کتب خانوں کا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ بلگرام میں بہت سے کتب خانے تھے۔ ان میں سے چند کی سیر کیجئے۔

قاضی ابوالفتح بلگرامی عرف شیخ کمال (متوفی ۱۰۰۱ھ) کے کتب خانہ میں فلسفہ، منطق، فن بلاغت خصوصاً تفسیر کی کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ شیخ کمال اکبر کے عہد میں بلگرام کے قاضی تھے۔ اس اہم عہدہ کی مصروفیات کے باوجود کتابیں جمع کرنے میں منہمک رہتے تھے۔ آپ بڑے اچھے خطاط تھے۔ مختلف موضوعات پر بہت سی کتابیں اپنے ہاتھ سے لکھ ڈالیں۔ وہ صرف کتابیں لکھنے پر ہی اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ کتاب پر جامع اور واضح حاشیے لکھ کر ان کی قدر و قیمت بڑھا دیتے تھے۔ ان کی لکھی ہوئی کتابوں کی خصوصیت یہ تھی کہ کتاب میں کہیں ایک نکتہ بھی غلط نہیں ملتا تھا ان ہی خوبیوں کی وجہ سے ان کتابوں کو "صحائف آسمانی کا نمونہ اور الواح ربانی" کا نسخہ کہتے ہیں۔

سید عبداللہ بلگرامی قابل (متوفی ۱۱۳۲ھ) کے کتب خانہ میں نایاب و نادر کتابیں موجود تھیں۔ آپ بہترین شاعر ہونے کے علاوہ اکثر علوم و فنون میں بڑی دستگاہ رکھتے۔ فن کتابت میں آپ کی مہارت کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ ہفت قلم سے لکھتے تھے۔

شاہ طیب (متوفی ۱۱۵۲ھ) کے کتب خانہ میں بہجۃ المحافل جیسی نادر کتابیں جمع تھیں آپ اتنے زود نویس

کاتب تھے کہ چارسو یا پانچ سو صفحوں کی کتاب شرح ملاجامی ایک ہفتہ میں نقل کر دی تھی۔ آپ کے کتب خانہ کے بارے میں آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:
"کتب خانہ عظیمے از خط خوش نمط خود یادگار گذاشت"

ایسے ہی نایاب کتب خانے سید عبدالواحد بلگرامی اور دوسرے اکابرین کے پاس تھے۔ ان میں علامہ سید عبدالجلیل بلگرامی (متوفی ۱۱۳۸ھ) کا کتب خانہ بہت مشہور ہے آپ بڑے عالم و فاضل بزرگ تھے۔ فن کتابت میں دستگاہ حاصل تھی۔ حیات جلیل کے مصنف کا بیان ہے کہ آپ خط نسخ اور نستعلیق اتنا پختہ اور پاکیزہ اور شیریں لکھتے کہ پڑھنے والوں کی آنکھیں روشن ہو جاتیں۔ کتابیں جمع کرنے کا شوق اتنا بڑھا ہوا تھا کہ کتابیں خود بھی لکھتے اور جہاں کہیں کوئی اچھی کتاب دستیاب ہوسکتی اس کی فکر و تلاش میں رہتے تھے۔ کتابوں سے قلبی تعلق کی بناء پر اُن کی نگہداشت اور حفاظت کا خاص خیال رہتا تھا۔ ایک خط میں پسر سید محمد کو لکھتے ہیں "برخوردار کتاب روضۃ الناظر (منتخب اشعار عربی و فارسی) اُس صندوق میں رکھی ہے جو گجرات سے گھر پر لے آیا تھا۔ یہ کتاب کم یاب ہے اس کی نفاست کے سبب سے براہ احتیاط میں اس کو ہمراہ نہیں لایا تھا اس وقت اُس کتاب کی فہرست کی ضرورت لاحق ہے کتاب کو صندوق سے نکال کر اور مخدومی میاں محمد طفیل کو دکھا کر ان سے التماس کیجئے کہ اگر فرصت ہو تو چند ورقوں پر اُس کی نقل کر دیں ورنہ آپ خود ہی اُس کی نقل احتیاط کے ساتھ کر کے اور مقابلہ کر کے اپنے خط میں ملفوف کر کے بھیجدیں کہ ضرورت شدید ہے۔ کتابوں کی احتیاط کے بارے میں کیا لکھوں آپ پر ظاہر ہے کہ میں کتابوں کو کس قدر عزیز رکھتا ہوں اور کتنی محنت و تلاش سے اُن کو فراہم کیا ہے آپ مجھ سے بھی زیادہ احتیاط سے کام لیں گے اور حزم و ہوشیاری رکھیں گے۔ تاکہ کتاب بیجا نہ جلنے پائے کبھی کبھی دھوپ بھی دکھادیا کریں مخدومی میاں محمد طفیل نے رسالہ کلمہ طیبہ فقیر سے نقل کرنے کے لئے لیا تھا جب فارغ ہو جائے تو احتیاط کے ساتھ کتابوں میں رکھدیجئے گا۔"

اسے سید عبدالجلیل بلگرامی کا روحانی تصرف سمجھئے کہ آپ کا سارا کتب خانہ تباہ و برباد نہیں ہوا۔ اس کا بیشتر حصہ کتبخانہ آصفیہ میں پہونچ کر محفوظ و مامون ہوگیا۔

اسی طرح بلگرام کے کتب خانوں کی کتابیں انقلابات زمانہ کے ہاتھوں برباد ہوگئیں اس کے باوجود انگریزوں کے ابتدائی دور تک نایاب کتابوں کے کچھ ذخیرے باقی رہ گئے تھے جن کی بدولت بلگرام انگریز سیاحوں کی توجہ کا مرکز بنا رہا۔ وہ یہاں آتے اور انمول کتابیں حاکمانہ اثر و رسوخ سے ردی کے مول خرید کر لیجاتے تھے بعض ناخلف انگریز حکام کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنے اسلاف کی کتابیں تحفتاً بھی پیش کر دیتے تھے۔

مگر قاضی ابوالفتح کے کتب خانہ کے ذخائر میں سے خاندان قضاۃ بلگرام کے متعلق قدیم سجلات اور شاہی فرامین بربادی سے بچ رہے۔ انہیں قاضی موصوف کے ورثاء نے اتنی احتیاط اور حفاظت سے رکھا کہ اب تک اُن کی اٹھارھویں پشت میں قاضی شریف الحسن بلگرامی (ایڈیٹر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی گزٹ) کے پاس محفوظ ہیں۔ خوش قسمتی سے مجھے ان گرانقدر مخطوطات کے دیکھنے کا موقع مل گیا ان میں قاضی محمد یوسف گازرونی کا ایک دستخطی سجل مرقومہ ۵ رجادی الاول ۸۴۳ھ بھی دیکھا جو قدامت اور تاریخی اہمیت کے اعتبار سے نہایت اہم اور قابل قدر دستاویز ہے۔ ان تمام سجلات اور فرامین کو دیکھ کر بے اختیار وہ مرثیہ میری زبان پر آگیا جو کسی نے قاضی ابوالفتح کمال الملک کے کتب خانے کی بربادی سے متاثر ہو کر کہا تھا۔

دردا و حسرتا کہ زوال کمال شد
بر طالبان حیات دو روزہ وبال شد

چند نامور بلگرامیوں کے تذکرے اور کچھ تاریخی حوالے

بیشتر کتابوں میں لکھا ہے "یہ مقام ہمیشہ ممتاز و معروف رہا ہے بلگرام والوں نے اپنا نام ہر صورت اور عنوان سے روشن کیا ہے۔ فی الواقع خاک پاک بلگرام سے ہر دور اور ہر زمانہ میں بڑے بڑے نامور اٹھے اور نام کرکے پیوند ہوگئے۔ علم و ادب کے علم بردار بھی اور تیغ و تفنگ کے دھنی مرد میدان بھی تفصیل کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔"

مندرجہ ذیل کتابوں میں بلگرام اور نامور بلگرامیوں کے کثرت سے حالات و اذکار موجود ہیں۔ ان میں بیشتر ذی علم بلگرامیوں ہی کی تصانیف و تالیفات ہیں۔

مآثر الکرام۔ سرو آزاد۔ سبحۃ المرجان۔ شرائف عثمانی۔ شجرۂ طیبہ۔ مراۃ المبتدین۔ منتخب التواریخ۔ سفینۂ بے خبر۔ مثنوی امواج الخیال۔ شکرستان خیال۔ ید بیضا۔ سیرۃ المتاخرین۔ حدیقۃ الاقالیم۔ دیباچہ نفائس اللغات۔ آرائش محفل۔ اخبار الاصفیا۔ ذخیرۃ الناظرین۔ امواج خیال۔ تبصرۃ الناظرین۔ جنودیہ۔ کتاب سنابل۔ نفائس المآثر۔ گلزار ابدار۔ لسان الزمان۔ نورس سنگھار۔ معراج الولایتہ۔ مظہر الانساب۔ جامع البرکات۔ بستان الکرام۔ خزانہ عامرہ۔ بحر زخار۔ موج احوال۔ آئین اکبری۔ تتمہ شجرہ طیبہ۔ تحفۃ الکرام فی تاریخ بلگرام۔ رسالہ انساب سادات۔ رسالہ سجلات فی تاریخ القضاۃ۔ رسالہ مولفہ قاضی شریف احمد بلگرامی۔ منہل التاریخ بلگرام۔ نسب نامہ منظوم۔ تاریخ عبرت مولفہ سید علی بلگرامی۔ حیات جلیل مولفہ سید مقبول احمد صمدنی۔ تذکرۃ الکلام فی تاریخ بلگرام۔ تنقیح الکلام فی تاریخ بلگرام۔ سفینۃ الکرام فی شجرہ سادات رضویہ بلگرام مولفہ سید شاہد حسین رضوی مرحوم (غیر مطبوعہ) روضۃ الکرام۔ یادرفتگان۔ شجرۂ ذکیہ۔ سیرۃ والاجاہ حصہ دوم۔ فسانہ آزاد جلد اول صفحہ ۲۷، ۲۸۔

(۱) مسٹر جے سی ولیمس نے پہلی رپورٹ مردم شماری میں لکھا ہے " بزرگان بلگرام کے علم و فضل کا شہرہ مدت ہائے دراز سے چلا آتا ہے۔ تاریخ و فلسفہ و منظومات میں وہ تالیفات عالیہ یہاں کے لوگوں نے فرمائی ہیں جن کا شہرہ بیرون ممالک میں ہو رہا ہے۔"

(۲) مشہور عالم اور اہل قلم مسٹر بلاک مین J. H. Blochmann جلد دوم صفحہ ۱۰۱ جرنیل میں رقم طراز ہے "عہد اکبر سے لیکر موجودہ صدی تک بلگرام مسلمانوں کے علوم و فنون کا ایک بڑا مرکز رہا ہے اور یہاں کے لوگوں نے بادشاہوں کے درباروں میں کافی رسوخ حاصل کیا۔"

(۳) لارڈ بشپ ہیبر Rt. Revd. Reginald Heber D. D. Lord Bishop of Calcutta. ۱۸۲۴ء میں بلگرام آیا تھا اس قصبہ کے متعلق اس کی یادداشتیں اس کے سیاحت نامہ صوبجات بالائی ہند مرقومہ ۱۸۲۴ء و ۱۸۲۵ء سے نقل کی جاتی ہیں۔

Narrative of a Journey through the upper provinces of India from Calcutta to Bombay in 1824-25 London 1826

"ہماری منزل آج ملانواں سے سات کوس چل کر بلگرام تھی وہی ہموار زمین اور پر برگ و بار اشجار اور درختان میوہ دار برابر یہاں تک چلے آئے ہیں۔ اس مقام کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ سب سے پہلے انگریزی فوج اس وقت برٹش انڈیا ایڈوانسڈ فورس کہلاتی تھی یہیں مقیم رہتی تھی بعد کو کانپور منتقل کردی گئی۔ اب تک (دسمبر ۱۸۲۴ء) یہاں جب سے نشانات باقی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ [illegible] شاہی ہے۔ [illegible] فرودگاہ تھی اور اس جگہ افسران فوج [illegible] رہتے [illegible] قصبہ میں [illegible] بڑے

سے بڑے اور اچھے سے اچھے مکانات جن میں کچھ کہنہ بھی ہیں موجود ہیں یہاں بھی بہت سے متفرق درخت تاڑ اور کھجور کے دیکھے۔ اور درختان انبہ تو ہر سمت نہایت عالی اور شاندار بکثرت نظر آتے ہیں۔ گماشتہ نے کہا کہ اودھ کی اراضی دنیا کی بہتر سے بہتر زمینوں میں شمار ہوتی ہے۔ ہر چیز خواہ بنگالہ میں پیدا ہوتی ہو خواہ ایران میں یہاں بھی پیدا ہوتی ہے۔ اور خوب بڑھتی ہے ہوا اچھی پانی اچھا اور گھاس مویشی کے لئے بالخصوص مفید اور پرورش کرنے والی بافراط میسّر ہے۔ مگر قانون و آئین اچھے نہیں ہیں۔ ہر چیز رعیت سے چھین جاتی ہے بادشاہ نہ دیکھتا ہے نہ سنتا ہے نہ خبر رکھتا ہے۔ میں نے پوچھا اراضی کا لگان فی بیگھ کیا ہوگا۔ جواب دیا کہ عموماً چار روپیہ اور بعض جگہ چھ روپیہ۔ یہاں ہم لوگ شلجم اور آلو کے ایک عمدہ اور صاف قطعہ میں پہونچے اس آلوؤں کی نسبت کہا کہ پہلے تو ان کو لوگ نہایت ناپسند کرتے اور ان سے احتراز کیا کرتے تھے۔ مگر اب یہ چیز دن بدن مرغوب و مقبول ہوتی جاتی ہے خصوصاً مسلمان ان کو کارآمد اور اپنی ثقیل و روغن دار غذاؤں کے لئے لابد سمجھتے ہیں۔"

(۴) ٹیفن تھیلر Despater J. Tieffenthaler مشہور سیاح اور اہل نظر جس نے لشپ ہیر سے تقریباً ساٹھ سال پہلے بلگرام کو دیکھا تھا اپنے وقائع Beschreibung von Hindustan, I-P. 193, 1785 میں لکھتا ہے کہ "یہ قصبہ بہت سے باغات و مرغزاروں کے وسط میں واقع ہے کوچے تنگ ہیں۔ دوروپیہ بہت سے عالیشان مکانات پختہ کھڑے ہیں۔ ایک قلعہ حمام بھی ہے۔ جس کے چاروں گوشوں پر چار مدوّر اور بلند برج بنے ہوئے ہیں۔"

(۵) نامور سیاح اور مورخ ٹنانٹ Tennant۔ جو ۱۷۹۹ء میں بلگرام آیا تھا۔ اپنے سیاحت نامہ سند The Indian Recreations II. 397-398 میں تحریر کرتا ہے کہ قصبہ کی موجودہ تباہ حالی کی وجہ الماس خاں خواجہ سرا کی بیدردی جبر ستانی اور سخت گیری ہے جو آصف الدولہ اور سعادت علی خاں کے عہد میں مالگزاری اودھ کا اجارہ دار تھا۔

(۶) "کپتان تھارنٹن گزیٹر مطبوعہ ۱۸۵۸ء میں لکھتا ہے کہ بلگرام میں آثار قدیمہ میں سے جتنی عمارات اب بھی باقی ہیں اطراف و نواحی کے کسی مقام میں نہیں پائی جاتیں۔ قدامت و استحکام و خوبیٔ تعمیہ میں اپنی نظیر نہیں رکھتیں۔"

سرکاری رپورٹوں اور یوروپین سیاحوں کی تحریرات میں بلگرام کا تذکرہ جابجا بکثرت ملتا ہے۔ جن میں چند حسب ذیل ہیں۔

(۷) ایسٹ انڈیا کمپنی کے ممالک محروسہ کا گزیٹیر

A Gazetteer of the Territories under the Government of the East-India Company and of the Native States on the continent of India. By Captain Edward Thornton, vol. 1.1854. London pages 328 329.

(۸) اودھ کی بادشاہت میں سفر۔ سر ولیم سلی میں مطبوعہ ۱۸۵۶ء آپ ۱۸۴۹ء میں بلگرام آئے تھے اسی وقت

A Journey through the kingdom of oudh by Sir W Sleeman. K. C. B -1836.

کے حالات تحریر کئے ہیں۔

(۹) تاریخ ہندوستان حسب تحریر مورخین ہند مولفہ سر ایلٹ ۱۸۶۷ء

The History of India as told by its own Historians by Sir H. M. Elliot 1867.

(۱۰) صوبہ اودھ کا گزیٹیر مطبوعہ ۱۸۷۷ء

The Gazetteer of the province of oudh b A C I. 1877.

(۱۱) تاریخ ہندوستان مولفہ پروفیسر ڈاؤسن مطبوعہ ۱۸۷۷ء

History of India by its own Historians by Professor Dowson, 1877.

(۱۲) ہندوستان کا امپیریل گزٹ ایر مطبوعہ ۱۸۸۱ء مرتبہ مسٹر ہنٹر

The Imperial Gazetteer of India by W. W. Hunter, C. I. E., LL.D.; vol. 11 London 1881.

(۱۳) مملکت ہند کا امپیریل گزٹ ایر جلد دوم

The Imperial Gazetteer of India by W. W. Hunter Vol, II, 1885.

(۱۴) آخر رپورٹ بند و بست ضلع ہردوئی ۱۸۹۷ء مرتبہ مسٹر ڈیوس

Final Settlement Report of the Hardoi District 1897-98 by Mr. J. S C Dawis

(۱۵) منتخبہ کاغذات سرکاری مرتبہ مسٹر فارلیٹ ۱۹۰۲ء

Selections from state papers preserved in the Millitary Department, by G. W. Forrest, C. I. E., Calcutta, 1902.

(۱۶) گزٹ ایر ضلع ہردوئی مرتبہ مسٹر نیول ۱۹۰۴ء

The Gazetteer of Hardoi vol, XLI, by H. R. Nevill, 1904, Allahabad.

(۱۷) مملکت ہند کا گزٹ ایر صوبہ متحدہ ۱۹۰۵ء

The Imperial Gazetteer of U. P. Lucknow Division Govt. Press, Allahabad 1905.

(۱۸) مملکت ہند کا گزٹ ایر مطبوعہ آکسفرڈ ۱۹۰۸ء جلد ہشتم

The Imperial Gazetteer of India vol VIII, Oxford 1908.

(۱۹) گزٹ ایر صوبہ متحدہ بابتہ ضلع ہردوئی جلد ۴۱ مطبوعہ الہ آباد ۱۹۱۵ء

Supplementary Notes and Statistics to Vol. XLI of the District Gazetteer of the United Provinces of A and O., Allahabad 1915 Hardoi District B. vol.

(۲۰) اس کتاب میں مسٹر ولیم اردین نے دلائل کے ساتھ تائید کی ہے کہ حضرت سید محمد صغریٰ صاحب جد اعلیٰ سادات صغروی بلگرام قصبہ صمدن ضلع فرخ آباد کے باشندے تھے۔

Ahmad Shah Abdali and the Indian Wazir Imadul:ul:Mulk (1756-57) by William Irvine 1907, Bombay Education Society's Press.

۱۷۷۳ء کے معاہدہ کے مطابق اودھ میں امن و امان قائم رکھنے کی غرض سے زیر قیادت افسران برطانیہ ایک فوج کا رکھا جانا قرار پایا تھا جسکی چھاؤنی قصبہ بلگرام سے ڈہائی میل دور جانب شمال سانڈی کی سڑک پر تھی۔ سعادت علی خاں نے جب ۱۸۰۱ء میں مالگذاری کا نیا طریقہ جاری کیا تو محال بلگرام لکھنؤ سے منتقل کر کے نظامت خیرآباد میں شامل کر دیا گیا۔ ۱۸۵۶ء میں اودھ کا الحاق سلطنت برطانیہ ہند سے ہوا تو بلگرام کا ضلع ملانوان مقرر کیا گیا۔ بعد کو ملانواں توڑ کر ریلوے کی سہولتوں کی وجہ سے ہردوئی کو بنایا گیا اور اب بلگرام اسی ضلع کی ایک مشہور تحصیل ہے۔ (زمانہ قدیم میں بلگرام کا تعلق قنوج سے بھی رہ چکا ہے)

راجہ سری رام ریکوار راجہ سری رام نویں صدی عیسوی میں دریائے گنگ عبور کر کے قنوج سے معہ اپنے رفقا

دعا کرکے یہاں آیا۔ اور اس کے بلند ٹیلہ پر قیام کیا۔ اور قلعہ وشوالہ تعمیر کیا۔ ایک وسیع تالاب ساگر بنا کر شہر کا نام "سری نگر" رکھا بعد ازاں ۶۰۹ھ ہجری مطابق ۱۲۱۲ء میں بسرکردگی قاضی محمد یوسف عثمانی جو امراؤ سالاران افواج محمود سے تھے فتح مند عثمانی شیوخ آئے اور ریکواروں کو شکست دیکر پورے راج کو فتح کیا۔ ۱۷۶۵ء تک انہیں قاضی محمد یوسف فاتح بلگرام کا لکھا ہوا ایک سجل[1] مرقومہ ۶۴۳ھ ہجری مطابق ۱۲۴۶ء میر سید عزیز الدین معروف بہ لال پیر گوپاموی کے احفاد و اخلاف کے قبضہ میں موجود تھا۔ میر غلام علی آزاد بھی اس روایت کی تائید کرتے ہیں (ماخوذ از حیات جلیل حصہ اول صفحات ۴۴ و ۴۵ مولفہ سید مقبول احمد صمدنی)

شرائف عثمانی مولانا غلام حسین صدیقی فرشوری نے ۱۱۷۹ھ ہجری مطابق ۱۷۶۵-۶۶ء میں شرائف عثمانی[2] نام کی ایک تاریخ لکھی جو افسوس ہے اب تک طبع نہ ہوسکی۔ علامہ غلام علی آزاد بلگرامی نے سرو آزاد میں (صفحہ ۳۵) لکھا ہے "شرائف عثمانی ایک مستند کتاب ہے جس کا اکثر مورخین نے حوالہ دیا ہے۔" یہ کتاب انگلستان میں انڈیا آفس لائبریری اور برٹش میوزیم میں موجود ہے نیز ولیم اروین نے کوارینچ کے نیلام گھر سے ایک نہایت صحیح و مکلف اس کا نسخہ زر کثیر ادا کرکے خریدا تھا جس پر بعض پرانے امرا کی مہریں اور عالی مرتبت انگریز عہدیداران فوجی و ملکی کے دستخط ثبت تھے۔ مفتاح التواریخ میں مسٹر طامس ولیم بیل نے اس کتاب کا اکثر حوالہ دیا ہے اور بہت سے اہم حالات اسی سے نقل کئے ہیں۔ اس کا ایک عمدہ اور مکمل نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے کتب خانہ میں بھی موجود ہے۔

اسی کتاب کے سلسلہ میں سید مقبول احمد صمدنی لکھتے ہیں کہ صمدن ضلع فرخ آباد کی مقامی روایات اور پرانے اسناد و مقالات و مقامات بھی ثمین فرشوری بلگرامی کے قول کی تصدیق کرتے ہیں کہ بلگرام کے خاندان سادات صغروی کے جد اعلیٰ حضرت سید محمد صغریٰ صاحب دراصل قصبہ صمدن کے باشندے تھے جو تیرہویں صدی عیسوی میں بزمانہ سلطان التمش بلگرام جاکر آباد ہوئے۔ عہد اسلام کے نامور مورخ و محقق ولیم[3] آردین واقعات احمد شاہ ابدالی و وزیر عماد الملک کے انگریزی ترجمہ کے دیباچہ میں اس امر کی مدلل تائید کرتے ہیں۔ (از حیات جلیل حصہ دوم صفحات ۲ و ۳) حیات جلیل حصہ دوم کے صفحات ۱۹۸ و ۱۹۹ میں سید محمد صغریٰ صاحب کے ہم وطن سید مقبول احمد صاحب صمدنی نے خود بھی اس امر کی تصدیق کرتے ہوئے کافی وضاحت فرمادی ہے۔

سید اسمٰعیل چھیا صاحب بلگرام کے معزز سادات زیدی الواسطی کے جد اعلیٰ حضرت سید محمد صغریٰ صاحب سنی المذہب تھے اور حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمت اللہ علیہ کے مرید تھے آپ کی اولاد بھی بلگرام میں صدیوں اسی مذہب پر بدستور قائم رہی لیکن گیارہویں صدی ہجری کے وسط میں سید اسمٰعیل چھیا من قبیلہ بنی زنی جب شاہجہاں بادشاہ کی ملازمت ترک کرکے بلگرام واپس تشریف لائے تو آپ نے یہاں مذہب امامیہ (اثنا عشریہ) کو سادات زیدی البلگرامی میں تلقین اور رائج کیا یہاں تک کہ بجز خاندان پنج بھیا خاندان مارہرہ اور خاندان پیرزادگان محلہ سلہٹرہ کے تمام زیدی الواسطی سنی المذہب سادات بلگرام کلیتہً شیعہ ہوگئے۔ اس سے پہلے جملہ سادات کا مذہب حنفی صوفیہ تھا۔ سید اسمٰعیل صاحب چھیا

---

(۱) سجل مرقومہ ۶۴۳ھ ہجری مذکور الصدر قاضی شریف الحسن بلگرامی مولف کتاب ہذا کے پاس تاتحریر محفوظ موجود ہے۔

(۲) شرائف عثمانی کی ایک قلمی جلد بھی " " " " " " اور مسلم یونیورسٹی کی لائبریری میں داخل کیا گیا ہے۔

(۳) مسٹر ولیم آروین وہی مشہور مورخ ہیں جنہوں نے بلگرام کے پرانے گزیٹر کی تصحیح و توثیق ۴ر نومبر ۱۸۷۸ء کو اپنے دستخط کے ساتھ کی تھی۔

نے ۱۰۸۱ ہجری میں انتقال فرمایا اور محلہ سلہاڑہ کی جامع مسجد میں دفن ہوئے۔ (ماخوذ از روضتہ الکرام صفحات ۱۶۸ و ۱۶۹)

نوٹ:۔ روضتہ الکرام کے صفحہ ۲۶۷ پر اُن سادات صغروی کی املاک میں جنہوں نے اپنا جدی مذہب حنفیہ تبدیل کرکے مذہب امامیہ اختیار کرلیا تھا۔ تحصیل بلگرام کے تقریباً دو صد نمبری مواضعات نام بنام گنائے گئے ہیں لیکن صغروی سادات ہی کے مذکور الصدر معزز درویش منش خاندان جنہوں نے کسی صورت سے اپنا قدیم مذہب تبدیل نہیں کیا اور بدستور سنی المذہب رہے وہ دس مواضعات کے بھی بلگرام میں مالک نہ بن سکے۔ پھر بھی اپنے بلند کردار کی وجہ سے بلگرام کے تمام حنفی المذہب مسلمانوں میں آج تک سب سے زیادہ واجب التنظیم اور قابل احترام سمجھے جاتے ہیں۔

سید شاہد حسین صاحب رضوی نقاد بلگرامی مرحوم اپنی تالیف سفینتہ الکرام فی شجرۂ سادات رضویہ بلگرام مرتبہ ڈاکٹر سید اصغر حسین صاحب رضوی بلگرامی میں لکھتے ہیں:۔

(۱) "بلگرام میں سادات صغرویوں کو تعلقداریاں اور املاک فاتح کی حیثیت سے نہیں بلکہ مذہب فروشی کے صلے ہاتھ لگی تھیں"

مولف مذکور نے تبدیل مذہب کے مذکورہ حالات و اسباب پر تبصرہ فرماتے ہوئے لکھا ہے:۔

(۲) ہارنگٹن صاحب سیٹلمنٹ افسر ضلع ہردوئی نے اپنی رپورٹ صفحہ ۴۲ پر لکھا ہے کہ اندر دو صد سال بلگرامی سادات صغروی نے جائدادیں حاصل کیں۔

(۳) ۱۲۱۷ء میں سلطان الدین التمش انتظامات کے سلسلہ میں قنوج آیا اس نے بلگرام کو با مئو سانڈی پالی سندیلہ اور ملانواں کے لوگوں کو بڑی بڑی جاگیریں عطا کیں۔ (ممکن ہے ان مراعات شاہی کی خوشی میں مندرجہ ذیل پتھر لگا یا گیا ہو۔) (مولف)

(۴) قصبہ بلگرام میں محلہ سید واڑہ کی مسجد متصل اور برکوٹ میں جو قدیم تاریخی پتھر جانب شمال دیوار میں لگا ہے اس کی عربی عبارت کا اردو میں ترجمہ مندرجہ ذیل ہے۔ اس پتھر کی تاریخ اور فتح بلگرام سے منسوب کی جانے والی تاریخ میں جو لفظ "خداداد" سے نکالی جاتی ہے ۱۲ سال کے زمانہ کا فرق ہے۔

"شہروں کا نگہبان خدا کے بندوں کا والی ایمان والوں کو پناہ دینے والا سلیمان کے ملک کا وارث دنیا کے مذہبوں میں ہر کا مالک مشرق و مغرب میں خدا کا سایہ بڑا فتحمند التمش سرزدر فوج مددگار بادشاہ ایمان والوں کا سردار اللہ اس کے مرتبہ کو ہمیشہ رکھے ۶۲۰ ہجری کے مہینوں میں۔"

نوٹ:۔ اس تاریخی پتھر کی حقیقت کتاب ہذا کے صفحات ۱۲۰ و ۱۲۱ میں موجود ہے زمانہ قدیم میں اس قسم کی تعریفیں شاہان وقت کی خوشنودی کے لئے پتھروں پر کندہ کراکر عمارات پر لگانے کا عام رواج تھا۔ ان کتبوں کی عبارت سے کسی مقام کی فتح و نصرت سے کوئی تعلق اسی طرح نہیں ہوا کرتا تھا جس طرح مذکور الصدر کتبہ کو تاریخ فتح بلگرام سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

بالکل اسی قسم کا اور تقریباً اسی عربی مضمون کا ایک بہت لمبا چوڑا قدیم پتھر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ میں بھی اسی زمانہ کا موجود ہے۔ جس کو قتلغ خاں کول (موجودہ شہر علی گڑھ) کے گورنر نے سلطان نصیر الدین محمود کی خوشنودی کے لئے ۱۲۵۴ء مطابق ۶۵۲ ہجری میں کندہ کراکر کول کی چہار دیواری کے پھاٹک پر لگوادیا تھا۔ یہ پتھر شعبہ تاریخ کے بڑے ہال میں ایک نمایاں جگہ پر لگا ہوا ہے۔ (مولف)

شیخ سلیمان بلگرامی

شیخ سلیمان بلگرامی محلہ قاضی پورہ کے باشندہ ۔ اور اکبر بادشاہ کے دربار میں ممتاز درباریوں میں تھے ہمایوں بادشاہ جب شیر شاہ سے سنہ ۱۵۴۰ء میں قرب بلگرام جانب دکھن شکست کھاکر بلگرام سے تنہا گذرا تو وطن میں مشہور ہے نیز حیات جلیل و سفینۃ الکلام میں بھی اس کا ذکر موجود ہے کہ شیخ سلیمان کے دروازہ پر ٹھہرا اور پینے کو پانی مانگا۔ شیخ سلیمان کا مکان قاضی شریف احمد کے دیوان خانہ واقع محلہ قاضی پورہ سے ۴۰۔۵۰ قدم جانب مشرق لب سڑک مقابل پھاٹک لال خاں واقع تھا۔ شیخ صاحب پانی لینے اندر گئے۔ دن چڑھے کا وقت تھا۔ آپ کی بی بی کو فتے پکا رہی تھیں آپ نے پانی مانگا تو بی بی نے دریافت کیا کس کے لئے چاہیے۔ آپ نے کہا کہ کوئی گھوڑے پر سوار سپاہی ہے، پینے کو پانی مانگ رہا ہے۔ بی بی نے کہا ٹھہرو کچھ کھانے کو لئے جاؤ نہیں معلوم کب کا بھوکا پیاسا ہوگا۔ انہوں نے رات کی چند باسی روٹیاں کوفتوں کے ساتھ باہر بھیجدیں۔ ہمایوں نے دروازہ کی دہلیز[1] پر بیٹھکر بڑی رغبت سے یہ روٹیاں کھائیں۔ شیخ سلیمان نے لڑائی کا حال پوچھا تو کہا کہ تمہارے بادشاہ کی شکست ہوگئی ہے چلتے وقت ہمایوں نے شیخ صاحب کو ایک انگوٹھی دی اور کہا کہ دیکھو جب تم اپنے بادشاہ ہمایوں کی فتح کی خبر سننا تو اس انگوٹھی کو لیکر دہلی ضرور آنا۔ اور ایک آم کی گٹھلی دیکر کہا یہ آم میں نے کھایا تھا بڑا لذیذ ہے اس کو کہیں بو دینا۔ اس آم کا ایک پودا قاضی مصطفےٰ علی صاحب مرحوم کے باغ موسومہ قبرہا واقع قصبہ بلگرام میں سنہ ۱۹۱۲ء تک میوہ آمن کے نام سے موسوم موجود تھا۔ جس کی لذت و خوشبو بے مثل تھی اور جو ہمیشہ تمام آموں پر غالب رہتی تھی اس کا ایک نو دہا بابو کالکا پرشاد کیور مرحوم وکیل کے باغ میں اب تک موجود ہے، جو فی زمانہ بابو شیو نرائن کھتری کا مقبوضہ ہے۔

جب شیخ صاحب نے ہمایوں کی فتح کا حال سنا تو انگوٹھی لیکر دہلی پہونچے بادشاہ نے بڑی قدر و منزلت کی آپ کو اپنا درباری مقرر کیا اور آپ صاحب دولت و ثروت ہوگئے۔ اپنے بھانجہ مولانا ضمیری کو بھی دہلی بلوالیا اور دونوں پائے تخت دہلی میں برابر موجود رہے۔

شیخ نظام بلگرامی متخلص بہ ضمیری

آپ بلگرام محلہ قاضی پورہ میں پیدا ہوئے۔ ضمیری تخلص تھا۔ صغر سنی میں یتیم ہوگئے تھے آپ کے ماموں شیخ سلیمان بلگرامی نے جو اکبر بادشاہ کے ممتاز درباریوں میں تھے۔ آپ کو بلاکر دہلی میں اپنے ساتھ رکھا۔ علم و فضل میں آپ نے کمال حاصل کیا۔ میر عبدالواحد بلگرامی نے کتاب سنابل میں شیخ کے حالات معہ ان کی روئداد عشق کے درج کئے ہیں۔ آپ امرائے عہد کے ساتھ مساویانہ انداز سے ملتے اور نہایت اعزاز و اکرام سے بسر کرتے تھے سنہ ۱۰۰۱ھ مطابق سنہ ۱۵۹۲ء میں قصبہ سفیدوں تابع دارالخلافہ دہلی میں انتقال فرمایا۔ آپ نے پندرہ ہزار شعر کا دیوان چھوڑا۔ مبارک خاں دہلوی نے آپ کی تاریخ وفات "آہ آہ نظام" لکھی۔ آپ قصیدہ گوئی میں مشہور اور تاریخ گوئی میں ملکۂ خاص رکھتے تھے نہایت باشرع اور متجر بزرگ تھے۔

مفتی امیر حیدر بلگرامی

آپ کا نام علم و عمل میں شہرۂ خاص اور وقعت و امتیاز رکھتا ہے۔ آپ نے عہد اکبری کی ایک جامع تاریخ "سوانح اکبری" نام لکھی اور اس کی تکمیل و تہذیب تمام ذرائع معلومات اور وسائل مختلفہ سے کی تھی مسٹر بلاک مین مورخ اس کا ذکر بڑے قابل قدر الفاظ میں کرتا ہے اس کا دعویٰ ہے کہ اس سے قبل کسی مورخ نے اس اہتمام و جامعیت کے ساتھ واقعات کا تفحص نہیں کیا تھا۔ یہ کتاب ولیم کرک پیٹرک کے نام نامی سے منسوب کی گئی تھی۔

شیخ غلام نجف عثمانی بلگرامی

آپ عالم متبحر تھے آپ کی شادی کاکوری میں ہوئی وہیں آپ مقیم ہوگئے۔ آپ کے خاندان کے تفصیلی حالات کتاب عیون المعارف من شئون العارف مطبوعہ سنہ ۱۹۲۹ء اصح المطابع لکھنؤ

---

(۱) وہ دروازہ جس کی دہلیز پر ہمایوں بادشاہ بیٹھا تھا وہ عرصہ دراز کے بعد منتقل ہوکر محلہ میدان پورہ میں مکان شمال رویہ سید محمد احمد مرحوم متصل مسجد میدان پورہ میں آج بھی نہایت شکستہ حالت میں لگا ہوا ہے۔ (مولف)

مولفہ مولوی محمد عالم قیصری کاکوروی شائع ہوئے ہیں جس سے واضح ہے کہ آپ خاندان قضاۃ بلگرام کے ایک معزز و ذی علم فرد تھے کاکوری میں یہ خاندان آج بھی معروف و مشہور ہے۔ اس خاندان کا سلسلہ قاضی عبدالدائم عثمانی بلگرامی کے بیٹے قاضی عبدالصمد کی مندرجہ ذیل شاخ سے ملتا ہے۔ آپ کے موجود الوقت اعزہ میں خان بہادر حاجی انعام علی ڈسٹرکٹ انجینئر آگرہ بڑی خوبیوں کے بزرگ ہیں۔

خان بہادر منشی تاج الدین و شیخ وہاج الدین ابنا شیخ غلام نجف عثمانی بلگرامی ابن شیخ احسان اللہ ابن شیخ رحم اللہ بن شیخ محمد افضل ابن شیخ محمد تقی ابن شیخ فخر علی ابن شیخ محب علی ابن قاضی علی ابن قاضی راجا ابن قاضی عبدالصمد ابن صدر القضاۃ ابوالفتح عرف قاضی کمال ابن بندگی قاضی عبدالدائم عثمانی بلگرامی۔ تذکرہ مشاہیر کاکوری مولفہ حافظ محمد علی حیدر صاحب کاکوروی میں بھی اس کی تصدیق موجود ہے۔ شیخ غلام نجف ۱۲۷۳ھ میں پیدا ہوئے کاکوری میں قیام کیا اور آپ کی اولاد کاکوروی کہلائی۔

سید مرتضیٰ حسین صاحب بلگرامی نے تاج العروس ۱۴ سال ۲ ماہ میں لکھی عرب و عجم کو تسلیم ہے کہ تاج العروس فن لغت میں لاثانی ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی تصانیف کا شمار ۱۰۰ سے زیادہ ہے۔ آپ نے تاج کا ایک نسخہ بادشاہ صنعا کے حضور میں بھیجا تو ایک لاکھ درہم آپ کی نذر کیے گئے۔ آپ بلگرام سے پہلے یمن گئے وہاں سے ۱۷۵۴ء میں مصر پہنچے۔ وہیں شادی بھی کر لی۔ ۱۷۹۱ء میں قاہرہ کی مسجد کردی میں بعد نماز جمعہ مرض طاعون میں مبتلا ہو کر دو دن بعد انتقال کیا۔ مشہد معروف بہ سید رقیہ میں دفن ہوئے۔

حاجی افضل بلگرامی بڑے مشہور معروف بزرگ تھے۔ ان کی وفات کے بعد تردی بیگ نے ۹۶۲ ہجری میں ان کے مرقد پر عالیشان گنبد تعمیر کرایا شیخ نظام ضمیری کا قطعہ دروازہ گنبد پر لگایا گیا جس کی تاریخ یہ ہے:۔ تبارک بخش نہان و آشکارا + خرد گفتا سنہ ہشتاد و نہصد۔ شیخ شاہ فرملی بعہد اکبر شاہ ہندی کے مشہور شاعر اور چندوار کے حاکم اعلیٰ تھے۔ محمد فاضل بلگرامی نے ۱۶۷۶ء میں پرگنہ بادن فتح کیا۔ سید داور اور محمد ماہ اورنگ زیب و شاہ عالم کے دربار میں معزز عہدوں پر مامور تھے۔ رکن عالم خاں گجرات کے صوبہ دار تھے۔ باقر علی خاں بعہد شجاع الدولہ اور حشمت علی و چراغ علی و قدرت علی بعہد آصف الدولہ اور شیخ محمد عطا بزمانہ غازی الدین حیدر اور محمد عسکری بزمانہ واجد علی شاہ مختلف مقامات کے عہدہ چکلہ داری پر مامور تھے۔ شیخ نواز محی الدین نواب مبارز الملک کے درباری درویش کامل تھے۔ سید عبداللہ بلگرامی کو صوبہ گجرات احمد آباد کا منصب صدارت عطا ہوا۔ میر وزیر علی بلگرامی ساکن محلہ قاضی پورہ دہلی میں ڈپٹی کلکٹر تھے۔ غالب نے اپنے خطوط میں آپ کا بڑے احترام کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ آپ سو روپیہ ماہوار وطن کے غربا کو تا زیست بھیجتے رہے۔

چپہ چپہ پہ ہیں یاں گوہر یکتا تہ خاک دفن ہوگا نہ کہیں اتنا خزانہ ہرگز

۱۸۲۱ء سے مندرجہ ذیل اصحاب بلگرام کے چکلہ دار رہے۔ (۱) لالہ سیتل پرشاد ۱۱ سال (۲) راجہ بھوانی پرشاد کائستھ (۳) غزر خاں مغل (۴) رائے بخت مل (۵) مولوی فریدالدین گوپاموی (۶) حسین علی خاں ملیح آبادی (۷) رائے دلارام (۸) راجہ شیو ناتھ سنگھ تا الحاق اودھ چکلہ دار رہے۔

نوٹ:۔ کاتب الحروف نے کتاب ہذا کے صفحات ۲۴۴ و ۲۷۵ پر خان بہادر سید علی بہادر صاحب مرحوم کے نامکمل اور شکستہ مسودہ تاریخ بلگرام کو تاج التواریخ بلگرام کے نام سے خود موسوم کر کے لکھا ہے۔ کہ مذکورہ مسودہ بخیال تحفظ و استفادہ عام مسلم یونیورسٹی میں مصنف مرحوم کے نام سے داخل کیا جا رہا ہے۔ اس اعلان سے قابض مسودہ سید ستار حسین صاحب ساکن محلہ ملکنٹھ کو اتنی وحشت ہوئی کہ موصوف نے شاید اسی انجام کے لئے جو بلگرام کے علمی ذخائر کا بالعموم ہوتا رہا ہے کاتب الحروف سے واپس لیکر مندرجہ ذیل رسید عطا کی۔

"قلمی مسودہ تاریخ بلگرام نوشتہ خان بہادر علی بہادر بلگرامی جس کا ذکر کتاب ہذا کے صفحات ۲۴۴ و ۲۷۵ پر موجود ہے اور جس کو مولف نے تاج التواریخ کے نام سے موسوم کیا ہے اس کو میں نے مسلم یونیورسٹی لائبریری میں داخل کرنا مناسب نہیں سمجھا اور قاضی شریف الحسن بلگرامی سے واپس وصول پایا۔ فقط سید ستار حسین بقلم خود مورخہ ۹ جولائی ۱۹۵۹ء"



ہز میجسٹی شاہ افغانستان المکرامی قدیم مخطوطات و فرامین شاہی کا ملاحظہ فرما رہے ہیں - آپ کے دائیں ہز ہولی نس سیدنا طاہر سیف الدین صاحب چانسلر مخطوطات دیکھ رہے ہیں



ہز میجسٹی سجل مرقومہ ۴۳۸ ہجری دستخطی داعی محمد یوسف قاسم بلگرام کو احتراماً کھڑے ہوکر ملاحظہ فرما رہے ہیں



ممبران بار ایسوسی ایشن منصفی بلگرام بمقام بلگرام ۱۹۳۷ء میں

قصبہ بلگرام کے اہلِ ہنود

زمانہ قدیم میں قنوج کی شہرت اور مصر کہ کی عظمت دور دور پھیلی ہوئی تھی۔ انھیں دو متبرک مقامات کے درمیان تھوڑے فاصلہ پر سری نگر آباد تھا۔ جو گنگا اشنان کرنے والوں کی گزرگاہ ہونے کی وجہ سے اپنے گرد نواح میں کافی مشہور اور بہت گلزار تھا۔

یہاں ٹھٹھیروں کی زیادہ آبادی تھی جو دھات کے برتن بنانے میں دور دور مشہور تھے۔ اس زمانہ کے رہنے والوں کی اولاد میں اب یہاں کوئی موجود نہیں ہے۔ صرف بابو رام بٹوہ کا ایک خاندان باقی ہے۔ جو محلہ کھتراینہ میں متصل گردوارہ بابوشمبوناتھ کپور لب سڑک آباد ہے جس کے متعلق سُنا جاتا ہے کہ یہ خاندان راجہ سری کے زمانہ کی واحد یادگار رہے۔ جا بجا مٹھوں اور مورتوں کو چھوڑ کر اس زمانہ کی کوئی عمارت یا کوئی مندر بھی اب یہاں باقی نہیں ہے۔ البتہ وسط قصبہ میں راجہ سری کا قدیم اور تاریخی قلعہ "اوبر کوٹ" کے نام سے ایک پُرانی یادگار ضرور موجود ہے۔ جو آج بھی قصبہ بلگرام کی اچھی خاصی اور مشہور تفریح گاہ ہے۔

سری نگر میں اسلامی حکومت کے قیام کے بعد سری نگر کا حاکم راجہ سری اور کچھ سری نگر کے قدیم باشندے جیسا کہ پرانی کتابوں اور معتبر اقوالوں سے پتہ چلتا ہے کمایوں جا کر آباد ہو گئے۔ جن کی اولاد میں کہا جاتا ہے وہاں اب تک لوگ موجود ہیں اور ان کے حالات و اذکار بھی وہیں کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔

نینی تال کے قریب ضلع رام پور کی سرحد پر تحصیل بلاسپور میں ایک نہایت قدیم قصبہ سری نگر کے نام سے آج بھی آباد موجود ہے۔ جس کی حیثیت گھٹتے گھٹتے ایک بڑے موضع کے برابر رہ گئی ہے۔ وہاں کے لوگ کہتے ہیں کہ زمانہ قدیم میں اس کو راجہ سری رام نامی نے بسایا تھا۔ اب اس قصبہ کی آراضیات پر پنجابی شرنارتھیوں نے بڑے بڑے زراعتی فارم کھول دیئے ہیں۔ اور اس مقام کی رونق روز بروز بڑھ رہی ہے۔ ممکن ہے یہ سری نگر بھی ہمارے بلگرام کے راجہ سری رام جی کا ہی بسایا ہوا ہو۔

قصبہ بلگرام کے موجودہ معزز اہل ہنود میں مصّر اور اوستھی خاندانوں کے برہمنوں کا یہ کہنا ہے کہ مسلمانوں کی آمد کے تھوڑے ہی عرصہ بعد اونچی ذات کے ہندوؤں میں سب سے پہلے ان کے مورث اعلیٰ قنوج سے آکر یہاں آباد ہوئے۔ ان کے بعد برہمنوں کے دوسرے خاندانوں کے معزز افراد بھی یکے بعد دیگرے یہاں مختلف مقامات سے آتے اور آباد ہوتے گئے۔ برہمنوں کے بعد آنیوالوں میں چھتری (کھتری) اور کائستھ صاحبان ہیں۔ جن کو یہاں آباد ہوئے کم و بیش سات سو سال کا زمانہ گذر چکا ہے۔ ان کے بعد ویش اور سب سے آخر میں اگروال بلگرام آکر آباد ہوئے۔

قصبہ بلگرام میں معزز اہل ہنود کی آمد کا سلسلہ اودھ کی اسلامی حکومت کے قیام تک برابر جاری رہا۔ اور ۱۸۵۶ء میں اسلامی حکومت کے اختتام کے ساتھ ہی ساتھ یہ سلسلہ بھی اگروال صاحبان کی آمد پر ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔

انگریزی دور حکومت میں کوئی ہندو خاندان بلگرام میں آکر آباد ہونے کی ضرورت محسوس نہ کر سکا۔

یہ سب مسلمانوں کے ساتھ ہمیشہ سگے بھائیوں کی طرح مل جل کر رہنے کی وجہ سے قصبہ کی رونق و شہرت کا باعث ہوئے۔ اپنے اپنے کاروبار میں کافی ترقیاں کیں۔ محلات و مندر بنوائے۔ شاہی درباروں میں اپنے علم و فضل کے ذریعہ بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز ہوئے خطابات و جاگیریں پائیں اور شاہی فوج میں اعلیٰ عہدوں پر مامور ہو کر لڑائیاں فتح کیں۔ مسلمانوں نے اپنے علمی خزانے ہندوؤں کو بخشے۔ اور ہندوؤں نے اپنے علمی کمالات سے مسلمانوں کو فیضیاب پہونچایا۔ تو جلیل و رسلین اور مبارک حسین وغیرہ جیسے سنسکرت

کے چند عالم و شاعر بلگرام میں پیدا ہوئے۔

مسلم شرفائے بلگرام کو نہ صرف قدیم باہمی اتحاد و اتفاق پر بلکہ اس بات پر بھی ہمیشہ فخر رہے گا کہ ان کے آباؤ اجداد نے آج سے ایک ہزار سال قبل کے ماحول میں ایک ایسی نئی حکومت کی بلگرام میں بنیاد ڈالی جس کی خصوصیات کو سن سن کر اونچی ذات کے معزز اور دولت مند اہل ہنود اپنا گھر اور قدیم وطن ہندو ریاستوں سے چھوڑ چھوڑ کر شمالی ہندوستان میں سب سے پہلی قائم ہونے والی اسلامی حکومت میں صدیوں مسلسل آ آ کر آباد ہوتے، بستے اور خوشی خوشی بلگرام کو اپنا وطن بناتے رہے، یہاں تک کہ قصبہ میں ہندو اور مسلمانوں کی آبادی کا تناسب برابر ہو گیا۔ اور کمی بیشی کا بھی آپس میں کوئی سوال باقی نہ رہا۔

انگریزوں کے آخری دور حکومت تک بلگرام میں مسلم طبقہ ہی بدستور برسر اقتدار رہا اور کافی انحطاط و انقلاب کے باوجود قصبہ کے دیگر مسلم رؤسا کو چھوڑ کر صرف مہدی حیدر صاحب مرحوم کا تنہا علاقہ تمام معزز اہل ہنود کی مجموعی املاک و جائداد سے کہیں زیادہ تھا۔ پھر بھی باہمی اتحاد و اتفاق آپس کا رہن سہن ہر وقت کی نشست و برخاست اور ایک دوسرے کے مذہبی جذبات کا مثالی احترام دیکھ کر اس وقت کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ قصبہ بلگرام میں برسر اقتدار طبقہ دراصل ہندو ہے یا مسلمان۔

روا داری سچائی صفائی اور دلی میل جول کا یہ عالم تھا کہ پچھلے پچاس سال میں مسلم ممبران بورڈ اپنی اکثریت کے باوجود بورڈ کا چیرمین ہمیشہ طبقہ اہل ہنود ہی میں سے بخوشی چنتے اور وطن کا یہ سب سے بڑا اعزاز برادران وطن کی خدمت میں بہ اصرار پیش کرتے رہے۔ اور مسلمان ان کی چیرمینی سے بھرپور فائدہ اٹھاتے رہے۔ اسی طرح اہل ہنود رام لیلا کمیٹی بلگرام کا۔ صدر برس ہا برس معزز مسلمانوں کو منتخب کرتے رہے۔ جو اپنی کوششوں کاوشوں اور چندوں سے بلگرام کے میلے رام لیلا کو بڑی رونق شہرت اور ترقی دیتے رہے۔ سنہ ۱۹۴۷ء میں ملک کے آزاد ہونے پر قصبہ کا اقتدار فطری طور پر اہل ہنود کو منتقل ہوا تو بلگرام کے مسلمانوں کو دراصل آزادی ملی اور اہل ہنود کو بھاری ذمہ داریاں سپرد ہوئیں۔ جن کی آنکھوں کے سامنے ہماری ایک ہزار سالہ تاریخ کے سنہرے اوراق موجود تھے۔ سنہ ۱۹۴۷ء کے ہنگامی دور میں انہوں نے جس عزم و استقلال سے اپنا اخلاقی فرض ادا کیا اور جس شرافت و سمجھداری سے اس اہم کام کو انجام دیا اس کا یہ نتیجہ تھا کہ بلگرام کے سارے مسلمان اُس دور نازک میں چین سے سوتے اور بے خوف آزادی سے گھومتے پھرتے رہے۔ اور وطن کے سندر رؤسا و وکلا اور تعلیم یافتہ نوجوان گرد و نواح کی چھا جانے والی مسموم ہواؤں افواہوں اور خبروں کو فضا بلگرام سے بالا ہی بالا دور کرتے رہے۔ بُرے وقت کی یہ بڑی خوبی ہے کہ وہ جلد ہی گذر بھی جاتا ہے۔ وہ وقت تو گذر گیا لیکن تاریخ بلگرام میں ایک ایسے سنہرے باب کا اضافہ بھی کر گیا جس پر ہماری آئندہ نسلیں ہمیشہ فخر کریں گی اور ہندوستانی قومیں اتحاد و اتفاق کی اس حیرت انگیز مثال سے سدا سبق سیکھتی رہیں گی۔

حصول سوراج کے بعد ہمارے ہندو احباب معاف کریں قصبہ کے خاص مسلمانوں کا اب اتنا ضرور نقصان ہوتا رہتا ہے کہ جن معزز ہنود کی دھرم پتنیوں نے اپنے پوتر شوہروں کے برتن اس جرم میں کبھی الگ کر رکھے تھے کہ وہ چھوت چھات کے قائل ہونے کے باوجود دن رات مسلمٹوں کے پاس گھسے بیٹھے رہتے ہیں اب وہی دھرم پتا جو ہمارے یہاں پہلے پانی پینا درکنار کبھی پان تک نہ کھاتے تھے آزادی کے بعد اپنے بے تکلف مسلمان دوستوں کے دروازوں پر وقت نا وقت پہونچ کر بڑے پریم سے بھابھی، چاچی یا موسی کو پکار کر پوچھتے ہیں کہ آج کیا پکایا ہے۔ اور وہ جو کچھ بھی بتلاتی ہیں چونکہ وہ ان کے لئے ایک نئی چیز ہوا کرتی ہے اس لئے اپنی حکومت کے زعم میں جب تک ہانڈی صاف نہیں کر لیتے دہلیز نہیں چھوڑتے ہیں۔

کاتب الحروف نے اپنے برادران وطن کے قدیم حالات اور خاندانی مکمل شجرے بڑی کوشش سے فراہم کئے ہیں جن کو

قاضی محمد یوسف گازرونی　تاریخ بلگرام کی رہنمائی میں

افسوس ہے کتابت وطباعت اور کاغذ کی بے پناہ گرانی کی وجہ سے مکمل طور پر شامل کتاب نہ کرسکا۔ مجبوراً اپنا یہ قلمی مسودہ بھی دیگر قلمی کتب کے ساتھ مسلم یونیورسٹی لائبریری میں داخل کررہا ہے تاکہ وقت ضرورت ہمارے وطنی بھائی اس سے بھی فائدہ اٹھاسکیں۔ مجھے شرمندگی کے ساتھ اقرار ہے کہ ذیل میں برادران وطن کے خاندانی حالات جو بڑی مشکل سے برسوں میں حاصل کرکے شامل کتاب ہذا کررہا ہوں وہ بلاشبہ ناکافی ہیں، اور بعض تو ممکن ہے بالکل ہی چھوٹ گئے ہوں۔ اس کی کچھ ذمہ داری بعض ہمارے ان موجودہ معزز ہونہار ہنود عزیزان پر بھی ہے جنہوں نے میرے باربار کے استفسارات پر نہ کبھی دھیان دیا اور نہ میرے خطوط کے جوابات ہی سے مجھے سرفراز فرمایا۔ البتہ میں بابو رادھاکشن اگروال بلگرامی چیرمین پبلک سروس کمیشن یوپی کا شکرگزار ہوں جنہوں نے نہ صرف وطن کے معزز اہل ہنود کو اپنے اپنے خاندانی حالات لکھکر مجھے بھیجنے کی لاحاصل ترغیب دی بلکہ خود بلگرام کا مندرجہ ذیل قصہ سنایا، اور اس کو شامل کتاب ہذا کرنے کا مشورہ دیکر ایسے سبق آموز واقعہ کا اضافہ کیا جو ادائے حق دوستی فرض شناسی اور قدیم روایات بلگرام کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے۔

" عرصہ ہوا محلہ کھترانہ میں متصل مکان بابو گلزاری لعل کھتری ایک لالہ جی رہا کرتے تھے وہ تنگی سے پریشان ہوکر نکل کھڑے اور دہلی پہونچے۔ وہاں لالہ جی کے پرانے ساتھی اور بچپن کے دوست ایک میاں جی ساکن محلہ قاضی پورہ دربار شاہی میں کسی بڑے عہدے پر مامور تھے۔ لالہ جی سیدھے اپنے دوست کے گھر پہونچے اور وہیں مقیم ہوئے۔ کچھ عرصہ کے بعد لالہ جی نے واپسی کا ارادہ کیا اور اجازت چاہی تو میاں جی بولے "یار ابھی کہاں جاؤگے کچھ دن تو اور ٹہرو"۔ لالہ جی جب جب واپسی کی اجازت مانگیں تو میاں جی یہی کہہ کر ٹال دیں۔ جب کافی عرصہ گذر گیا تو لالہ جی نے بیوی بچوں کی پریشانی کا خیال کرکے سخت اصرار کیا اور بالآخر واپسی کی اجازت حاصل کرلی۔

چلتے وقت میاں جی نے کچھ خرچہ بھی لالہ جی کو دیا لیکن واجبی اس پر لالہ جی راستہ بھر بڑبڑاتے اور اپنے دوست کو دل ہی دل میں بُرا بھلا کہتے بلگرام واپس آئے جب گھر پہونچے تو وہ اپنے کچے مکان کی جگہ پر پختہ حویلی کھڑی دیکھ کر سناٹے میں آگئے اور سمجھے کہ شاید گھر والے مکان بھی بیچ کر کھاگئے، پھر سوچا وہ بھی کیا کرتے ہم دہلی میں بڑے حلوہ پراٹھا کھاتے رہے یہ لوگ گھر بیچ کر اپنا گزارہ کرتے رہے۔ پھر بھی دروازہ پر کھڑے ہوکر لڑکے کو آواز دی تو دیکھا کہ سرمیتی للائن زیور سے لدی پھندی چھم چھم کرتی آرہی ہیں۔ اب تو لالہ جی بہت سٹپٹائے اور سوچنے لگے یہاں تو کچھ اور ہی رنگ نظر آرہا ہے گھبراکر اور ذرا آنکھیں نکال کر ماجرا پوچھا تو للائن نے کہا کہ تم دہلی سے جو کچھ مجھے بھیجتے رہے اس کو میں نے برباد نہیں کیا۔ فراغت سے کھایا پیا پختہ مکان تعمیر کرایا اور اپنا زیور بنوایا۔ یہ سنکر لالہ جی حقیقت سمجھ گئے اور آنکھوں میں آنسو بھر کر دل میں کہنے لگے کہ افسوس جس سچے دوست کو میں راستہ بھر بُرا بھلا کہتا آیا یہ سب کچھ اسی ہی کی مدد اور سچی رفاقت کا کرشمہ ہے۔ جو میری بالکل لاعلمی میں میرے گھر والوں کو اتنی بھاری رقم ماہوار بھیج کر حق دوستی ادا کرتا رہا۔" (ذہنوں بلگرامی)

برہمن بلگرام کی پرانی تاریخوں کتابوں اور اقوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بلگرام کے معزز اہل ہنود صاحبان کی آمد کا سلسلہ مسلمانوں کے یہاں آنے کے بعد ہی شروع ہوگیا تھا۔ ان میں سب سے پہلے مصر برہمن قنوج سے آکر یہاں آباد ہوئے، جن کا سلسلہ شجرہ میں پنڈت منالال مصر سے شروع ہوتا ہے۔ اوستھی برہمن بھی مسلمانوں کی آمد کے بعد آکر آباد ہوئے۔ دوبے پنڈت کا خاندان ضلع کانپور سے آکر آباد ہوا جن کا شجرہ پنڈت صاحب لعل دوبے سے چلتا ہے خاندان تواری کے بزرگ بہ سلسلہ ملازمت رسول آباد سے آکر بلگرام میں آباد ہوئے اس خاندان کا شجرہ پنڈت بہان لال

پنڈت سیتا رام سے شروع ہوتا ہے۔ خاندان سوکل کبئی سو سال گذرے ملانواں سے آکر یہاں آباد ہوا۔ اس کا سلسلہ پنڈت سیوا لال کے زمانہ سے شجرہ میں دکھلایا گیا ہے۔ خاندان پنڈت گوپال اوپادھیا مسلمانوں کی آمد کے زمانہ میں ضلع ہمیر پور سے آکر متصل اوپر کوٹ جانب مشرق جہاں پر پہلے پولیس چوکی تھی آباد ہوا۔ اس کا شجرہ پنڈت پرمانند سے چلتا ہے۔ پنڈت پرمانند کا پترہ موجود ہے جس میں آپ نے اپنی آمد کا سنہ ۵۰۹ ہجری لکھا ہے۔ اس خاندان کا علم جوتش ہمیشہ سے مشہور رہے۔ خاندان دینا ناتھ دوبے کے مورث اعلیٰ تقریباً ۵ سو سال کا عرصہ گزرا بلگرام کے پروہت ہو کر یہاں آباد ہوئے۔ ان کا سلسلہ پنڈت سرب سکھ دوبے ولد پنڈت نرہی دھر سے شروع ہوتا ہے۔ خاندان پانڈے بھیکم پور کے لوگ منڈرلجہ قنوج سے آکر بلگرام میں آباد ہوئے ان کا سلسلہ پنڈت منگلی پرشاد پانڈے سے شروع ہوتا ہے۔ اگن ہوتری خاندان کا اصلی وطن دریاباد ضلع بارہ بنکی تھا بوجہ رشتہ داری پہلے سانڈی پھر بلگرام میں آکر آباد ہوئے اس خاندان کا شجرہ چھوٹے لال ولد پنڈت تتھا سے چلتا ہے۔ خاندان مارکنڈے کے مورث رام پرشاد دکچیت سانڈی سے بہ سلسلہ تجارت بلگرام آئے اور رفعت گنج میں آباد ہوئے اس خاندان کا شجرہ پنڈت رام پرشاد سے شروع ہوتا ہے۔ خاندان سورج پرشاد پانڈے یہ خاندان بھی بھیکم پور سے آکر بلگرام میں آباد ہوا اس کا شجرہ پنڈت دینا رام سے چلتا ہے۔ خاندان رام نرائن چوبے اس خاندان کے مورث ان موضع دونڈہ کھیرہ سے بھراہی کائستھ صاحبان میفر یا بلگرام میں آکر آباد ہوئے۔ اس خاندان کا شجرہ پنڈت سمانداہان سے چلتا ہے۔ خاندان دیبی پرشاد تواری کے مورث پنڈت سکھ کیہ تواری بلہور سے آکر یہاں آباد ہوئے۔ پھر اس خاندان کی دو شاخیں ہو گئیں، ایک شاخ بلگرام میں آباد ہے۔ دوسری شاخ موضع درگا گنج جاکر آباد ہوئی۔

سوکل برہمن کے مورث پنڈت مرکا تھے ان کی تین شاخیں جو ہیرامن۔ لاکھن اور رہیچے لال صاحبان سے چلتی ہیں شجرہ میں الگ الگ دکھلائی گئیں ہیں۔ خاندان پتولال پروہت سراسوت برہمن یہ خاندان شاہ آباد سے آکر بلگرام میں آباد ہوا یہ لوگ کھتری صاحبان کے پروہت ہیں۔ خاندان گجراتی پنڈت پتو لال بھٹ ان کا شجرہ پنڈت ستھاون لعل سے شروع ہوتا ہے۔ یہ خاندان بھی بلگرام میں تقریباً چار سو برس سے آباد ہے۔ خاندان منا لال تواری یہ خاندان بھی بہ لحاظ تمول نامی گذرا ہے۔ اس کا شجرہ پنڈت منا لال ہی سے شروع ہوتا ہے۔ خاندان پتو لال پانڈے بہ سلسلہ رشتہ داری شاہ آباد سے آکر بلگرام میں آباد ہوا اس خاندان کا شجرہ بھی پنڈت پتو لعل سے شروع ہوتا ہے۔

مذکورہ خاندانوں میں بہت سے بزرگ ذی علم و ذی مرتبہ گذرے جن میں سے صرف چند صاحبان کا بوجہ کمی گنجائش ذیل میں مختصر ذکر کیا جا رہا ہے۔ دیگر قدیم نامور بزرگوں کے اذکار قلمی مسودہ مسلم یونیورسٹی میں مع شجروں کے موجود ہیں۔

پنڈتوں میں پنڈت منا لعل مصر کے لڑکے پنڈت کھیمراج ان کے لڑکے پنڈت دواکر مصر اور ان کے لڑکے پنڈت ہربنس مصر یکے بعد دیگرے زمانہ قدیم میں علوم سنسکرت اور بھاشا کے بڑے عالم اور اپنے وقت کے بہت مشہور شاعر گذرے ہیں۔

علامہ میر عبدالجلیل سید غلام نبی رسلین اور شیخ عنایت اللہ وغیرہ پنڈت ہربنس مصر ہی کے شاگرد تھے۔ ایک بار میر عبدالجلیل نے اپنے استاد پنڈت ہربنس مصر کو ہندی اشعار میں خط لکھکر دہلی بلایا پنڈت جی وہاں پہونچے تو ان کو بادشاہ کے دربار میں پیش کر کے ایک ہزار روپیہ سالانہ کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ اور خوش و خرم وطن واپس کیا۔ پنڈت ہربنس نے اپنے شاگرد جلیل کی تعریف میں ایک ہندی نظم لکھی جس کا یہ شعر بہت مشہور ہے۔

کرشن سدا ماں سے کری جانو وہی دلیل   بنسی کہ ہربنس ہوں کہیں میر جلیل

علامہ عبدالجلیل بلگرامی نے ۱۸ دسمبر ۱۷۲۵ء کو دہلی میں انتقال کیا تو آپ کی لاش حسب وصیت بلگرام لا کر ۱۲ دسمبر ۱۷۲۵ء کو بعد نماز جمعہ باغ محمود میں دفن کی گئی۔ اس وقت پنڈت ہربنس کے والد پنڈت دواکر مصر زندہ تھے انہوں نے میر صاحب کے ماتم میں ایک ہندی کا مرثیہ لکھا جس کا ایک دوہا اتفاق وقت سے میر صاحب کے سنہ وفات کی تاریخ بن گیا۔

نہ ہوا ہے نہ ہوئے گا ایسو کہیں سوشیل　　　جیسو احمد نند جگ ہوئے گو میر جلیل　　　(۱۳۰۰ ہجری)

آپ کے پرپوتے پنڈت دیبی دین مصرؔ بھی ہندی کے بہت مشہور شاعر ہوئے۔ منشی اجودھیا پرشاد کی سفارش پر سرکار لکھنؤ سے آپ کا وظیفہ مقرر ہوا۔ آپ کی تصنیف میں دو کتابیں رکمنی منگل اور بھرگیت بہت مشہور ہیں۔ آخری دور میں پنڈت بھگوان دین ولد پنڈت بھوانی شنکر اس خاندان میں مشہور گذرے ہیں۔ جو پہلے راجہ امیٹھی گڑھ کے یہاں ذمہ دار عہدہ پر مامور تھے پنشن یاب ہو کر بلگرام میں رہے اور وہیں عمر طبعی کو پہونچ کر سورگباش ہوئے۔ پنڈت دوا کر مصر کی دوسری شاخ پنڈت چھب ناتھ سے چلتی ہے جن میں پنڈت شیو غلام ساد ھورام اور کاشی پرشاد اچھے بزرگ گذرے ہیں۔

دوبے پنڈت صاحب لعل کے خاندان میں پنڈت دھومی لعل پنڈت شیو دیال پنڈت رگھبر دیال پنڈت گوردیال پنڈت ہردیال پنڈت کالکا پرشاد پنڈت مولچند پنڈت جگناتھ پنڈت سرجو پرشاد پنڈت نند رام مشہور بزرگ گذرے۔ پنڈت رگھبر دیال امتحان وکالت پاس کر کے تقریباً ۴۰ سال منصفی بلگرام میں شہرت و ناموری کے ساتھ وکالت کرتے رہے۔ پبلک کے کاموں میں بڑی دلچسپی لیتے۔ باہمی اتحاد و اتفاق کے بڑے حامی تھے۔ آپ کے بیٹے پنڈت خوشی رام نہایت نیک اور سنجیدہ بزرگ تھے انٹرنس پاس کر کے اپنی ذاتی جائداد کی دیکھ بھال کرتے رہے اور بلگرام کی جدید سیاست سے ہمیشہ دور رہے آپ نے ۱۹۵۷ء میں انتقال کیا۔

پنڈت سرجو پرشاد ولد پنڈت گوردیال نے بلگرام جوبلی اسکول میں تعلیم پاکر آگرہ میڈیکل کالج سے امتحان پاس کیا اور شہر جھانسی میں پریکٹس شروع کی، وہاں ترقی کر کے اپنا ذاتی میڈیکل ہال قائم کیا اور لاکھوں روپیہ امور خیر میں وہاں صرف کر کے اپنے وطن بلگرام کا نام روشن کیا۔ آج کل آپ کے بھتیجے پنڈت چتر بہاری لال دوبے ولد پنڈت جگناتھ پرشاد دوبے دہلی میں ڈپٹی کمشنر ہیں اور پنڈت مولچند ولد پنڈت ہردیال گورنمنٹ ایڈوکیٹ اور ممبر پارلیمنٹ ہیں۔ اس خاندان کے اور بھی نوجوان اچھے اچھے عہدوں پر آج کل ممتاز ہیں۔ دوبے خاندان کے کچھ لوگ موضع دھوندھی میں بھی آباد ہیں۔

خاندان دیوکی رام اوستھی میں سکھن لعل و مکھن لال مشہور گذرے سکھن لعل نے اپنے مکان کے متصل مندر بنوایا اور پنڈت مکھن لعل نے ایک چاہ پختہ تعمیر کرایا پنڈت گنگا دین نے موسیقی میں کمال حاصل کیا اس خاندان میں اور بھی مشہور لوگ گذرے ہیں۔

خاندان پنڈت گوپال اوپادھیا میں پنڈت پرمانند گھنشیام لال دیبی دت کاشی ناتھ اور پنڈت گوپال ولد پنڈت دیبی دین سنسکرت کے عالم اور علم جوتش کے ماہر گذرے پنڈت گوپال حال ہی میں گذرے ہیں جو تارک الدنیا تھے۔ قصبہ میں آپ کے علم کی بڑی شہرت اور ہندو مسلمانوں میں بڑی عزت تھی۔ آپ نے آخری عمر میں چندہ سے سیتلا دیوی کا مٹھ بنوایا۔ پنڈت گلاب علم جوتش کے بڑے عالم تھے پنڈت گوپال آپ ہی کے شاگرد تھے۔ آپ کو منشی رام سیوک نے موضع گوپالپور میں اور سید وصی حیدر تعلقدار نے موضع اختیارپور میں معافیاں دے رکھی تھیں، پنڈت گوپال کو اپنی علم کا یادگار چھوڑا۔ پنڈت کاشی ناتھ کی ساتویں پشت میں پنڈت سورج پال ولد پنڈت رگھوبر دیال اس وقت بلگرام میں علم سنسکرت و جوتش کے مشہور عالم ہیں آپ کے بھائی پنڈت رام شنکر اسکول میں ماسٹر ہیں پنڈت گلاب کے بیٹے پنڈت رام دیال اور آپ کے لڑکے پنڈت لچھمن دیال پنڈتائی اور علم جوتش میں مشہور ہوئے۔ پنڈت رادھے شیام ولد پنڈت گنیش پرشاد بلگرام میں بہت ہر دلعزیز تھے مسلمانوں سے خصوصی تعلقات رکھتے تھے شادی بیاہ میں ہر مسلمان کے گھر پیش پیش نظر آتے تعزیوں میں پابندی سے شریک ہوتے اور محرم میں ۶ تاریخ کو بڑے اہتمام سے چا کی سبیل کیا کرتے تھے۔ آپ نے ۱۹۵۴ء میں انتقال کیا۔ آپ کے بھائی پنڈت مصری لعل حال ہی میں کلکٹری ہردوئی کے عہدہ محافظ دفتری سے پنشن یاب ہوئے ہیں۔ پنڈت شیام بہاری لعل برادر پنڈت مصری لعل مولف کتاب ہذا کا پرانا دوست اور کلاس فیلو ہے بچپن میں جتنے آپ شریر و تیز تھے اب اتنے ہی نیک و سعید ہیں۔ پنشن یاب ہو کر

سُنا ہے لکھنؤ میں مقیم ہیں۔ آپ زمانہ طالب علمی میں بڑے انداز سے اپنے تمام ساتھیوں کو یہ شعر سُنایا کرتے تھے۔ سه

تمہارے دست نازک کو جو بھی ہم نے پہنچی ہے　　جو پہنچی ہو تو لکھ بھیجو کہ پہنچی ہم کو پہنچی ہے

خاندان دیبی پرشاد تواری کے شجرہ میں پنڈت شیو سہائے ولد پنڈت بال گوبند پنڈت گوکرن پرشاد و پنڈت گرو پرشاد پسر پنڈت دیبی پرشاد مشہور گذرے ہیں۔ پنڈت گرو پرشاد منصفی بلگرام میں وکالت کرتے تھے اپنے پیشہ میں نہایت قابل اور مشہور تھے ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ تھے اور پبلک کے کام میں بڑی دلچسپی لیتے تھے۔ تحصیل بلگرام کے چوراہے پر عالیشان کوٹھی بنائی اور کافی جائداد پیدا کی۔ آپ کے بیٹے پنڈت ہری شنکر تواری ممبر میونسپل بورڈ بلگرام نے تجارت میں کافی فروغ پایا ہے قصبہ میں آپ ہر دلعزیز معزز اور بارسوخ ہیں۔ اتحاد باہمی کے حامی غریبوں کے ہمدرد حکام رس اور نہایت نیک و شریف نوجوان ہیں۔

خاندان سوکل برہمنوں میں پنڈت منسا رام اور پنڈت بیجے لال پنڈت رام سہائے پنڈت دیبی دین مشہور ہوئے جن کی اولاد میں کچھ لوگوں نے بذریعہ تجارت کافی عزت حاصل کی ہے۔

خاندان چوبے میں پیشہ مہاجنی قدیم سے رہا۔ جنہوں نے بلگرام میں عالیشان محل بنوائے اور خیراتی امور میں خوب خرچ کیا ان میں پنڈت اجودھیا پرشاد بھوپال کی ریاست میں فوج کے صوبہ دار تھے۔ اور بلگرام برابر آیا کرتے تھے۔ آپ نے بھوپال ہی میں انتقال کیا۔

کھتری

بلگرام میں (۱) مہروترا (۲) کپور (۳) ٹنڈن (۴) سیٹھ (۵) اور کھنا خاندان کے معزز کھتری صاحبان آباد ہیں۔

ان میں سب سے قدیم خاندان مہروتران کا ہے جو تقریباً ساڑھے چھ سو برس پہلے یہاں آکر آباد ہوا۔ اس خاندان کے مورث اعلیٰ بابو درگا داس نے موضع درگا گنج آباد کیا۔ اور وہاں ایک چاہ پختہ بنایا جو اب تک موجود ہے۔ آپ کے بیٹے سو جامل نے بلگرام میں ایک پختہ حویلی بنائی۔ اس خاندان کے لوگ قنوج سے آکر یہاں آباد ہوئے۔ کھتری صاحبان کی یوپی میں کئی مستند تاریخیں چھپ چکی ہیں۔ جن میں مفصل حالات و اذکار درج ہیں۔

لالہ درگا داس کے پوتے اُجیاون کے پرپوتے لالہ لچھمن نے گو ڈباڑی میں ایک پختہ کنواں بنوایا۔ جو لچھمن کنواں کے نام سے مشہور ہے اور ان کی بی بی نے اپنے نام سے ایک پختہ کنواں رفعت گنج میں تعمیر کرایا جو سہا کنواں کہلاتا ہے۔ اس خاندان میں لالہ پورن مل ولد شیو کشن مانک چند ولد جھنو مل لالہ گردھاری لعل ولد پورن مل لالہ رام آسرے ولد گردھاری لعل بہاری لال ولد رادھا کشن بھیروں پرشاد ولد بہاری لال بابو گور نرائن و جگت نرائن پسران بابو بھیروں پرشاد بابو شیام کشور ولد اجودھیا پرشاد بابو بال گوبند و بابو شیو گوبند وکیل پسران بابو بجے گوبند لالہ گیا پرشاد ولد لالہ بھگوانداس لالہ بلاقی داس ولد لالہ گیا پرشاد رگھبیر سہائے ولد لالہ گنگا سہائے لالہ ہرے نرائن ولد رام بھروسے لالہ گھاسی رام ولد کلیان مل لالہ بنسی گوپال ولد گوری شنکر خاص طور سے قابل الذکر ہیں۔

لالہ مانک چند کی شادی کانپور میں ہوئی۔ ان کی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی اس لئے انہوں نے تقریباً دو لاکھ کی جائداد مانک چند کے لڑکے لالہ مادھو رام کے نام لکھ دی۔ جو اب کانپور ہی میں مستقل قیام پذیر ہیں۔

لالہ گردھاری لعل ولد پورن مل پہلے تعلقہ ارھوورہ کے مختار عام رہے پھر لین دین سے کافی ترقی کی آپ نے کئی باغات لگائے پختہ کنویں بنوائے اور مسافران و مویشیان کے لئے ہمیشہ پیاؤ چلواتے رہے۔ آپ کا ایک ہی لڑکا بابو رام آسرے تھا جو کاتب الحروف کا درجہ چہارم میں کلاس فیلو تھا۔ اس کے بڑے بڑے دانت بڑی بڑی آنکھیں سانولا رنگ بات بات پر مسکرانے کلاس میں ہمیشہ میرے پاس بیٹھنے اور تمام لڑکوں کو ہنسانے کے مناظر اس وقت بھی میری آنکھوں کے سامنے

ایسے گھوم رہے ہیں جیسے وہ ابھی اپنا گٹھر بھربستہ باندھ کر کہیں چلا گیا ہو۔ صد افسوس بلگرام کا یہ ہونہار فرزند ایف اے تک تعلیم حاصل کرکے کانپور میں گنگا نہانے گیا اور ۱۹۱۷ء میں وہیں کا ہو رہا اس غم کی یاد اوری سے مجھے اتنا ہی پیارا اپنا دوسرا عزیز دوست داؤ دیال ولد لالہ مصری لال کھتری یاد آگیا جو اپنی ذہانت و خوبصورتی میں بے مثل تھا اور درجہ پنجم میں میرا ساتھی۔ وہ بھی انٹرنس تک پہونچکر ٹائیفائڈ میں مبتلا ہوا اور ۱۹۱۸ء میں ہمیشہ کے لئے جدا ہوگیا۔ یہ دو بچپن کے میرے دل میں داغ ہیں جب کبھی گنگا کو ریل پر سے یا ناؤ سے پار کرتا ہوں رام اسرے کو دریا کی شفاف لہروں میں دور تک ضرور ڈھونڈھتا ہوں اور جب کبھی عزیزم ڈاکٹر مہیش نرائن کپور کے عالیشان میڈیکل ہال میں پہونچ جاتا ہوں تو دنیا کو بھول کر لالہ مصری لعل کا اب سڑک وہ کمرہ بیٹھا تکا کرتا ہوں جس میں داؤ دیال نے حالت نزع میں اپنی مبین مبین انگلیوں کے اشارے سے مجھے بمشکل آخری سلام کیا تھا۔ غربت نے مجھے مجبور کر دیا ہے ورنہ بلگرام کے ان دو پھولوں کی جو بن کھلے مرجھا گئے بلگرام میں وہ یادگاریں قائم کرتا کہ یہ دونوں میرے مرنے کے بعد بھی ہمیشہ بلگرام میں زندہ رہتے۔

لالہ بھیرون پرشاد ولد لالہ بہاری لعل نے وکالت کا امتحان پاس کرکے بلگرام میں وکالت کی اور نہایت کامیاب وکیل ہوئے قصبہ کے خاص لوگوں سے آپ محنتانہ نہ لیتے تھے۔ ہندو مسلمانوں میں بڑے ہر دلعزیز تھے۔ مولوی عبدالوالی صاحب سے بالکل برادرانہ تعلقات تھے۔ ان کے بیٹے قاضی عزیزالدین احمد بلگرامی کو زمانہ تعلیم میں آپ ماہوار برابر خرچ بھیجتے اور دیر سویر مولوی عبدالوالی سے وصول کرتے رہے۔ ایک بار مولوی عبدالوالی صاحب نے کچھ اچھے آموں کی گٹھلیاں بو دہ کرنے کے لئے اپنی بی بی کے پاس رکھا دیں کئی دن کے بعد مولوی صاحب نے بی بی سے گٹھلیاں مانگیں۔ تو انہوں نے سامنے لاکر رکھ دیں۔ مولوی صاحب نے دیکھ کر کہا کہ میری گٹھلیاں تو بڑے بڑے آموں کی تھیں یہ تو چھوٹی معلوم ہوتی ہیں۔ بی بی نے حل کر جواب دیا کہ باغات میں جو اچھے اور بڑے آم ہوتے ہیں وہ تو تمہارے بھیروں پرشاد اور کالکا پرشاد کھاتے ہیں۔ اس لئے میں نے چھوٹے آموں کی گٹھلیاں قصداً بدل دی ہیں جب بڑے آم ہی نہ ہونگے تو پھر چھوٹے آم گھر میں کھائے جائیں گے۔ آپ نے کافی روپیہ کمایا پختہ مکانات بنوائے۔ جائداد خریدی اور باغات لگائے۔

لالہ گردھاری لعل نے ہیضہ میں مبتلا ہوکر یکایک انتقال کیا ان کی لاش لیکر لالہ بھیروں پرشاد گنگا پر گئے واپسی میں خود مبتلا ہوکر سورگباشی ہوگئے ان دونوں جوانوں کی ناگہانی موت سے شہر میں تھلکہ مچ گیا تھا۔ آپ کے بڑے بیٹے بابو جگت نرائن بزازی کا کام کرتے ہیں اور چھوٹے بھائی بابو گور نرائن صاحب وکیل جو کاتب الحروف کے ابتدائی استاد ہیں ہردوئی میں وکالت کرتے ہیں اور قاضی محمد اعظم علی عرف منو میاں مرحوم کے جگری دوست ہیں۔ بابو شیو گوبند ولد بابو بچے گوبند دیوانی کے ہردوئی میں بہت مشہور وکیل تھے۔ آپ کی بڑی شہرت تھی، تقریباً پچھتر سال سے خاک پاک بلگرام ہی کے قابل افراد ضلع ہردوئی میں چوٹی کے وکیل ہوتے آرہے ہیں۔ ان میں میر امجد علی سید تکبیر حسین بابو منی لعل بابو شیو گوبند تجھے اور آج کل بابو شیاماں چرن بابو اودھیش نرائن اور سلطان احمد صاحب بیرسٹر بلگرامی ہیں۔ بابو شیو گوبند نے مرض سرطان میں مبتلا ہوکر ۱۹۵۶ء میں انتقال کیا اور کئی لاکھ کا اثاثہ چھوڑا۔

لالہ گیا پرشاد ولد لالہ بھگوان داس نے تقریباً سو برس کی عمر پائی۔ آپ کی فیاضی اور دریادلی کے قصے قصبہ میں اب تک مشہور ہیں۔ سمت ۱۹۳۴ اور سمت ۱۹۵۳ میں جب شدید قحط پڑا تو اس وقت آپ کے گودام غلہ سے بھرے تھے جب بلگرام کے غریب لوگ بھوکوں مرنے لگے تو آپ نے سارے گوداموں کا غلہ بلا منافع غریبوں کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ بلگرام میں سوائے منشی اجودھیا پرشاد کے کسی کھتری نے اتنا روپیہ ایمانداری اور سچائی سے پیدا نہیں کیا۔ جتنا لالہ گیا پرشاد نے کمایا خوش نصیبی سے آپ کے لڑکے لالہ بلاقی داس نے بھی لین دین کے ذریعہ بڑی ترقی کی۔ اور سیٹھ کہلائے۔ آپ کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ ضرورتمندوں کی ضروریات کو شنکر تھیلی کا منہ نہ کستے تھے۔ بلکہ ان کی دل کھول کر مدد کرتے تھے۔ اور کم سے کم سود پر قرض دیکر مرہون منت بنا لیا کرتے تھے آپ نے

اپنے بھتیجے لالہ رگھبیر سہائے ولد لالہ گنگا سہائے کو متبنی کر لیا تھا۔ لالہ رگھبیر سہائے کا موضع ہیا دیوہ میں قتل ہوا۔ ان کی واحد لڑکی کی شادی لالہ وشن ناتھ کھنا عرف بچن بابو لکھنوی کے ساتھ ہوئی۔ اور وہی لالہ بلاقی داس کے جائز وارث ہوئے۔ اس قابل اور شریف نوجوان نے اہل بلگرام پر وہ احسان کیا جو تاریخ شاہد ہے کوئی نامور بلگرامی کبھی نہ کر سکا پہلے لالہ رگھبیر سہائے نے خود پھر بچن بابو نے زر کثیر صرف کرکے بلگرام میں بلاقی داس گنگا سہائے اور رگھبیر سہائے کے نام پر ایک انگریزی اسکول کھولا جو آپ کی کوششوں اور موجودہ پرنسپل صاحب کی انتہائی کاوشوں سے بی۔ جی۔ آر کے انٹر کالج ہو گیا ہے۔ اور جلد ڈگری کالج بننے والا ہے۔ اس کالج کے قیام سے وطن کے اور آس پاس کے مواضعات کے بہت سے امیر و غریب بچے تعلیم حاصل کرکے تیزی سے ترقی کر رہے ہیں۔

خاندان کپور کا شجرہ لالہ چین سکھ سے شروع ہوتا ہے۔ آپ عرصہ تین سو سال کا ہوا شاہجہان پور سے آکر بلگرام میں آباد ہوئے تھے اس خاندان میں لالہ سادھو رام لالہ بنسی دھر لالہ اجودھیا پرشاد کاشی پرشاد لالہ منی لعل لالہ بنارسی داس لالہ شنکر پرشاد ولد لالہ منی لال لالہ منسا ناتھ ولد لالہ شیو نرائن لالہ مصری لال لالہ بانکے لعل ولد رامیشور داس لالہ کامتا پرشاد کالکا پرشاد مانک چند بھولا ناتھ لیسران لالہ موہن چند لالہ بھوپے مل لالہ گیا پرشاد لالہ گلزاری لال لالہ ہزاری لال۔ لالہ سرجو پرشاد لالہ گوبردھن داس۔ لالہ جگر پرشاد ۲۔ لالہ رام بھجن وغیرہ مشہور لوگ گذرے ہیں۔

لالہ کاشی پرشاد نے موضع پوسنڈہ میں لب سڑک چاہ پختہ بنوایا۔ لالہ منی لعل ولد لالہ بنسی دھر نے قاضی شریف احمد سے موضع جلالپور میں آراضی خرید کر باغ لگایا اور پختہ کنواں بنوایا جو اب تک آپ ہی کے نام سے مشہور ہے۔ لالہ منسا ناتھ ولد لالہ شیو نرائن نے اپنی عمر کا زیادہ حصّہ اپنے ننہال قصبہ موراواں ضلع اناؤ میں صرف کیا آپ لالہ کیدار ناتھ تعلقدار کے علاقہ کے منیجر تھے۔ آپ کے کوئی اولاد نہ تھی۔ آپ نے بابو سری نرائن کپور عرف پتن بابو موجودہ چیرمین میونسپل بورڈ کو اپنا پسر متبنی بنایا اور اپنی دائمی یادگار میں گنگا کی سڑک پر متصل بلھا باغ مملوکہ مولف کتاب ہذا ایک بہت بڑا باغ قلم انبہ نصب کرکے اس کے سامنے وسیع چبوترہ اور اسی کے متصل بہت بڑا پختہ مسافر خانہ مع چاہ پختہ بنوایا اور اس مسافر خانہ سے بلگرام کے بازار چوراہہ تک ایک میل پختہ لمبی سڑک اپنے ذاتی صرف سے بنوائی۔ نیز تحصیل بلگرام کے چوراہہ پر بھی ایک عالیشان عمارت بنا کر خیراتی امور کے لئے وقف کر دی اس عمارت کے اوپر آپ کی شاندار مورت بھی بنی ہوئی ہے۔ آپ کے پسر متبنی بابو سری نرائن کپور جو نہایت خلیق نیک اور ہنس مکھ نوجوان ہیں قصبہ کے تمام ہندو مسلمانوں میں بیحد ہر دلعزیز ہیں۔ اور ہر شخص کی بیدریغ امداد کرنے پر ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ آپ نے اپنے کاروبار میں اچھی ترقی کی ہے۔ اس وقت آپ کی کئی بسیں ہردوئی روڈ پر چل رہی ہیں۔ آج کل میونسپل بورڈ بلگرام کے بیحد ہر دلعزیز چیرمین آپ ہی ہیں۔

بابو کالکا پرشاد ولد لالہ موہن چند نے بلگرام کے جوبلی اسکول میں تعلیم پاکر وکالت کا امتحان پاس کیا اور بہت کامیاب وکیل ہوئے پہلے بلگرام میں بعد کو ہردوئی میں وکالت کرتے رہے۔ کوئی اولاد نرینہ نہیں چھوڑی۔ آپ کی بیوہ نے اپنے مکان کے قریب لب سڑک ایک ٹھاکر دوارہ و شوالہ بہ صرف کثیر تعمیر کرا دیا ہے جس کی دیکھ بھال میں آپ کے بھتیجے بابو شمبھو ناتھ ولد بابو کامتا پرشاد نے اپنی زندگی وقف کر دی ہے۔ اس وقت بلگرام میں آپ ایک بڑے سنیاسی سمجھے جاتے ہیں۔ آپ بڑے باوضع بزرگ ہیں۔ اب تک عید بقرعید میں برابر مسلمانوں کے گھر ملنے آتے ہیں جس مسجد کو بلگرام میں بنتے دیکھتے ہیں، اس میں گھس جاتے ہیں اور مزدوروں کے ساتھ مل جل کر کام کرنے لگتے ہیں۔ پُرانے بلگرامی رؤسا کے صدہا قصے آپ کو یاد ہیں۔ جب سنانے بیٹھ جاتے ہیں تو سننے والوں کی بھوک پیاس غائب کر دیتے ہیں۔ آج کل اپنے بیٹے تیج نرائن مشہور تاجر شہر فرخ آباد کے پاس زیادہ تر رہتے ہیں۔ بابو کالکا پرشاد کے چھوٹے بھائی

لالہ بھولا ناتھ اچھے زمیندار تھے۔ اور بزازی ولین دین کا کام کرتے تھے۔ کاتب الحروف کے بڑے مہربان چچا تھے۔ اور اپنے سگے بچوں کی طرح شفقت فرماتے تھے۔ آپ کے ایک لائق فرزند بابو رگھونندن پرشاد وکیل قصبہ میں بہت ہر دلعزیز گذرے جنہوں نے عین عالم شباب میں لاولد انتقال کیا۔ آپ کا ذکر میونسپل بورڈ کے چیرمینوں میں آچکا ہے۔ آپ کے بڑے بھائی لالہ شیونندن ہیں جو آجکل قصبہ کے معزز و مشہور رئیس ہیں۔ اور کاتب الحروف کے کھدر جیسے گاڑھے دوست آپ کا ذکر احباب مولف میں مفصل آئے گا۔ لالہ شیونندن کا ایک بچہ جہینشری کالج علی گڑھ میں عرصہ سے لکچرار ہے نہایت قابل اور نیک ہے اور کئی کتابیں تصنیف کر چکا ہے اس کی ذہانت سے امید ہے بہت ترقی کرے گا۔ اس کا نام بدو نندن پرشاد کپور ہے۔ جو ایم اے۔ ایم ایڈ کر چکا ہے۔

لالہ چین سکھ لعل کی چھٹی پشت میں لالہ گلزاری لعل ولد لالہ کاشی پرشاد نہایت با وضع خلیق اور اچھے رئیس گذرے جنہوں نے اچھی زمینداری پیدا کی اور عالیشان محل بنوایا۔ آپ کے لڑکے لالہ ہردے نرائن مثل باپ کے نہایت نیک اور منکسر مزاج تھے۔ آپ کا ایک بچہ بابو جگدیش نرائن وکیل ہے جو بلگرام ہی میں کامیاب وکالت کر رہا ہے نہایت سمجھدار ذہین اور باادب بانصیب ہے۔

لالہ گلزاری لال مرحوم کے دوسرے بڑے ہی قابل چلتے ہوئے بیٹے لالہ دیپ نرائن صاحب میرے پرانے دوست اور بچپن کے ساتھی ہیں ان کے مفصل حالات آپ میرے حلقہ احباب میں پائیں گے ان کے سب بچے ماشاء اللہ بہت نیک وسعید ہیں۔ اپنے باپ کے تمام احباب کی بڑی عزت وخدمت کرتے ہیں۔ ان میں نور چشم مو ہن موہن سلمہ ملازم تحصیل بلگرام خاص طور سے قابل ذکر ہے لالہ دیپ نرائن بڑے مزہ میں کہا کرتے ہیں کہ پہلے تو ہمارے یہاں چوکے میں کڑوا تیل چھوت تھا۔ سارا کھانا گھی میں پکتا تھا اب نئے راج میں خالص گھی چھوت ہے اور تیل پوتر ہے۔

لالہ گیا پرشاد ولد لالہ بھوری مل شاہ آباد سے آکر بلگرام میں آباد ہوئے۔ لین دین کے ذریعہ کافی ترقی کی۔ عالیشان محل بنوایا۔ اور اس کو رئیسانہ سامان سے مرصع کیا موضع نظام پور خریدا اور ایک بہت وسیع آموں کا باغ لگایا۔ آپ کے بیٹے لالہ سرجو پرشاد بھی مثل باپ کے قصبہ میں کافی شہرت وعزت رکھتے تھے۔ آپ علاقہ سید وصی حیدر تعلقدار کے منیجر بھی رہے۔ خاندان لکھنا میں تین گھر بہت مشہور ہوئے۔ مکان منشی اجودھیا پرشاد (۲) مکان لالہ جگل کشور (۳) مکان لالہ گوری پرشاد وشنکر پرشاد اودھ کی شاہی حکومت میں بادشاہ کا تعلق ان تقریباً ۲ سال منشی اجودھیا پرشاد کے تعلق رہا۔ یہ عہدہ وزیر سلطنت کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ آپ نے بلگرام میں ایک عالیشان دو منزلہ کوٹھی اور محلسرا تعمیر کرائی۔ اپنے لڑکے لالہ رام دین کی تقریب بسم اللہ لکھنؤ میں کی اور کئی لاکھ روپیہ صرف کیا۔ آپ نہایت خلیق اور نیک مزاج تھے۔ بلگرام جب تشریف لاتے تو ایک میل دور سے پیدل ہو جاتے۔ اور قصبہ میں ہر امیر و غریب کے گھر تنہا ملنے جاتے کسی نوکر کو ساتھ نہ لے جاتے تھے۔ اسی خاندان کے لالہ دیبی پرشاد نے ایک شوالہ قصبہ میں تعمیر کرایا۔ لالہ گیا پرشاد کے خاندان میں بابو شیام سندر وکیل بلگرام نے قصبہ میں کافی عزت وشہرت حاصل کی ہے۔

خاندان ٹنڈن۔ جو اپنی رشتہ داریوں کی وجہ سے بلگرام آکر آباد ہوا اس کا شجرہ لالہ منگلی رام سے چلتا ہے۔ اس خاندان میں لالہ کرپا رام اپنی ہر دلعزیزی اور نیک بختی کی وجہ سے قصبہ میں کافی مشہور ہوئے۔ آپ خاندان قضاۃ کے پٹنٹ مہاجن تھے جو بلا لکھا پڑھی حسب ضرورت وقت ناوقت لالہ کرپا رام سے روپیہ منگوا لیتے اور آپ فوراً بھجوا دیا کرتے تھے لکھا پڑھی بعد کو ہوتی رہتی۔ اکثر آپ کے پاس زیورات بھی رہن رکھ دیئے جاتے جب کسی تقریب میں مستورات کو فوری ضرورت ہوتی تو وہ چپکے سے لالہ کرپا رام کی بیوی کے پاس آدمی بھیج کر مرہونہ زیور منگوا لیا کرتیں۔ اور تقریب سے فراغت پاکر واپس بھجوا دیا کرتی تھیں۔ آجکل آپ کے بیٹے لالہ شیولال کپڑے کی تجارت کامیابی کے ساتھ کر رہے ہیں۔

بلگرام کے مشہور کھتری صاحبان کے حالات میں لالہ کشن نرائن کپور کے خاندان کا بھی مفصل حال معلوم نہ ہو سکنے کی وجہ شامل نہ ہو سکا۔ حالانکہ فی زمانہ یہ خاندان بھی قصبہ میں نہایت عروج پر ہے۔ اور اس وقت کھتریوں میں سب سے زیادہ دولت مند مشہور ہے۔ آپ کے مختلف کاروبار چل رہے ہیں اور سب بچے اپنے اپنے روزگاروں میں ترقی کر رہے ہیں۔ آپ کے بیٹے ڈاکٹر مہیش نرائن کپور ایم بی بی ایس (جس کا ترجمہ آپ ہی کے ایک معصوم بچہ نے میاں بی بی۔ بچے سمیت کیا ہے) بڑی کامیابی سے پرائیویٹ پریکٹس بلگرام میں کر رہے ہیں۔ اپنے اخلاق توجہ اور قابلیت کی وجہ سے نہایت کامیاب اور قصبہ میں مشہور ڈاکٹر ہیں۔ آپ کے بچے بھی اونچے درجوں میں زیر تعلیم ہیں جو بہت ہونہار و سعید ہیں۔

اسی طرح لالہ شیاما دیال کے اس وقت کئی بچے اعلیٰ عہدوں پر ممتاز ہیں اور باعث فخر بلگرام ہیں۔

کائستھ صاحبان

سریواستو کائستھان کا معزز خاندان بعد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ شاہی بلگرام میں آکر آباد ہوا اور اسی زمانہ میں لالہ دیبی دیال بہ عہدۂ قانون گوئی پرگنہ بلگرام مامور ہوئے۔ آپ کے نائب لالہ صاحب دین بعد میں قانون گو بلگرام ہوئے۔ موضع گکرہ کھیرہ مدد معاش کے لئے بادشاہ نے عطا کیا۔ اس خاندان کا شجرہ لالہ دیبی دین ولد لالہ پرم سکھ سے چلتا ہے۔ اس میں مندرجہ ذیل نامور ہستیاں گذری ہیں۔

لالہ صاحب دین ولد لالہ پرم سکھ منشی گیا پرشاد پسر لالہ گنیش رائے۔ لالہ گجادھر پرشاد گوربخش رائے لالہ پیارے لال لالہ شیام سندر لالہ جواہر لال لالہ شیوچرن لال لالہ بینی پرشاد گجادھر پرشاد ولد لالہ بینی پرشاد لالہ شمشیر بخش۔ لالہ صاحب دین آپ نہایت خلیق بزرگ تھے تمام ہندو مسلمان رؤسا قصبہ آپ کی عزت کیا کرتے تھے۔ سرکار انگریزی سے پنشنیاب ہو کر ۸۰ سال کی عمر پاکر بلگرام میں انتقال کیا۔ لالہ پیارے لال پوتے لالہ صاحب دین صاحب نے بلگرام میں فارسی تعلیم حاصل کر کے ریاست کشیاری میں مختار عام ہوئے۔ اپنی زندگی کے ایام بڑی عیش و عشرت اور شان سے گذارے نہایت شوقین طبع احباب پرور اور خلیق تھے۔ آخری عمر میں تارک الدنیا ہو گئے تھے۔ اور دن رات عبادت الٰہی میں مشغول رہتے تھے سنہ ۱۹۵۲ء میں اپنے بیٹے بابو ادھیش نرائن بلگرامی وکیل کے پاس ہردوئی میں انتقال کیا اس وقت آپ کے پسر مذکور ہردوئی میں نہایت مشہور وکیل ہیں اور اپنے والد کے نقش قدم پر چل کر تمام بلگرامیوں کا کام بلا محنتانہ طے کئے بڑی دلچسپی اور مستعدی سے انجام دیتے ہیں۔ کام کی زیادتی کی وجہ سے جب صبح کو دفتر میں آکر اپنی میز پر تاریخی مسلوں کا ڈھیر دیکھتے ہیں تو سب سے پہلے اپنے ہیڈ محرر منشی نیاز احمد کو بلا کر خفا ہوتے ہیں کہ تم اس قدر زائد مقدمات بلا دریافت کیوں لے لیتے ہو۔ آج کل دو وکلا آپ کی اسسٹنٹی میں کام کر رہے ہیں۔ پھر بھی آپ کو کام کرتے رات کے بارہ بج جاتے ہیں۔ لالہ پیارے لعل مختار کے چھوٹے بھائی لالہ شیام سندر عدالت ججی ہردوئی میں مختلف عہدوں پر مامور رہے پنشن یاب ہو کر اپنے بھائی کے ساتھ عبادت میں مشغول ہوئے۔ آپ کے بیٹے نے عدالت ججی ہردوئی میں ملازم رہ کر حال ہی میں پنشن حاصل کی ہے۔ لالہ جواہر لعل ہردوئی میں مشہور وکیل ہوئے۔ اور لالہ شیوچرن عرصہ دراز تک تحصیلدار رہے۔

- سریواستو دوسرے میں خاندان لالہ صاحبان میفریا وال خاندان لالہ بتولال خاندان لالہ بخشی رام خاندان لالہ بساون لال خاندان لالہ رام پرشاد خاندان کائستھ صاحبان محلہ سلہڑہ و ملکنڈھ ان خاندانوں میں نیز بلگرام کے بعض دیگر کائستھ خاندانوں میں مندرجہ ذیل ہستیاں قابل الذکر گذری ہیں۔

بہت قدیم خاندان میفریا وال کے مورث اعلیٰ لالہ بھیکم رائے رنجیت پوروہ ضلع اناؤ سے بلگرام آکر موضع میفریا

میں جو انھیں شاہی سے مدد معاش کے لئے ملا تھا آباد ہوئے اور اسی موضع کے نام کی مناسبت سے میفر یا وال مشہور ہوئے۔ منشی بساون لال منشی لال جی اور لالہ مہتاب رائے پرگنہ بلگرام کے تازیست قانون گو رہے اور لالہ رامیشور داس کو چار سو بیگہ پختہ اراضی سرکار سے عطا ہوئی اس میں ایک موضع آباد کر کے آپ نے رامپور نام رکھا اور دس ہزار روپیہ سے اسی موضع میں لالہ رامیشور پرشاد نے مندر بنوایا۔ آپ کے بیٹے لالہ جانکی پرشاد لاولد رہے ان کی یادگار میں ایک شوالہ باقی ہے جو آپ نے گوبردھنی کے نام پر بہ صرف سات ہزار روپیہ قنوج کی سڑک پر تعمیر کرایا۔ لالہ گنگا دیال ولد لالہ مہتاب رائے بہ عہد نواب غازی الدین حیدر افواج شاہ اودھ کے بخشی مقرر ہوئے آپ کے بیٹے لالہ تلشی رام بھی بخشی رہے۔ آپ نے موضع خواجہ پور خرید کر کے متصل رفعت گنج ایک مندر و چاہ پختہ بہ صرف سترہ ہزار روپیہ تعمیر کرایا۔ قصبہ میں آپ بہت ہر دلعزیز تھے۔ لالہ نندا پرشاد رئیس محلہ ملکنیٹہ ۱۸۷۵ء میں فوج میں ملازم ہو کر کابل اور قندہار کی لڑائی میں شریک ہوئے اور ۱۸۷۷ء میں کوہاٹ کی جنگ میں بھی شریک تھے۔ ۱۸۸۹ء میں فوجی ملازمت ترک کر کے انسپکٹر پولس ہوئے اور ۱۸۹۲ء میں ملازمت سے سبکدوش ہو کر بلگرام میں رہے۔ آپ بہت باوضع خلیق اور شریف بزرگ تھے لالہ جانکی پرشاد ولد لالہ رامیشور پرشاد کی تمام جائداد آپ کو وراثت میں ملی۔ آخری عمر میں آپ کو مقدمہ بازی کا شوق پیدا ہوگیا تھا جس میں آپ نے ہزاروں روپیہ صرف کیا۔ آپ کے خلف الرشید بابو شنکر سہائے وکیل شاگرد رشید منشی احمد بلگرامی ایل ایل بی پاس کر کے حیدر آباد میں منصف ہوئے بعد کو بلگرام میں پریکٹس شروع کی آپ کہنہ مشق شاعر ہیں اور فی زمانہ اردو فارسی کی شاعری میں مشہور ہیں۔ نہایت سنجیدہ سمجھدار اور ذی علم بزرگ ہیں۔ قصبہ میں قدیم اخلاق و آداب کے آپ زندہ نمونہ ہیں۔ آپ کے بیٹے ڈاکٹر لکشمی پت سہائے آپ ہی کے نقش قدم پر چل کر بلگرام میں بہت ہر دلعزیز ہیں۔ آپ خود بھی اچھے شاعر ہیں اور آپ کی توجہ سے وطن میں شعر و سخن کی مجالس گرم رہتیں اور برابر مشاعرے ہوتے رہتے ہیں۔ آج کل آپ میونسپل بورڈ بلگرام کے ممبر بھی ہیں۔

لالہ گوبردھن داس ولد لالہ اجیت مل کو بہ عہد شاہجہاں عہدۂ قانون گوئی کے ساتھ چک حسن پور و سلیم پور معافی میں دئے گئے جس کی ۳۰ نومبر ۱۸۶۱ء میں انگریزی سرکار سے تصدیق ہوگئی۔ منشی کشن دیال ولد رام دیال مہاراجہ بلرام پور کی سرکار میں اعلیٰ عہدوں پر ممتاز رہے۔ لالہ سلیم بھگوان دیال کے صاحبزادہ منشی مادھو دیال بھی بلرام پور راج میں افسر توشہ خانہ بمشاہرہ دو صد روپیہ ماہوار رہے۔

لالہ سرجو دیال ولد لالہ بھگوان دیال نہایت خلیق اور عبادت گذار بزرگ تھے۔ کیدار ناتھ راج بہادر و بیتو لال پسران لالہ تلسی رام بھی اچھے اور باوضع لوگوں میں ہوئے لالہ چھدا لال کا بھی رؤسا قصبہ میں شمار تھا۔ آپ نے بلگرام میں کئی محلات بنوائے جو سب برباد ہوگئے۔ قصبہ میں افسوس ہے سکسینہ اور کھرے کائستھ خاندانوں کے افراد باقی نہیں رہے۔ خاندان لالہ پیم راج میں لالہ ہولاس رائے کو نواب آصف الدولہ کی سرکار سے عہدہ قانون گوئی عطا ہوا۔ ۱۱۹۹ء فصلی میں بہ سلسلہ وصولیابی مالگذاری پرگنہ بنگر گئے وہاں موضع رسولی پرگنہ بنگر کے رہنے والوں نے آپ کو قتل کر دیا۔ اس جرم میں شاہی فوج نے اس موضع کو جلا کر خاک کر دیا۔ لالہ منسا رام بہت ذہین اور ذی علم و قابل تھے۔ ۱۸۸۲ء میں ضلع اوناؤ سے عہدۂ سررشتہ داری سے پنشن یاب ہوئے۔ لالہ امراؤ سنگھ ولد لالہ ہولاس رائے نہایت قابل اور خوش پوش تھے۔ آپ کی خوشخطی دیکھ کر کلکٹر مرادآباد نے آپ کو چندوسی تحصیل کا تحصیلدار مقرر کیا۔ آپ نے عین عالم شباب میں بماہ جون ۱۸۱۶ء انتقال کیا۔

لالہ منو لال کو قدرت نے ذہن لطیف اور طبیعت رسا عطا فرمائی تھی آپ سید ابن حسن خاں اور سید تراب علی کے شاگرد تھے پہلے سرکار بلگرام میں اخبار نویس مقرر ہوئے بعہد ۱۸۶۰ء میں بلگرام کے سب رجسٹرار ۱۸۷۰ء میں مستعفی ہو کر خانہ نشین ہوگئے۔ قصبہ کے تمام

شرفاء آپ کی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ آپ اس درجہ سلیقہ مند تھے کہ جب مسلمان روسار بلگرام کے گھر کوئی نام و نمود کی تقریب ہوتی تو اس کا انتظام آپ ہی کے سپرد ہوا کرتا تھا۔ لالہ درگا دیال ولد لالہ منو لال مولوی غلام حیدر بلگرامی کے شاگرد تھے آپ نے انگریزی میں اخلاق باری تصنیف کرکے نعمت غیر مترقبہ نام رکھا اور ۱۸۸۱ء میں لاہور سے چھپوا کر شائع کرائی۔

خاندان لالہ رام پرشاد کے مورثان ضلع سلطان پور سے بہ عہد واجد علی شاہ بلگرام آکر آباد ہوئے۔ آپ قصبہ میں نہایت ذی عزت اور ہر دلعزیز تھے۔ سید محمد اشرف تعلقدار کے دیوان ریاست مقرر ہوئے۔ تو آپ ہی کے محلہ کاسو پیٹ میں اپنا مکان تعمیر کرایا۔ آپ کے پانچ لڑکے اور کئی لڑکیاں تھیں جن میں لالہ منی لال ضلع سلطان پور میں انسپکٹر مدارس ہوئے اور لالہ انی لال سیتاپور ہائی اسکول میں ماسٹر تھے سب سے چھوٹے بیٹے بابو کامتا پرشاد نے کافی تعلیم حاصل کی۔ آپ پہلے منصرم پھر تحصیلدار اور بعد کو عہدہ ڈپٹی کلکٹری سے ریٹائر ہو کر بلگرام میں رہے۔ ڈپٹی کمشنر ہردوئی نے لاکھ چاہا کہ آپ قصبہ کی مجسٹریٹی قبول کرلیں لیکن آپ نے ہمیشہ جواب دیا کہ عمر بھر فیصلے لکھنے کے بعد اب مجھے اپنے اہل وطن کی خدمت کرنا ہے نہ کہ ان پر حکومت۔ آپ کے بیٹے بابو رجنی کانت نے الہ آباد یونیورسٹی سے انگلش لٹریچر میں فرسٹ کلاس ایم اے کرکے ایل ایل بی کیا اور منصفی بلگرام میں شان سے وکالت شروع کی۔ منصفی کے ٹوٹ جانے پر آپ تو بلگرام ہی میں رہے لیکن آپ کا پیشہ وکالت ہردوئی منتقل ہو گیا۔ چنانچہ آپ برسوں مقدمات کی پیروی میں روزانہ صبح کو لاری سے ہردوئی جاتے اور شام کو پہلے موٹر سے واپس بلگرام آتے رہے۔ آپ کی قانون دانی ذہانت اور سوجھ بوجھ کے وطن بکثرت قصے مشہور ہیں۔ ضلع ہردوئی کی بار ایسوسی ایشن کے قابل ترین وکلا حیرت کے ساتھ اپنے لائق ساتھی بابو رجنی کانت پر فخر کرتے ہوئے بالاتفاق اقرار کرتے ہیں کہ ان میں کوئی بھی بابو رجنی کانت کی طرح منٹوں میں مقدمہ کی تیاری نہیں کرسکتا۔ ان کا کہنا ہے کہ رجنی کانت راستہ چلتے تو وارد موکل کے ہاتھ سے پہلی بار مسل لیکر کمرہ عدالت تک پہونچتے پہونچتے چند منٹ میں کاغذات الٹ پلٹ کر وہ تیاری کر لیتے ہیں جیسے ان کا ہفتوں پہلے کا دیکھا بھالا اور سوچا سمجھا پرانا کیس ہو۔

اس موقع پر ایک غیر بلگرامی معزز ہستی کا ذکر بھی ضروری ہے جو بابو رجنی کانت کے مکان میں مقیم ہے اور مسلسل ۲۵ سال سے بلگرام میں رہ کر اپنی پریکٹس کے ذریعہ اہل بلگرام کی خدمت انجام دے رہی ہے۔ یہ مشہور ہستی ڈاکٹر کے۔ ایل گپتا صاحب کی ہے جن کے ایثار و امداد کا وطن میں عام چرچا ہے۔ اور آپ کی سیاسی سماجی اور اخلاقی خدمات سے اہل وطن کو بہت فائدہ پہونچا ہے۔

خاندان لالہ لبا دن لال یہ خاندان قنوج سے آکر بلگرام میں بہ عہد نواب شجاع الدولہ آباد ہو کر عہدۂ چودھرائت قانون گوئی پر مامور ہوا۔ اس خاندان میں لالہ ٹوڈرمل ولد مہانند درگا پرشاد ولد ٹوڈرمل لالہ لبا دن لال ولد بال کرشن لالہ سادھن لال لالہ بہاری لال ولد لالہ موہنچند اور لالہ پیارے لال ولد جھبیہ لال اچھے لوگ گذرے ہیں۔ لالہ پیارے لال عرائض نویس عدالتی کام میں بہت ہوشیار اور اپنے فن میں باکمال تھے۔ اردو زبان پر آپ کو پورا عبور تھا۔ اس لئے دستاویزات میں الفاظ کی بندش سے اپنے مفہوم کو خوب سمو دیا کرتے تھے۔ آپ تقریباً پچاس سال اس خدمت کو تحصیل بلگرام میں انجام دیتے رہے۔ آپ نے سابق عمارت منصفی کے قریب لب سڑک ایک پختہ چاہ بنوایا جو آپ کی یادگار ہے۔

دیگر معزز کائستھان میں لالہ ہودی لال ولد پرشادی لال لالہ رام چرن ولد لالہ چنی لال پسران پرشادی لال لالہ چندن لال ولد لالہ گوربخش لالہ لالتا پرشاد ولد لالہ موہنچند لالہ بھوانی پرشاد لالہ گنیش رائے لالہ موہنچند لالہ درگا پرشاد پسران لالہ جواہر لال۔ پرانے بزرگوں میں بہت مشہور گزرے۔ خاندان لالہ نوازی لال میں ہلاس رائے اور تیج رائے شاہی اودھ میں بمقام بلگرام کوتوال رہے۔ لالہ بخشی رام قصبہ سانڈی میں ایک برہمن کا خون ناحق ہو جانے کی وجہ سے بلگرام آکر آباد ہوئے۔ آپ کی اولاد میں

لالہ پربھو دیال اور آپ کے بیٹے راج بہادر شمبھو دیال اور سالک رام قابل ذکر ہیں۔ لالہ نوازی لال کے خاندان میں لالہ شنکر دیال معزز بزرگ گذرے۔ آپ ۱۸۶۸ء تک سید محمد اشرف تعلقدار کی عدالت میں ملازم رہے بعد ۱۸۷۰ء میں آپ لالہ گھاسی رام وکیل کے فرخ آباد میں محرر ہوئے وہاں آپ نے کافی روپیہ پیدا کرکے ڈہائی بسوہ موضع لکرا کھیرا میں اور ڈھائی بسوہ موضع لال پور کنھری میں خریدے آپ کے دو لڑکے بابو منی لال اور بابو تربینی سہائے موجود ہیں۔ اول الذکر بلگرام میں رہتے ہیں اور آخر الذکر دفتر ڈسٹرکٹ بورڈ ہردوئی میں ملازم ہیں۔

کائستھ صاحبان محلہ سلہڑہ سری باستو دوسرے۔ اس خاندان کے مورث اعلیٰ لالہ کملاپت زمانہ قدیم میں موضع صدر پور میں جو متصل بلگرام ہے آکر آباد ہوئے اور کام پٹوارگیری آپ کے تعلق ہوا۔ اس زمانہ سے اب تک اس خاندان کے لوگ اسی کام پر فائز ہیں اس خاندان میں لالہ کملاپت لالہ گوبرے لال لالہ گلاب رائے لالہ ہیرامن لالہ چھیدا لال لالہ مولچند لالہ بنواری لال لالہ درگا پرشاد کاشی پرشاد لالہ گوبند پرشاد لالہ پرمانند لالہ گردھاری لال لالہ کالکا پرشاد بینی پرشاد گنگا رام راجہ رام جو کھے لال روشن لال کندن لال گوری شنکر گوربخش سبا لال صاحبان نہایت قابل سمجھدار اور اپنے کام میں ہوشیار گذرے ہیں جن کے مفصل حالات معہ مکمل شجروں کے اس قلمی مسودہ میں موجود ہیں جو مؤلف نے مسلم یونیورسٹی میں داخل کر دیا ہے۔

لالہ گردھاری ولد پرمانند قصبہ میں بہت معزز تھے۔ اردو فارسی میں اچھی قابلیت رکھتے تھے۔ تعزیہ داری بڑے شوق سے کرتے تھے۔ خود مرثیہ بھی پڑھتے تھے۔ ایک امام باڑہ بھی آپ نے تعمیر کرایا تھا۔ آپ کورٹ آف وارڈس میں ملازم تھے۔ ایک مرتبہ سربراہ کار نے کچھ سخت کلامی کی تو اس باحیا اور باوقار بزرگ نے دریا میں غرق ہو کر جان دینا پسند کیا اور ذلت کی زندگی کو گوارا نہ کیا۔

لالہ لالتا پرشاد پٹواری نے کافی عمر پائی ساری زندگی قصبہ بلگرام کے پٹواری رہے۔ اور اپنے فرائض متعلقہ خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔ بعد کو لالہ نرائن پرشاد بھی کچھ عرصہ بلگرام کے پٹواری رہے۔ آپ سے بھی پبلک خوش رہی آپ کے لڑکے بہت لائق اور نیک ہیں اور تحصیل بلگرام میں ملازم ہیں۔ لالہ بنواری لال ولد لالہ مولچند حلقہ محمود نگر مملوکہ قاضی صاحبان بلگرام کے پٹواری رہے۔ اور اپنے فرائض متعلقہ دیانت و ہمدردی سے مسلسل ۴۵ سال تک انجام دیتے رہے جس کی وجہ سے قاضی صاحبان مرحوم کے اب تک شکر گزار ہیں۔ آپ کا ایک لڑکا لالہ رام سروپ ہے جو طبیعت کا بہت نیک و شریف ہے آج کل پبلک سروس لکھنؤ میں ملازم ہے۔ لچھمن پرشاد پٹواری ولد بنارسی لال قصبہ میں ہر دلعزیز ہیں۔

سری چرن سنگھ ریونیو منسٹر اُترپردیش کی مخالفانہ پالیسی کی وجہ سے جب یوپی میں ہزاروں پٹواری اپنی جگہوں سے برطرف کئے گئے تو بلگرام کے اس مشہور خاندان کے افراد بھی کافی تعداد میں ملازمت سے محروم ہو گئے جو بوجہ بیکاری بمشکل ایام گذاری کر رہے ہیں پھر بھی اسی خاندان کے کچھ نوجوان تحصیل بلگرام میں پٹواری ہیں جو اپنے بزرگوں کی طرح نیک و شریف ہیں جن کی صورتیں میری آنکھوں کے سامنے ہیں لیکن افسوس مجھے ان کے نام یاد نہیں ہیں یہ نوجوان آج بھی شرفا و رؤساء سابق کا حسب دستور قدیم زمینداریاں ختم ہونے کے باوجود پورا لحاظ و خیال کرتے ہیں۔ اور اپنی لیاقت و شرافت سے ان کا کام بڑی دلچسپی اور خوشگواری سے بلا تاخیر انجام دیتے ہیں۔

رائے صاحبان (بھاٹ) زمانہ قدیم سے بلگرام میں عزت و وقار کے ساتھ آباد ہیں۔ ان کی شاعرانہ نازک خیالیاں بادشاہوں کے درباروں اور رؤساء بلگرام کی محفلوں میں ہمیشہ ایک نیا لطف پیدا کرکے داد پاتی رہیں۔ یہ لوگ عید بقرعید ہولی دیوالی رؤساء بلگرام

کے گھر چل کر ایک ساتھ جاتے اور اپنا کلام دکھا کر انعام و اکرام پایا کرتے تھے۔ بعض رائے صاحبان کے حالات بلگرام کی تاریخوں میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ رام لیلا گراؤنڈ کے متصل لب سڑک ایک نہایت وسیع پختہ تالاب انہیں کا بنوایا ہوا موجود ہے۔ انقلاب زمانہ سے اس خاندان کے جو لوگ موجود ہیں وہ بھی اس فن سے محروم ہو کر دوسرے کاموں میں لگ گئے ہیں۔

اگروال۔ اس خاندان کے آباؤ اجداد کوڑا جہاں آباد ضلع فتح پور ہسوہ کے قدیم معزز باشندے اور وہاں کے پرانے رئیس تھے کوڑا جہاں آباد میں آپ لوگوں کی اب تک عالیشان حویلیاں موجود ہیں۔ جن میں ایک چومنزلہ مکان کیسو گڈھی کے نام سے موسوم ہے اس خاندان میں لالہ فتح چند بہت نامی گرامی گذرے ان کے وطن میں رند ندی پر کئی بار پختہ پل بنایا گیا۔ لیکن ہر بار جب پانی بڑھتا تو پل ٹوٹ جایا کرتا تھا۔ بالآخر لالہ فتح چند نے یہ کہکر کہ "یا تو رند ندی نہیں یا پھر فتح چند ہی نہیں" پل بنوانے کا تہیہ کر لیا اور اپنے ارادوں میں کامیاب ہوئے آپ نے جا بجا بہت سے مندر بنوائے پیاؤ چلوائے اور بہت سے نیک کام کئے شاہانہ مغلیہ کے آپ کے نام کئی فرمان موجود تھے جو ۱۸۹۶ء کی بلگرام میں آتش زنی کی نذر ہو گئے۔

اس خاندان کے ایک بزرگ بابو گوپی چرن اگروال کو غدر سے کچھ پہلے مجبوراً اپنے ننہال قنوج آنا پڑا وہاں سے منشی دھونکل پرشاد کائستھ تحصیلدار ملانواں کے ہمراہ ملانواں آکر تجارت شروع کی۔ دوران غدر ۱۸۵۷ء آپ ملانواں ہی میں مقیم تھے جب تحصیل لٹ گئی تو پھر آپ ٹھاکر نرپت سنگھ کے مہمان ہوئے غدر کے بعد بلگرام میں تحصیل قائم ہوئی تو آپ تحصیل بلگرام میں تحویلدار مقرر ہوئے۔ اور یہیں مستقل آباد ہو گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد اپنے چھوٹے بھائی بابو بھگوان داس کو بھی بلگرام بلا لیا اور ان کو تحویلداری کی جگہ دلوا کر خود لین دین کرنے لگے۔ اور تھوڑے عرصہ میں کافی مشہور ہو گئے۔ آپ کے تین بیٹے بابو گیا پرشاد بابو بینی مادھو اور بابو بلدیو پرشاد ہیں۔ جن میں بابو بینی مادھو سورگباش ہو چکے ہیں۔ بابو بینی مادھو کے چار بیٹے ہیں۔ بابو شیام کرشن انجنیئر اور بابو بلرام کرشن سرکاری عمارت کی تعمیرات کے مشہور ٹھیکہ دار ہیں۔ بابو متھرا پرشاد خاندانی زمینداری کی گھر پر دیکھ بھال کرتے ہیں نہایت سچے صاف گو مہذب اور با اخلاق ہیں۔ حق بات کہنے میں کبھی دریغ نہیں کرتے ہیں۔ اپنے تجارتی کاروبار میں کافی ترقی کر رہے ہیں۔ بابو رادھا کرشن اگروال آج کل پبلک سروس کمیشن یوپی کے چیرمین ہیں۔ وطن کی ترقی کا بیحد خیال رکھتے ہیں۔ اپنی لیاقت شرافت اور قومی خدمات کی وجہ سے عوام میں بہت مشہور اور ہر دلعزیز ہیں۔

بابو بلدیو پرشاد صاحب نے جوبلی اسکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کر کے وکالت کا امتحان پاس کیا۔ اور بلگرام میں پریکٹس شروع کی۔ آپ بلگرام میں آنریری مجسٹریٹ اور چیرمین نوٹیفائڈ ایریا بھی رہے۔ آپ کے زمانہ چیرمینی میں قصبہ کی خاص سڑکیں پہلی بار پختہ بنائی گئیں۔ اور بہت سے مفید کام انجام پائے آپ پرانے خیال کے بزرگ ہیں۔ اور قصبہ میں کافی شہرت و عزت رکھتے ہیں۔

بابو گیا پرشاد صاحب بھی بفضلہ بقید حیات ہیں۔ آپ نہایت سمجھدار خلیق اور شریف بزرگ ہیں۔ آپ کا زیادہ وقت عبادت میں گذرتا ہے۔ آپ کے لائق بیٹے بابو ہریش چند صاحب اگروال ایل ایل بی وکیل و سابق چیرمین میونسپل بورڈ اس وقت بلگرام کے ممتاز وکلا میں شمار ہوتے ہیں۔ اپنے کام میں نہایت قابل مشہور ہیں۔ تحصیل بلگرام میں وکیل سرکاری کے فرائض بھی آپ ہی انجام دیتے ہیں۔ آپ نے وطن میں عالیشان سہ منزلہ کوٹھی بنوائی ہے اور حال ہی میں قنوج کی سڑک پر ایک بہت بڑا شاندار آموں کا باغ لگایا ہے۔ آپ کا اخلاق بہت وسیع ہے۔ بلگرام کے پرانے رئیسوں اور معزز شریفوں میں جو بھی مجبور ہو کر آپ کے پاس چلا جاتا ہے اس کی آپ بڑے شوق سے قانونی مدد کرتے ہیں۔ ہر شخص کا علی قدر مراتب

آپ بہت خیال رکھتے ہیں اس لئے قصبہ میں کافی باعزت اور ہر دلعزیز ہیں۔ آپ کے پانچ بیٹے ہیں جو نہایت نیک و شریف اور ملنسار ہیں آپ کے بڑے بیٹے بابو گرلش چندر بی۔اے کا بلگرام میں انگریزی، یونانی اور ویدک ادویہ کا میڈیکل ہال ہے۔ دوسرے بیٹے بابو جگدیش چندر بڑودہ اسٹیٹ میں مائنس انجنیر ہیں جو اسٹیٹ میں نہایت قابل اور ہونہار انجنیر سمجھے جاتے ہیں۔ باقی بچے یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہیں۔

بابو بنارسی داس ولد بابو بھگوانداس نے جوبلی اسکول بلگرام میں تعلیم حاصل کرکے وکالت کا امتحان پاس کیا اور عمر بھر منصفی تحصیل بلگرام میں وکالت کرتے رہے۔ آپ نے بھی کافی زمینداری خریدی۔ اور قصبہ کا ایک مشہور عالیشان پختہ محل مملوکہ مولوی حامد حسین عرف مدے[1] میاں خلف الصدق مولانا عبد الرحیم صاحب مرحوم ابن مولانا فضل الرحمٰن شاہ صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۱۴ء میں بذریعہ لین دین حاصل کرکے اس میں رہائش اختیار کی آپ نے ۷۰ سال کی عمر میں ۲۴ اپریل ۱۹۵۱ء کو انتقال کیا۔ اور پسماندگان میں صرف ایک لڑکی ہے جس کے شوہر بابو اودھ بہاری وکیل ساکن بانس بریلی آپ کی املاک کے تنہا وارث ہیں۔

بابو بنارسی داس کے بھائی بابو پراگ داس ولد بابو بھگوانداس نہایت دوراندیش سمجھدار اور ملنسار بزرگ ہیں آپ کے ۴ بیٹے ہیں بابو رادھے شیام خاندانی جائداد کی دیکھ بھال بلگرام میں کرتے ہیں۔ بابو گنج بہاری اگروال ہردوئی میں وکالت کرتے ہیں۔ ڈاکٹر موہن کرشن اسسٹنٹ سرجن گورنمنٹ سروس میں ہیں۔ اور بابو بلیش چندر ایم اے آج کل ضلع میرٹھ میں لیبر ویلفیر آفیسر ہیں۔

بابو رادھا کشن چیرمین یو پی پبلک سروس کمیشن کے ابھی تک صرف دو بچے ہیں بابو سریندر کمار لکھنؤ یونیورسٹی میں لکچرر ہیں اور بابو دیویندر کمار سوئٹزرلینڈ و جرمنی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں لیکر حال ہی میں واپس آئے ہیں۔ اس خاندان کے موجودہ بزرگوں میں بابو گوپال کشور بلگرامی چیف انجنیر کینال ڈیپارٹمنٹ صوبہ یوپی ہیں۔

مرحوم بزرگوں میں بابو گوپی چرن نے ۸۱ سال کی عمر میں ۳ اگست ۱۹۱۱ء کو بابو بھگوانداس نے بعمر ۵۵ سال ۱۵ ستمبر ۱۸۹۴ء کو اور بابو بینی مادھو نے ۷۷ سال کی عمر پاکر ۲ دسمبر ۱۹۵۶ء کو انتقال کیا۔

فی زمانہ خاندان کائستھ صاحبان میفریا وال میں بہت سے نوجوان اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے اعلیٰ عہدوں پر ممتاز ہیں۔ بابو سری پت سہائے خلف الرشید بابو شنکر سہائے صاحب وکیل جوہر بلگرامی تحصیل صفی پور ضلع اناؤ میں مشہور وکیل ہیں۔ آپ کے چھوٹے بھائی بابو کملاپت سہائے بلگرامی یو۔پی سکریٹریٹ لکھنؤ میں اعلیٰ عہدہ پر فائز ہیں۔ اور ڈاکٹر کرشن سہائے بلگرامی ولد بابو بھگوتی سہائے الہ آباد یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں اس خاندان کا علم فارسی سلف سے مشہور ہے۔ جس کا تفصیلی ذکر "انشائے تمیز" مصنفہ منشی کالی رائے سے موجود ہے

اس موقع پر ہم اپنے وطن کے ان ہونہار اور ذی وقار نوجوانوں سے معذرت خواہ ہیں جو اعلیٰ ڈگریاں حاصل کرکے آج بڑے عہدوں پر فائز ہیں۔ اور اپنے بلند کردار سے وطن کا نام روشن کر رہے ہیں لیکن ان کے تفصیلی حالات معلوم نہ ہوسکنے کی وجہ سے شامل کتاب ہذا نہ ہوسکے۔

ص۱۔ مدے میاں نہایت سرخ وسفید بھاری بھرکم بزرگ تھے۔ عرصہ دراز تک بھوپال میں تحصیلدار رہے۔ وہاں بے پناہ دولت کمائی۔ ۱۸۹۶ء کی مشہور آتشزدگی میں آپ کا مکان جل گیا۔ تو اسی جگہ پر دوسری عالیشان حویلی بنوائی، اور بلگرام کی مہذب تفریحات میں دل کھول کر روپیہ خرچ کیا۔ مدو سادہ بلگرام میں آپ کا خاص وقار تھا ہر رئیس آپ سے ذرا سوچ سمجھ کر بات کرتا تھا۔ ۱۹۰۹ء میں آپ نے انتقال کیا۔ ۳ لڑکیاں اور ۲ لڑکے محمد عربی و محمد مدنی چھوڑے۔ اول الذکر نے لب شباب لاولد ندیلہ میں انتقال کیا اور آخر الذکر ریاست جاورہ میں تھانہ دار ہوئے۔

قصبہ کے پیشہ ور اہل ہنود

قصبہ بلگرام میں پیشہ ور اہل ہنود بھی زمانہ قدیم سے آباد ہیں۔ اور صدیوں سے بدستور اپنے اپنے پیشوں میں مصروف ہیں۔ جن میں ہر زمانہ اور دور میں اپنی بساط کے موافق اچھے سچے ملنسار صحبت یافتہ اور بہت سمجھدار لوگ پیدا ہوتے رہے۔ ان کے اخلاق و انکسار اور کمالات و خدمات سے تمام باشندگان قصبہ ہمیشہ مستفید ہوتے رہے۔ ان میں بعض ایسے وفادار سمجھدار اور سلیقہ شعار گذرے ہیں جن کی فی زمانہ مثال ملنی دشوار ہے اور ان کے تفصیلی حالات و اذکار لکھنے کو دفتر درکار ہیں۔

لوہار زیادہ تر محلہ میدانپورہ کھترانہ اور بڑی بازار میں آباد ہیں ان میں لالہ پراگ داس کا خاندان صناعی کاریگری اور مخصوص قفل سازی میں مشہور ہے

کمہار صرف محلہ سلہڑہ میں آباد ہیں۔ جو مٹی کے برتن کھلونے چائے کے سیٹ نہایت خوبصورت گھڑے سبک صراحیاں اور مضبوط ہانڈیاں بنانے میں دور دور مشہور ہیں۔ ان میں پچاس سال سے کچھ تعلیم کا چرچا بھی ہے۔ اس لئے کچھ افراد ڈسٹرکٹ بورڈ مدارس میں برابر استاد ہوتے رہے۔ فی زمانہ منشی چھوٹے لال اور منشی پریم ناتھ ماسٹر ہیں۔

سنار محلہ کھترانہ میں رہتے ہیں۔ سونے کی روز افزوں گرانی سے ان کا کام بھی بہت کم ہوگیا ہے۔ اب ان کے بچوں نے بھی زیادہ تر تعلیم حاصل کر کے پیشہ ملازمت اختیار کرلیا ہے۔ پھر بھی کچھ لوگ اپنے آبائی پیشہ میں مصروف ہیں جو چاندی کی منقش زنجیروں دار جنوتی بنانے میں زیادہ مشہور ہیں۔ ان کے کچھ نوجوان تعلیم حاصل کر کے ملازم ہوگئے ہیں۔ لالہ میکو لال کے کئی لڑکے گریجویٹ ہیں۔

کلوار محلہ ملکنٹھ میدانپورہ اور رفعت گنج میں آباد ہیں۔ ان میں لالا ساہ ساکن محلہ ملکنٹھ نے ٹھیکہ شراب سے کافی دولت پیدا کر کے جائداد خریدی لالہ مرلی ساہ ڈالچند کاشی رام طوطارام ساکنان محلہ میدانپورہ نے بذریعہ تجارت اچھی ترقی کی۔ لالہ کملا پرشاد ولد لالہ مرلی ساہ ممبر میونسپل بورڈ اور شیو رام بیلا کمیٹی فی زمانہ قصبہ میں ہر دلعزیز ہیں

نجار بھی اپنے کام میں بہت مشہور گذرے ہیں۔ جن کی صناعیوں کے کچھ نمونے آج بھی قصبہ کی پرانی عمارتوں میں نظر آتے ہیں۔ بلگرام کے مشہور تعزیوں کے موجودہ تخت ان کی یادگار ہیں۔ اب کمی کام کی وجہ سے یہ لوگ بھی زیادہ تر کاشتکاری پیشہ ہوگئے ہیں۔ اور کچھ تعلیم حاصل کر کے ملازم ہیں ان میں رام بھروسے ساکن میدانپورہ تحصیل بلگرام میں قرق امین ہیں۔

حلوائی لالہ سدھی رام ساکنان محلہ میدانپورہ اور سدھی جگناتھ پرشاد اور للو ساکنان محلہ کھترانہ کی دو کانیں بہت مشہور تھیں۔ ان کی دوکانوں کی مٹھائیاں خاص طور سے کھاجے۔ جھجھا لڈو اور بالوشاہیاں دور دور تحفتاً بھی جایا کرتی تھیں۔ آرہ کو اتھ صوبہ بہار میں آج بھی ایک مشہور مٹھائی "بلگرامی" نام سے موسوم ہے وہ انہیں لوگوں کی ایجاد ہے۔ جو وہاں سب سے زیادہ مرغوب مٹھائی سمجھی جاتی ہے۔ اب ڈالڈا کے عام رواج نے اس ہنر کو بھی برباد کر رکھا ہے۔

کاچھی قصبہ کے تقریباً ہر محلہ میں آباد ہیں۔ آج بھی زیادہ تر اپنے آبائی پیشہ میں مصروف ہیں۔ لیکن مختلف پیشہ وروں نے زراعتی کام اختیار کرلیا ہے۔ اس لئے ان لوگوں کا کام کم ہوگیا ہے۔ اور اب ان لوگوں کو بھی ملازمت کی طرف توجہ کرنی پڑی ہے۔ مسٹر شمبھو دیال ولد دھنی رام ایم اے ایل ایل بی جو ایک اعلیٰ عہدہ پر ممتاز ہیں اپنے قبیلہ میں باعث فخر ہیں۔ آج کل ہر پرشاد ساکن محلہ کٹرہ اور دھنی رام ساکن محلہ کاسو بیٹ ممبران میونسپل بورڈ ہیں۔

تنبولی محلہ قاضی پورہ کھترانہ اور بازار میں آباد ہیں۔ ان میں محلہ قاضی پورہ کے لالہ کنہیا لال ماسٹر گلزاری لال، جانکی پرشاد،

برسانے لال دوار کہ پرشاد بلدیو پرشاد مہذب تعلیم یافتہ اور شائستہ لوگ گذرے ہیں قدیم زمانہ میں رؤساء بلگرام کے گھروں پر پانوں کی مقررہ ڈھولیاں روزانہ یہی لوگ پہنچاتے جن کا حساب ماہوار ہوا کرتا تھا۔ اب وہ طریق ختم ہوچکا ہے۔ ہر بازار کو مادھو گنج سے پان والے آتے اور قصبہ میں گھوم پھر کر دے جاتے ہیں۔ قصبہ میں اب چند دوکانیں باقی رہ گئی ہیں۔ جن میں چھنی لال کی دوکان جو راہہ مشہور ہے۔ پرانے لوگوں میں ماسٹر گلذاری لال قابل ذکر ہیں۔ جو خاندان قضاۃ کے بچوں کو ابتدائی انگریزی تعلیم دینے میں عمر بھر مصروف رہے۔ آج کل لالہ برج کشور ولد دوارکہ پرشاد اسکول میں ماسٹر ہیں۔ اور لالہ متھرا پرشاد عرف برسانے ماسٹر مشن اسکول شاہجہانپور کے لڑکے جگت بہادر کرکھیرا ٹیوب ویل کے آپریٹر ہیں۔

کہار زیادہ تر محلہ قاضی پورہ میدانپورہ اور ملکنٹھ میں آباد ہیں۔ جو رؤسا ر قصبہ کی رعایا ہیں۔ ان میں ہنوز کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوسکی۔ اپنے آبائی پیشہ میں بدستور مصروف ہیں۔ مچھلیاں پکڑتے اور تالابوں میں سنگھاڑے کرتے ہیں گذشتہ دور میں ٹھکے سواری پر مستورات کو ڈولیوں میں لیجایا کرتے تھے۔ اب یہ کام ختم ہوچکا ہے۔ محرم میں تعزیہ اٹھاتے ہیں۔ اور زیادہ محنت کرکے حسب دستور قدیم کم اجرت بخوشی قبول کرتے ہیں۔ ان کی عورتیں معززہنود کے گھر روزانہ علی الصباح چوکہ باسن کرنے جاتی ہیں۔ اور کافی کھانا لے آتی ہیں۔

اسی طرح دیگر پیشہ ور اقوام مثلاً مالی تیلی دھوبی بھورجی کولی وغیرہ اپنے اپنے آبائی پیشوں میں مصروف ہیں اور زیادہ تر گرانی غلہ کی وجہ سے کاشتکار پیشہ بن گئے ہیں۔

جاٹو محلہ میدان پورہ بیل اور ملکنٹھ میں رہتے ہیں۔ اور اپنے آبائی پیشہ میں بدستور مصروف ہیں۔ بلگرام میں جفت سازی کا کام اعلیٰ پیمانہ پر ہونے کی وجہ سے دیسی جوتوں کی مانگ بہت کم ہوگئی ہے اس لئے زیادہ تر کاشتکار پیشہ ہیں۔ ان میں منگو لال ساکن میدانپورہ اور گیادین ساکن محلہ ساہڑہ ممبران میونسپل بورڈ ہیں۔ اور ہلاس ملائے ساکن محلہ میدانپورہ نے محلہ قاضی پورہ میں ایک پختہ حویلی خرید لی ہے۔ جو آسیب کے وہم سے ہمیشہ بند پڑی رہتی ہے

ہلال خور ان میں اب تک کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ وہی صفائی کا کام بدستور کرتے ہیں۔ زیادہ تر میونسپل بورڈ میں ملازم ہیں۔ ان کی مستورات قصبہ کے تمام گھروں کی اپنی اپنی جگمانی میں صفائی کا روزانہ کام کرتی ہیں جس کا حسب دستور معاوضہ کم مشکوہ شکایت اور کبھی کبھی گالیاں زیادہ ملا کرتی ہیں۔ عوام کے گھروں سے انھیں صفائی کی اجرت آج بھی ٹکا (آدھ آنہ) مہینہ اور جمعرات کو ایک وقت کی روٹی ملا کرتی ہے۔ ان میں کچھ لوگوں نے ہڈیوں کی تجارت سے کافی فروغ حاصل کیا ہے پھر بھی حالات قابل رحم ہیں۔ اس وقت ہماری آنکھوں کے سامنے اپنے قدیم مہتر نرائن ساکن محلہ بیل کی تصویر گھوم رہی ہے۔ جو آج سے پچاس سال پہلے مجھے ایام طفولیت میں کہیں راستہ گلی کھیلتے دیکھ لیتا تو زمینداری کے ناتے اتنا جھک کر باادب سلام کرتا جس کے تصور سے آج بھی میرا سر جھکا جارہا ہے۔ اس کے دو لڑکے شکھی اور گردین آج بھی مثل باپ کے نیک ہیں۔

پست اقوام کو حکومت کی طرف سے جو مراعات ملے ہیں ان سے یہ لوگ ابھی بہت دور ہیں۔ پھر بھی اب ان میں احساس کمتری کچھ کم اور روز بروز برابر رہن سہن اور خوف وہراس دور ہوتا جارہا ہے۔ اور تعلیم کی طرف رجحان بڑھ رہا ہے۔ امید ہے مستقبل قریب میں یہ لوگ بھی اپنی بلگرامی ذہانت وذکاوت سے فائدہ اٹھا کر وطن کی ترقی کا باعث بنیں گے۔

ہم پھر معذرت خواہ ہیں کہ بہت سے حالات اور لوگوں کے احوال جو یقیناً اس باب میں شامل ہونا چاہئے تھے وہ ہم سے نہ لکھے جاسکے جنھیں ہم آئندہ نسلوں کے لئے لکھنے اور پورا کرنے کو چھوڑ رہے ہیں۔

آخر میں دعاؤں کے ساتھ برادران وطن سے میری التجا ہے کہ حصول دولت وشہرت کی دن رات انتھک کوششوں کے ساتھ اپنی مذہبی کتابوں کے علاوہ سر رابیند رناتھ ٹیگور کی مشہور عالم تصنیف "گیت انجلی" ضرور پڑھا کریں جو پرمیشور سے حصول قربت کا ایک آسان ذریعہ ہے۔ حیرت ہے کہ ہمارے ایک فخر ملک و قوم کی مقبول عام تصنیف کو غیر اقوام بین الاقوامی شہرت دیکر نوبل پرائز عطا کریں اور ہم اس کی لذت و برکت سے بھی محروم رہیں۔

ہم اس باب کو گیت انجلی کے چند فقروں پر ختم کرکے دعا کرتے ہیں کہ ہمارے تمام وطنی بھائی دنیا کی چند روزہ زندگی میں دنیاوی جاہ و حشمت سمیٹتے ہوئے کچھ ایسی دولت بھی ضرور فراہم کرتے رہیں جو ان کے ساتھ بھی جا سکے اور تاریخ بلگرام میں ان کے نام سنہرے حرفوں میں لکھے اور سچے پریم سے سدا یاد کئے جاتے رہیں۔

"تو نے مجھے غیر متناہی بنا دیا۔ اے آقا میری آرزو کا صرف اتنا مختصر حصہ باقی رہنے دے جس میں تجھی کو ہر طرف محسوس کروں تجھی کو ہر چیز میں پاؤں اور ہر لمحہ تیرے ہی حضور میں اپنی محبت نذر کروں ـــ میری بیڑیوں کا صرف اتنا حصہ رہ جائے جس سے میں تیرا ہی پابند مرضی رہوں اور تیرا مقصد میری زندگی میں پورا ہو اور وہ بیڑیاں تیری محبت ہو۔

جب میرا قلب سخت و خشک ہو جائے تو میرے اوپر بارش رحم ہو کر آ۔ جب میرا گدا دل ایک گوشہ زندان میں دبک کر بیٹھنے لگے تو اے میرے بادشاہ دروازہ توڑ کر آ۔ اور شاہانہ شان و شوکت سے آ۔ تیرے لطف و محبت اوپر سے نیچے کی طرف اس طرح مائل ہوں جس طرح باپ کے غصہ ہونے کے وقت ماں کی پر نم نگاہ جھک جاتی ہے" (رابندرناتھ ٹیگور)

نرخ نامہ اجناس ہندوستان میں

(بعضے ماخوذ از مجیدی جنتری کانپور)

شہنشاہ اکبر کے عہد میں	انگریزی عہد میں دوران ۱۹۳۸ء	سوراج میں دوران ۱۹۶۰ء
گیہوں فی من چار آنہ ۹ پائی	فی من دو روپیہ آٹھ آنہ	فی من اٹھارہ روپیہ
چاول فی من آٹھ آنہ	فی من تین روپیہ چار آنہ	فی من اٹھارہ روپیہ
دالیں فی من سات آنہ	فی من دو روپیہ چار آنہ	فی من بیس روپیہ
شکر فی من ایک روپیہ دس آنہ	فی من دس روپیہ	فی من چالیس روپیہ
خالص گھی فی من دو روپیہ دس آنہ	فی من چالیس روپیہ	فی من دو صد روپیہ
گوشت بکری نامعلوم	فی سیر ساڑھے چار آنہ	فی سیر دو روپیہ
دودھ خالص نامعلوم	فی سیر تین آنہ	فی سیر دس آنہ
خالص تیل سرسوں فی من دس آنہ	فی من اٹھارہ روپیہ	فی من نوے روپیہ
گڑ نامعلوم	فی من دو روپیہ چار آنہ	فی من بائیس روپیہ
چھالیا نامعلوم	فی من بیس روپیہ	فی من دو صد چالیس روپیہ
تمباکو کشیدنی نامعلوم	فی من چار روپیہ آٹھ آنہ	فی من اسی روپیہ
کفن ۲۰ گز کپڑا ۵ ۸ر	کفن ۲۰ گز کپڑا ۸ر	کفن ۲۰ گز کپڑا ۲۴ روپیہ

ماں

الجنۃ تحت اقدام الامّھات

(ماں کے پیروں تلے جنت ہے)

ایک بار میرے بچپن میں ماسٹر صاحب نے درجہ میں لڑکوں سے پوچھا بتاؤ دنیا سے بڑی اور آسمان سے اونچی کیا چیز ہے سب بچے حیران ہو کر سوچنے لگے کہ کیا دنیا میں کوئی ایسی چیز بھی ہو سکتی ہے؟ بڑی دیر تک سارے بچے گنتارے میں رہے۔ ماسٹر صاحب لڑکوں کا منہ تکتے اور بیٹھے مسکراتے رہے۔ جب بچے لاجواب ہو کر پیچھے پڑ گئے تو ماسٹر صاحب کو بتانا ہی پڑا یاد رکھو "ماں کی محبت" پھر کچھ سمجھدار ہو کر مذہبی کتابوں میں پڑھا "ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے" حیران ہوا کہ جنت جس کی تمنا میں خاصانِ خدا زندگی بھر تارک الدنیا رہے جس کی تعریفوں سے قرآن پاک لبریز ہے اور دنیا کی ساری ریاضت و عبادات اور خیر و خیرات کا صلہ ہے وہ دنیا میں پھر ایک عورت کے اور وہ بھی پیر تلے موجود ہے۔

لیکن جب سن تمیز کو پہنچا ماں کی بے پناہ محبت و شفقت بے پایاں خدمات و ایثار کو تصور سے بھی بالا تر پایا تو معلوم ہوا کہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہی نہیں ہے بلکہ وہ تو بچے کے لئے خود مجسم جنت ہے جس کی چھاتیوں سے اس کے لئے دودھ و شہد کی ندیاں بہتی ہیں جو اپنے خون سے بچے کو پروان چڑھاتی اپنی جان پر کھیل کر اسے وجود میں لاتی رات رات بھر ایک پیر کھڑے رہ کر اس کی منتوں کو پورا کرتی اور اس کی ایک ایک ادا پر دین جہان کو تا زیست قربان کرتی رہتی ہے۔

میری بالکل ایسی ہی ماں نے ۱۱ ربیع الثانی بروز دوشنبہ صبح صادق ۱۲۸۶ھ ۱۸۶۹ء میں قاضی عبدالوالی بلگرامی کے گھر میں پہلی اولاد کی حیثیت سے جنم لیا عین پیدائش کے دن قاضی عبدالوالی کے نام حکومت کی طرف سے عہدہ رجسٹراری بلگرام کی منظوری کا پروانہ آیا تو اسی خوشی میں بچی کا نام منظور فاطمہ رکھا گیا۔ لیکن عزیز و اقارب پایا گیا اور سارا قصبہ ان کو زندگی بھر "بٹو" کے نام ہی سے پکارتا رہا۔

بچپن زمانہ قدیم میں لڑکیوں کو اعلیٰ تعلیم قصداً نہیں دلائی جاتی تھی۔ ان کو ایک سخت ماحول میں پرورش کیا جاتا اور بہ احتیاط کامل سارا گھریلو کام کاج کھانا پکانا کھلانا سینا پرونا بڑوں کی عزت کرنا چھوٹوں کو پیار سے رکھنا۔ انتہائی تمیز و تہذیب سے اٹھنا بیٹھنا دبسے بچ کر رہنا سہنا خاندانی وقار اور ادب و اخلاق کا پورا خیال رکھنا۔ کڑی سے کڑی دشواریوں پر صبر کرنا مذہبی فرائض کا پورا احترام کرنا۔ بڑوں کی کڑوی باتوں کو سن کر خاموش رہنا بہتر سے بہتر کھانا پکا کر دوسروں کو شوق سے کھلانا اور خود اپنے لئے کوئی اہتمام نہ کرنا۔ صبح سے شام تک گھر کے کاموں میں لگے رہنا۔ اور رات کو دیر تک دن کے سارے کاموں کو سمیٹنا والدین بچیوں کو اس خوبی کے ساتھ ۱۴ برس کی عمر تک سکھا کر پختہ کر دیا کرتے تھے کہ پھر دوسرے گھر جا کر ان پر کیسی ہی سختی کی جاتی یا کام زیادہ پڑ جاتا تو بھی عادی ہونے کی وجہ سے انھیں کچھ نہ کھلتا اور ساری کٹھنائیاں اس خوش اسلوبی سے جھیل جاتیں کہ دوسروں کو کانوں کان بھی خبر نہ ہو پاتی۔

بچپن میں شرفا کی بچیوں کی تعلیم کلام پاک نورنامہ بہشتی زیور اور چند اسی قسم کی مذہبی ابتدائی کتابوں تک محدود رہتی جن کو جانے بوجھے بڑے بوڑھے مولوی صاحبان گھروں پر آن کر ۱۰ سال کی عمر تک پڑھا دیا کرتے لیکن لکھنا نہ سکھاتے تھے۔ بعد دوپہر دال چاول ملا کر الگ کرنے کو دیئے جاتے تاکہ انھیں ایک جگہ بیٹھنے اور نیچی نگاہ رکھنے کی عادت پڑے کھیل کود

گڑیاں کھیلنے کو اوران کے کپڑے سینے کو دیئے جاتے کبھی کبھی آپس میں گڑیوں کے بیاہ بھی رچاتیں جن میں حسب استطاعت انتظامات کئے جاتے۔ شام کی تفریح میں چھوٹی چھوٹی بچیاں مل جل کر ہنڈ کلھیا پکاتیں جنھیں بڑے شوق سے اپنی سہیلیوں کو کھلاتیں اور کبھی ماں باپ کو چکھا کر ہنسی ہنسی میں انعام پایا کرتیں۔ رات کو سونے سے پہلے جب ماں کے پیر دابنے بیٹھتیں تو باتوں باتوں میں روزہ نماز کے مسائل پاک بیبیوں کے فضائل قصے کہانیوں کے روپ میں ماں سے سنتیں اور کچھ آیات قرآنی درود شریف دعاء قنوت اور آیت الکرسی وغیرہ خود امی جان کو فرفر سناتیں۔ جیسی جیسی عمر بڑھتی جاتی سبق اتنے ہی کٹھن کام اتنے ہی سخت ہوتے جاتے۔ یہاں تک کہ باورچیخانہ کا ماماؤں کی موجودگی میں سارا انتظام اور گھر کا پورا انصرام سینا پرونا دھرنا سینتنا چھوٹے بھائی بہنوں کی دیکھ بھال گھر گرہستی کا خیال مہمانوں کی خاطر و مدارات ماں کی آرام اور باپ کی تمام راحتوں کا اہتمام رفتہ رفتہ بیٹی کے سپرد ہو جاتا۔ جس پر والدین کی کڑی نگاہ رہتی پھر ان سارے کاموں کے تکملہ پر تعریف تو بہت ہی کم ہوا کرتی۔ البتہ جو کام رہ جاتا اس پر امی جان کبھی تو خود ناراض ہوتیں اور کبھی ابا جان سے شکایت کی دھونس دیکر بچیوں کا خون خشک کر دیا کرتیں تھیں۔

ان کا لباس خواہ وہ کتنے ہی بڑے گھرانے میں کیوں نہ پیدا ہوں وہی ٹاپٹی دیسی کرگھا کا رنگین موٹا دھاری دار ۲ریا ۲؍ گز کا کپڑا) کا بالشت بھر چوڑی مہری کا پائجامہ موٹا ڈھیلا نیچا پوری آستین کا کرتا اور لمدراز کا لدھڑ دوپٹہ البتہ عید بقرعید کو جو جوڑا بنایا جاتا وہ بجائے ٹاپٹی کے کسی معمولی بوٹے دار چھینٹ کا ہوتا اس لئے وہ سال بھر بڑی قدر کے ساتھ سینت کر رکھا جاتا۔ خاص موقعوں پر پہنا اور اپنی سکھی سہیلیوں کو بڑے فخر و مسرت سے دکھلایا جاتا تھا۔ کنگھی روز کی جاتی، نماز روزہ کی سخت تاکید رہتی سرمہ کی اجازت ہوتی کبھی امی سے پوچھ کر صرف ہاتھوں میں مہندی بھی لگائی جاتی۔ ان کے کانوں میں چاندی کی بالیاں یا بجلیاں ناک میں چاندی کی چھوٹی منی سی نتھ ہاتھوں میں کچھ چاندی کی اور کچھ کانچ کی چوڑیاں اور پیر میں بیلپر ہوا کرتی تھی۔ کوئی بجنے والا زیور کوئی خوشبو دار تیل کوئی نہیں کتاب یا زیادہ بناؤ سنگھار کے لوازمات حتی کہ چنا ہوا دوپٹہ بھی کسی حال میں کنواری لڑکیاں استعمال نہ کر سکتی تھیں۔

سب سے زیادہ اہتمام پردہ کا ہوا کرتا تھا۔ لڑکیوں کو نہ صرف قریبی رشتہ دار بھائیوں سے بلکہ باہر کی نکلنے والی عام عورتوں سے بھی گاڑھا پردہ کرایا جاتا تھا۔ خاص طور پر میراثنوں سے جو عام طور پر گھروں میں پکارا کرتی تھیں کیوں کر وہ اکثر لڑکیوں کا پیغام بھی لاتی تھیں۔ جب گھر میں برادری کی غیر مستورات کا مجمع ہوتا تو لڑکیاں کوٹھوں یا کوٹھریوں میں وقتی طور پر چھپی بیٹھی رہتیں گھر میں اگر کوئی تقریب ہوتی تو گانے بجانے کی محفلوں سے دور رہتیں۔ زیادہ تر گھر کے کام کاج اور خاطر و مدارات میں لگی رہتیں۔ البتہ اپنی ہم عمر لڑکیوں میں خوب ہنستی بولتیں۔ اور کبھی کبھی اپنی بھاوجوں سے تھوڑی بہت تفریح بھی کر لیا کرتی تھیں۔

الغرض گھر کا شریفانہ ماحول ان کا اسکول ماں باپ کی اچھی تربیت ان کا کورس اور تمام بزرگوں کی کڑی نگرانی ان کی ٹریننگ ہوا کرتی تھی۔ جو زندگی کے ہر دور میں بچیوں کو خوش حال رکھتی تھی۔ اسی ماحول میں پرورش پاکر بٹہ ۵ برس تک گھر والوں کا کھلونا اور دس برس کی عمر تک سب کی دلبستگی کا ذریعہ رہیں لیکن ۱۴ برس کی ہو کر ماں کے پیروں کی بیڑیاں بن گئیں۔

بٹہ کی ابھی پندرہ سال کی عمر بھی پوری نہ ہو پائی تھی کہ ماں حسب دستور قدیم بیاہ کے لئے بیقرار ہونے لگیں۔ لڑکا

۔ قاضی مصطفیٰ اعلیٰ) جس کی مسلسل کئی پشتنیں اسی رشتہ سے منسلک چلی آ رہی تھیں گھر میں موجود تھا۔ لیکن باپ اس بڑے کام کو اس قدر جلد کرنے پر تیار نہ تھے۔ بی بی بار بار اصرار کرتیں اور میاں برابر ٹال مٹول کرتے رہے۔ گھر میں کوئی دوسرا بڑا بوڑھا موجود نہ تھا۔ جو میاں کو منوا سکتا بالآخر قاضی عبدالوالی کے عمر بھر کے سچے دوست سید حسن صاحب وکیل ساکن میدانپورہ اور سید وزیر حسن صاحب رئیس محلہ سید واڑہ کو اپنی بھابھی کے تاثرات کا علم ہوا تو ایک دن دونوں صلاح ومشورہ کرکے قاضی صاحب کے گھر آکر کہنے لگے عبدالوالی "مجھے تم سے ایک بات کہنا ہے وہ یہ کہ میں نے منظورؔ کا نکاح اگلے مہینے میں مصطفیٰ کے ساتھ طے کر دیا ہے اگر تم کو فرصت ہو تو تم بھی شریک ہو جانا ورنہ منظورؔ میری لڑکی ہے میں اس فرض کو بلا تاخیر مزید اگلے مہینہ میں ضرور ادا کر دوں گا۔

عبدالوالی صاحب سنکر کچھ دیر تو سناٹے میں رہے پھر بولے تم کو اختیار ہے لیکن مجھے کچھ مہلت درکار ہے۔ دونوں نے جواب دیا انتظام سے تمہارا کوئی سروکار نہیں۔ جو کچھ ہم سے ہو سکے گا ہم خود کریں گے۔

بالآخر دونوں دوستوں نے اپنے دوست عبدالوالی کو مشکل سے دو ماہ کی مہلت دی اور تیسرے مہینہ ۲۷ر دسمبر ۱۸۸۲ء کو منظورؔ کی قاضی مصطفیٰ اعلیٰ کے ساتھ شادی ہو گئی۔

قاضی عبدالوالی صاحب ایک طرف لڑکی کے باپ اور دوسری طرف لڑکے کے سرپرست ومنتظم ریاست تھے۔ اس لئے دونوں طرف کا انتظام اس قلیل عرصہ میں آپ ہی کو کرنا پڑا۔ اس وقت قصبہ بلگرام میں آپ کا زمانہ تھا۔ خود رجسٹرار بلگرام اور قاضی شہر تھے۔ خاندانی روایات اور بلگرام کی مشہور تقریبات آنکھوں سے دیکھ چکے تھے۔ آپ کا یہ پہلا کام تھا۔ اس لئے آپ نے اس موقع پر دونوں طرف سے دل کھول کر انتظامات کئے۔ نکاح کے وقت بعد میلاد شریف لڑکے کی طرف سے فی حصہ آدھ سیر کے ملیدے اور لڑکی کی طرف شربت بھری بدھنیاں تمام قصبہ کے حاضرین کو تقسیم کیں۔ اور دونوں طرف سے مسلسل کئی روز عام دعوتیں ہوتی رہیں۔ اس تقریب میں ایک ہفتہ مسلسل تنور گرم رہا۔ سارے حقداروں اور مصطفیٰ میاں کی تمام رعایا کے مرد وزن کو جوڑے پہنائے۔ کہاروں نے ڈولا اٹھایا تو انہیں موضع محمود نگر میں ایک مسلم باغ دیا گیا۔ جو کہاروں والا باغ کہلاتا ہے۔ کنجڑوں نے ڈالی لگائی تو انہیں اسی موضع میں اراضی دی گئی جس پر کنجڑوں والا باغ موجود ہے۔ اسی طرح مختلف خدمتگاروں اور حقداروں کو اتنا نوازا گیا کہ اس تقریب کے بعد پھر محلہ قاضی پورہ میں اس شان کی کوئی دوسری تقریب آج تک نہ ہو سکی۔

لیجئے ماں کی منتیں پوری اور باپ کے احباب کی دعائیں قبول ہوئیں۔ رات بیٹی کا نکاح ہو گیا۔ ماں کے پیر کی بیڑیاں کٹ گئیں لڑکی پرائی ہو گئی۔ اور باپ اپنے فرض سے سبکدوش۔

شادی کا گھر ہے سارے دیسی پردیسی عزیز واقارب گھر سے باہر تک بھرے ہیں مٹھائیوں کے ڈھیر اور تحائف کے انبار لگے ہیں۔ چہار طرف سے مبارک وسلامت کے پیغام آچکے ہیں۔ دن بھر کے تھکے ہارے مرد اور کئی راتوں کی جاگی عورتیں چور ہو کر جہاں جس کو جگہ ملی پڑی بے خبر سو رہی ہیں لیکن سبکدوش ماں نہ تھکی ہے اور نہ جاگی معلوم ہوتی ہے۔ وہ تو بستر پر پڑی دونوں گھٹنوں سے چھاتی دبائے تارے گن رہی ہے پو پھٹ رہی ہے دل ٹوٹ رہا ہے۔ صبح کے مرغ بول رہے ہیں چکیاں چلنے لگی ہیں۔ سڑک سے گذرنے والے ہرواہوں کی کھڑکھڑاہٹ اور مسجدوں سے موذنوں کی آوازیں برابر آ رہی ہیں۔ صبح کی سپیدی بڑھتی جا رہی ہے۔ ماں بستر پر لیٹی نہیں ہے۔ کانٹوں پر لوٹ رہی ہے۔ اور رہ رہ کر اس کے کلیجہ میں ہوک اٹھ رہی ہے کہ صبح ہوئی نہیں اور بچی سدھاری نہیں۔ دنیا میں ماں کی یہ نرالی آزادی ہے اور روئے زمین پر یہ عجیب سبکدوشی ہے۔

جس نے ماں کو غم و آلام کا پہاڑ بنا دیا ہے۔ جس میں سے آنسوؤں کے دریا بہہ رہے ہیں اور جیوں جیوں بیٹی کی رخصتی کا وقت قریب آتا جا رہا ہے دریا سمندر بنتے جا رہے ہیں۔

آفتاب جمع کا برسوں کا جمع کیا ہوا سامان جہیز کی صورت میں گھر سے باہر جانے لگا۔ دولہن جس نے مانجھے کے شروع دن سے نہ ایک دن پیٹ بھر روٹی کھائی اور نہ ایک رات چین سے سوئی تھی۔ جدائی کی قریب تر گھڑیوں میں ماں باپ بھائی بہن عزیزوں سہیلیوں گڑیوں اور گھر کے در و دیواروں کا سارا غم ایک اپنے ننھے منے اور ناتواں دل میں لئے کسی کونے میں خاموش بیٹھی ہے جیسے گھر کی عورتیں مل جل کر کچھ اس سنجیدگی سے دولھن بنا اور زیور پہنا رہی ہیں جیسے چپ چاپ کوئی فریضہ ادا کر رہی ہوں۔ دن چڑھ چکا ہے۔ باراتی کھانا کھا کر اور بستر بے باندھ کر خوشی خوشی رخصتی کے لئے تیار ہو چکے ہیں۔ سجا ہوا جہیز باہر رکھا ہے۔ رفتہ رفتہ مہمانوں عزیزوں ہندو مسلم ہم وطنوں خدا ترسوں غیروں حتیٰ کہ بعض نرم دل دشمنوں سے سارا گھر آنگن بھر چکا ہے۔ اس فضا میں اب نہ کوئی تفریح بھلی معلوم ہوتی ہے اور نہ بھیر دیں کچھ مزہ دے رہی ہے۔ نوشہ کے لئے آراستہ گھوڑا احباب لیکر دروازہ پر کھڑے ہیں کہاروں نے پردہ باندھ کر پالکی ڈیوڑھی میں لگا دی ہے۔ سب کہہ رہے ہیں دن چڑھ رہا ہے رخصتی میں جلدی کرو۔ ماں سنکر بڑی مشکل سے کہہ پاتی ہے کہ باپ کو بلاؤ بھائیوں کو پکارو اور بہنوں سے کہو کہ وہ آکر رخصتی کا آخری فرض ادا کریں۔

باری باری سے سب ہی بڑے چھوٹے عزیز و اقارب لڑکی کے پاس پہونچتے شفقت و محبت سے آنیوالی سخت ذمہ داریوں کے متعلق نصیحت کرتے اور ہر ایک اپنی مفارقت کا نیا غم اس کے ننھے منے دل پر چھوڑ کر واپس جاتے رہے۔ اب رخصتی میں زیادہ دیر ہو رہی ہے۔ ماں بیٹی کی پائنتی کھڑی لڑکی کے باپ کا دیر سے انتظار کر رہی ہے جس کو پچاس بار بلایا ڈھونڈا اور آدمی پر آدمی بھیجا جا چکا ہے۔ لیکن نہ وہ ملتے ہیں اور نہ آتے ہیں۔

دیر کے بعد ایک مجسمہ غم گھر کا آنگن پار کر کے اس طرف گردن جھکائے جاتے دکھائی دیتا ہے جہاں سے اس کا لخت جگر دل چیر کر پرواز کرنے والا اور زندہ جنازہ کے روپ میں گھر سے روانہ ہونے والا ہے۔ باپ پہونچا اور بیٹھ کر بہت کچھ کہنا چاہا لیکن تھر تھراتے ہوئے ہونٹوں اور کانپتے ہوئے دل نے اس کے سوا کچھ بھی نہ کہنے دیا کہ "بیٹی اب اس گھر کی لاج تیرے ہاتھ ہے"۔

اسی اثنا میں دھومن طوائف ساکن محلہ خور دپورہ کی ماں نے اپنا سر پالکی پر ڈالکر بے اختیار روتے سسکتے بھرائی ہوئی آواز میں امیر خسرو کی لازوال بابل گانا شروع کیا۔ جو گیت نہیں ہندوستانی عورت کا المیہ ہے۔

کاہے کو بیاہی بدیس سن بابل مورے
بھیا کو دینے محلے دو محلے موکو دیو پردیس۔ سن بابل مورے
ہم تو بابل تورے کھونٹے کی گیاں۔ ہانکو جدہر ہنک جائیں۔ سن بابل مورے
ہم تو بابل تورے انگنا کی چڑیاں۔ رین بسے اڑ جائیں۔ " " "
ہم تو بابل تورے بیلے کی کلیاں۔ گھر گھر منگیں منگ جائیں " " "

منظور فاطمہ دولہن کی جس وقت پالکی اٹھی تو آنکھیں کھولکر دن بھر گودی میں چڑھا رہنے والا اور سر شام سے گلے میں باہیں ڈالکر سونے والا چھوٹا بھائی قدیر (قاضی عبد القدیر صاحب) ماں سے زیادہ پیاری بہن کا گھر سے زندہ جنازہ اٹھتے دیکھنا برداشت نہ کر سکا۔ اور جلدی سے اپنی پرانی دری بغل میں داب کر روتا پویا پویا دہن کو بچپن میں کہتا تھا۔ پکارتا مجمع کو چیرتا پھاڑتا ڈولے کے پیچھے ہو لیا۔ بارات قصبہ کے جن راستہ سے گذرتی لوگ سازوسامان دیکھ کر خوش ہوتے لیکن جب ڈولے





قاضی مصطفیٰ علی بن قاضی سید احمد

برخوردار نور چشم طاقت جگر سلمہ

بعد دعا کے واضح ہو بیٹا اللہ پاک اپنے
حبیب کے طفیل میں تمکو زندہ و سلامت
رکھے بیٹا روپیہ پہونچا اللہ پاک
تمکو اس کی عوض اٹھارہ ہزار
عطا فرمائے
بیٹا بہت بڑا اللہ پاک کا شکر ہے
میری زبان میں کیا طاقت ہے
جو اپنے مالک کا شکر ادا کروں
کیا کمائی بھی مجھکو عطا فرمائے
میری کل سب آرزو دنیا میں
میں پوری کردیں بیٹا میں بہت خط
زندہ رہیں اللہ پاک تمکو

عکس خط مخدومہ مسطورہ فاطمہ عرف ننھی زوجہ قاضی مصطفیٰ علی صاحب مرقومہ ۷ فروری سنہ ۱۹۲۷ء از بلگرام

پیچھے بھائی بہن کی محبت کا یہ منظر دیکھتے تو آپ بیتی پر غور کر کے کلیجہ مسوس کر رہ جاتے تھے۔

شادی کے وقت مصطفےٰ میاں کے گھر میں سوائے ایک چھوٹی بہن بانو بی بی کے کوئی بھی موجود نہ تھا اس لئے دولہن کے میکے والے ہی لڑکے کی طرف سے جناتی وہی دوسرے دن طعام ولیمہ کی عام دعوت کے منتظم اور زنانی و مردانی مختلف محفلوں کے مہتمم تھے بسلف سے بلگرام میں رواج ہے کہ شرفا کی مردانی دعوتوں میں علاوہ شرفا برادری کے کچھ غیر برادری کے مخصوص افراد بھی مدعو کئے جاتے ہیں جو ایک ہی دسترخوان پر ساتھ بیٹھ کر شریک طعام ہوتے لیکن شرفا کی زنانی محفلوں میں غیر کفو کی بیبیاں حتیٰ کہ خود انہیں کی برادری کی کوئی ایسی بی بی جو غیر خاندانی ہو یا اس کے خاندان میں کوئی فی پیدا ہو گئی ہو، وہ بھی بیبیوں کے ساتھ برادری میں دسترخوان پر برابر بیٹھ کر کھانا نہیں کھا سکتی ہے۔ یہ رواج اچھا ہو یا برا بہرحال آج بھی بلگرام میں سختی سے شرفا برادری میں بدستور رائج ہے۔ پہلے شرفا برادری کی ساری امیر و غریب مستورات ایک ساتھ دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھائیں پھر اسی اہتمام سے دوسری بار دسترخوان بچھایا جاتا جس پر دیگر مستورات امیر و غریب ایک ساتھ مل کر شریک طعام ہوتیں جنہیں گھر کی میزبان بیبیاں بڑے شوق سے کھڑے ہو کر عزت و اصرار کے ساتھ کھانا کھلاتی ہیں۔ ۱۸۹۶ء میں قاضی مصطفےٰ علی صاحب نے اپنی کل جائداد منظور فاطمہ کے نام دین مہر میں ہبہ کر دی ۔ ۱۹۱۰ء تک ۲۰ بچوں میں صرف ایک نا کتخدا نوجوان لڑکی رسول فاطمہ نے ۱۹۰۲ء میں تقریباً ایک سال سینہ کے پھوڑے میں مبتلا رہ کر ماں باپ کے سامنے انتقال کیا۔ اور باغ قبرستان میں دفن ہوئیں۔ کچھ بچے صغر سنی میں جاتے رہے ان میں سے دونوں نے ۹ بچوں کو دنیا میں ہنستا کھیلتا چھوڑا جو باپ کے بعد پلے بڑھے اور ماں کی دعاؤں سے پروان چڑھے۔

قاضی مصطفےٰ علی صاحب خاندان قضاۃ بلگرام کی تمام جائداد کے تنہا وارث و مالک تھے اس لئے آپ کی اہلیہ کو وہ سب راحتیں بفضلہ تعالیٰ حاصل تھیں جو اس وقت اچھے خاصے رؤسا کی بیبیوں کو بالعموم حاصل ہوا کرتی تھیں۔ انہوں نے اپنے ہمسایہ غریبوں کو عمر بھر ایسا سمویا جیسے خدا نے ان کو اسی کام کے لئے پیدا کیا اور اتنا دیا ہو۔

صبح کو گھر کا دروازہ کھلا اور حاجتمندوں کا آنا شروع ہوا۔ خوشی خوشی پیسہ ہوا تو پیسہ ورنہ آٹا یا اناج دیدیا یہ بھی ممکن نہ ہوا تو پھر خوشامد در آمد کر کے بلایا اور اس وقت تک جس طرح بھی ہو سکا کچھ نہ کچھ انتظام کر کے رکھ لیا۔ گھر میں سال بھر کا غلہ افراط سے بھر جاتا جو کبھی ۶ ماہ سے زیادہ نہ چلتا اور جو روپیہ نقد ماہواری اخراجات کو دیا جاتا وہ پندرہ دن ہی میں برابر ہو جایا کرتا اس پر کبھی باپ خفا ہوتے بکتے جھکتے اور پھر مجبور ہو کر قرض ادھار سے پورا کرتے۔ باورچیخانہ میں جس وقت کھانا تیار ہوتا تو روزانہ کئی مقررہ محتاجوں کا کھانا خود جا کر بہتر سے بہتر نکالنا اور پہلے بھجوا دینا ان کا بڑا ہی خوشگوار فریضہ تھا۔ ایک بار منو بھائی سے رہا نہ گیا تو دیکھ کر کہنے لگے "بہتر ہم سے تو محتاج ہی بھلے جو تار ہی تار روزانہ کھاتے ہیں" ماں نے مسکرا کر جواب دیا کہ بیٹا جن کی دعاؤں سے آتا ہے پہلے وہی زیادہ کھانے کے بھی حقدار ہیں۔

گھر میں گھر کے آم امرود اور دنیا کے پھل بہ افراط آیا کرتے جن میں سے چھانٹ کر پہلے محتاجوں کے نکالے جاتے پھر بھی اگر کوئی کسی اچھے پھل کو اٹھا کر تعریف کرتا تو وہ بھی فوراً ہاتھ سے چھین کر خدا کی راہ والوں میں شامل کر دیا جاتا۔ ساری زندگی روپیہ بجائے ۱۶ کے ۱۴ کا سمجھا روپیہ سمجھا نہیں کہ دو آنے خیراتی فنڈ میں پہونچے نہیں۔ قصبہ میں کوئی مذہبی تحریک اٹھے مسجد بنے لاوارث مرے کوئی مسافر آئے یا غریب کسی ناگہانی مصیبت میں گرفتار ہو جائے تو سن کر بلا طلب جو بھی ممکن ہوتا فوراً گھر بیٹھے پہونچا تیں۔ اکثر ہٹے کٹے جانے بوجھے پیشہ ور سائل بار بار آتے اور بلا کچھ لئے نہیں ٹلتے۔ تو مغلوب الغضب ہونے کے باوجود سائل کی بددعاؤں سے اتنا ڈرتیں کہ کبھی اس کو بھی خالی ہاتھ واپس نہ کرتیں۔ کبھی کبھی اس دین پر لڑکے لڑتے اور بحث کرنے لگتے تو خفا ہو کر کہتیں کہ یہ سب کچھ میں اسی خوف سے کرتی ہوں کہ کہیں خدانخواستہ تم بھی ایسے نہ ہو جاؤ جو دوسروں کے دروازوں سے جا لگو۔ بہرحال یہ کیسی ہی ضرورت کا رکھا ہو۔ کپڑا چاہے خود پہننے کو باقی نہ رہے اور کھانا بلا سے گھر والے بھوکے رہ جائیں لیکن سائل دروازہ سے محروم نہ جائے۔ زندگی بھر سختی سے اس پر عمل رہا اور اس معاملہ میں

کبھی کسی کا کہا نہ مانا۔ قصبہ کا کوئی جانا بوجھا غریب آدمی یا کوئی آنے جانے والی ماما ملازمہ یا خادمہ ایسی نہ ہوتی جس سے وہ حسب عادت کوئی نہ کوئی رشتہ جوڑ نہ لیتی ہوں۔ اس لئے گھر کی دھوبن، بھنگن، مالن، کہارن بھورجن سبھی ان کے عزیز بنجایا کرتے۔ جو چچی خالہ نانی یا پھر بھاوج بہن بہو اور دولہن کے ناموں سے بہ اعتبار سن و رشتہ پکاری جاتیں۔ خوشامد کے ساتھ ان سے کام لیا جاتا اور دل کھول کر انھیں معاوضہ دیا جاتا۔ عزیزوں میں سب سے زیادہ وقتی طور پر وہ عزیز تر ہوتا جو آفات ناگہانی میں گرفتار ہو کر پریشان ہوا کرتا۔ بٹہ کو حضرت امام حسین علیہ السلام سے بڑی ہی عقیدت اور بہت محبت تھی۔ شب عاشور سے ان پر ایک خاص کیفیت طاری ہوتی صبح کو رات کی بچی کھچی روٹیاں بچوں کو کھلا کر دن میں نہ چولھا جلاتیں اور نہ دوپہر کو مہمانوں کا اژدہام ہونے کے باوجود گھر میں نوحے پڑھنے دیتیں گھر سے باہر قدم نکال کر تعزیہ دیکھنے نہ جاتیں لیکن جب تعزیہ یا علم اپنی گلی میں آتا تو بیقرار ہو کر دروازہ پر پہونچ جاتیں اور دور ہی سے دیکھ کر آنسو بہا دیتیں کہ تعزیہ نکل بھی جاتا پر ان کا رونا ختم نہ ہوتا اور شام کے وقت کوٹھے پر چڑھ کر کربلا سے تعزیے ٹھنڈے ہونے کے وقت ماتمی باجوں کی ہلکی ہلکی آواز کان لگا کر سنتیں تو اپنا وہ حال کر لیتیں جیسے ان کے کسی لخت جگر کو دفن کر کے لوگ ابھی گھر واپس آئے ہوں۔

۲۴/نومبر ۱۹۱۰ء کو قاضی مصطفےٰ علی صاحب کا انتقال ہوا تو مرحوم نے کافی قرضہ ادا کرنے کو ۵ نابالغ بچے پڑھانے کو اور بیاہ شادی کرنے کو چھوڑے۔ موقع شناس شرکاء جائداد نے بیوہ اور یتیم نابالغ بچوں کی بیچارگی سے فائدہ اٹھانے کا یہ اچھا موقع پایا تو مقدمہ بازی کا بازار گرم کر دیا۔ اب زمانہ بدل چکا تھا یہاں تک کہ جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے تو ایک ایسا وقت آگیا کہ سود خوار مسلمان اور زردار مہاجن ہماری جائداد کو تکنے اور آپس میں چپکے چپکے حصہ بانٹ کر کے سودا کرنے لگے کبھی کسی خدا ترس نے پوچھا بھی کہ کیا جائداد بک رہی ہے۔ تو مسکرا کر جواب دیتے کہ گھر کے حالات اب ایسے ہو رہے ہیں کہ آج نہیں تو کل اسے بکنا اور ہمارے قبضہ میں آنا ہے۔ بہرحال پچاسوں مختلف مقدمات کا سلسلہ مسلسل ۱۶ برس تک چلتا اور مقدمہ بازی میں ہزاروں روپیہ پانی کی طرح بہتا رہا۔ بالآخر مقدمہ باز شرکاء تباہ ہوئے ان کے مکانات تک نیلام ہو کر ہمارے قبضہ میں آگئے اور حریص مسلمانوں اور مہاجنوں کی تمنائیں کبھی پوری نہ ہو سکیں۔ بچوں کی ابتدائی تعلیم جب وطن میں ختم ہوئی تو انہیں حصول تعلیم کے لئے باہر بھیجنے کی ماں کو بڑی فکر لاحق ہوئی۔ قدرت نے فوراً بڑے بھائی کا تقرر شہر اٹاوہ میں جہاں مشہور اسلامیہ ہائی اسکول تھا بحیثیت منیجر کو اپریٹو بینک کرا دیا۔ وہاں چھوٹے بھائی ان کے ساتھ رہ کر تعلیم حاصل کرتے رہے۔ جیسے ہی ان کی اعلیٰ تعلیم کا وقت آیا تو کاتب الحروف کو خدا نے غیب سے علی گڑھ پہونچا دیا۔ تو پھر میرے ساتھ رہ کر کوئی ایل ایل بی اور کوئی ایم اے ہوا اور جو نہ ہو سکا وہ بھی ماں کی دعاؤں اور خدا کی مہربانیوں سے سب کچھ ہو گیا۔ ساری بہنوں کی عزت کے ساتھ شادیاں ہو گئیں اور سب بھائیوں کے گھر اطمینان کے ساتھ آباد ہو گئے۔ ماں نے اپنے تمام لڑکوں کی شادیاں جن میں بعض کی اعلیٰ عہدوں پر فائز ہونے کی وجہ سے بڑے عہدیداروں اور رئیسوں کی لڑکیوں سے بآسانی ہو سکتی تھیں، ان کے مقابلہ میں غریب اور شریف لڑکیوں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر رشتے قائم کئے جس کی وجہ سے تمام لڑکوں کو شادی کی حقیقی مسرتیں حاصل ہوتی رہیں۔ بات بات پر نذر و نیاز کی بڑی شوقین اور طہارت کے مسائل میں وہم کی حد تک شکوک رہا کرتی تھیں۔ کتا اگر باورچیخانہ سے ہو کر گزر جائے، کوئی معصوم بچہ برتن چھولے، بلاؤ بلی بالٹی کنوے میں پڑ جائے یا کوئی غیر ثقہ ان کی جانماز پر نماز پڑھلے تو باورچیخانہ کا سارا ڈھکا چھپا کھانا مہترانی کو شک میں اٹھا کر دیا جاتا برتنوں میں راکھ ڈالی جاتی کنواں اودھایا جاتا اور جانماز فوراً دھو کر سکھائی جاتی تھی۔

کبھی کبھی ان کے بچے اس وہم سے پورا فائدہ بھی اٹھایا کرتے تھے۔ نیاز کی مٹھائی آئی ہوئی رکھی ہے مشتاق بچے چہار طرف گھیرے کھڑے ہیں۔ بٹہ نماز پڑھ کر نیاز کرنے والی ہیں۔ ان میں سے کسی نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کر کے دو چار بار بآواز بلند

دھت دھت کہا اور خاموش ہوگیا۔ بٹہ نے سلام پھیر کر پوچھا گیا تھا تو کہدیا کچھ نہیں۔ کتا مٹھائی کے پاس کھڑا تھا سنکر آگ بگولہ ہوجاتیں۔ گھر والوں کو لاپرواہی پر صلواتیں سناتیں اور رکھی ہوئی شکوک مٹھائی کو ناپاک سمجھ کر دوبارہ مٹھائی منگواکر نیاز دےتیں اور بچے ناپاک مٹھائی پر بہانہ سے قبضہ کرکے خوب کود کود کر کھاتے۔ اور بٹہ زندہ باد کے نعرے لگاتے۔

بعد نماز فجر مناجات و وظائف کا بلاناغہ ورد رہتا اور بعد نماز عشا شکرانہ کی نمازوں کا دیر تک سلسلہ جاری رہتا۔ جب کبھی کوئی بچہ سخت بیمار ہوتا تو صحت پر بدت العمر کے لئے ۲ یا ۴ رکعت نماز یومیہ شکرانہ مان لی جاتی اور پھر وہ ساری عمر اس ذمہ سے بلاناغہ پڑھی جاتی کہ فلاں بچہ کی نماز شکرانہ قضا ہوئی نہیں اور وہ ختم ہوا نہیں اس لئے رفتہ رفتہ دس بچوں کی منتوں کی نماز شکرانہ ملاجلا کر دن بھر کی ساری نمازوں سے زیادہ ہوچکی تھی جو سفر و حضر اور بیماری دکھی کسی حال میں بخوف جان عزیزان کبھی قضا نہ ہوتی اور رات گئے تک روزانہ بہرصورت پوری کی جاتی۔

روح کو اگر دنیا والوں سے کچھ بھی تعلق رہتا ہے تو مجھے سچے دل سے اقرار ہے کہ میں نے اپنی ماں کی روح کو سطور بالا میں بعض صحیح واقعات جن میں بظاہر بڑائی کی بو آتی اور رعونت کی جھلک پائی جاتی ہے لکھکر بڑا ہی صدمہ پہونچایا۔ اور پوری نافرمانی کی ہے۔ ان کی زندگی میں اگر کبھی کوئی خوش ہوکر تعریف کرتا تو بے اختیار رو پڑتیں۔ اپنے گناہوں کو یاد کرکے اور خدا کے بے پناہ فضل و کرم کا تصور کرکے سجدے میں گر جاتیں اور فوراً توبہ توبہ کہتے ہوئے کہنے والے کے منہ پر دوڑ کر ہاتھ رکھدیا کرتی تھیں۔

ماں کی آنکھوں دیکھے حالات سے متاثر ہوکر میں نے یہ دانستہ قصور محض اپنے عزیزوں، دوستوں اور ہمو طنوں کو اپنی عمر کے آخری دور میں یہ بتلاجانے کو کیاہے کہ دنیاوی مشکلات میں تریاق کی طرح کام آنے والا اگر کوئی تیر بہدف علاج ہوسکتا ہے تو بس وہ غیر خیرات ہی ہے۔ جس سے موت بھی ٹل جاتی ہے۔ بگڑے ہوئے کام بھی بن جاتے ہیں۔ دشمن دوست اور غالب بالآخر مغلوب ہی ہوکر رہتا ہے۔ یہ جانا بوجھا جادو ہے جو سر پر چڑھ کر بولتا ہے۔ اور دیکھا بھالا تیر ہے جو کبھی کسی حال میں خطا نہیں کرتا ہے۔

ان آنکھوں نے دیکھا ہے کہ جب کبھی ان پر مصائب آئے تفکرات نے گھیرا اور ناکامیوں نے بھوت بن کر ڈرایا تو ان کی خدا سے التجائیں اور غریبوں کی دعائیں مل کر ساری کٹھنائیوں کو اس طرح پار کر بیجا یا کرتیں جس طرح دہکتے ہوئے انگاروں پر سے خدا پر بھروسہ رکھنے والا انسان ہنستا کھیلتا کامرانی کے ساتھ گزرجاتا ہے ان کے اس یقین کامل نے زندگی بھر انہیں نہ کسی عزیز کا شرمندۂ احسان ہونے دیا اور نہ کسی غیر کو تکلیف دہی کا موقع دیا۔

خیر و خیرات کے لئے مطلق ضروری نہیں کہ انسان مالدار ہی ہو اُسے جو بھی مقدور ہو وہی کافی ہے کسی بادشاہ کا ایک لاکھ روپیہ اور ایک محنت کش غریب کا ایک پیسہ خیرات کی برکات حاصل کرنے کو برابر ہوسکتا ہے یا ہوجایا کرتا ہے۔

میں نے اپنی ماں کے ایک آمدہ کارڈ کا عکس کتاب ہذا میں تبرکاً شامل کیا ہے اس میں انہوں نے دعاً مجھے لکھا تھا۔ "خدا تجھ کو ۸۰۰۰ آٹھ ہزار اس کے عوض عطا فرمائے" یعنی اعداد میں ۸۰ ہزار اور الفاظ میں آٹھ ہزار کے لئے دعا فرمائی۔ ماں کی دعاؤں کا یہ حیرت انگیز اثر دیکھئے اور ذرا سوچئے کہ اختتام زمینداری کی بربادیوں کے باوجود مجھ جیسا حقیر و ذلیل انسان آج بھی محض ماں کی دعاؤں سے اسی ہزار روپیہ کی جائداد کا بفضل خدا مالک و قابض ہے۔ اور جس کا بینک بیلنس ہزاروں تفکرات اور غیر معمولی اخراجات کے باوجود کبھی آٹھ ہزار روپیہ سے کم نہیں ہونے پاتا ہے۔

۱۹۲۷ء میں بٹہ کے پیٹ میں رسولی پیدا ہوئی جس کا واحد علاج اپریشن تھا۔ جو بے ستری کے خیال سے انہوں نے

کسی طرح گوارا نہ کیا۔ مرض رفتہ رفتہ بڑھتا گیا وہ بھی اطمینان سے کھاتی پیتی اور خوش و خرم چلتی پھرتی رہیں۔ لڑکوں کے اصرار سے علی گڑھ بھوپال اور لکھنؤ میں ڈاکٹروں کا اور پھر پٹنہ میں ریڈیم کا علاج ہوتا رہا لیکن انہوں نے ان علاجوں کو تفریحی پروگرام ہی پروگرام سمجھا کبھی نہ کوئی پرہیز کیا نہ کسی دوا پر زور دیا اور موت کا خوشی سے ہمیشہ انتظار کیا۔ مرض کو بڑھتے دیکھ اگر کسی نے تشویش کا اظہار کیا تو ہمیشہ سنجیدگی سے جواب دیا کہ مجھ سے زیادہ کون خوش نصیب عورت ہوگی جس کی ساری تمنائیں پوری ہو چکی ہوں اور جو بلا غم اٹھائے اپنے پوتے پروتے اور ناتی نت کو چھوڑ اطمینان کے ساتھ دنیا سے جا رہی ہو۔

یکایک اسی مرض میں یکم اپریل ۱۹۳۵ء کو طبیعت خراب ہوئی تو سب کو بلگرام سے تار دئے گئے اور ۳؍اپریل کی شام تک بیٹے بیٹیاں اور قریبی عزیز دار چہار طرف سے بلگرام پہونچ گئے۔ سب کو دیکھا بھالا اطمینان سے باتیں کیں۔ ۴؍اپریل کو صبح ہی سے رٹ لگا کر جلد کھانا پکوایا اور سب کو ساتھ بٹھا کر اپنے سامنے کھلوایا۔ اس کے دو گھنٹہ بعد دیوان خانہ قاضی شریف احمد مرحوم کے برآمدہ میں بچوں سے باتیں کرتے اور کلمہ طیبہ پڑھتے ۴؍اپریل ۱۹۳۵ء بروز پنجشنبہ محرم کی چاندرات کو ۲½ بجے دن انتقال کیا۔ کاتب الحروف نے اپنی شہادت کی انگلی سے پیشانی پر کلمہ طیبہ لکھا ۴ بجے چاروں بیٹوں نے جنازہ اٹھایا جبکہ پانچواں بیٹا (منو بھائی) بھوپال میں بذریعہ تار خبر ہو جانے پر اندرون مسجد سجدہ میں پڑا روتا اور مرحومہ کے لئے دعا مغفرت کر رہا تھا۔ نماز جنازہ مسجد شیخ الدیار کے صحن میں سید مصطفےٰ حسین صاحب قبلہ نے پڑھائی۔ اور وہیں جدی قبرستان میں اپنے عزیز ترین بھائی "قدیر" کے پہلو میں جانب شمال دفن کی گئیں۔

یکم اپریل ۱۹۲۱ء میں آپ نے اپنی کل موہوبہ جائداد بذریعہ وقف علی الاولاد وقف کر کے انتظام جائداد اپنے مختاران عام مولوی عبدالرحیم خاں ساکن محلہ قاضی پورہ، شیخ محمد بخش ساکن محلہ لڑہ اور لالہ رام بھجن لال ساکن محلہ میدانپورہ کے سپرد کر دیا جو بڑی دیانت و ہمدردی سے اپنے فرائض متعلقہ زیر نگرانی پسران موصوفہ عرصہ دراز تک انجام دیتے رہے۔

ہم اپنی ماں کے ذکر کو اپنے ہی خاندان کی ایک مشہور و مخیر خاتون "لکھنی بی بی" مرحومہ کے نام نامی پر ختم کرتے ہیں جن کی سخاوت کے ضرب الامثل واقعات آج بھی وطن میں زبان زد خاص و عام ہیں۔ لکھنی بی بی کا واقعہ بلگرام میں مشہور ہے کہ ہر سال برسات کے بعد قصبہ کی عام غریب عورتیں جمع ہو کر آتیں اور لکھنی بی بی کو ترغیب دے کر ان کے بے شمار روپیوں کو گھر کے آنگن میں بکھیر کر دھوپ دکھلاتیں سکھلاتیں اور تھوڑی دیر بعد انھیں سوپوں سے پچھور کر اچھے اچھے توڑوں میں بھر کر گھر میں رکھ جاتیں، اور سکے گلے یا گھسے روپیے خود دھر کر لے جاتیں۔

مولانا غلام حسن صدیقی "ثمین" فرشوری بلگرامی نے اپنی مشہور تالیف "شرائف عثمانی" میں لکھنی بی بی کی فیاضیوں کا بھی تفصیل سے ذکر کیا ہے اس موقعہ پر بوجہ کمی گنجائش صرف چند سطور شرائف عثمانی کے صفحہ ۱۳۴ سے ذیل میں نقل کی جاتی ہیں۔

"ذکر سخاوت اہلخانہ شیخ الدیار عثمانی مسماۃ لکھنی بی بی ہمشیرہ روح الامین خاں عثمانی و بنت قاضی محمد سعید بلگرامی کہ بعد شہادت شیخ الدیار شہید دہ لکھ روپیہ (۱۰ لاکھ روپیہ) نقد بخانہ بودند و مسماۃ مذکورہ دو لکھ روپیہ در رسم موتہ شیخ شہید صرف نمودند و یکنیم لکھ روپیہ در تقریب شادی لعبت (گڑیا) صرف نمودند و باقی براہ خدا صرف کردند چنانچہ ہر سال مالگذاران شہر و دیہات بسبب باقیات مالگذاری سرکار در قلعہ مقید شدند و چوں حاکم وقت بابت ادائے زر تاکید بلیغ و قدغن شدید بمالگذاران می نمود و تعذیب عظیم میساخت مالگذاران داد و بیداد می نمودند از سنوح اینحال مسماۃ لکھنی بی بی رحم برحال مالگذاران خوردہ از قید بند رہائی میدہانیدند تا کہ وقت مرگ خود یک حبہ باقی نگذاشت کہ بدست ورثہ در آید۔"

ماں کی اولادیں

(تفصیلات مولف کی قلمی یادداشت میں موجود ہیں)

انوار فاطمہ عرف انو بوبو۔ منظور فاطمہ صاحبہ کی آپ سب سے پہلی اولاد ہیں ۱۸۸۵ء میں تاریخ ۲ ربیع الثانی بوقت ۳ بجے رات ماں کے میکے میں پیدا ہوئیں۔ اور بفضلہ تعالیٰ تا تحریر ہذا بقید حیات ہیں ۱۹۰۳ء میں آپ کی مولوی لیاقت حسین صاحب پسر شیخ محمد بخش صاحب ساکن و رئیس قصبہ گوپامئو کے ساتھ شادی ہوئی جو تین مواضعات سریاں خضر نگرا و رام نگر کے زمیندار تھے۔ آبائی جائداد تلف ہو جانے کے بعد لیاقت حسین صاحب کا عرصہ دراز سے معہ متعلقین بلگرام میں قیام ہے۔ اس طرح انو بوبو کے وطن میں مستقل قیام سے تمام بھائی بہنوں کو بڑی تقویت رہتی ہے۔ اور آپ کی شفقت و محبت سے گھر میں ماں کی موجودگی کا مزہ آتا رہتا ہے۔ ان کو ارکان نماز کی ادائیگی میں اتنا التزام کرنا پڑتا ہے جو وہم کہلاتا ہے۔ جس کی وجہ سے نماز کی دس بار نیت کرتی ہیں۔ تب کہیں دو رکعت پڑھ پاتی ہیں۔ وہ بھی سلام پھیر کر اگر ان کے نزدیک مشکوک ہوئی تو بار بار پڑھی جاتی اس لئے آپ کا زیادہ وقت نماز دھرانے اور وظائف پڑھنے میں گذرتا ہے۔

آپ کا واحد لڑکا محمد عمر سلمہ، ہے جو دفتر میونسپل بورڈ میں ملازم ہے اپنی نیکی اور سعادت مندی کی وجہ سے پورے خاندان میں بلکہ قصبہ میں ہر دلعزیز ہے۔ اور کاتب الحروف کی بیحد عزت اور خدمت کرتا ہے۔ اس کی شادی موضع ابراہیم آباد ضلع بارہ بنکی میں اپنے پھوپھا مولوی اجتبیٰ حسین صاحب کی صاحبزادی شمیمہ خاتون سلمہا کے ساتھ ۱۹۵۲ء میں ہوئی جس کی گود میں خدا عمر دراز کرے ایک بچہ صفا حسین سلمہ موجود ہے عمر سلمہ کی دو بہنیں عائشہ بیگم اور ہاجرہ بیگم ہیں جو اپنے شوہروں کے گھر بہ آرام زندگی بسر کر رہی ہیں۔

قاضی محمد یوسف علی صاحب۔ آپ سب سے بڑے بھائی ہیں۔ ۸ ذی الحجہ بروز دوشنبہ بوقت فجر پیدا ہوئے۔ آغاز حمل میں آپ کے نانا قاضی عبدالوالی صاحب نے خواب میں ایک بزرگ کو کہتے سنا "اٹھو تمہارے گھر قاضی یوسف آیا"۔ بیدار ہو کر اپنی بیوی کے ذریعہ تحقیق کی۔ اور اسی وقت سے آپ اپنے نواسے کے منتظر رہے۔ جب پیدا ہوا دھوم دھام سے عقیقہ کیا۔ اور محمد یوسف علی نام رکھا۔ ابتدائی تعلیم ماسٹر گلزاری لال سے وطن میں حاصل کرکے ہردوئی ہائی اسکول میں نام لکھایا۔ پھر اسلامیہ اسکول اٹاوہ گورنمنٹ اسکول الہ آباد اور مشن ہائی اسکول مین پوری میں انٹرنس تک تعلیم حاصل کی۔ والد مرحوم کے انتقال پر ۲۷ نومبر ۱۹۱۱ء کو تمام رؤسا اور شرفاء بلگرام کی موجودگی میں پیرزادہ محمد زاہد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کمرۂ مولوی عبدالوالی صاحب میں آپ کے سر پر دستار قضا باندھی اور تعلقداران بلگرام نے نذریں پیش کیں۔ اسی سلسلہ میں ۲۸ فروری ۱۹۱۲ء کو لفٹنٹ گورنر یوپی کی طرف سے قصبہ بلگرام کے عہدۂ قضا کا آپ کو پروانہ عطا ہوا۔

آپ امتحان انٹرنس میں ناکام ہوئے تو کوآپریٹو بینک کا ٹریننگ پاس کیا اور ۱۹۲۱ء میں منیجر کوآپریٹو بینک اٹاوہ مقرر ہوئے لیکن سند یافتہ نہ ہونے کی وجہ سے ترقی نہ کر سکے۔ اس لئے ملازمت ترک کرکے کاتب الحروف کے ساتھ علی گڑھ میں قیام فرمایا اور بنہایت محنت اور استقلال سے ایف اے۔ بی اے اور ایل ایل بی کے مسلم یونیورسٹی سے امتحانات پاس کرکے بلگرام میں وکالت شروع کی۔ والد کے انتقال کے بعد آپ تمام جائداد کا مسلسل انتظام کرتے اور تحفظ جائداد و پیروی مقدمات کا بڑی جانفشانی اور مستعدی سے انصرام کرتے رہے۔ بلاشبہ آپ کی کوششوں، کاوشوں اور حسن انتظام سے معرض خطر جائداد نہ صرف محفوظ رہی بلکہ کافی اراضیات رفتہ رفتہ قبضۂ کاشتکاران سے نکال کر مالکان کے قبضہ و تصرف میں لائی گئیں۔ جو اختتام زمینداری

کے بعد آج بھی بفضلہ تعالےٰ برادران کے قبضہ میں موجود ہیں۔

بلگرام میں بسلسلہ وکالت مستقل قیام کے بعد برادران کی عین خوشی کے مطابق آپ مشترکہ جائداد سے برسوں تنہا متمتع اور فیضیاب ہوتے رہے۔ پھر بھی پیشہ وکالت کے اثر سے مطمئن نہ رہ سکے۔ آپ کو مشترکہ موقوفہ آبائی جائداد کے واحد مالک بننے کا شوق پیدا ہوا جو رفتہ رفتہ اور در پردہ برادران کی چشم پوشی کی وجہ سے بڑھتا ہی گیا۔ یہاں تک کہ آپ نے آبائی مشترکہ جائداد کا ایک بہت بڑا حصہ فرضی اندراجات کا طومار بنا کر بذریعہ دستاویز رجسٹری شدہ مورخہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۴۷ء ومصدقہ ۲۱ نومبر ۱۹۴۷ء بحیثیت واحد مالک کامل اپنی اولاد کے حق میں خاموشی سے منتقل کر دیا جس پر برادران کو مجبور ہو کر بذریعہ متولی نہایت افسوس کے ساتھ عدالت منصفی غربی ہردوئی میں آپ کے خلاف چارہ جوئی کرنی پڑی بالآخر آپ کے خلاف مورخہ ۷ اپریل ۱۹۵۱ء کو ڈگری صادر ہوئی اور منتقل شدہ جائداد کلیتاً موقوفہ جائداد قرار پا کر واپس دلائی گئی جس کا کافی حصہ خود کاشت ہونے کی وجہ سے جملہ برادران کے قبضہ میں بدستور موجود ہے۔ آپ طبعاً نہایت سنجیدہ قدیم روایات کے دلدادہ اور خاموش طبیعت بزرگ ہیں۔ جن کا تمام برادران نہایت ادب واحترام کرتے اور آپ کے وجود گرامی سے تقویت محسوس کرتے ہیں۔ آپ اپنے اصولوں میں زیادہ سخت ہیں اور یہ بڑی خوبی ہے کہ جب کوئی بھائی مجبور ہو کر سوال وجواب کرنے لگتا ہے تو آپ خاموش ہو کر چھوٹے بھائی کو نادم وشرمندہ کر دیتے ہیں۔

قصبہ باون میں ایک معزز خاندان کی صاحبزادی محترمہ حبیب فاطمہ صاحبہ سے آپ کی شادی ہوئی اس وقت ماشاءاللہ آپ کے ۴ لڑکے محمد عسکری عبدالعزیز اسد علی محمد اسلم اور ۲ لڑکیاں وقار فاطمہ وامتیاز فاطمہ ہیں جو زیر تعلیم ہیں۔ ان میں وقار فاطمہ سلمہا نے ۱۹۶۰ء میں یوپی بورڈ سے ہائی اسکول سکنڈ ڈویزن میں پاس کیا ہے۔

الحاج قاضی محمد اعظم علی عرف منومیاں۔ آپ ۱۵ رجب المرجب کو بوقت فجر ۱۸۹۷ء میں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم سے لیکر انٹرنس تک اپنے بڑے بھائی قاضی محمد یوسف علی صاحب کے ہمراہ زیر تعلیم رہے۔ آپ خاندان میں بلکہ قصبہ بلگرام میں اپنے وقت کے نوجوانوں میں نہایت حسین وجمیل اور وجیہہ تھے ۱۹۱۴ء میں پڑھنا چھوڑ کر وطن میں قیام کیا کچھ دنوں مذہبی اور سیاسی جماعتوں کی رہبری اور حکام رسی مشغلہ رہا۔ وطن میں آپ کی بڑی عزت تھی محرم کے شیدائی شکار کے شوقین اور صوم وصلوٰۃ کے اوائل عمر ہی سے بیحد پابند تھے جس مجمع میں بیٹھ جاتے رونق ہو جاتی اور جس جلسہ میں تقریر کرتے جان پڑ جاتی وطن میں کبھی کسی سے اختلاف ہوا اور نہ کسی اختلاف میں پڑنا پسند کیا طبعاً درویش منش صلح کل ہنس مکھ اور ذہین تھے اس لئے وطن میں آپ بیحد ہر دلعزیز تھے۔ آپ کی کنیت ابو الشمس تھی۔

۱۹۱۶ء میں اپنے والد کے خالہ زاد بھائی سید تجمل[1] حسین صاحب گوپاموی وکیل کے سخت اصرار پر ان کے ہمراہ نرسنگھ گڑھ تشریف لے گئے۔ اور وہاں مہاراجہ نرسنگھ گڑھ کے اے ڈی سی مقرر ہوئے۔ کچھ دنوں بعد عالیجناب نواب سرور علی خاں بہادر والی ریاست کوروائی کے مشیر قانونی مقرر ہو کر کوروائی تشریف لائے۔ جہاں نواب صاحب بہادر کی خصوصی قدر دانی اور عزت افزائی سے ریاست میں آپ کو خاص وقار حاصل ہوا لیکن متعلقہ ذمہ داریوں کی وجہ سے آپ کو قلبی سکون حاصل نہ ہو سکا اور بالآخر نواب صاحب سے بمشکل اجازت حاصل کر کے بھوپال میں وکالت شروع کی اور جلد وکیل ہائی کورٹ ہو کر فوجداری کے بہت کامیاب اور مشہور وکیل ہوئے۔ وہاں آپ نے خوب ہی پیدا کیا۔ بڑی شہرت وعزت حاصل کی۔ نواب صاحب بہادر بھوپال کے مشیر خاص اور وزراء ریاست وعمائدین شہر کے خاص احباب میں شمار ہونے لگے۔ بھوپال میں متعدد مکانات اور زرعی جائداد میں



ابوالشمس الحاج قاضی محمد اعظم علی عرف منو میاں



قاضی محمد یوسف علی (رابع) عرف بڑے صاحب
بی - اے - ایل - ایل - بی (علیگ)



قاضی انوار احمد عرف چھنوں میاں
منیجر مجیدی پریس ڈانیور



قاضی رؤف احمد عرف رجن میاں ایم - ایس - سی (علیگ)
اسسٹنٹ ڈائرکٹر زراعت بھوپال

خریدیں اپنے چھوٹے بھائی قاضی رؤف احمد سلمہٗ ایم اے کا ریاست کے ایک اعلیٰ عہدہ پر تقرر کرایا۔ خوب ہی عیش و آرام سے کھایا کھلایا۔ اور تقریباً سو روپیہ ماہوار وطن کے غریبوں کو برس ہا برس بھیجا۔ محرم میں کافی روپیہ صرف کر کے معہ متعلقین بلگرام آتے اعزاداری میں بڑی دلچسپی لیتے ساتویں محرم کو اپنے گھر پر جاری عام سبیل کرتے محلہ میدانپورہ کی اعزاداری کے تمام مقررہ مرثیے بڑی خوبی سے پڑھتے خود بیدرروتے اور قصبہ کی تمام زیارتوں کو بڑے شوق سے جا کر دیکھتے اور محرم کی رونق بڑھانے میں ہمیشہ دلچسپی لیتے رہے۔ جب تک بلگرام میں قیام رہتا گھر پر ہندو مسلم، دوستوں عزیزوں اور خاص طور سے غریبوں کا مجمع لگا رہتا۔ روزانہ سیر و شکار کا پروگرام بنتا اور جب تک رہتے وطن میں ایک خاص لطف رہتا۔ جب کبھی ہنسی ہنسی میں بھائیوں کی پونجیوں کا ذکر آجاتا اور کوئی ان سے بھی ان کی پونجی کے متعلق پوچھ بیٹھتا تو مسکرا کر فرماتے ہاں بھائی میرے پاس بھی بفضلہ تعالیٰ کچھ ہے لیکن یہاں نہیں (آسمان کی طرف انگلی سے اشارہ کر کے) وہاں ہے۔

۱۹۱۹ء میں آپ کی دوسری شادی حافظ سید محمد اسحٰق صاحب ساکن سندیلہ کی صاحبزادی محترمہ شفیعہ خاتون صاحبہ سے ہوئی ۱۹۳۹ء میں آپ معہ اپنی اہلیہ محترمہ اور سراج سلمہ کے حج بیت اللہ شریف تشریف لے گئے۔ واپسی پر داڑھی بڑھائی اشراق و تہجد پابندی سے پڑھنے لگے۔ دنیاوی اذکار کم اور عقبیٰ کا اہتمام زیادہ ہونے لگا یہاں تک کہ وکالت کا کام بھی بہت کم کر دیا زیادہ وقت مسجد میں گذرنے لگا اور دوست احباب کی محفلوں میں خدا رسول کا ذکر کثرت سے رہنے لگا چہرہ پر عجیب شان تھی عبادت کے انوار طاری تھے زیادہ تر چہرہ تولیا سے چھپائے رکھتے۔ گویا دنیا سے حجاب کرنے لگے تھے پھر بھی جب ہم عمروں میں بیٹھ جاتے تو ایسی دلکش گفتگو کرتے کہ گھنٹوں کوئی اٹھنے کا نام نہ لیتا اور ہمہ وقت ہنستا ہی رہتا

۱۹۵۶ء میں بلا علم و اطلاع معہ بی بی کے ۵ محرم کی شام کو آخری بار گھر آئے سارے بلگرام میں شور مچ گیا۔ منو میاں آگئے منو میاں آگئے دوسرے دن صبح ہی سے پرانے احباب اور قدیم ساتھی جمع ہونے لگے اور بیاکر والے بڑے ہال میں پھر ہنسی ٹھٹھے شکوہ شکایت اور طرح طرح کے پُر لطف قصے ہونے لگے بعض دن یہ مجمع اتنا ڈٹا رہتا کہ ۲ بجے تک کھانے کی نوبت نہ آپاتی تھی۔ پندرہ روز کے قیام کے بعد ۱۷ اگست ۱۹۵۶ء کی صبح کو اپنے دوستوں عزیزوں اور بہت سے غریبوں کے ہمراہ جس وقت میرا مغموم بھائی چپکے چپکے رومال سے آنسو پوچھتا ہوا گھر سے آخری بار روانہ ہو کر اڈہ موٹر جا رہا تھا تو پیچھے پیچھے فرشتے اس کے نقش قدم سمیٹتے جا رہے تھے۔ آخر اپریل ۱۹۵۶ء میں آپ کی پیٹھ میں قدرے درد شروع ہوا جو رفتہ رفتہ بڑھتا ہی گیا کوئی علاج کارگر نہ ہوا تو نواب حمید اللہ خاں صاحب بہادر نے از راہ تعلقات قدیمانہ آپ کو اپنے اسپتال کے شاہی وارڈ میں داخل کر دیا لیکن جب وہاں بھی کوئی فائدہ نہ ہوا تو آپ کو بغرض علاج اندور لیجایا گیا وہاں کے ڈاکٹروں نے مرض سرطان کا آخری اسٹیج تجویز کر کے علاج سے انکار کر دیا۔ آپ بھوپال واپس تشریف لائے اور چند روز بعد ۲۱ جون ۱۹۵۶ء بروز چہارشنبہ مطابق ۱۲ ذالقعدہ ۱۳۷۶ھ بوقت ۹ بجے شب اپنے خرید کردہ مکان لب سڑک متصل مسجد نسترن میں کلمہ طیبہ پڑھ کر آخری لفظ بچوں کو مخاطب کرتے ہوئے "خدا حافظ" کہا اور انتقال فرمایا۔

دوسرے روز دس بجے دن جنازہ اٹھایا گیا۔ شہر کے امراء وزراء ججان ہائی کورٹ اور ۳۰ سال کے مقامی احباب اور موجود الوقت اعزہ کے علاوہ شہر کے عوام و خواص کا جم غفیر جنازہ کے ہمراہ تھا۔ مرحوم کے زوجہ ثانیہ سے ۲ لڑکے قاضی محمد عثمان علی اور قاضی سراج الدین سلمہٗ چھوٹے اولذکر پاکستان میں مقیم ہیں اور آخرالذکر ہنوز زیر تعلیم ہیں آپ کی ۵ لڑکیاں نصرت جہاں عشرت جہاں حمیدہ بانو سعیدہ بانو اور ارجمند بانو ہیں ان میں حمیدہ (سہیلہ) بانو بی اے مدرسہ نسواں میں ہیڈ مسٹرس ہے۔

مختار فاطمہ۔ منو بھائی سے چھوٹی بہن مختار فاطمہ عرف بوتا بوبو ۱۸۹۹ء میں پیدا ہوئیں۔ گھریلو تعلیم و تربیت

حاصل کرنے کے بعد فروری ۱۹۱۴ء میں سید عزیز احمد صاحب بلگرامی خلف الرشید جناب سید شبیر احمد صاحب بلگرامی کے ساتھ ان کی شادی ہوئی جو اپنی والدہ محترمہ مجیدی بیگم صاحبہ کی ریاست واقعہ خیرآباد ضلع سیتاپور کے مالک و کاربرداز تھے۔ آپ کا قصبہ خیرآباد کے معززروساء میں شمار تھا اور عرصہ درازتک آپ میونسپل کمشنر رہے۔ اختتام زمینداری کے سلسلہ میں تقریباً ایک ہزار روپیہ ماہوار کی جائداد ضبط ہوجانے کے بعد بھی ذاتی سیر و خود کاشت کافی ہے اس لئے مختار فاطمہ نے آپ کے گھر میں اپنی زندگی نہایت عیش و آرام سے گذاری اپنے حقیقی بھائی منومیاں کے ساتھ اپنے صرفہ سے ۱۹۳۶ء میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئیں اور اپنے دونوں لڑکوں کی شادیاں دھوم دھام سے کیں۔ آپ صوم وصلوٰۃ کی پابند اپنے خاوند کی بیحد خدمت گذار بھائیوں کی عاشق زار اور وطن کے نام پر جان دینے والی بی بی تھیں۔ آپ کا بڑا لڑکا سید نصیر احمد ہاشمی بلگرامی بی اے پاکستان میں اعلیٰ عہدہ پر ممتاز ہے۔ اور دوسرا چھوٹا لڑکا سید شبیر احمد ہاشمی بلگرامی عرف بنے میاں سلمہٗ خیرآباد میں اپنی خود کاشت کا اعلیٰ پیمانہ پر انتظام کرکے عیش و آرام سے زندگی بسر کررہا ہے۔ برادر محترم سید عزیز احمد صاحب بفضلہ تعالیٰ بقید حیات ہیں کئی حج کرچکے ہیں نہایت خلیق باشرع اور ہر دلعزیز بزرگ ہیں۔ جس سال حج بیت اللہ کو نہیں جاپاتے ہیں اس سال دوران محرم حج بلگرام فرماتے ہیں۔ مختار فاطمہ نے بعارضہ بخار کئی ماہ علیل رہ کر ۳۰ جون ۱۹۵۶ء مطابق ۲۰ ذالحجہ ۱۳۷۵ھ بروز دوشنبہ بوقت ۱۱ بجے دن خیرآباد میں انتقال کیا اور اپنی خوشدامن مرحومہ کے پہلو میں بعد نماز مغرب دفن کی گئیں۔

محمودہ بیگم۔ مختار فاطمہ مرحومہ کی چھوٹی بہن محمودہ بیگم ہیں جن کا نام اپنے محلہ کے موضع محمودنگر میں پیدا ہونے کی مناسبت سے محمودہ بیگم رکھا گیا۔ اس کی شادی سید مختار احمد صاحب ابن سید حافظ محمد اسحٰق صاحب ساکن سندیلہ سے ہوئی جو عدالت ججی لکھنؤ میں منصرم تھے ان سے ایک بچی رحمت فاطمہ ہے جو خیرآباد میں بیاہی گئی سید مختار احمد صاحب کے انتقال کے بعد محمودہ بیگم کا عقد ثانی شیخ ظہور الدین صاحب منیجر ریاست ضلع پیلی بھیت سے ہوا جن کا ایک لڑکا معین الدین سلمہٗ ہے جو لکھنؤ میں زیر تعلیم ہے نہایت نیک وسعید ہے اس کی دو بہنیں میمونہ خاتون اور افضل النساء بیگم ہیں۔

کلثوم فاطمہ۔ محمودہ بیگم سے چھوٹی بہن کلثوم فاطمہ ہیں ان کا عقد حکیم مولانا مقصود علی صاحب خیرآبادی لکچرار عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد سے ۲۶ مئی ۱۹۲۴ء کو ہوا اور رخصتی ۹ جولائی ۱۹۲۴ء کو ہوئی زمانہ درازتک حیدرآباد میں عیش و آرام کے ساتھ قیام رہا۔ اب سارا گھر پاکستان منتقل ہوکر کراچی میں مقیم ہے اس لئے زمانۂ دراز سے وطن آنا نہ ہوسکا۔ اس کے دو بچے عبدالمسعود اور ماجد علی اور ایک بچی ساجدہ سلمہا ہے۔ مقصود میاں کراچی میں بفضلہ تعالیٰ ایک معزز جگہ پر ملازم ہیں۔ اور اور ساجد میاں بھی ماشاء اللہ برسرکار ہیں۔ وطن کو بھولے نہیں ہیں۔ سب کو یاد کرتے رہتے ہیں۔

قاضی انوار احمد عرف چھنومیاں۔ ۱۹۰۸ء میں ۲۲ رمضان المبارک بوقت فجر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کرکے اسلامیہ اسکول اٹاوہ اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں انٹرنس تک زیر تعلیم رہے۔ سب سے پہلے راجہ مرسان کی ریاست میں ملازم ہوئے۔ وہاں سے ترک ملازمت کے بعد کئی جگہ ملازم رہے۔ پھر بھوپال میں نائب تحصیلدار اور عارضی تحصیلدار ہوئے۔ انضمام ریاست کے بعد ملازمت سے سبکدوش ہوکر آج کل مجیدی پریس کانپور کے منیجر ہیں۔ ان کی دو شادیاں یکے بعد دیگرے سید محمد زکی صاحب بلگرامی کی دختران سے ہوئیں۔ پہلی بی بی اشرف جہاں سے ایک لڑکی ندرت فاطمہ ہے اور دوسری بی بی خورشید جہاں سے دو لڑکے اسرار احمد اور اظہار احمد تین لڑکیاں نکہت، عصمت اور رفعت سلمہا ہیں جو زیر تعلیم ہیں۔ چھنومیاں کو شکار کا پیدائشی بیحد شوق ہے۔ اس لئے بھوپال میں اور یوپی کے مشہور اضلاع میں اہتمام کے ساتھ برسوں

شکار کھیلتے رہے جو کچھ پیدا کیا وہ ہمیشہ اچھی بندوقوں اعلیٰ رائفلوں اور بہتر کارتوسوں کی خریداری میں صرف کیا اور سب بھائیوں میں سب سے زیادہ شکار کا لطف اٹھایا۔ وہ طبعاً منکسر مزاج مہذب اور خلیق ہیں۔ اپنے بڑوں کی عزت اور افسروں کی عظمت کرنا خوب جانتے ہیں اس لئے ہر طبقہ میں ہر دلعزیز ہیں۔ صوم و صلوٰۃ کے بیحد پابند فرائض متعلقہ کی انجام دہی میں مستعد اور پیدل چلنے میں بڑے مشاق ہیں۔ چھنو میاں مشہور شوقین شکاری ہیں اس لئے ان کے تذکرے میں اچھا معلوم ہوتا ہے کہ بلگرام کی کچھ شکار گاہوں اور چند شکاریوں کا بھی تھوڑا سا ذکر کر دیا جائے۔ ان شکار گاہوں میں ہم تمام بھائیوں عزیزوں اور دوستوں نے اپنے معزز مہمانوں اور بعض محبوب جفا کاروں کے ساتھ برسوں شکار کھیلا اور زندگی کا لطف اٹھایا ہے۔ جن کی تفصیلات لکھی جائیں تو بلگرامیوں کے لئے بلاشبہ ایک بڑی دلچسپ کتاب بن جائے لیکن آزادی کے بعد دیہات میں گھر گھر بندوقیں ہو جانے سے اب مقامی پرند و چرند نابود ہو گئے ہیں۔

شکار اور شکاری

بلگرام کے دکھن میں ۴۔۵ میل کے فاصلہ پر پاس ہی پاس تین دریا گنگا گمبھیری اور قالندری بہتے ہیں جو برسات میں مل جل کر سمندر بن جاتے ہیں۔ اور سیلاب آجانے پر اک پٹ ہو کر بلگرام تا قنوج لہریں لیتے ہیں۔ ان میں ہر سال ملک کے مختلف بڑے دریاؤں سے گھڑیال مگر اور ناکے کثرت سے آجایا کرتے ہیں۔ جو سال بھر انہیں دریاؤں کے کنارے شکاریوں کو ملتے رہتے ہیں۔ جاڑوں کے دنوں میں انھیں دریاؤں کے ریت میں کلنگ (جو شاطر شکاریوں کے ہاتھ دھوکے ہی سے کبھی لگ جایا کرتے ہیں) قرقرے سون سرخاب اور قازدن بھر بیٹھے پڑے رہتے ہیں۔ اور جگہ بہ جگہ ہزاروں کی تعداد میں دکھلائی دیتے ہیں۔ بلگرام کے گرد و نواح میں کثرت سے چھوٹے بڑے تالاب ہیں جو سارا دن سیخ پروں نیل سروں سرخابوں اور چھوٹی بڑی مرغابیوں سے بھرے رہتے ہیں اور بعض تالابوں میں چڑیوں کی اتنی کثرت ہوا کرتی ہے کہ علی الصباح ان کے پروں کی آواز بلا مبالغہ ایک میل سے سنائی دیتی ہے۔ انہیں تالابوں کے اس پاس بہت دور تک اوسر کے وسیع میدان اور میدانوں کے ملحق لمبی چوڑی میلوں جھوڑیں ہیں جو لاتعداد ہرنوں سے بھری رہا کرتی تھیں۔ عام طور سے ایک معمولی شکاری صبح کو ناشتہ سے فارغ ہو کر تفریحاً پیدل شکار چلا جاتا تو قصبہ سے نکلتے ہی اس کو کھیتوں میں چہار طرف کبوتروں کے جھنڈ ملتے آگے باغات میں ہریل سرخ چوٹی کے بزرے درختوں پر اور تیتر بٹیر تیہر اور کرمانکیں بڑی کثرت سے زمین پر دکھلائی دیتیں۔ ان سب کو معمولی اور حقیر شکار سمجھ کر جب شکاری چھوڑتا ہوا تھوڑی دیر میں تالابوں اور اوسروں تک پہونچتا تو ان کو چڑیوں اور ہرنوں سے بھرا پاتا اور کھانے بھر کا شکار بڑی آسانی سے جلد مار لیتا اگر ذرا اور آگے بڑھ جاتا تو دوپہر تک گاڑی بھر کر لادا لایا کرتا تھا۔ قصبہ کے قریب مواضعات کھائی کنا پور سرونا درگا گنج برنی کریا پور اتر چھا اور محمود نگر کے میدانوں میں خود کاتب الحروف نے ۳۔۴ سو ہرنوں کے غول دیکھے اور انہیں میدانوں میں ان کو چل پھر کر ہزاروں کی تعداد میں دیکھے۔ اگر یہاں ہرنوں کے غول پر فیر کیا جاتا تو بندوق کی آواز سے آس پاس صدہا ہرن ادھر ادھر بھاگتے نظر آتے لیکن اس افراط کے باوجود عام شکاریوں کو پھنستے بہت کم تھے۔ نہ پھنسنے کے اسباب بھی بہت دلچسپ ہوا کرتے تھے۔

تحصیل بلگرام میں شکار کی اس درجہ کثرت ہونے کی وجہ سے جاڑوں میں احباب و اقارب اکثر والیان ریاست کبھی یو۔پی کے گورنر اور کلکٹر دور دور سے معزز شوقین شکاری آیا کرتے جن کا روسا قصبہ اور حکام ضلع موقع پر پہونچ کر استقبال کرتے اور ان کی تفریحات و شکار کے لئے خاص انتظامات کرتے اکثر معزز مہمانوں کی خاطر و مدارات میں لکھنؤ سے طوائفیں طلب کی جاتیں۔ دن بھر دُھر میں چڑیوں کا شکار ہوتا اور رات کو رقص و سرود کی محفلیں گرم ہوا کرتیں۔

۱۹۳۵ء تک جس قدر شکار کی افراط تھی اسی قدر شکاری سامان سستا اور لوازمات شکار ارزاں تھے۔ معمولی کارتوسی دونالی نئی ولایتی بندوق سوا سو ڈیڑھ سو میں درجہ اوسط کی دو سو میں نہایت عمدہ بندوق تین سو روپیہ میں اور بھرنے والی دونالی ولایتی بندوق پچیس روپیہ میں مل جایا کرتی تھی۔ اسی طرح عمدہ رائفل بھی ڈیڑھ سو دو سو یا پھر ڈھائی سو روپیہ کا بہت اچھا آیا کرتا تھا سکنڈ ہینڈ بندوقیں اکثر بہت اچھی اور سستی ملجایا کرتی تھیں۔ ۱۹۳۵ء میں مال خانہ کلکٹری علی گڑھ کی ۶۰ کارتوسی سکنڈ ہینڈ بندوقیں یکجائی نیلام ہوئیں تو قاضی خلیل الدین احمد منیجر الٰہی بخش کمپنی میرٹھ کو صرف ۱۸۰۰ روپیہ میں مل گئی تھیں۔ اسی طرح بارہ بور کے کارتوس (۳) روپیہ سیکڑہ معمولی رائفلوں کے کارتوس ۱۵۔۲۰ روپیہ سیکڑہ۔ بارود ولایتی

تین روپیہ پونڈ اور ڈھائی سو ٹوپیاں ڈیڑھ روپیہ کو ملا کرتی تھیں لیکن انگریزی دور میں کسی عام شخص کے لئے ایک بھرنے والی بندوق کا بھی لیسنس حاصل کرنا حصول سوراج کے مترادف ہوا کرتا تھا۔ اس وجہ سے بلگرام میں صرف چند رؤسا کے پاس گنتی کی بندوقیں تھیں۔ اور دور دور تک تمام مواضعات میں کوئی لیسنسدار نظر نہ آتا تھا۔ تمام دیہاتی باشندگان شکاری کو طرہ بندوق کی وجہ سے لازماً بڑا آدمی سمجھتے اس کی فخریہ خاطر و مدارات کرتے دن بھر ساتھ رہ کر اپنے حلقہ میں شکار کھلاتے دودھ پلاتے اور کبھی کبھی رسوخ بڑھانے کو اپنی گاڑی پر شکار لاد کر مفت گھر پہنچا دیا کرتے۔ شکاری کو شکار کھیلنے کی کہیں روک ٹوک نہ تھی جہاں چاہتا شکار کھیلتا جس پر چاہتا فیر کرتا اور جس موضع میں مناسب سمجھتا کئی کئی دن مسلسل قیام کرتا۔ اس آزادی کا خاص سبب یہ بھی تھا کہ قصبہ بلگرام کے چہار طرف مسلسل مواضعات مسلم شرفاء بلگرام کی ملکیت تھے۔

برسات میں جب پانی رفتہ رفتہ دریاؤں میں بڑھنا شروع ہوتا تو ضلع فرخ آباد کے بھی نشیبی جنگلات کے تمام ہرن اور نیل گاؤ سینکڑوں کی تعداد میں آہستہ آہستہ سمٹ کر بلگرام کے قریب میدانوں میں آجاتے اور جب وہاں بھی پانی بھر جاتا تو پھر مجبوراً مذکرہ بھوڑوں پر چڑھ آتے گویا دیگچی میں آجاتے۔ اب یہ کام شکاریوں کا تھا کہ وہ جس قدر جفاکش نادر انداز اور بھوڑ کے واقف کار ہوتے وہ اتنے ہی زیادہ شکار میں کامیاب ہوتے جس رات کو پانی خوب برستا تو من چلا شکاری رات بھر بے چین رہتا صبح ہوتے ہی اپنے ساتھیوں کو لیکر بھوڑ پر پہونچ جاتا اور تڑ تڑ شکار کر کے کبھی ۲ کبھی ۴ ہرن چپکے سے لا دلاتا۔ اور ذرا دن چڑھے جب ملازم بازار سے گوشت لیکر واپس آتا تو گھر میں شکار کا ڈھیر لگا دیکھتا۔

اس کے بعد کچھ آرام طلب شکاری کھاپی کر اور احباب کو ساتھ لیکر پہونچتے ان کو بھی کافی دوڑ دھوپ کے بعد کچھ نہ کچھ مل ہی جاتا۔ ان کے علاوہ چند خاص رؤساء بھی شکاری تھے جو ہفتوں ارادہ کرتے پھر کچھ دن تیاریوں میں لگاتے کبھی زیادہ بارش سے ارادہ ملتوی کر دیتے اور کبھی تیز دھوپ کا عذر کر کے عین وقت پر ٹال جاتے پھر بھی سال میں دس پانچ بار ان کو لاؤ لشکر کے ساتھ برسات میں نکلنے اور جاڑوں میں شکار کھیلنے کا موقع مل ہی جایا کرتا تھا۔ یہ حضرات جب روانہ ہوتے تو معلوم ہوتا کہ بن دولہا کے کوئی بارات جا رہی ہے اس لئے راستہ میں جو بھی مل جاتا وہ ساتھ ہو لیتا۔ گھر سے نکلتے ہی سو بار موسم کی شکایت کرتے نوکروں کی بدانتظامی پر خفا ہوتے۔ پانوں کی ڈبی یا قوام کی ڈبیہ بھول آنے پر گالیاں دیتے جگہ جگہ بیٹھتے اور قدم قدم پر حقے بھروا کر پیتے گھنٹوں میں ۲ میل کا سفر طے کر کے جب ان کو اختیار پور کی بھوڑ والی ٹیکن دیوی کی پاکر دور سے نظر آتی تو ان کے جان میں جان آجاتی۔ وہاں پہونچکر پہلے دسترخوان بچھتا شکم سیر ہو کر شکار سے زیادہ لذیذ و مرغن کھانا کھایا جاتا پھر چلم کا ایک طرف دیگچہ چڑھایا جاتا دوسری طرف طبلہ ٹھنکنے اور ہارمونیم بجنے لگتا اور کسی نوکر کو حکم ہوتا کہ پاکر پر چڑھ کر ہرنوں کا پتہ لگاؤ۔

نوکر دو چار ہی ہاتھ چڑھ کر چلاتا میاں۔ ہیں ہیں وہ کھڑے ہیں ۱۰-۱۲ ہیں ۳ کالے اور ۲ مھنڈے ہیں پھر دوسری طرف دیکھ کر کہتا میاں ادھر تو بہت ہیں کوئی ۵۰ ہوں گے بڑے بڑے کٹ سائل ہیں پھر کہتا وہ وہ ارے دیا وہ بھاگتے آرہے ہیں میاں جلدی کرو بالکل تمہارے سر پر ہی آرہے ہیں۔ یہاں تک کہ ۵۰ یا ۶۰ کا غول بھاگتا ہوا سب کے پاس ہی سے گذر جاتا لیکن بندوق بھری نہ ہونے کی وجہ سے سب لوگ ایک دوسرے کا منہ تکتے اور ہاتھ ملتے رہ جاتے۔ دن بھر اسی قسم کے حادثے ہوتے رہتے اور شام تک ایک آدھ زخمی ہرن کو دوڑ دھوپ سے پکڑ کر گھر واپس آجایا کرتے تھے۔ کچھ شکاری ایسے تھے جو سر شام سے گھروں پر ۱۲ بجے رات تک حلقہ احباب میں گایا بجایا کرتے اور ایک بجے رات گاڑیوں پر لحاف اوڑھ کر سو جاتے۔ علی الصباح شکارگاہ پہونچ کر خود ناشتہ تیار کرتے چاء بناتے اور کھاپی کر شکار کھیلتے۔ کھانے پینے کا مکمل سامان بڑی افراط سے ساتھ لیجاتے جو کچھ دوپہر تک شکار ملتا اس کو وہیں بڑے اہتمام سے اپنے ہاتھوں مل جل کر پکاتے اور نوش جان کر کے زیادہ تر شام کو خالی ہاتھ گھر آجایا کرتے تھے۔ یہ طریقہ کاتب الحروف کے خاندان کا معمول تھا۔ ایک بار موضع ہتورا کے تالاب پر ہم لوگوں نے افراط سے شکار مارا ۳۰-۳۵ مرغابیاں و سیخ پر وغیرہ ایک دیگچہ میں تین روپیہ کا تین سیر گھی ڈال کر چڑھائی گئیں اور ۴ میل دور موضع سے بذریعہ بھگو بھوجی گاڑی بان ساکن محلہ قاضی پورہ جو ابھی زندہ ہیں ایک روپیہ کا آٹا منگوایا گیا۔ ایک دن کو خالص گھی میں ڈوبا ہوا سارا شکار دم پر لگا دیا گیا اور انتہائی بے تابی کے ساتھ روٹی کے لئے آٹے کا انتظار ہو رہا تھا۔ ساتھی

دوبین لگا لگا کر بھگو کو دیکھتے اور اس کی آمد کی جھوٹی خبر سنا کر ساتھیوں کی جان میں جان ڈال دیا کرتے تھے۔ بالآخر لالہ بھگو کل دور سے چمکے اور خدا خدا کرکے آئے تو خالی ہاتھ پوچھا گیا کیوں کیا آٹا نہیں لائے جواب دیا میاں دوکاندار سالہ بڑا بے ایمان تھا دنیا بھر میں نو آنا روپیہ کا دس سیر بک رہا ہے اور وہ بے ایمان ایک روپیہ کا صرف نو سیر آٹا دے رہا تھا اس لئے میاں ہم اتنا گراں آٹا مول نہیں لائے۔

یہ سنکر تمام ساتھیوں پر اچانک بم پھٹ پڑا اور سب کو جس قدر تاؤ آیا اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے الغرض سب کا سارا غصہ دیگچہ پر اترا اور جس طرح اجمیر شریف کے مزار کی آن واحد میں دیگ لٹتی ہے اسی طرح ۲۰-۲۵ ساتھیوں نے ایک دم ہلا بول کر منٹوں میں دیگچہ صاف کر دیا۔

قاضی رؤف احمد عرف جن میاں

سب سے چھوٹا اور سب کا پیارا بھائی رجن ہے ۱۹۰۹ء میں ۲۲ ذیقعدہ کو بوقت فجر پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کرکے پہلے اسلامیہ اسکول اٹاوہ میں پھر کاتب الحروف کے ساتھ علی گڑھ میں رہ کر نہایت اچھے نمبروں انٹرنس سے ایم ایس سی کلاس تک جملہ امتحانات علی گڑھ یونیورسٹی سے سکنڈ ڈویژن میں پاس کئے ۱۹۳۳ء میں فارغ التحصیل ہو کر پہلے علی گڑھ میں لکچرار ہوئے بعد کو بھوپال جا کر شعبہ زراعت کے اسسٹنٹ ڈائرکٹر مقرر ہوئے اور تا تحریر ہذا اپنے اہم فرائض بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں۔ شہر بھوپال محلہ شاہجہاں آباد میں ایک وسیع مکان خرید کیا اور اس کے متصل متعدد دوکانیں بنوائیں اس کی پہلی شادی مولوی حکیم سید انیس احمد صاحب خیرآبادی طبیب شاہی حیدرآباد کی بچی وثیق فاطمہ سلمہا سے ہوئی تھی جس نے بعالم شباب اوائل جون ۱۹۵۶ء میں بمقام بھوپال انتقال کیا اور ایک معصوم بچہ فضل الرحمٰن سلمہ اور ۵ لڑکیاں حالہ، رؤف شوکت فاطمہ نفیس فاطمہ سلمیٰ فاطمہ اور نجمہ فاطمہ چھوڑیں جو ماشاء اللہ سب کی سب بھوپال میں باقاعدہ تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔

بھائی بہنوں کے بعد مجھے اُن پاک روحوں کو یاد کرنا ان کے لئے بصمیم قلب سے دعاء مغفرت کرنا اور ان کی رفاقتوں کے تصورات سے تادم مرگ شرمندۂ احسان رہنا ہے جنہوں نے میرے ماں باپ کی بے پناہ خدمت کی ان کی راحت و آرام کی خاطر نہ کبھی دن کو دن سمجھا اور نہ بوقت ضرورت رات کو رات۔ ان سے زیادہ ان کی اولاد کو چاہا۔ مردوں نے اپنی جان کی بازی لگا کر بوقت ضرورت گھر کے وقار کو برقرار رکھا اور عورتوں میں سے کسی نے برس ہا برس کھانا پکا کر کھلایا کسی نے بچوں کو دودھ پلایا کوئی رات رات بھر کسی بھائی بہن کو لئے کھڑی رہی کوئی لوریاں دیکر انھیں اپنی چھاتی پر سلاتی کوئی نہلاتی دھلاتی اور گودوں میں لاد کر بازار کی سیر کراتی میلا ٹھیلا دکھلاتی اور بعض تو وہ کوڑیاں جو انھیں مہینہ بھر جان کھپانے کے بعد ملا کرتیں وہ بھی لاڈو دلار میں انہیں بچوں کو چٹا دیا کرتیں جنہیں وہ مثل اپنی اولاد کے چاہتیں پالتیں اور پرورش کرتی تھیں۔ ان میں کچھ تو مرکر نکلیں یا پھر تادم مرگ میرے گھر سے متعلق رہیں۔ ان مرحومین میں سے چند کے نام بھی بطور یادگار مثل اپنے عزیزوں کے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ افسوس ہے حالات بوجہ کمی گنجائش درج نہ کئے جا سکے۔

مردوں میں جھنگری۔ بدری جیا اور کنٹھی اہیر ساکنان موضع محمود نگر۔ چاند خاں شیخ نیازن۔ بدھو خاں۔ وزیر خاں ولد علی محمد خاں ساکنان محلہ قاضی پورہ اور مخدوم بخش خیرآبادی۔ عورتوں میں منو اماں والدہ احمد خاں۔ بٹھانی چچی والدہ غفور خاں ظہورن دادی والدہ عوض علی بدھو اماں بیوہ رحیم بخش۔ والدہ بدھو خاں واہلیہ بدھو خاں ساکنان محلہ قاضی پورہ۔ بڑے گھر کی نصیبا بوا عرف دائی اور سنتا خالہ بنت ولی محمد استاد سوانگ محلہ سگرا وغیرہ۔ ان میں بدھو خاں نے آنکھیں کھول کر مرتے دم تک جو خدمات انجام دیں وہ آج تک ضرب المثل ہیں۔ مرحوم نے مرض سرطان میں مبتلا ہو کر ۱۹۴۲ء میں انتقال کیا اور قبر ہا والے باغ میں دفن ہوئے ایک لڑکا ہینگا نامی چھوڑا جو پیدا ہو کر مسلسل ساٹھ برس تک اسی گھر میں پلا بڑھا اور بدستور ملازم رہا لیکن اختتام زمینداری کے بعد ایسا بے وفا نکلا کہ جو اراضیات اس کے نام اپنا آدمی سمجھ کر قدیم مالکان نے مندرج کرا دی تھیں ان پر قابض ہو گیا۔ اور ۱۹۵۷ء میں لاولد فوت ہوا۔

قبرستان

خاندان قضاۃ بلگرام کا سب سے قدیم قبرستان میدان بیل میں کربلا کے متصل جانب غرب وجنوب واقع ہے جس میں امیر المجاہدین قاضی محمد یوسف گازرونی وغیرہ کے مزارات ہیں۔ اس کے بعد دوسرا قبرستان تاڑ والا باغ ہوا جو اب باغ نہیں ہے بلکہ کھیت ہے اور جو بیل کے متصل جانب جنوب وہ اراضی ہے جو پورب پچھم اور دکھن کی طرف ۳ شارع عاموں سے گھری ہوئی ہے اس میں بندگی قاضی عبدالدائم ابوالفتح قاضی کمال اور قاضی ابو المکارم وغیرہ کی مقابر ہیں۔ جن کو کاشتکاران نے کھیت میں شامل کر کے جابجا قبروں کے ڈھیر چھوڑ دیئے ہیں۔ اس کے بعد محلہ قاضی پورہ کے جنوب اراضی قصبہ میں گڑھیا تالاب کے متصل جانب جنوب اراضی پھلواریہ میں قبرستان قائم کیا گیا جس میں ابو العادل قاضی محمد یوسف ثالث قاضی محمد فضیل قاضی محمد حافظ قاضی محمد ناصر اور قاضی احسان وغیرہ مرحومین کی قبریں ہیں جن پر ایک وسیع پختہ چبوترہ بنا دیا گیا ہے جو تا حال موجود ہے آخر میں اس قبرستان کے قریب تقریباً دو صد گز کے فاصلہ پر چوتھا قبرستان واقع قصبہ بلگرام موسومہ قبر والے باغ میں قائم کیا گیا جس میں قاضی احمد اللہ قاضی علی احمد قاضی مجدالدین محمد قاضی شریف احمد اور قاضی قطب حیدر وغیرہ اور مستورات میں ندرت فاطمہ بانو بیگم اور رسول فاطمہ وغیرہ کی مقابر کے علاوہ مخدوم بخش خیرآبادی اور بدھو خاں ملازم قدیم معہ اہلیہ کے مقابر موجود ہیں اب حال ہی میں پانچواں قبرستان خاندان قضاۃ بلگرام کے موجودہ افراد نے اپنی مملوکہ اراضی واقع متصل جامع مسجد اوپر کوٹ جانب شمال قائم کیا ہے۔ جس میں سب سے پہلے برادرم مولوی لیاقت حسین صاحب مرحوم ابن مولوی محمد بخش صاحب ساکن قصبہ گوپامئو مورخہ ۲ ستمبر ۱۹۶۱ء مطابق ۹ ربیع الاول ۱۳۸۱ھ بروز جمعہ بعد نماز جمعہ مسلسل بارش میں دفن ہوئے۔

کچھ عجیب اتفاق ہے کہ مرحوم کی شادی بلگرام میں مسلسل کئی دن کی موسلادھار بارش میں ہوئی تھی اور موت بھی حالیہ طوفانی بارش میں واقع ہوئی۔ یہ بارش اگست و ستمبر ۱۹۶۱ء میں مسلسل یو۔پی بھر میں ہوتی رہی جس نے تمام سابقہ طغیانی کے ریکارڈ مات کر دئیے اور قصبہ بلگرام کے صدہا پختہ مکانات کے ڈھیر لگا دئے۔

بالائے کوٹ کے آخری محلات

سنہ ۱۲۰۰ھجری میں مسماۃ رحمت بی بی بنت قاضی محمد احسان منکوحہ غلام محی الدین ابن غلام قطب الدین احمد عرف گمان میاں (جنھوں نے متصل قاضی پورہ بنا محلہ گمان گنج آباد کیا تھا۔) بن معین الدین احمد بن الہ داد بن روح الامین خاں ابن قاضی محمد سعید عثمانی نے جملہ متروکہ جائداد شوہر اپنے شوہر کی اجازت سے اپنے بھائی قاضی احمد اللہ کے لڑکے قاضی علی احمد کو ہبہ کر دی جس کی مکمل نقل رسالہ قاضی شریف احمد مرحوم میں جو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی لائبریری میں داخل کیا گیا ہے موجود ہے۔ اس تملیک نامہ سے پتہ چلتا ہے کہ آج سے ۱۸۰ سال قبل تک اوپر کوٹ پر خاندان قضاۃ کی متعدد دو منزلی حویلیاں کھڑی تھیں نیز قصبہ میں ایسے بہت سے محلے آباد تھے جو اب معدوم ہو چکے ہیں۔ "زمین حصار راجہ سری معہ زمین پائیں شرق واقع بلگرام مشہور بہ قاضی پورہ و بعضے تا مسجد پیر محمد الملقب پیر اصدے ابن عنایت اللہ شریف و تا حد محلہ شریف پورہ شمالی حد پیوستہ زمین آبادی چھڑیا پارہ (موجودہ محلہ کھترانہ) و بعضے زمین باجے تبولی و چھید احجام واقع محلہ چری پورہ شرقی حویلی شیخ سلیمان و حویلی نہال احمد حویلی روح الامین خاں اندرون حصار مذکور الحال مشہور بہ بالائے کوٹ یکے متصل حویلی اللہ یار شہید دو منزل حویلی متصل جامع مسجد ضیاء الملک قاضی محمود نیز باغ ارجہنا قاضی بڈھ واقع لال پور و نصفی باغ مقابر قاضی عبدالدائم مشہور بہ باغ تاڑ و چک قاضی محمد سعید یک قطعہ زمین مقابر قاضی بھکھاری باغ قاضی بایزید حد پیوستہ بیل برائے مقابر غربا وقف قاضی محمد یوسف مکی المدنی گازرونی و یک قطعہ اراضی چک قاضی بھکھاری منجملہ آبادی گمان گنج و چک حضرت خواجہ عماد الدین وقف کردہ قاضی محمد یوسف کلاں برائے مصارف درگاہ و باغیچہ مستان و حاجی رحم علی باغ پھلواری و چک ائمہ ملک قاضی محمد حافظ متصل مقبرہ پیر غار شہید و چک قاضی عبدالحئی نیز لبست لبسوہ موضع کھندریہ و لبست لبسوہ موضع پرولی عملہ پرگنہ بلگرام و لبست لبسوہ موضع ہری پور واقع کچھہ پرگنہ بلگرام۔"

تاریخ چاہ پختہ

تاریخ تعمیر چاہ پختہ باغ پیر حمید المعروف پیر حمید (یعنی بڑا باغ نمبر ۵۰ لغایتہ ۵۳ واقع موضع جلال پور جس میں قاضی احسان مرحوم کے لگائے چند درخت ابتک ۱۹۶۰ء تک موجود ہیں)

قاضی احسان رفیع الشان کہ از بہر ثواب | ساخت چاہ باغ خود تعمیر بانکو صفات
داده با لف مصرعہ تاریخ در عالم صلا | فی سبیل اللہ زلال چشمہ ماء الحیات

مولوی سید محمد حیات حسین عباسی

آپ کا سلسلہ نسب سیدنا عبداللہ بن حضرت عباس تک پہنچتا ہے۔ اس لئے آپ کے افراد خاندان اپنے کو عباسی لکھتے ہیں آپ کے مورث اعلیٰ مخدوم محمد براق رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان تشریف لاکر بابا فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہوئے جن کی اولاد میں نامور بزرگ اور ذی عزت حضرات نسلاً بعد نسلاً پیدا ہوتے رہے۔ آپ کے بزرگوں میں سید فیض بخش صاحب عباسی عہدۂ پنج ہزاری پر مامور ہو کر گورنر صوبہ بند کی مقرر ہوئے اور آپ کے بیٹے سید انصار محی الدین جاگیردار نے انتظام معافیات کے سلسلہ میں گھاٹم پور ضلع کانپور میں مستقل قیام فرمایا حیات حسین صاحب کے دادا سید اکرام حسین ڈپٹی کلکٹر سرسید مرحوم کے دوستوں میں تھے آپ کا فوٹو سرسید مرحوم کے ساتھ اب تک موجود ہے اور آپ کے نام کا کتبہ مسلم یونیورسٹی اسٹریچی ہال میں لگا ہوا ہے۔ حیات صاحب کے والد محترم سید مبارک حسین صاحب زمانہ دراز تک بحیثیت سنٹرل ناظر ججی مرزا پور میں مقیم رہے۔ اس لئے وہیں کے ہو رہے۔

سید محمد حیات حسین صاحب قبلہ ۱۹۰۷ء میں ملازم ہو کر ۱۹۱۹ء میں بعہدہ کیپوٹر بالنس بریلی میں تعینات ہوئے یسارده کینال کے ابتدائی مراحل میں آپ نے بڑی نمایاں خدمات انجام دیں جس کے صلہ میں سرمالکم ہیلی گورنر یو۔پی نے آپ کو ترقی دیکر اعزاز بخشا۔ آپ کا ذکر خیر تاریخ بلگرام میں اس خصوصی مناسبت کی وجہ سے شامل کیا جا رہا ہے کہ آپ کی انتہائی خاموش کوششوں سے سارده کنیال جو ہردوئی شہر سے ملی ہوئی نکالی جا رہی تھی متصل تحصیل بلگرام نکلی اور اہل بلگرام آپ کے مخلصانہ فیضان سے سیراب ہوئے۔ ۱۹۲۱ء میں آپ نے سعیدہ بیگم صاحبہ بنت شیخ فخر الدین صاحب مرزا پوری سے عقد ثانی کیا۔

شیخ فخر الدین صاحب کے والد شیخ ضیاء الدین صاحب صدیقی قصبہ جائس ضلع رائے بریلی محلہ انصاری کے قدیم باشندہ تھے شیخ فخر الدین ترک وطن کرکے شہر مرزا پور محلہ دلی گنج میں آکر سکونت پذیر ہوئے۔ اور پیشہ وکالت اختیار کرکے کافی فروغ حاصل کیا۔ آپ کی شادی حاجی شاہ بو علی صاحب ساکن ورئیس ظفر آباد ضلع جونپور کی دختر عالیہ بی بی سے ہوئی جن کے بطن سے شیخ ظہیر الدین شیخ اظہار الدین اور شیخ عزیز الدین اور ایک بہن سعیدہ بیگم پیدا ہوئیں۔ شیخ ظہیر الدین صاحب مرزا پور میں بہت مشہور و معروف مختار عدالت ہوئے۔ آخر عمر میں پاکستان تشریف لے گئے اور وہیں راہی ملک بقا ہوئے۔ شیخ عزیز الدین نے بعالم جوانی مرزا پور میں انتقال فرمایا۔

شیخ اظہار الدین صاحب قبلہ ۲۲ ذوالحجہ ۱۳۰۳ھ ہجری بروز چہار شنبہ مرزا پور میں پیدا ہوئے ۱۹۰۶ء میں مرزا پور سے انٹرنس ۱۹۰۸ء میں الہ آباد میور کالج سے ایف اے پاس کرکے علی گڑھ ایم۔ اے۔ او کالج میں داخلہ لیا اور آپ کا قیام سید محمود کورٹ کے کمرہ ۲۶ میں متصل کمرہ ڈاکٹر ایل کے حیدر اور قاضی عزیز الدین احمد بلگرامی رہا۔ ۱۹۱۰ء میں آپ کا عقد سید مصطفےٰ حسین صاحب رئیس وساکن جونپور کی دختر امت الساری بی بی سے ہوا اور ۱۹۰۷ء میں رخصتی ہوئی جن کے بطن سے ایک لڑکی صفیہ خاتون عرف جینا بیگم ۱۹۱۱ء میں اور ایک لڑکا اقبال الدین احمد ۱۹۱۲ء میں پیدا ہوا۔ لڑکی جینا بیگم مذکور کا عقد یکم جنوری ۱۹۳۰ء کو بر مکان سید حیات حسین صاحب محلہ شاہ آباد بالنس بریلی میں شریف الحسن بلگرامی مؤلف کتاب ہذا کے ساتھ ہوا اور رخصتی ۲۲ مئی ۱۹۳۰ء کو اسی گھر سے پورے اہتمام و انتظام کے ساتھ کی گئی۔ اقبال احمد لڑکے کی شادی حیات حسین صاحب کے برادر خورد مولوی خصلت حسین صاحب صابری ریٹائرڈ ڈپٹی انسپکٹر مدارس کی لڑکی رضیہ خاتون سے ہوئی جس نے عین عالم شباب

میں بمقام کراچی انتقال کیا۔ اور دو بچیاں اپنی یادگار میں چھوڑیں۔

شیخ اظہر الدین صاحب پہلے الہ آباد ہائی کورٹ میں بعہدہ مترجم فائض ہوئے پھر عدالت ججی مراد آباد میں بمشاہرہ تین سو روپیہ ماہوار منصرم مقرر ہوئے۔ آپ کا مراد آباد میں قیام تقریباً ۲ برس ۱۹۱۳ء لغایتہ ۱۹۲۴ء رہا۔ اسی اثنا میں آپ کی اہلیہ محترمہ نے بماہ مئی ۱۹۲۳ء انتقال کیا اور محبوب حسن صاحب مراد آباد کے خاندانی قبرستان موسومہ بغیا میں دفن ہوئیں۔ مرحومہ کی پختہ قبر پر "اہلیہ شیخ اظہر الدین بی۔ اے مترجم ججی" کتبہ لگا ہوا ہے۔

۱۹۲۳ء میں آپ نے مسلم یونیورسٹی سے ایل ایل بی کا امتحان پاس کر کے مرزاپور میں وکالت شروع کی لیکن علمی ذوق اور مختلف علوم کے حصول شوق نے اس پیشہ میں نمایاں ترقی کا آپ کو موقعہ نہ دیا۔ آپ نے بنگلہ، عربی، فارسی اور سنسکرت زبانوں میں کافی استعداد پیدا کی اور بہت سی کتابوں کے مختلف زبانوں میں ترجمے کئے۔ آج کل آپ کا مرزاپور میں تنہا قیام ہے۔ آپ کا نیک سمجھدار اور لائق بیٹا اقبال الدین احمد ایک اچھے عہدہ پر پاکستان میں فائز ہے۔ اور کراچی میں کوٹھی بنوا کر فارغ البالی کی زندگی بسر کر رہا ہے۔

حیات صاحب کا ۱۹۲۱ء میں سعیدہ بیگم صاحبہ کے ساتھ عقد ہو جانے اور ان کے بریلی تشریف لے آنے کے بعد حیات صاحب کا گھر محبت و اخلاص اور خاطر و مدارات کا آپ کے تمام احباب اور جملہ اعزہ کے لئے ایک سنگم بن گیا تھا۔ جو معزز مہمانوں عزیزوں اور احبابوں سے ہمیشہ بھرا رہتا۔ اور حیات صاحب کے دفتر کے ساتھی ملازم سید محمود اور سعید احمد صاحبان مہمانوں کی ہمہ وقت اس قدر خاطر و مدارات کرتے اور بہ اصرار ہاتھ پکڑ کر اس طرح روکتے جیسے حیات صاحب سے کسی دلی رنجش کا بدلا لے رہے ہوں اس لئے ارزانی کے باوجود حیات صاحب کی معقول تنخواہ ۲۰ تاریخ سے زیادہ کبھی نہ چل سکی لیکن حیات صاحب مہینہ کی ۲۱ تاریخ کو اپنے مہمانوں کا جس مسرت سے استقبال کرتے وہ پہلی تاریخ کے آنے والے مہمانوں کو نصیب نہ ہوا کرتا تھا۔ بالآخر زمانہ بدلا پاکستانی بھونچال آیا معزز مسلم مجبور ہو ہو کر وطن سے بے وطن ہوئے اور اس طوفان میں کیسے کیسے انمول موتی بے بہا جواہرات اور مایہ ناز ہستیاں گھر سے بے گھر ہو کر اپنے عالیشان محلات سرسبز باغات، بے پناہ املاک اچھے سے اچھے مخلص احباب اور جان نثار اعزا کو جیتے جی روتا تڑپتا ان مقامات کے لئے چھوڑ کر چل بسے جن کو افسوس نہ انہوں نے کبھی دیکھا تھا اور نہ سنا۔ ان میں حیات حسین صاحب کا بھی ایک کنبہ ہے۔ حیات صاحب اور آپ کی اہلیہ محترمہ سعیدہ بی بی نے مل جل کر ساری زندگی اپنے خاندان کے ضرورت مند افراد کی جس قدر امداد کی ان کے بچوں کو ساتھ رکھ کر تعلیم دلائی، احباب کا ہاتھ بٹایا غریبوں کو اپنایا اور سارے جہاں کا درد دونوں نے اپنے دلوں کا دکھ تصور کر کے جو عوام کی خدمات خاموشی سے مسلسل انجام دی ہیں ان کی آج کی دنیا میں مثال ملنی دشوار ہے۔ دعا ہے آپ دونوں اور آپ کی اولادیں ہمیشہ وہاں خوش رہیں اور ہم غریب ہندوستانی اعزہ کو کبھی نہ بھولیں آمین۔

شریف الحسن عرف ننھوں (مولف)

میری پیدائش کی قمری تاریخ مع وقت یعنی سترہ ذالحجہ عین بعد مغرب تو میری ماں نے بتائی لیکن عیسوی تاریخ ۲۴ اکتوبر ۱۹۰۱ء کا پتہ مجھے مخدومی مفتی امداد علی بلگرامی مرحوم کی کتاب یادداشت سے چلا۔ ماں سے مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ میں اپنے جدی مکان کے بالاخانہ پر پیدا ہوا۔ میرا عرفی نام جو مجھے اچھا لگتا ہے کس بزرگ کا انتخاب تھا مجھے نہیں معلوم البتہ مستند نام شریف الحسن مخدومی پیرزادہ سید محمد زاہد صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کا تجویز کردہ ہے بچپن میں جب کبھی ماں جھاڑ پھونک دلوانے بھیجتیں یا ہم والد مرحوم کے ہمراہ عید میں سلام کرنے جاتے تو پیرزادہ صاحب قبلہ میرا نام ضرور پوچھتے اور مسکرا کر ہمیشہ فرماتے کہ یہ نام تو میرا ہی تجویز کردہ ہے۔

پیدا ہو کر میں نے ماں کا دودھ بہت کم پیا، ۱۷ ذالحجہ کو پیدا ہوا اسی ہفتہ سنوکر کی بیماری میں مبتلا ہو گیا مجھ سے پہلے میرے بہت سے نوزائیدہ بھائی بہن اسی مرض میں ضائع ہو چکے تھے اس لئے ماں کو شروع ہی سے بڑی فکر تھی اور جب میں بھی اسی موذی مرض میں مبتلا ہو کر روز بروز گرتا ہی گیا

تو بیماری بدحواسی دن بدن بڑھتی گئی۔ مہینہ کی آخری تاریخوں میں میری حالت بہت گرچکی تھی دودھ پینا بالکل بند کردیا تھا اور زندگی کی کوئی امید باقی نہ رہی تھی۔

بٹہ بڑے جذبات کے ساتھ کہا کرتی تھیں کہ مسلسل کئی بچوں کے اس مرض میں گذرجانے اور پھر تمہاری زندگی سے مایوس ہوجانے کی وجہ سے میں سڑن ہوگئی تھی۔ اسی وحشت اور پریشانی میں ۲۹ ذالحجہ کو سرشام میں بیتاب گئی تو داسی بر بالاخانہ کے آنگن میں مجھے اچانک باجوں کی کچھ ہلکی ہلکی آواز سنائی دی۔ یہ چوپال آگئے امام باڑہ میدانپورہ میں بج رہے تھے جو محرم کا چاند ہونے پر ہمیشہ فوراً بجا کرتے ہیں۔ یکایک میری نظر آسمان پر جو پڑی تو مجھے محرم کا چاند نظر آیا۔ بٹہ اس واقعہ کو عجب انداز سے بیان کرکے بے اختیار رونے لگتی تھیں کہ چاند دیکھتے ہی میرے ہاتھ سے لوٹا چھوٹ پڑا اور حضرت امام حسین علیہ السلام کا تصور اور واقعہ کربلا کا منظر میری آنکھوں کے سامنے حقیقت بن کر آگیا میں پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی مجھ پر بیہوشی کا سا عالم طاری تھا اسی حالت میں چاند کی طرف ٹکٹکی لگائے حضرت امام حسین کو جیسے کر وہ میرے سامنے ہی کھڑے ہوں مخاطب کرکے زار و قطار روتے ہوئے میں کہنے لگی کہ آپ کا چاند تو آسمان پر چمک رہا ہے اور ہائے میرا چاند میری گود میں ڈوب رہا ہے آپ اس کو اللہ کے حکم سے زندہ کردیجئے۔ اس التجا کو دو منٹ بھی نہ گذرنے پائے تھے کہ یکایک دایہ نے جو تمہیں گود میں لئے ہوئے کوٹھری میں بیٹھی تمہاری زندگی کی آخری گھڑیاں گن رہی تھی مجھے زرا تیزی سے پکارا تو اس کی گھبرائی ہوئی آواز سن کر میری جان نکل گئی۔ اور میں بدحواس گرتی پڑتی کوٹھری میں پہنچی تو دایہ نے کہا "بھیا کچھ منہ چلاتا ہے ذرا دودھ دیکر تو دیکھو" میں نے جلدی سے تم کو گود میں لیکر دودھ دیا تو تم ایسے ہی غٹ غٹ پینے لگے جیسے تم کبھی بیمار ہی نہ تھے۔ حضرت امام حسینؑ کے اس زندہ معجزے نے بٹہ کو ایسا متاثر کیا کہ میں نے ہوش سنبھال کر کبھی نہیں دیکھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا نام آیا ہو اور ان کی آنکھوں میں آنسو نہ آئے ہوں تعزیہ دیکھا ہو اور بلک بلک کر نہ روئی ہوں اور مرثیہ کی آواز کان میں گئی ہو اور وہ دروازہ پر آنہ گئی ہوں۔

اسی واقعہ کے تحت دوران محرم مجھے مسلسل ، سال طوق پہنائے گئے جس کا یہ طریق تھا کہ ساتویں محرم کو صبح ہی سے میرے لئے گھر میں خاصہ اہتمام ہوتا اور مجھے کچھ عید جیسی مسرت محسوس ہوا کرتی تھی۔ ۸ بجے دن بٹہ نہلا دھلا کر ملے جلے تاثرات کے ساتھ جس میں ہنسنا اور رونا دونوں شامل ہوا کرتا مجھے سبز کرتا پہناتیں بدھیاں ڈالتیں اور بالعموم بدہو یا پھر وزیر خاں ملازم کے ساتھ عید بجا نور باف ساکن محلہ میدانپورہ کے گھر امامؑ کے نام پر بھیک مانگنے بھیجتیں۔ وہاں میرا پیار کے ساتھ استقبال کیا جاتا اور مجھے ایک چاندی کا روپیہ ملا کرتا پھر امام باڑہ میدان پورہ جاتا۔ وہاں مخدومی سید خورشید حسین صاحب قبلہ رئیس و متہتم امام باڑہ مجھے شفقت سے گود میں بٹھا کر کچھ باتیں کرتے اور دو پیسے امام باڑہ کی طرف سے بھیک دیتے۔ اس طرح ، سال میں ، طوق ہوگئے جو آخری سال بڑھائے گئے۔ اور والد مرحوم نے ان طوقوں کی قیمت میں کافی روپیے ڈال کر مجھے اچھی طرح یاد ہے جلیبیاں منگوا کر بانٹیں۔ یاد کا سبب ایک یہ بھی ہے کہ اس روز میرے سامنے جلیبیوں کے خوان بھرے رکھے تھے اور مجھے پوری آزادی دی گئی تھی کہ جس قدر چاہو کھاؤ اور جتنی چاہو اپنے ہاتھ سے بانٹو۔

اب میری گردن میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی غلامی کا طوق پڑچکا تھا اور سید الشہدا کے نام پر بھیک مانگنے سے میری زندگی کی ابتدا ہوچکی تھی عمر جوں جوں بڑھتی گئی غلامی کا طوق گلے کا ہار بنتا گیا اور نواسہ رسول کی گداگری کا شرف ذریعہ عزو وقار ہوتا گیا یہاں تک کہ ساری زندگی بفضلہ تعالیٰ نہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کا موقع ملا اور نہ کبھی کسی کے سامنے مجھے سر جھکانے کی نوبت آئی۔ البتہ محض عشق رسول کے تحت اپنے آقا سے عقیدت اور محبت اور دلی تعلق کچھ اس انداز سے بڑھتا گیا کہ جب کبھی کوئی اطمینان کا موقع نصیب ہوتا تو وہ چپکے سے یاد حسین میں ضرور گذرتا اور وہ لذت پاتا جس کو میرا دل جانتا ہے یا پھر میرا خدا۔

زندگی کے اس دور سے خدا کا لاکھوں احسان ہے میں بڑے اطمینان کے ساتھ گذرچکا ہوں جو مجھے دنیا میں دنیاوی لذات و لوازمات کے ساتھ بسر کرنا تھا۔ اب حقیقی منزل سامنے ہے اس لئے محبت اہلبیت کا ایک اعجازی کرشمہ جو خود مجھ پر گذرا ہے قبر میں ساتھ لیجانے کے بجائے

تم عزیزوں کو بتلائے جاتا ہوں کہ مجھ جیسا سرتاپا گنہگار یقیناً اسی فیضان سے اپنی زندگی میں دو بار حضور نبی کریم صلعم کے دیدار پرانوار سے خواب میں بحمداللہ مشرف ہوا۔ اس کا حال میں اپنی کتاب یاد داشت سے بجنسہٖ یہاں نقل کر رہا ہوں۔ جو آج بھی مجھے ایسا ہی یاد ہے جیسا کہ میں نے ابھی دیکھا ہو۔

"خدائے بزرگ و برتر نے ۹۔۱۰ رجب المرجب ۱۳۷۲ھ مطابق ۴۔۵ اپریل ۱۹۵۳ء کی درمیانی شب میں تقریباً ۴½ بجے جبکہ دنیا میں سپیدئی صبح نمودار ہو چکی تھی اور وہ صبح اس دن کی یعنی شنبہ کی صبح تھی جس دن دنیا میں خدا کے گھر کی بنیاد رکھی گئی تھی، میں عالم رویا میں اپنے آقا و نامدار سردار دو عالم حبیب خدا اشرف الانبیا احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار پرانوار سے اچھی طرح اور بڑے ہی اطمینان سے مشرف ہوا۔ اور بحمداللہ قدمبوسی بھی ہوا۔

میں نے دیکھا کہ ایک میدان میں سرکار دو عالم اپنے ہاتھ سے زمین پر بیٹھے سفید اینٹوں سے جن کی تقریباً موٹائی دو انچ چوڑائی ۴ انچ اور لمبائی ۶ انچ ہے ایک مسجد بنا رہے ہیں جس کی دیوار تقریباً دو فٹ سے کچھ زیادہ اونچی بن چکی ہے میں نے دل میں اس دیوار کو اس خیال سے کہ سرکار دو عالم کے دست مبارک سے بن رہی ہے چومنے کا خیال کیا اور آگے بڑھا لیکن مسجد کے قریب پہونچ کر خود حضور اقدس کے قدموں پر جھک پڑا۔ حضور انور نے اپنا قدم مبارک عین شفقت سے نہیں ہٹایا بلکہ شاید ذرا سا آگے بڑھا دیا۔ پہلے دل نے بیقرار ہو کر حضور کے پیروں پر ماتھا رگڑنے کا مشورہ دیا لیکن پھر دل نے کہا کہ ممکن ہے سرور کائنات اس حرکت سے اپنا پائے مبارک ہٹا لیں ایسا نہیں کیا۔ بلکہ بڑے اطمینان سے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیر مبارک تھام لیا۔ اور اس کے اوپری اٹھے ہوئے حصہ پر بڑے ہی اطمینان اور اشتیاق سے اپنے ہونٹوں کو اچھی طرح رگڑ کر بوسہ دیا آپ خاموش کچھ اس انداز سے بیٹھے رہے جیسے یہ عزت مجھے دانستہ بخشی جا رہی ہے حصول قدم بوسی کے بعد میں نے کچھ عرض کیا جس کے الفاظ تو نہیں یاد رہے۔ البتہ مطلب یہ تھا کہ حضور میں روز قیامت سے ڈرتا ہوں۔ سرکار دو عالم نے درخشندہ پیشانی فرمایا۔ "اچھا وقت آنے دو"۔

اس موقع پر چند وجیہہ بزرگان دین سیاہ عبا و جبا پہنے حضور کے قریب خاموش کھڑے تھے۔

میری زندگی کی بس یہی ابتدا ہے اور اگر سچ پوچھو تو یہی انتہا بھی۔ اس کے درمیان میرے پھیلائے سے کیا ہوتا ہے میری سیاہ کاریوں اور بداعمالیوں کا ایک صحرائے اعظم حائل ہے جس کے گرد و غبار میں میری مایوسیوں کو باران رحمت کا اکثر یہ چمکتا شعر نظر آجایا کرتا ہے۔ اس کو میں بڑی تمناؤں کے ساتھ برابر پڑھتا رہتا ہوں، اور بس اسی کو اپنے ہول دل کا تعویز سمجھتا ہوں۔

کھٹکنے بھی نہ پائی فرد عمل تقصیر ہوئی پہلے ہی بحل
محشر میں مرا رسوا ہونا رحمت کو گوارا ہو نہ سکا

مقامی مولویوں سے گھریلو تعلیم حاصل کر کے میں نے مشن ہائی اسکول ضلع مین پوری جورا سینگو ہائی اسکول کلکتہ گورنمنٹ انٹرمیڈیٹ کالج اٹاوہ اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی اور ۴ ستمبر ۱۹۲۶ء کو گورنمنٹ ڈسٹرکٹ گزٹ علی گڑھ اخبار کا ایڈیٹر اور گزٹ پریس علی گڑھ کا منیجر مقرر ہوا۔ میرے زمانہ ملازمت میں گزٹ فنڈ کے منافع سے تقریباً دو لاکھ روپیہ کلکٹران ضلع علی گڑھ نے مستحق طالب علموں اسکولوں اور ضلع کے مفید اداروں کو بطور امداد مرحمت فرمایا۔ اسی ملازمت کے سلسلہ میں تقریباً ۲۰ سال میرا ضلع کے اچھے اور نامور انگریز کلکٹروں سے سابقہ رہا۔ جنہوں نے میری عزت افزائی زبانی تعریفیں [illegible] زمانہ کبھی سرکاری جلسوں میں اور کبھی نمائش علی گڑھ کے سالانہ

درباروں میں اعتراف کیا ان میں مسٹر پی۔ ڈبلو مارشل۔ ایچ۔ ایس راس۔ ڈبلو۔ ڈبلو فنلے۔ ڈونلڈسن اور سید ابوطالب نقوی آئی سی ایس کا میں عمر بھر مشکور رہوں گا جنھوں نے میری بڑی قدر دانی فرمائی اور مجھے اعزاز بخشا۔

اسی سلسلہ میں ڈاکٹر سید نجم الدین احمد جعفری مچھلی شہری سابق ڈائرکٹر آف انفارمیشن گورنمنٹ آف انڈیا عزامتیاز حسین قزلباش سٹی مجسٹریٹ اور مولوی سلطان حیدر جوش ڈپٹی کلکٹر کے لئے تا بہ زندگی دعا مغفرت کرتا رہوں گا جن کے بار احسان سے میں کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتا۔

ان کے علاوہ اس دور کے کرم فرماؤں میں حافظ شرافت اللہ صاحب، پیرزی مارہروی مولانا طفیل احمد صاحب منگلوری احسن صاحب مارہروی۔ میر ولایت حسین صاحب پروفیسر حمید رضا خاں سید بشیر علی لکچرر شعبہ کیمسٹری ماسٹر سراج الحق منٹو سرکل اسکول سید تجمل حسین لکچرار ٹریننگ کالج پروفیسر ابن حیدر حاجی محمد صالح خاں صاحبزادہ طفیل احمد خاں صاحبزادہ شہزاد احمد خاں مرحومین اور عبد المجید قریشی پرنسپل پروفیسر ایم۔ ایم شریف خان بہادر حبیب اللہ خاں شاہجہاں پوری پروفیسر محمد حبیب ڈاکٹر سید عنایت اللہ شاہ وائس پرنسپل طبیہ کالج۔ پروفیسر حبیب الرحمٰن پرنسپل ٹریننگ کالج پروفیسر سید مجید الدین شعبہ اکنامکس جو اپنے فرائض سے سبکدوش ہو چکے ہیں اور سید بشیر الدین لائبریرین حاجی محمد عبید الرحمٰن خاں شیروانی آنریری ٹریژرر خلیق احمد نظامی ریڈر شعبہ تاریخ ماسٹر عبد الجبار سٹی ہائی اسکول محمد زبیر زبیری اسسٹنٹ لائبریرین سید مسعود الحسن زیدی حاجی منشی مسعود الحسن مراد آبادی ماسٹر جان محمد کیشیر شریعت الرسول اڈیٹر بالیخیالی رام جاپان ہاؤس منشی شمبھو چرن خوشنویس منشی آتمارام فورمین اور سید یاور حسین سپرنٹنڈنٹ ماکیمس وغیرہ وہ مخلص و مہربان اور قدرداں ہستیاں تھیں اور ابھی بفضلہ تعالیٰ کچھ مذکور الصدر موجود ہیں جن کی بے پناہ محبت و عظمت کی بنا پر مجھے علی گڑھ کو اپنا وطن ثانی بنانا پڑا۔ دور حاضرہ کے ناموروں، قابلوں اور کرم فرماؤں کے لئے سر دست بہتر جگہ میرا دل ہے۔

۲۶ اگست ۱۹۳۲ء کو میں نے پروفیسر مہین عبد العزیز سے دو بیگھہ ۸ بسوہ پختہ اراضی نمبر ۳۸۰ متصل شمشاد مارکٹ خرید کر اپنی دو منزلہ کوٹھی موسومہ "بلگرامی منزل" بنائی اور اسی کے متصل تاجپل روڈ بلگرامی روڈ قائم کی۔ ۱۹۳۷ء میں نو بیگھہ پختہ اراضی موضع برولہ جعفر آباد نزد کوٹھی ڈاکٹر سید عنایت اللہ شاہ خرید کر امرودوں کا ایک وسیع باغ لگایا جو میری زوجہ اولیٰ کے نام سے موسوم ہو کر جینا بیگم باغ کہلایا۔ اسی دوران میں اپنے وطن بلگرام میں متعدد باغات لگائے اراضیات خریدیں اور کئی مواضعات کے معقول حصے مول لئے جو باستثنا باغات ۱۹۵۱ء میں قانون اختتام زمینداری کے نذر ہو گئے۔

اب میں عرصہ دراز سے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی گزٹ کی اڈیٹری کے فرائض انجام دے رہا ہوں مجھے یونیورسٹی ایریا میں رہتے ۳۵ سال کا زمانہ گذر چکا ہے میں نے یونیورسٹی کے پہلے وائس چانسلر صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب سے لیکر ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب تک سب ہی کے زمانے دیکھے اور اب کرنل بشیر حسین زیدی صاحب کا دور دیکھ رہا ہوں۔ جو حالات حاضرہ کے تحت قابل ستائش ہے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ان حالات و تغیرات اور ترقیات جن سے یونیورسٹی کے کتب خانے بھرے اور مقامی اخبارات رنگے جا چکے ہیں وہ سب میری آنکھوں کے مشاہدات ہیں۔ یہاں کے رؤسا اور عقلا دیکھے یونیورسٹی کے معرکۃ الآرا جلسے کمیٹیاں اور کمیشن دیکھے مشہور پروفیسر قابل افسران محنتی ملازمان اور بعض معزز وائس چانسلروں کے نورتن دیکھے ان کے عروج دیکھے داغ دیکھے اور بعض کے زوال بھی دیکھے لیکن علی گڑھ میں خالصاً للہ کام کرنے والے مستحقین کو مدد دینے والے بے خوف حق بات کہنے والے اور سچ پوچھو تو خدا سے ڈرنے والے بہت ہی کم دیکھے۔

میری پہلی شادی صفیہ خاتون عرف جینا بیگم بنت شیخ ظہیر الدین صاحب وکیل رامپوری سے ۴ مئی ۱۹۳۰ء کو بمقام بریلی ہوئی جو مسلسل میرے ساتھ علی گڑھ میں رہ کر بسلسلہ تعمیر کوٹھی و خریداری اراضی باغ بہ نظر کفایت تقریباً تارک الدنیا رہیں۔ اور جیسے ہی ان کو ان باروں سے نجات ملی اور ذرا اطمینان کا وقت آیا تو دو ماہ کی طویل علالت کے بعد ۱۵ فروری ۱۹۳۸ء کو عین بوقت مغرب دو بچیاں فاطمہ رضیہ بلگرامی اور منظور فاطمہ عرف زبیدہ کو اپنی یادگار میں چھوڑ کر چل بسیں۔ اور اسی رات اپنے باغ جینا بیگم میں جا کر میرے ہاتھوں ابدی نیند سو گئیں۔ ان کی دائمی مفارقت نے مجھے ہمیشہ کے لئے اس دولت سے محروم کر دیا جس کو اس دنیا میں لطف زندگی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۲۶ / اگست ۱۹۳۹ء کو میں نے نواب محمد اسحٰق صاحب مرحوم آف راجگیر (قنوج) کی چھوٹی صاحبزادی عقیلہ بیگم سے عقد کیا۔ خدا معاف کرے میری زندگی کا یہ بہت ہی بڑا گناہ ہے کہ میں انتہائی کوششوں کے باوجود اس کمسن غریب کو نباہ نہ سکا اور مورخہ ۱۱ / دسمبر ۱۹۴۶ء بمقام اٹاوہ بذریعہ رجسٹری اس رشتہ سے سبکدوش ہو گیا۔ مجھ پر بڑا مواخذہ ہے کہ میں آج تک اپنی اس بچی کو بھی دیکھ نہ سکا جو عقیلہ کے ساتھ رہتی ہے۔ یکم جنوری ۱۹۴۸ء کو میری تیسری نہیں (وہ تو بہنوں اور بھاوجوں نے گڑیا کے ساتھ رچائی تاکہ ہونے والی شادی تین تیرہ نہ ہو اور چوتھی شمار ہو کر بھاگوان بنے) اس حساب سے چوتھی شادی سید محمد زکی صاحب بلگرامی کی بڑی لڑکی قیصر بیگم سے بمقام لکھنؤ ہوئی۔ جو خاندان میں بالخصوص اور یونیورسٹی ایریا میں بالعموم بہت ہر دلعزیز ہیں۔ تقریباً روزانہ ۱۱ بجے دن دفتر جانے کے لئے میری کھونٹی سے اچکن اور ان کا تفریح کے لئے الگنی سے برقعہ ایک ساتھ اترتا ہے اور میری سائیکل اور ان کا رکشا دونوں دروازہ پر بیک وقت کھڑے دکھلائی دیتے ہیں البتہ دلچسپی میں اتنا فرق ضرور ہو جایا کرتا ہے کہ مجھے شام کو گھر آکر چار پینا ہوتی ہے اور انہیں پُر تکلف چار پی کر گھر آنا نصیب ہوتا ہے۔ لاکھوں شکر ہے ان کے ساتھ میری زندگی راحت سے گذر رہی ہے۔ اور میرے دن اس ہولناک گرانی میں موٹا جھوٹا کھا کر اور گاڑھا گزی پہن کر بحمد اللہ بنہایت فارغ البالی اور آرام سے بسر ہو رہے ہیں۔ قیصر بیگم سے ایک لڑکا مصطفےٰ حسن عرف خالد سلمہ ہے اور ۴ بچیاں ریحانہ۔ عذرا۔ رشیدہ۔ اور شاہین اعظم ہیں۔ خالد سلمہ ایف ایس سی ایگریکلچر میں زیر تعلیم ہے طبعاً نیک اور خدمت گذار ہے اخلاق اچھا لیکن پڑھنے کا شوق کم ہے لڑکیوں میں جو سمجھدار ہیں وہ ڈینس کالج پڑھنے جاتی ہیں۔ جو زیادہ چھوٹی ہیں وہ دن بھر دوڑ کر میرا کام کرتیں کپڑے پہناتیں اور حقہ بھر کر سامنے رکھتی ہیں۔ ان میں سب سے چھوٹی شاہین اعظم ہے جس کا تاریخی نام برادر مرحوم قاضی اعظم علی صاحب کے نام پر سال وفات میں رکھا گیا۔ بڑی تیز و چالاک ہے اس لئے وہی آج کل میرے گلے کا ہار ہے۔ میری سب سے بڑی لڑکی فاطمہ رضیہ بلگرامی ہے جو اپنے بلند کردار کی وجہ سے خاندان میں باوقار ہے فی الحال ایم اے پریویس میں زیر تعلیم ہے۔ دوسری بچی منظور فاطمہ عرف رئیسہ سلمہا ہے جو ادیب کا امتحان پاس کر کے امسال انٹرنس کا امتحان دے رہی ہے یہ اپنی ماں مرحومہ کے بہت ہم شکل ہے اس لئے خاندان میں اور بھی زیادہ ہر دلعزیز ہے۔ ان دونوں بچیوں سے مجھے اس کتاب کا مسودہ لکھنے اور نقل کرنے میں برسوں بڑی مدد ملتی رہی ہے۔

یادِ احباب

میرے محبوب ترین احباب جو بچپن سے ایک جان دو قالب رہے جن کی صحبتوں سے مجھے جینے کا لطف تھا سارے جہان کی مسرتوں اور تفریحوں کا ان کی موجودگی میں مزہ تھا۔ صد حیف وہ میری زندگی ہی میں مجھ سے جدا ہو گئے اور مجھے ڈیڑھ سیر کا آٹا ڈھائی چھٹانک کا گھی زہر مار کرنے اور ۲ / رفی تولہ چھالیا کھانے کو دنیا میں انتقاماً چھوڑ گئے۔ اگر انسان موت کو تسخیر نہیں کر سکا تو کیا مضائقہ۔ موت بھی کبھی انسان کے کارناموں کو نابود نہ کر سکی۔ دراصل یہ تو خود موت ہی کی موت ہے کہ وہ ہمارے احباب کو فنا کر کے اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہو سکی۔ بلکہ انہیں تو موت ہی نے حیات جاودانی بخشی اور ان کے کارناموں اور قدروں کو پچھلی زندگی سے کہیں زیادہ اجاگر ہونے کا موقع دیکر ان کی دائمی شہرت و عظمت کا باعث بنی۔

ایسے خوبیوں والے رفیقوں رازداروں اور جگری دوستوں کے حالات لکھنے کے لئے دفتر درکار ہیں جن کو افسوس باوجود تمنا ان کا سوگوار پورا نہ کر سکا لیکن وہ میرے دل سے کبھی محو نہیں ہو سکتے۔ ان کے نام نامی دنیا میں باقی رہیں یا نہ رہیں میرے دل پر ہمیشہ نقش کالحجر رہیں گے۔ اور میرے بعد اس کتاب کی زینت بنیں گے۔

شکوہ ہے رفتگان مقام بعید کا
ایسے گئے کہ خط بھی نہ بھیجا رسید کا

عبد العزیز خاں قنوجی

شہر قنوج کے نامی تاجر اور معزز رئیس بھگو خاں صاحب مرحوم کے سب سے چھوٹے سرخ و سفید اور دبلے پتلے نوجوان بیٹے تھے طبعاً بڑے ہنس مکھ خوش مزاج قول کے دھنی

ذہین و متین تھے۔ برسوں میری دوستی کے باعث مشن ہائی اسکول مین پوری میں پڑھتے اور میرے ساتھ بورڈنگ میں قیام پذیر رہے۔ سیر و شکار میں دونوں ہمیشہ ساتھ رہتے۔ اسکول کے پروگراموں گروپوں اور ڈراموں میں برابر سے شریک ہوتے کھانے پر کبھی ایک بوٹی پر دھینگا مشتی کرتے اور کاہے ایک پیالی چائے کی شکر کے لئے گھنٹوں لڑتے جھگڑتے اور بڑی ہی خوشامد کے بعد مرحوم مجھے بخشا کرتے تھے۔ صد حیف ایسا باوفا اور قدر و محبت کرنے والا جگری دوست ۱۹۳۳ء میں جمعرات کے دن قنوج میں شکار کھیلنے گیا اور سر شام لب دریا خود شکار ہو گیا۔ ایک بچہ اپنی یادگار میں چھوڑا جو ماشاء اللہ اپنے وطن میں ذی عزت اور نیک نام ہے۔

علی حسن خاں کٹھوری

قصبہ کٹھور ضلع میرٹھ کے ایک نامی گھرانے کے چشم و چراغ تھے ان کی ملازمت اور میری ملاقات کی ابتدا ۱۹۱۹ء میں شفاخانہ مویشیان قصبہ بلگرام سے ہوئی جنہوں نے ڈسٹرکٹ لائف اسٹاک افیسر رام پور کے عہدہ سے ۱۹۵۶ء میں پنشن لیکر اپنے وطن کٹھور میں ایک عالیشان محل بنوایا اور وہیں قیام کیا۔ مرحوم عمر بھر سگے بھائیوں سے بڑھ کر مجھ سے محبت کرتے اور میرے تمام اعزہ کو اپنا مثل قریبی عزیز سمجھتے رہے۔ ہمیشہ میرے ناز اٹھاتے میری دل آزاریوں سے محظوظ ہوتے اور مرتے دم تک بلگرام یا علی گڑھ میرے پاس برابر آتے یا پھر انتہائی اصرار سے جہاں وہ ہوتے مجھے بلاتے رہے۔ زندگی بھر جتنی سخت و کرخت بات کہتا وہ اتنا ہی زیادہ خوش ہو کر ہنستا اور جس قدر اس کے نجی اور گھریلو معاملات میں دخل دیتا وہ اسی قدر اپنے دل میں مجھے جگہ دیتا۔

اس کو اعلیٰ نسل کی مرغیاں پالنے کا بیحد شوق تھا۔ جن سے دربے ہمیشہ بھرے اور ان کے حسب نسب کے تذکرے دن رات رہتے۔ میں جب اس کے گھر جاتا تو میرا روز کا معمول بن جاتا کہ علی الصباح اٹھ کر پہلے دربہ سے جو ہاتھ لگ جاتا مرغا نکال کر ذبح کر کے ڈال دیتا۔ پھر سیر کو باہر نکل جاتا۔ اب اس کا یہ معمول ہو گیا تھا کہ جب کبھی میں رات برات اس کے گھر پہونچتا تو میری آواز سنکر فوراً اپنی بیگم کو سوتے سے جگاتا۔ اور کہتا بی بی جلدی اٹھو وہ آگیا ہے۔ فلاں مرغا یا فلاں مرغی دربہ سے نکال کر الگ بند کر دو ورنہ صبح جو اس کے ہاتھ پڑ جائے گی حلال کر کے پھینک دے گا۔

ایک بار جب وہ مراد آباد میں ڈی۔ ایل۔ او تھا میں اچانک وہاں پہونچ گیا اور زیادہ ٹھہر جانے کی وجہ سے اسی کے نئے گرم کپڑے ڈٹے باقاعدہ احباب میں باہر بیٹھا تھا کہ چند ڈومنیاں آکر گانے بجانے اور ناچنے لگیں ڈاکٹر صاحب جھوم جھوم کر داد دینے لگے تو میں نے ان کی اس حرکت پر اپنی ناگواری کا اس طرح بدلہ لیا کہ انہیں کے قیمتی اونی کپڑے ان سے زیادہ جھوم جھوم کر ڈومنیوں کو دینا شروع کر دیئے۔ یہاں تک کہ میرے بدن پر ان کا ایک تہمد باقی رہ گیا۔ اس واقعہ کا آس پاس چرچا ہو گیا اور پھر میں نے نہیں دیکھا کہ کسی مشہور قوال کے گانے پر کم از کم میری موجودگی میں مرحوم کو حال آیا ہو۔ یا پھر کسی معروف طوائف کے ناچ پر ان کے جسم میں جنبش پیدا ہوئی ہو۔

مرحوم ۱۹۵۰ء میں بعارضہ سرطان مبتلا ہو کر ۱۳ جون ۱۹۵۹ء کو اپنے وطن کٹھور میں راہی ملک بقا ہوئے۔ مرحوم نے دو بیوائیں ایک بچی خاتون سلمہا اور ایک بچہ مشکور حسن خاں عرف بجن سلمہ چھوڑا۔ یہ سب میرے بچے ہیں جو آج بھی مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہیں۔

سید ملک افتخار یزداں بانگرموی عرف منشی میاں

آپ ملک سید لطف یزداں مرحوم رئیس بانگرمئو کے بیٹے اور موجود الوقت برادر محترم سید نظر یزداں صاحب کے چھوٹے بھائی تھے۔ آپ کے گھر میں انگریزی تعلیم کا اس وقت چرچا نہ تھا پھر بھی مسلم یونیورسٹی کے ابتدائی دور میں جب پرائیویٹ طلبا چہار طرف سے سمٹ کر علی گڑھ میں چھا جایا کرتے تھے تو ان میں ایک منشی میاں ضرور ہوا کرتے جو کبھی تو پچھلی بار فیل ہونے کی سزا بھگتنے یا پھر اگلے امتحان کی تیاری کرنے کے لئے برہنہ شمشیر ہو کر علی گڑھ آیا کرتے تھے۔

اور مہینوں میرے ساتھ رہ کر جتنا کھاتے نہ تھے اس سے زیادہ روز کی نت نئی شرطوں میں ہار کر مجھے اور میرے احباب کو مٹھائی کھلا جایا کرتے تھے۔ مرحوم صوم وصلوٰۃ کے زیادہ پابند ہونے کی وجہ سے یا پھر کھرے سید ہونے کے باعث قول کے ایسے دھنی تھے کہ جب کبھی بجائے پیسوں کے اٹھک بیٹھک کی شرط ہوتی اور مجوزہ پلان کے مطابق انہیں لازمی طور پر شکست ہو جاتی تو وہ لنگوٹ باندھ کر فوراً تیار ہو جاتے اور پھر گھر کا کوئی بزرگ کتنا ہی منع کرے اور عورتیں خدا کا واسطہ دیکر بھی کیوں نہ روکیں لیکن وہ مجاہد ڈیڑھ دو سو بیٹھکیں شرط کی جب تک پوری نہ کر لیتا دم نہ لیتا تھا۔

اکثر محنت شاقہ کی وجہ سے ان کا پیشاب بند ہو جایا کرتا تو مجھے وہ دوڑ دھوپ کرنا پڑتی اور اکثر ڈاکٹر کو بلانا ہوتا جیسے شرط وہ جیتا ہو اور میں ہارا۔ رفتہ رفتہ گریجویٹ ہو کر وہ ایک اچھے عہدہ پر فائز ہوا۔ اس کی شادی میرے ایک محترم عزیز مولوی عبدالوحید صاحب ساکن تُرسی لاواں کی دختر نیک اختر سے ہوئی۔ وقت جوں جوں گذرتا گیا خلوص ومحبت اور یگانگت دونوں کے دلوں میں بڑھتی گئی یہاں تک کہ وہ رخصت نہ ملنے پر چوری چھپے علی گڑھ آتا اور میں لاکھ جتن کر کے جہاں وہ ہوتا ملنے جایا کرتا تھا۔ سنہ ۱۹۴۲ء میں چند ہفتوں کی علالت کے بعد کانپور میں انتقال کیا اور وہیں سپرد خاک ہوا مرحوم کے کئی بچے ہیں جو سعید و نیک ہیں لکھنؤ میں بہ سلسلہ ملازمت مقیم ہیں۔ اور اپنی ماں کے فرمانبردار ہیں۔

بالکل ایسے ہی رفیق وشفیق بہت سے بلگرامی احباب تھے جو داغ مفارقت دے چکے اور جن کے صدہا عجیب واقعات ہیں۔ ان میں خاص طور سے قابل ذکر سید جعفر حسین علمدار ابن سید جاوید علی رئیس بلگرام سید جعفر حسین نائب تحصیلدار ابن سید رضا حسین ڈپٹی کلکٹر سید ابوالحسن ولد سید حکیم ابوالقاسم صاحب مرحوم ساکنان سید واڑہ سید سدلو میاں ولد سید محمد احمد شیخ منظور احمد ولد شیخ نظیر احمد بہاڑے۔ شیخ عبدالحمید ولد شیخ انگنے سید لطیف احمد ابن سید ضیاء اللہ سید حبیب احمد ابن مولوی سید محمد ابراہیم ساکنان محلہ میدان پورہ بزرگوں میں سید ذلاور علی ڈپٹی کلکٹر ولد سید علی بہادر سید امیر احمد ابن سید حکیم بندہ رضا ساکنان محلہ ملکنٹھ سید بشیر حسین صاحب سفید تعزیہ ساز حسین میاں حسن میاں انبا سید مولوی علی حسین سید فخر الحسن سید مقبول احمد سید وصی احمد سید محمد اسمٰعیل ابن مولوی سید محمد ابراہیم شیخ کلو دری ساز شیخ امان اللہ مرثیہ خواں شیخ لیٰسین درزی ساکنان محلہ میدانپورہ شیخ ڈاکٹر یعقوب علی شیخ نیاز حیدر شیخ مظہر حسین منشی حبیب الرحمٰن حسن خاں کالے خاں احمد خاں دین محمد ٹھیکدار ساکنان محلہ قاضی پورہ کو برابر یاد کرتا رہتا ہوں۔ اور بعد نماز فجر کچھ ایصال ثواب کرکے مرحومین کے لئے روزانہ دعاء مغفرت کو اپنے لئے ذریعہ نجات سمجھتا ہوں۔

وزیر علیخاں ولد علی محمد خاں ساکن قاضی پورہ نے مجھے گودوں کھلایا اور بڑی محبت وشفقت سے پالا مرحوم عمر بھر تلو درزی ساکن محلہ منڈلی کے ساتھ کام کرتے رہے سنہ ۱۹۳۳ء میں اپنا مملوکہ مرکان بحق جامع مسجد بلگرام وقف کر کے لاولد فوت ہو گئے

قاسم خاں ولد گھورے خاں ساکن محلہ قاضی پورہ بڑے باوضع خوددار اور صوم وصلوٰۃ کے بیحد پابند تھے۔ ایک ایسا وقت آیا کہ میں نے ان کی امداد کرنی چاہی لیکن مرحوم الٹی میری خدمت وعظمت کرتے رہے اور کبھی کسی کے شرمندۂ احسان نہ ہوئے۔ لاولد اپنے مسکونہ مکان قاضی پورہ میں انتقال کیا اور اپنے جدی قبرستان واقع گھورے والی بغیا میں دفن ہوئے جن کی میں نے پختہ قبر بنوا دی ہے۔ وقت انتقال ۸ بجے صبح ۲۳ر فروری سنہ ۱۹۶۰ء

مخدوم بخش خیرآباد ضلع سیتاپور کے قدیم باشندے تھے سنہ ۱۹۰۹ء میں مولانا رحمت اللہ شاہ صاحب ساکن گنج مرادآباد کے ملازم ہوئے پھر سنہ ۱۹۱۰ء میں بلگرام آکر میرے دو بڑے بھائیوں کے ساتھ ملازم ہو کر الہ آباد گئے اور عمر بھر گھر میں مثل عزیزوں کے رہے کئی سال کسن ہائی اسکول مین پوری میں ساتھ رہ کر میرا کھانا پکاتے رہے۔ میرے بڑے بھائی قاضی محمد یوسف علی صاحب کے ساتھ

اٹاوہ گئے، برسوں وہاں قیام رہا۔ پھر کلکتہ میں میرے خسر سید محمد زکی بلگرامی کے ساتھ رہے۔ شاعری اور شکار یہی دو شوق تھے جو اُن کا زندگی بھر ساتھ دیتے رہے۔ گانے کے بھی بڑے شوقین تھے اس لئے واحد خاں جفت فروش کے گہرے دوست اور پتو ہوائی گیر کے جو اپنے وقت کے مشہور بلگرامی موسیقار تھے۔ بڑے ہی قدر دان تھے۔ مرحوم عمر بھر متاہل نہیں ہوئے۔ مرض دق میں تقریباً ایک سال مبتلا رہ کر بکو میاں کی کوٹھی میں ۱۹۳۸ء میں انتقال کیا اور ہمارے جدی قبرستان قبر یا میں دفن ہوئے۔ مخدوم شکار کے بڑے ہی شوقین تھے۔ اور بلا لحاظ موسم جب اور جس وقت موقع ملتا بندوق اٹھا کر تنہا شکار کو چل دیا کرتے۔ میدان میں ہرنوں کے چلنے کا رخ دیکھتے اور اسی انداز پر دور کسی جھاڑی میں چھپ کر لیٹے انتظار کرتے رہتے اور گھنٹوں اسی حال میں پڑے رہتے اگر شام تک کوئی ہرن قریب آجاتا تو سدا گولی کا فیر کرتے جو تقریباً ہمیشہ خالی ہی جاتا لیکن گھر رات کو واپس آکر یہی کہتے کہ گولی بالکل ذٹ پڑی صرف بال بھر اونچی ہرن کے کان کے پاس سے نکل گئی پھر صبح کو اٹھ کر دو چار فیر نشانہ پر کرکے گولی کی اونچائی اور نیچائی کا بڑے انہماک سے اندازہ کرتے اور گرمیوں کی بھری دوپہر میں شکار جا کر سخت لو دھوپ میں ہرنوں کو گھیر کر گولی داغتے تو پھر گولی بالکل فٹ ہی پڑتی۔ لیکن بجائے کان کے اس مرتبہ بال بھر نیچی کھر کے پاس سے نکل جاتی جس کے قصے احباب میں گھنٹوں بیان ہوتے رہتے تھے۔

ان کے ساتھیوں میں گھر کے قدیم ملازم بدھو اُن کے بیٹے ہینگا اور داماد نصیر الدین ہوا کرتے تھے۔ اس جٹ میں ایک بار بدھو مرحوم نے جو تقریباً مخروم ہی جیسے نامی شکاری تھے بیشک بلگرامی شکاریوں میں ریکارڈ قائم کر دیا تھا۔ ۱۹۱۶ء میں قاضی یوسف علی صاحب منشی خیرات حسین صاحب ساکن محلہ ملکنٹھ کے ساتھ موضع اٹوہ متصل بالامؤ جنکشن شکار کھیلنے گئے۔ ۱۰، ۱۲ اکھٹے ہوئے میدان میں کھڑے ہرنوں پر بھرنے والی گھر کی بندوق سے سیدھے جا کر بدھو نے کھڑے کھڑے فیر کر دیا تو حیرت ہے چھ ہرن ایک فیر سے جگہ ہی پر ڈھیر ہو گئے۔ بھائی صاحب نے بڑے استعجاب سے پوچھا بدھو وہ کالا ہرن تو بالکل الگ بندوق کی زد سے دور کھڑا تھا حیرت ہے وہ بھی گر گیا۔ بدھو نے بڑی پھرتی سے جواب دیا "نہیں میاں نشانہ جوڑتے وقت ہم نے "اسنے" (یہ مرحوم کا تکیہ کلام تھا) آس اُس کی بھی لے لی تھی۔ برسوں اس حادثہ کا بلگرام اور اٹوہ میں چرچا رہا۔ اور اہل اٹوہ بدھو کو ہمیشہ یاد کرکے ان کی حیرت انگیز نشانہ کی داد دیتے رہے۔

۱۹۱۶ء میں سید نثار حسین مشہور شکاری ساکن گوجری تکیہ بلگرام نے موضع ڈھیرا پور میں بڑی جرأت سے بھرنے والی بندوق سے تنہا ایک بہت بڑا جنگلی شیر مارا۔ اور قیوم میاں و چھنوں میاں ساکن قاضی پورہ نے دموانہ گھاٹ پر موضع مہادیو میں بہت ہی بڑا گھڑیال مارا جس کا فوٹو حاجی حسن عرف اچھے میاں بلگرامی نے کھینچا جو ریکارڈ کی وجہ سے اکثر بلگرامیوں کے پاس موجود ہے۔

زندۂ جاوید

مہاجرین دوستوں میں ابھی ایک صاحب اپنے نیک اسلاف کے فیضان سے ماشاء اللہ بقید حیات ہیں اور میرے ہندوستانی احباب کو ٹھکانے لگا کر پاکستان کی خبر لینے آج کل خیر سے لاہور میں مقیم ہیں اس عمر میں بھی وہ کیا کرتے ہیں، کتنا کھاتے ہیں۔ شام کو انار کلی کے چوک میں کرسی ڈال کر کیوں بیٹھتے ہیں۔ اور روزانہ ۱۲ بجے رات تک کہاں رہتے ہیں۔ یہ ایک پہیلی ہے جسے آپ لاہور میں جس راہ گیر سے راستہ چلتے پوچھیں گے تو وہ آپ کو نیچے سے اوپر تک دیکھ کر فوراً بتلا دے گا کہ وہ قاضی خلیل الدین احمد صاحب کانپور کے خاندانی قاضی اور نامور بزرگ ہیں پہلے الٰہی بخش کمپنی میرٹھ کے منیجر تھے اب یہاں گلاس ورک اور بندوقوں کی ایک بہت بڑی فرم کے مالک ہیں۔ اگر آپ پھٹے حال ہیں تو راہ گیر کے خیال میں آپ خطرے سے پاک ہیں۔ اس لئے وہ آپ کو اخلاقاً گھر تک پہنچا دے گا۔ اور اگر آپ خوش حال نظر آئیں گے تو آپ کے بچوں پر ترس کھائے گا۔ اور چپ چاپ اپنا سیدھا راستہ ناپے گا۔

۱۹۲۶ء میں بہ سلسلہ خریداری بندوق الٰہی بخش کمپنی میرٹھ جانا پڑا وہیں مجھے پہلی بار آپ کی قدمبوسی یا اپنی گرفتاری کا شرف حاصل ہوا پھر آپ کی دوستی ایسی وبال جان بنی کہ ہر مہینہ کرایہ بھاڑا چھوٹے تحفہ تحائف لیکر میرٹھ جانا پڑتا یا پھر علی گڑھ

جلد جلد ایک ناخواندہ خالی ہاتھ آنے والے مہمان کی خاطر و مدارات اور فرمائشات میں مجھے قرضہ میں ڈوب جانا ہوتا۔

ساری زندگی وہ ہمیشہ گلے میں باہیں ڈال کر ہر ملاقات میں مجھ سے یہی پوچھتے رہے کہ یار میرٹھ آؤ گے تو کیا لاؤ گے اور دوست من جب میں علی گڑھ آؤں گا تو وہاں پیارے کیا کھلاؤ گے۔ اسی اطاعت کے تحت ان کی محبت مجھ سے بڑھتی اور مجھے ان کی صورت سے نفرت ہوتی گئی یہاں تک کہ ۱۹۴۸ء میں جب وہ پاکستان چلا تو میں دل میں بہت خوش تھا لیکن جس وقت وہ ہوائی جہاز پر بیٹھنے کو جانے اور مجھے بار بار مڑ مڑ کر حسرت و یاس سے دیکھنے لگا تو محبت کا برا ہو میری نسیں کھنچنے اور دم گھٹنے لگا پھر آنکھوں سے وہ آنسو بہے جن کا سلسلہ آج تک جاری ہے بالآخر میری نفرت انتہائی الفت میں بدل گئی اور اس کی محبت میری غربت کی وجہ سے مغائرت بن گئی۔

جب تک وہ مجھے مالدار سمجھتے رہے بلا مبالغہ سیکڑوں نہیں ہزاروں خطوط بھیج کر مجھے پاکستان بلاتے وہاں کے سبز باغ دکھاتے اور لاٹ گورنر بنوا دینے کا وعدہ فرماتے رہے اب جب سے انہیں میری غربت کا یقین ہو گیا ہے ان کا خط درکنار میرے خط کا دو حرفی جواب مشکل ہی سے آیا کرتا ہے۔ جب میں لکھتا ہوں۔ میاں مردہ پاس پورٹ پھر زندہ ہو گیا ہے میں آ رہا ہوں تو فوراً کبھی ارجنٹ تار بر گا ہے ہوائی جہاز سے ایکسپریس ڈلیوری ملتی جس میں بڑی ہی محبت و پیار سے لکھا ہوتا کہ بھائی کیا بتاؤں دریاؤں نے میرا گھر گھیر لیا ہے پانی پلنگ تک چڑھ چکا ہے۔ گرمی کا وہ عالم ہے کہ لاہور جیکب آباد بن گیا ہے۔ یہاں . . . . تمہاری جان کا خطرہ ہے خدا کے لئے مجھ پر رحم کرو اور ابھی مت آؤ۔ ہاں اگر کوئی آنے والا ہاتھ لگ جائے تو کچھ کیلا تھوڑا گتھا دس بیس گز سیفون کپڑا علی گڑھ کے بسکٹ گجک صابونی لکھنؤ کا خمیرہ دہلی کا سوہن حلوہ اور بلگرام کے تھوڑے آم ضرور بھیج دینا۔ تمہاری بھابی جان جو تم کو بہت یاد کرتی رہتی ہیں اس وقت پاس بیٹھی کہہ رہی ہیں کہ جب تم ان چیزوں کو جو یہاں عنقا ہیں بھیجتے ہو تو بھیا مجھے اتنی ہی خوشی ہوتی ہے جیسے تم خود آ گئے ہو، منتظر بچے تم کو سلام کہتے ہیں اور ہم تمہاری آمد سے زیادہ ان چیزوں کا انتظار کر رہے ہیں۔

افسوس اس دیرینہ یار کی جدائی میں برسیں گذر گئیں اس بے وفا دوست کو بن دیکھے آنکھیں ترس گئیں لیکن نہ وہ بے رحم آتا ہے نہ ظالم مجھے بلاتا ہے اور نہ کوئی خدا ترس پاکستانی ہی مجھ کو بھلا دینے پر اسے غیرت دلاتا ہے۔

اس فضول بکواس کے بعد اگر سچ پوچھئے تو ہندوستان کی عظیم ترین ہستی کو جس قدر کوہ نور کے انتقال کا ملال ہے یقین کیجئے اسی قدر مجھے اپنے خلیل کی ہجرت کا صدمہ ہے دنیا والے یہ سن کر ہنسیں گے لیکن محبت کے سوداگر خوب جانتے ہیں کہ پاکستان اس کا پاسنگ اور ہندوستان اس کا مول ہے۔ اس کا واحد بچہ قاضی جلیل الدین احمد سلمہ جو اپنے باپ سے زیادہ مجھے چاہتا اور عزت کرتا ہے دعا ہے ہمیشہ خوش رہے۔ اس کے ماشاء اللہ ہم بیٹے شکیل الدین احمد عقیل الدین احمد جمیل الدین احمد اور وکیل الدین احمد نہایت پیارے بچے ہیں خلیل صاحب کے برادر اعظم قاضی شریف الحسن صاحب مرحوم ہمہ صفت موصوف بزرگ تھے جو باپ سے زیادہ خلیل سے محبت فرماتے تھے صد افسوس ۱۹۶۷ء میں مرحوم نے لاہور میں انتقال فرمایا

تلچھٹ

بلگرامی دوستوں میں ابھی ہم جیسے ہمارے گنہگار ساتھی بفضلہ موجود ہیں یہ سب کے سب بہت نیک پارسا اور ہم زاہد شریف ہیں آج بھی جب بلگرام میں مل جل کر بیٹھ جاتے ہیں تو اپنی اپنی عاقبت کی بھری بوریوں میں جو کسر باقی رہ گئی ہے وہ ٹھونس ٹھونس کر پوری کیا کرتے ہیں۔ یہ ہمیشہ مجھے بہت یاد کرتے اور میری ملازمت سے سدا بیزار رہتے ہیں اور جب میں وطن جاتا ہوں تو مجھے بڑے شوق سے لینے آتے آدھی رات تک میرے پاس بیٹھتے اور سب سے پہلے میری رخصت کی مدت پوچھتے اور پھر میری واپسی کے دن حسرت و یاس سے گنا کرتے ہیں۔

ان میں زیادہ پیش پیش میرے بچپن کے ساتھی اور میرے گناہوں کے شریک شیخ امیر اللہ عرف منشن ولد شیخ کریم اللہ صاحب مرحوم

مالک دیوان خانہ محلہ میدانپورہ شیخ عبدالمجید ٹھیکہ دار ساکن متصل جامع مسجد اوپر کوٹ شیخ امجد علی عطر فروش مرتضیٰ خاں سابق ممبر بابو صاحب اور سیر عزیزی سید شاہد حسین واسطی سلمہٗ ڈاکٹر معین الدین مارہروی سید خورشید حسین عرف منے خاص طور سے قابل الذکر ہیں ان کے علاوہ مفتی اصغر علی شیخ عزیز اللہ مرثیہ خواں شیخ سخاوت حسین سید محمد طیب سید شاہ طاہر میاں ساکنان محلہ میدان پورہ سید اشفاق حسین وکیل سید اشفاق حسین علمدار سید محمد محسن چودہری علی ضامن منشی حسین مرثیہ خواں سید صمصام علی منشی عبدالرحیم وکیل گر سید شریف الحسن راز ساکنان سید واڑہ سید سردار علی وکیل سید سبط حسن عزادار حسین منشی علی احمد شیخ بشیر نواب خاں ڈاکٹر سری پت سہائے ساکنان ملکنٹھ شیخ سراج الدین حکیم معشوق علی ڈاکٹر سید محمد عارف شیخ الطاف حسین مولوی نصیر شیخ نصر اللہ شیخ فدا حسین شیخ بشیر کلو خاں جیلر میاں جان اور بہت سے بار باش ٹیواریان ساکنان سلہڑ لالہ دیپ نرائن لالہ شیو نندن ڈاکٹر مہیش نرائن بابو سری نرائن کپور ساکنان کھترانہ اور ان کے علاوہ بھی ان جیسے بہت سے ہنس مکھ زندہ دل اور خوش مزاج صاحبان جو اس وقت وطن میں بفضلہٖ موجود ہیں ان میں سے جب کبھی دو چار بھی وطن میں یکجا ہو جاتے ہیں تو پھر بلگرامی مخصوص بولی میں وہ بولیاں بولتے آوازے کستے دور کی کوڑیاں لاتے بات بات پر قہقہے لگاتے اور تھوڑی دیر کو وہ فضا پیدا کر دیتے ہیں جس میں انسان دنیاوی سارے تفکرات بھول کر وہ لطف زندگی محسوس کرتا ہے جو صرف بلگرام ہی کی فضا میں بلگرامیوں کو نصیب ہوا کرتا ہے۔ یا پھر ہو سکتا ہے۔

جو بلگرامی بیچارے وطن سے بے وطن یعنی غریب الوطن ہیں وہ وطن کی ان تفریحوں، صحبتوں اور رمزوں کو یاد کر کے یاد وطن میں خون کے آنسو روتے اور وطن پہونچنے کی تمنا میں جیتے رہتے ہیں۔ ان میں علاوہ ہندوستانی بلگرامیوں کے پاکستانی بلگرامی خاص طور سے قابل الذکر ہیں جو پاکستان کے گوشے گوشے سے برابر خطوط لکھ کر وطن کے حالات دریافت کرتے اور اپنے یاد وطن کے تاثرات سے مطلع کرتے رہتے ہیں۔ ان میں زیادہ ذی مرتبہ یا چار فگر کی تنخواہ پانے والے بلگرامیوں کو چھوڑ کر مسٹر محمد علی قاضی معراج الدین شیخ رحمت اللہ ابن فرحت اللہ ساکن محلہ سلہڑہ جو ریاست حیدرآباد میں ہمیشہ ایک اچھے عہدہ پر فائز رہے ان کے لڑکے شیخ جان محمد جو منسٹری آف کامرس پاکستان کے شعبہ ٹورسٹ بیرو میں ملازم ہیں۔ سید ابوالحسن بیت الحسن حبیب حسین طاہر علی سید سلمان احمد ممتاز حسین جان باز حسین عابد حسین حبیب احمد قاضی صبیح الدین وصی احمد ارتضیٰ حسن ظہیر حسن سید حامد حسن عرف اچھے میاں آقا حسن محمد سلیم ممتاز حسین سید حسن احمد لیپ سید یامین احمد رفیق احمد مسٹر ممتاز ولد عاشق علی اور وہ بلگرامی مہاجرین جن کا کتاب ہذا کے صفحہ ۲۸۲ پر ذکر موجود ہے اور ان کے علاوہ وہ بلگرامی جن کے نام مجھے اس وقت یاد نہیں آرہے ہیں یہ سب کے سب وطن میں پیدا ہوئے بڑھے پلے بلگرام کی رونق شہرت اور عظمت کا باعث بنے اور آج بھی وطن اور اہل وطن کو یاد کرتے ہیں اور پاکستانی قوانین میں بلگرام کی خاطر سب سے زیادہ ویزا اور پاسپورٹ کا قانون نوک زبان رکھتے ہیں، دعا ہے یہ سب ہمیشہ خوش رہیں اپنی ذہانت اور دیانت سے پاکستانیوں میں بلگرامیوں کا نام بلند کریں۔ محرم میں بلگرام آتے رہیں اور وطن کے آم اور امرود کبھی نہ بھولیں۔ ان میں سید معراج عابدی سید علی امام اور قاضی محمد اسلم بھی شامل ہیں

تمت بالخیر

اپنے اللہ جل شانہٗ رسول برحق صلعم اہلبیت اطہار و اصحاب کبار کا لاکھوں لاکھ شکر ادا کرتا ہوں کہ آج ۱۳ اکتوبر ۱۹۶۲ء بروز دوشنبہ قبل نماز فجر تاریخ ہذا کے لکھنے کا کام میں اپنی رہائش گاہ نمبر بنگلہ ۲ یونیورسٹی ایگریکلچر فارم علی گڑھ میں مکمل کر سکا۔ نماز فجر سے پہلے تاروں کی چھاؤں میں دو رکعت شکرانہ ادا کیا اور دیر تک پرنم آنکھوں کے ساتھ اپنے وطن اور تمام اہل وطن کے لئے وہ جہاں بھی ہوں دعائے خیر کرتا اور اپنی ان کوتاہیوں خرابیوں اور خامیوں کی اپنے خدا سے گڑگڑا کر معافی مانگتا رہا جو اس کتاب میں مجھ سے سرزد ہوئیں اور ضرور ہوئی ہوں گی۔

اس کام کو جو بظاہر چند دنوں کا معلوم ہوتا ہے میں نے برسوں گذار کر پورا کیا ہے اس کا حال تو میرا دل جانتا ہے کہ اتنے غیر مطبوعہ نامعلوم وطن کے حالات معلوم کرنے میں مجھے کتنے خطوط لکھنے پڑے کن کن سے کہاں کہاں جا کر ملنا پڑا اور کن مشکلات سے اس مواد کو میں نے برسوں میں فراہم کیا ہے۔ بالخصوص بلگرام کے اہل ہنود کا حال جن سے بلگرام کی تمام سابقہ تاریخیں خالی ہیں اور خود بلگرام کے اہل ہنود صاحبان اپنے بزرگوں کے پورے حالات سے ناواقف ہیں جو تلاش بسیار کے بعد کتاب ہذا میں پہلی بار شائع ہو رہے ہیں۔

اس ادنیٰ خدمت کا صلہ اور اپنی حقیر کاوشوں کا معاوضہ اگر کچھ بلگرامیوں سے چاہتا ہوں تو بس اتنا کہ جب میرے اہل وطن مجھے "یاد احباب" کے باب میں شمار کرنے پر مجبور ہو جائیں تو خشوع اور خضوع کے ساتھ میرے لئے دعاءِ مغفرت کریں کیونکہ مجھے زندگی میں جو بھی اطمینان کا وقت اب تک نصیب ہوا وہ ہمیشہ اسی کام میں لگتا رہا۔ نہ میں اپنے گناہوں کی تلافی کر سکا اور نہ اپنے لئے کوئی سامان آخرت ہی فراہم کر سکا۔ آہ میرا یہ طویل سفر یہ کڑی منزلیں اور پھر میرے سر پر گناہوں کا یہ پہاڑ۔ وہ تاریک راتیں وہ تنہائی وحشت خاک عالم وہ آندھیاری قبر کا سماں وہ سوال و جواب کا منظر اور میں تنہا خالی ہاتھ میری جھولی میں صرف تمہاری کتاب یا پھر خدا کے رحم و کرم کا آسرا۔ بلگرامیو! اس کٹھن منزل پر تم میری مغفرت کے لئے اپنے اللہ سے دعاءِ خیر ضرور کرتے رہنا۔ دیکھو بھول نہ جانا۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا۔

آخر میں اپنی ماں بٹہ مرحومہ کے نام پر اس کتاب کو ختم کرتا ہوں اور اعتراف کرتا ہوں کہ اگر ان کی شفقتوں کی یاد میں اپنے تاثرات پر مشتمل ایک کتاب مرتب کرنے کا میرا قصد اس تاریخ کی ترتیب میں تبدیل نہ ہو جاتا تو یہ خدمت شاید میں عمر بھر انجام نہ دے پاتا۔

سب سے آخر میں اپنی ماں منظور فاطمہ عرف بٹہ کی سگی چھوٹی بہن یعنی میری خالہ اور قاضی محمد احسن صاحب قنوجی کی والدہ محترمہ زبیدہ خاتون صاحبہ کی خدمت میں جو خاندان میں اس وقت سب سے زیادہ بزرگ و برتر ہیں اور حسن اتفاق سے آج میرے گھر میں تشریف فرما ہیں اس مکمل کتاب کو میں بطور خراج عقیدت دست بدست پیش کر رہا ہوں۔

میری بی بی قیصر بیگم نے اس خوشی میں صبح ہی صبح اٹھ کر دیگچہ بھر زردہ پکایا سب کو خوشی خوشی کھلایا بانٹا اور اللہ کی راہ میں بھیجا۔

دعا کا طالب

ننھوں بلگرامی

نوٹ:-

اپنے چپراسی محمد ابراہیم المتخلص بہ "جاہل" صاحب کی خدمات کا معترف ہوں جنہوں نے اس کام کے سلسلہ میں برسوں دوڑ دھوپ کی اور میرا ہاتھ بٹایا۔ میں امریکہ کے یونائیٹڈ انفارمیشن سروس نئی دہلی کا بھی بہت شکر گذار ہوں جس کے آمدہ بلیٹنس کے یکطرفہ خالی صدہا صفحات کو میں نے اس کتاب کا مسودہ لکھنے میں رنگا بگاڑا اور کام میں لایا۔

एक हजार वर्ष की

तारीख़-बिल्ग्राम

One Thousand Years

of

Bilgram

U. P. (India)

409 H. to 1380 H.

By

Kazi Shariful Hasan Bilgrami

Editor M. U. Gazette, Aligarh

Printed by Mr. Zamiruddin Quraishi, M.A., Educational Press, Aligarh
and Cover Printed by Aligarh Muslim University Press, Aligarh
(October 1960)